سوانح و تعلیمات

حضرتِ عارفیؒ

تذکرہ عارف باللہ حضرت ڈاکٹر محمد عبدالحی عارفی صاحبؒ

خلیفہ مجاز

حکیم الامت حضرت مولانا شاہ محمد اشرف علی تھانوی صاحبؒ

مُرتّب

سید ریاض الدین صاحب

اِدارۃ المعارف کراچی ۱۴

سوانح و تعلیمات حضرت عارفی

تذکرہ عارف باللہ حضرت ڈاکٹر محمد عبدالحی عارفی صاحبؒ

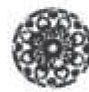
خلیفہ مجاز

حکیم الامت حضرت مولانا شاہ محمد اشرف علی تھانوی صاحبؒ



مُرتّب

سیّد ریاض الدین صاحبؒ



اِدارۃ المعارف کراچی

طبع جدید : ذوالقعدہ ۱۴۲۱ھ فروری ۲۰۰۱ء
مطبع : احمد پرنٹنگ پریس، ناظم آباد کراچی
باہتمام : محمد مشتاق سنّی
ناشر : ادارۃ المعارف کراچی۔ احاطہ دارالعلوم کراچی ۱۴
پوسٹ کوڈ : ۷۵۱۸۰ فون : 5049733-5032020

فہرست عنوانات

مضامین	صفحہ

مضامین	صفحہ

مضامین	صفحہ

حصہ دوم

مضامین	صفحہ

مضامین	صفحہ
حضرت عارفیؒ کے اوراد و ظائف و عبادات نافلہ	۲۲۲
حضرت والا کے معمولات شب	۲۲۸
تشکر	۲۳۳
حضرت مرشدی کا جمعہ کا معمول	۲۳۴
بعد نماز فجر	۲۳۵
بعد نماز ظہر	۲۳۶
بعد نماز عصر	۲۳۶
بعد نماز مغرب	۲۳۷
بعد نماز عشاء	۲۳۷
بعض خصوصیات	۲۳۹
حضرت عارفیؒ سے نماز جنازہ پڑھوانے کا اشتیاق	۲۴۱
حضرت عارفیؒ کی چند امتیازی خصوصیات اور انفرادیت	۲۴۴
سیرت نگاری کا نیا انداز	۲۴۴
انفرادیت کا باطنی پہلو	۲۴۵
حق گوئی و بے باکی	۲۴۸
اپنے شیخ محترم کی تعلیمات و تحقیقات کی اشاعت کا خاص اہتمام	۲۴۹
انعامات الٰہیہ و مبشرات منامیہ	۲۵۱

حصہ سوم

مضامین		صفحہ
مآثر علمیہ	(نظم)	۲۶۱
کلام عارفیؒ		۲۶۲
باب انتقاد	از نیاز فتح پوری	۲۶۸

مضامین		صفحہ

حصۂ چہارم

مضامین		صفحہ
(۸) مطالعہ کی میری ذاتی کتابیں اور ان کی الماریاں		۳۳۶
گلہائے عقیدت	(افسوس کہ ہم سب یتیم ہوگئے)	۳۳۸
بہ نذرانۂ عقیدت جناب برادر صاحب۔ (نظم)		۳۵۰
بروفات حسرت آیات۔	(نظم)	۳۵۲
بہ نذر شیخ طریقت۔	(نظم)	۳۵۳
مجازین		۳۵۴
"عطائے نعمت" برائے مجاز بیعت		۳۵۶
"عطائے نعمت" برائے مجاز صحبت		۳۵۶
تجدید اجازت		۳۵۷
فہرست مجازین		۳۵۷
مجازین بیعت		۳۵۷
مجازین صحبت		۳۵۸
تجدید اجازت		۳۵۹
نوٹ		۳۶۰

حصہ پنجم

تعلیمات حضرت عارفیؒ	(نظم)	۳۶۱
تربیت گاہِ عارفیؒ		۳۶۲
خصوصی مجلس		۳۶۵
تربیت بذریعہ مکاتیب		۳۷۰
مکتوب تسکین (معروف بہ تسکین القلوب)		۳۷۱

مضامین	صفحہ

مضامین	صفحہ

مضامین	صفحہ

مضامین	صفحہ

مضامین	صفحہ

مضامین	صفحہ

مضامین	صفحہ

مضامین	صفحہ

حمد

محو ہوں لطف ناز میں تیرے
گم ہوں راز و نیاز میں تیرے

کتنا عالم فریب عالم ہے
حسن عالم طراز میں تیرے

یہ فسون نظر معاذ اللہ
جلوہ پردہ ساز میں تیرے

چشم نظارہ محو حیرت ہے
حسن نیرنگ ساز میں تیرے

شان تسخیر عالم جاں ہے
التفات مجاز میں تیرے

بے نیازی سی بے نیازی ہے
لطف بندہ نواز میں تیرے

اپنی ہستی مٹا چکا ہوں میں
عشق ہستی نواز میں تیرے

عارفی بھی ہے ایک کشتۂ ناز
عرصہ ترکتاز میں تیرے

عارفی

ہدیۂ سلام

السلام اے راز حسن زندگی

السلام اے ذکر تو روح رواں
السلام اے یاد تو جانان جاں
السلام اے جلوہ نور احد
السلام اے مظہر ذات صمد
السلام اے مایہ راز حیات
السلام اے وجہ خلق کائنات
السلام اے رحمۃ للعالمین
السلام اے ہادی دنیا و دیں
السلام اے عالم امی لقب
السلام اے سید والا نسب
السلام اے پیکر خلق عظیم
السلام اے آیت رب کریم
السلام اے رہبر راہ صفا
السلام اے مجتبیٰ و مصطفیٰ
السلام اے رونق بزم زمیں
السلام اے زینت عرش بریں
السلام اے مونس بیچارگاں
السلام اے دستگیر بیکساں
السلام اے مامن و ماوائے ما
السلام اے والی و مولائے ما
آنکہ در عقلم نہ گنجد شان تست
در گمانم انچہ ناید آن تست
ایں قدر دانم کہ رب ذوالجلال
آفریدت منتہائے ہر کمال
یا رسول اللہ برتو صبح و شام
بیشمار از من درود است و سلام

عارفی

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا وَ مَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَبَارِکْ وَسَلِّمْ تَسْلِیْماً کَثِیْراً کَثِیْراً

انتساب

حضرت عارفیؒ کی رفیقۂ حیات
محترمہ آپا صاحبہ مرحومہ کے نام

اظہارِ ذات

اسم گرامی	:	محمد عبد الحیؒ
وطن	:	اکبر پور ضلع اٹاوہ، یوپی ہندوستان
نسب	:	ددھیال و ننھیال صدیقی
ولادت	:	۸ محرم الحرام ۱۳۱۶ھ۔ جون ۱۸۹۸ء بروز سہ شنبہ
تعلیم	:	قرآن کریم ناظرہ، ابتدائی کتب عربی اور تکمیل فارسی ۱۹۰۵ء
	:	زیر نگرانی جد امجد جناب مولوی کاظم حسین صاحبؒ
	:	میٹرک (S.L.C) کرائسٹ چرچ ہائی اسکول کانپور ۱۹۰۸ء تا ۱۹۱۸ء
	:	ایف اے۔ علیگڑھ ایم اے او کالج ۱۹۲۰ء
	:	بی اے۔ ایم اے او کالج علیگڑھ الہ آباد یونیورسٹی الہ آباد ۱۹۲۴ء
	:	ایل ایل بی۔ کنگ جارج کالج لکھنؤ یونیورسٹی ۱۹۲۶ء
نکاح	:	۲۵ دسمبر ۱۹۲۴ء بروز جمعرات بمقام مراد آباد
اولاد	:	چھ بیٹے جن میں تین صغر سنی میں وفات پاگئے
معاشی مشاغل	:	(۱) وکالت (ہردوئی)۔ جنوری ۱۹۲۶ء تا جولائی ۱۹۳۳ء
	:	(۲) ڈاکٹری (جونپور)۔ جنوری ۱۹۳۵ء تا مئی ۱۹۵۰ء۔
	:	(کراچی) اگست ۱۹۵۰ء تا مارچ ۱۹۸۶ء
تحصیل طریق	:	از حضرت حکیم الامت مولانا محمد اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہ العزیز
	:	بیعت۔ ۲۰/ اگست ۱۹۲۷ء، مجاز صحبت۔ مئی ۱۹۳۵ء
	:	مجاز بیعت۔ جنوری ۱۹۳۶ء
تالیفات	:	دینی گیارہ کتب۔ ہومیو پیتھی اٹھارہ کتب
وفات	:	جمعرات ۱۵/ رجب ۱۴۰۶ھ (۲۷/ مارچ ۱۹۸۶ء) بوقت فجر
	:	بعمر ۹۰ سال ۶ ماہ ۸ دن بلحاظ سن ھجری
	:	۸۸ سال ۲ ماہ ۲۶ دن بلحاظ سن عیسوی
مدفن	:	جامعہ دار العلوم کراچی۔ کورنگی کراچی ۱۴۔ کے قبرستان میں حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے مزار کے سرہانے بائیں جانب مدفون ہیں۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تقریظ

حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی صاحب مدظلہ العالی

الحمدللہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفی

میرے مخدوم و معظم جناب سید ریاض الدین صاحب نے حضرت ڈاکٹر محمد عبدالحیؒ عارفی رحمہ اللہ کی ایک جامع سوانح عمری مرتب فرمائی ہے۔ ان کا اور صاجزادہ گرامی مخدومی جناب حسن عباس صاحب مدظلہ کا اصرار ہے کہ یہ ناکارہ پیش لفظ کے طور پر چند کلمات لکھ دے، ہر چند کہ یہ ناکارہ خامہ و قرطاس سے دوستی میں خاصا بدنام ہے۔ لیکن کئی دن سے کاغذ قلم لے کر بیٹھتا ہوں، مگر کچھ سمجھ میں نہیں آرہا کہ کیا لکھوں اور کیا نہ لکھوں، کہاں سے بات شروع کروں اور کہاں ختم کروں۔ اسی عالم تحیر میں کئی دن گزر گئے، بہت سے مسودے بدلے، کئی عنوان سوچے اور انہیں قلم زد کیا، مگر دل کی بات زبان پر قلم لانے سے قاصر ہی رہا۔ حضرت عارفیؒ کے بقول: ؎

بہت عنوان سوچے اور بہت خاکے بناڈالے

مرتب ہو سکا لیکن نہ درد دل کا افسانہ

شاید یہ بھی نسبت عارفیؒ کا اثر ہے' حضرت والاؒ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ :

''بھئی! ہم پر کبھی کبھی احساس کمتری غالب آجاتا ہے''۔

بہر حال اب چونکہ مزید تاخیر کی مہلت نہیں مل رہی اس لئے الٹا سیدھا جو کچھ بن پڑا پیش خدمت ہے۔

حق تعالیٰ شانہ نے چودھویں صدی میں تجدید واحیائے دین کی خدمت کے لئے حضرت حکیم الامت مجدد الملت مولانا شاہ محمد اشرف علی قدس سرہ العزیز کو کھڑا کیا اور ان کے ذریعہ تجدید دین کا ایسا عظیم الشان کام لیا جس سے گزشتہ صدیوں کے اکابر مجددین امت کی یاد تازہ ہو گئی۔ دین قیم کا کوئی شعبہ ایسا نہیں جس میں اس مجدد ملتؒ نے تجدیدی خدمات انجام نہ دی ہوں۔ دینی علوم (تفسیر وحدیث' فقہ و کلام' عقائد و تصوف) میں سے ہر ایک پر گرانقدر تالیفات فرمائیں' اور ان کے بارے میں دور حاضر کے تمام شبہات کا اصولاً و فروعاً ازالہ فرمایا۔ عقائد وعبادات' اخلاق و معاشرت اور معاملات وسیاسیات کے دائروں میں مسلمانوں کی اجتماعی وانفرادی زندگی میں جس قدر علمی و عملی کوتاہیاں در آئی تھیں' ایک ایک کر کے ان کی نشاندہی فرمائی اور ان کی اصلاح کے لئے نہایت مفید تجاویز وتدابیر مرتب فرمائیں۔ الغرض دور حاضر کا کوئی اہم مسئلہ مشکل ہی سے ایسا ملے گا جس پر آپ نے قلم نہ اٹھایا ہو' اور اسے اپنے مجددانہ اسلوب سے حل نہ فرمایا ہو۔ بالخصوص دین قیم کا ایک اہم ترین شعبہ' جسے احسان و اخلاص اور تصوف و سلوک کے نام سے یاد کیا جاتا ہے' حضرت حکیم الامتؒ نے تحریر وتقریر' وعظ وارشاد اور تعلیم وتربیت کے ذریعہ اسے ایسا نکھار دیا اور اس کے اصول و فروع کو اس قدر صاف اور منقح کر دیا کہ صدیوں تک کے لئے یہ طریق روشن ہو گیا' اور اس کے گرد افراط و تفریط کی جو تاریکیاں ایک مدت سے چھائی ہوئی تھیں'

سب چھٹ گئیں۔ جس کو دیکھ کر کہنے والوں نے کہا' اور بالکل صحیح کہا: ؎

کہیں مدت میں ساقی بھیجتا ہے ایسا مستانہ

بدل دیتا ہے جو بگڑا ہوا دستور میخانہ

مزید یہ کہ حضرت حکیم الامتؒ کی اصلاح و تربیت' فیضان نظر اور صحبت کیمیا اثر کی برکت سے لاکھوں انسانوں نے سلوک الی اللہ کی منزلیں طے کیں اور تعلق مع اللہ کی دولت کبریٰ سے سر فراز ہوئے۔ ان خوش قسمت حضرات میں ایک بڑی جماعت وہ تھی جو نہ صرف خود اقلیم ولایت کے تاجدار ہوئے' بلکہ طالبین و سالکین کی راہنمائی اور ان کی اصلاح و تربیت کی صلاحیت بھی رکھتے تھے' یعنی نہ صرف یہ کہ خود ولی تھے' بلکہ "ولی گر" تھے۔ ایسے حضرات کو حضرت حکیم الامتؒ نے خلافت و اجازت کی سند عطا فرما کر انہیں اصلاح و ارشاد کی مسند پر فائز فرمایا۔

انھیں نفوس قدسیہ کی فہرست میں ہمارے حضرت سیدی و مرشدی و مولائی و وسیلۃ یومی و غدی حضرت اقدس عارف باللہ ڈاکٹر محمد عبدالحیَ عارفی رحمۃ اللہ علیہ کا نام نامی بعنوان جلی درج ہے۔ جن کی سوانح حیات آپ کے ہاتھ میں ہے۔

حضرت عارفیؒ نے حضرت حکیم الامتؒ کی تعلیمات و اصلاحات' ان کے حسن اعتدال و حسن کمال' ان کے شان جمال اور ذوق و مزاج کو ایسا جذب کر لیا تھا کہ اپنے شیخ و مرشد کی سیرت کا مرقع بن گئے تھے۔ حضرت عارفیؒ کا قلب و قالب اور ظاہر و باطن اتباع سنت کے نور سے منور تھا' آپ کے قلب مبارک میں معرفت و محبت الہیہ کا بحر مواج موجزن تھا۔ آپ کی ایک ایک ادا سے محبت ٹپکتی تھی' ایک ایک لفظ سے معرفت کے سوتے ابلتے تھے' فنائیت کا یہ عالم تھا کہ ذرا ذرا سی بات پر تواضع کا پیمانہ چھلک چھلک جاتا تھا' آپ کی صحبت میں ہر شخص کو سکون و اطمینان اور یقین و ایمان کی خنکی میسر آتی تھی' غفلت کا غبار دھلتا ہوا محسوس ہوتا تھا' حق تعالیٰ شانہ کی محبت کا جذبہ ابھرتا تھا' اتباع سنت کا شوق پیدا ہوتا تھا' اور مردہ دل زندگی کی نئی رمق محسوس کرتے تھے۔

یہاں یہ ذکر کر دینا بھی فائدے سے خالی نہ ہوگا کہ اصلاح و تربیت سے آدمی کے فطری جوہر کھلتے ہیں، جس کا جوہر فطرت جس قدر عالی ہو وہ کسی کامل کی صحبت و تربیت سے اپنے جوہر عالی کے بقدر مقامات عالیہ پر فائز ہوتا ہے۔ یہی راز ہے کہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کو ابتدائے فطرت ہی سے عالی جوہر پیدا کیا جاتا ہے۔ چنانچہ حدیث ہرقل میں ہے کہ جب اس نے ابوسفیان بن حرب رضی اللہ عنہ سے آنحضرت ﷺ کے بارے میں سب سے پہلا سوال یہ کیا تھا کہ: "**کیف نسبه فیکم**" (ان صاحب کا نسب کیسا ہے؟) ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے جب بتایا کہ: "**ھو فینا ذو نسب**" (یہ صاحب ہم میں بڑے عالی نسب ہیں) تو ہرقل نے کہا: "**وکذلک الرسل تبعث فی نسب قومھا**" (اسی طرح تمام انبیاء کرام علیہم السلام اپنی قوم میں عالی نسب ہوتے ہیں)۔ (صحیح بخاری ص ۴ ج ۱)

حضرت اقدس مولانا سید محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ اپنے جد امجد شیخ آدم بنوری رحمۃ اللہ علیہ کا قصہ سناتے تھے کہ ایک موقع پر ان کے مرشد عالی مقام حضرت امام مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے ان کو مخاطب کر کے فرمایا۔

"شیخ آدم! آج کل تم پر ایسے علوم و اسرار کا فیضان ہو رہا ہے کہ جن کو سمجھنے والا بھی کوئی باقی نہیں رہا۔"

انہوں نے عرض کیا۔ "حضرت! یہ سب پیر و مرشد کا فیضان نظر ہے"۔

فرمایا۔ "نہیں! بلکہ یہ تمہارے علوئے استعداد کا ثمرہ ہے"۔

عرض کیا۔ "یہ بھی حضرت پیر و مرشد ہی کا فیض ہے"۔

ہمارے حضرت عارفیؒ نسباً صدیقی تھے اور ان کے جوہر فطرت میں ان کے جد امجد سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی شہامت و اولوالعزمی اور علوئے ہمت ودیعت تھی، چنانچہ حضرت عارفیؒ اپنی مجلسوں میں فارسی کا یہ شعر اکثر پڑھا کرتے تھے:-

ہمت بلند دار کہ پیش خدا و خلق
باشد بقدر ہمت تو اعتبار تو

یہ فطری بلند ہمتی و اولوالعزمی، جو حضرت عارفیؒ کے جوہر فطرت میں "صدیقی وراثت" کے طور پر ودیعت رکھی گئی تھی، جب اپنے دور کے قطب الارشاد مرشد تھانویؒ کی آغوش تربیت میں آئی تو سراپا محبت میں ڈھل گئی اور حضرت عارفیؒ کو صدیقی وراثت نے مقامات عالیہ پر فائز کر دیا۔ حضرت عارفیؒ اپنے مرشد تھانویؒ کے اس فیضان نظر کے ہمیشہ ممنون احسان رہے۔ کبھی اس کا اظہار یوں فرماتے:۔

کھلا کرتا ہے اس پر میکدہ میں راز مے نوشی
نگاہ مست ساقی سے جو دل سرشار ہو جائے

بہار حسن کو یوں جذب کرلوں دیدہ و دل میں
محبت میں مرا ذوق نظر معیار ہو جائے

میری آنکھوں میں چشم مست ساقی کا وہ عالم ہے
نظر بھر کر جسے بھی دیکھ لوں مے خوار ہو جائے

اور کبھی یوں گویا ہوتے۔

چشم مست ناز ساقی کے پرستاروں سے پوچھ
تشنگی ہوتی ہے کیسی میکشی ہوتی ہے کیا

میں نے ساری عمر کی ہے خدمت پیر مغاں
مجھ سے پوچھو مے کدہ کی زندگی ہوتی ہے کیا

مولانا فضل حق خیر آبادی اپنے دور کے معقولات کے امام تھے، انہوں نے اپنے بارے میں کہا تھا کہ:

رانڈ ہو جائیں گے قانون وشفا میرے بعد

مرزا غالب نے "میرے بعد" پر ایک پوری نظم ہی کہہ ڈالی، جس کا ایک شعر یہ ہے:۔

کون ہوتا ہے حریف مے مرد افگن عشق
ہے مکرر لب ساقی میں صلا میرے بعد

حضرت عارفیؒ کو جو دولت مرشد تھانویؒ کی بارگاہ عالی سے میسر آئی تھی اس کا بے ساختہ اظہار کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

محفل سوز و گداز غم کو گرمائے گا کون
اہل دل کو اپنے درد دل سے تڑپائے گا کون
موجزن ہے کس کے دل میں آتش سیال غم
مستی خون جگر آنکھوں سے برسائے گا کون
کس پہ طاری ہے جنون عشق کی وارفتگی
یوں زباں پر والہانہ راز دل لائے گا کون
عارفیؒ میرا ہی دل ہے محرم ناز و نیاز
بعد میرے راز حسن و عشق سمجھائے گا کون

حق تعالیٰ شانہ ہمارے محترم جناب سید ریاض الدین صاحب زید فضلہ کو بہترین جزائے خیر عطا فرمائیں کہ انہوں نے پیش نظر کتاب میں ہمارے حضرت عارفیؒ کی سیرت و سوانح کا ایک حسین مرقع مرتب فرما کر حضرت عارفیؒ کی صحبت کا بدل مہیا فرمادیا ہے۔ کتاب کی زیارت تو طباعت کے بعد ہی ہو سکے گی، تاہم فہرست پر اجمالی نظر ڈالنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ کتاب حضرتؒ کی حیات طیبہ کے قریباً تمام گوشوں پر محیط ہے۔ اس میں حضرتؒ کے خاندانی حالات بھی ہیں، آپ کے اخلاق و عادات، اوصاف و کمالات اور امتیازی خصوصیات بھی، اور آپ کی تعلیمات اور طریق اصلاح و ارشاد بھی، آپ کے مواعظ حسنہ اور ملفوظات و افادات کی تلخیص بھی۔ حق تعالیٰ شانہ اپنی رحمت

سے اس کو شرف قبول نصیب فرمائیں اور امت مسلمہ کو عموماً اور حضرتؒ کے متوسلین کو خصوصاً اس سے زیادہ سے زیادہ استفادہ کی توفیق نصیب فرمائیں اور حضرت والاؒ کے ساتھ آپ کے متعلقین کو رحمت و رضوان کے مقامات عالیہ نصیب فرمائیں۔

وآخر دعوانا ان الحمدللہ رب العالمین، وصلی اللہ تعالی علی خیر خلقه سیدنا محمدالنبی الامی و علی آله و اصحابه واتباعه اجمعین الی یوم الدین.

محمد یوسف لدھیانوی

ادنی غلامے بارگاہ عارفیؒ

۱۴۱۵/۵/۲ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تقریظ

حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہ العالی

الحمدللہ و کفی و سلام علی عبادہ الذین اصطفی

حکیم الامت مجدد ملت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہ کے فیض تربیت نے اپنے خلفاء کی صورت میں سیرت و کردار کے جو گلشن مہکائے ان میں سے ہر ایک اپنی جگہ آفتاب و ماہتاب کی حیثیت رکھتا ہے، جس نے اپنے اپنے دائرے میں رشد و ہدایت کا نور پھیلایا اور اصلاح و ارشاد کی خدمات سے ایک عالم کو سیراب کیا۔

احقر کے شیخ و مربی سیدی و سندی عارف باللہ حضرت ڈاکٹر محمد عبدالحیؒ صاحب عارفی قدس سرہ بھی حضرت حکیم الامت قدس سرہ کے ان خلفاء میں سے ہیں جو اپنے شیخ کی طویل صحبت سے فیض یاب ہوئے اور جنہوں نے حضرت کے مزاج و مذاق کو جذب کر کے ان کے سلسلہ ارشاد و اصلاح کو حضرت کے بعد بھی جاری رکھا بلکہ اس آخری دور میں تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالی نے سیدی وسندی حضرت عارفی قدس سرہ کو اصلاح خلق کے کام کے لئے گویا چن لیا تھا۔ حضرت نے اپنے شیخ کے انداز و

ادا کو جس طرح اپنے اندر سمویا تھا اس کے پیش نظر میرے والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب قدس سرہ آپ کو دیکھ کر بعض اوقات یہ شعر پڑھا کرتے تھے۔

مجھے دیکھ آئینہ یار ہوں میں
جلا کردہ دست دلدار ہوں میں

اور کبھی اصغر گونڈوی مرحوم کا یہ شعر

خط ساغر میں راز حق و باطل دیکھنے والے
ابھی کچھ لوگ ہیں ساقی کی محفل دیکھنے والے

اسی کا نتیجہ تھا کہ حضرت والا (حضرت ڈاکٹر صاحب قدس سرہ) کا فیض اس آخری دور میں دور دور تک پھیلا، آپ کی بابرکت مجلس نے سینکڑوں زندگیوں میں انقلاب پیدا کیا، نہ جانے کتنے بھٹکے ہوئے لوگوں نے آپ کے فیض نظر سے سکون و عافیت کی منزل حاصل کی، کتنوں کے دل کی دنیا بدل گئی، کتنوں نے جینے کا سلیقہ سیکھا اور کتنے بے شمار لوگ رضائے خدا کے مطابق گزرنے والی زندگی کے لطف سے آشنا ہوئے۔ حضرت کی اصلاح کا خاص انداز یہ تھا کہ انسان کو پر مشقت مجاہدوں اور ریاضتوں کے خوف سے نکال کر اس کے دل میں امید کی شمع روشن فرماتے اور چھوٹے چھوٹے چٹکلوں میں اس کا زاویۂ نگاہ بدل کر اسے کہیں سے کہیں پہنچا دیتے۔

حضرت کی وفات کے بعد ضرورت تھی کہ آپ کی سوانح حیات تفصیل کے ساتھ مرتب کی جائے کیونکہ ان بزرگوں کی سوانح محض تاریخی واقعات کا مجموعہ نہیں ہوتی بلکہ آنے والوں کے لئے ایک مستقل سبق کی حیثیت رکھتی ہے اور اس میں رشد و ہدایت کا بڑا سامان ہوتا ہے۔

حضرت کی سوانح کی تمہید کے طور پر دارالعلوم کراچی کے ماہنامہ البلاغ نے (جو احقر کے زیر ادارت شائع ہوتا ہے) ایک خصوصی اشاعت "حضرت عارفی" نمبر" کے

نام سے شائع کی جس میں حضرت کے حالات زندگی پر مشتمل بہت سے مضامین لکھے گئے۔ احقر نے بھی حضرت کے مزاج ومذاق اور افادات پر مشتمل دو مضمون لکھے۔ (جو اب مآثر حضرت عارفیؒ کے نام سے الگ کتابی صورت میں شائع ہو رہے ہیں۔) لیکن ظاہر ہے کہ یہ محض ایک تمہید تھی اور مستقل سوانح کی ضرورت ابھی باقی تھی۔

اللہ تعالیٰ جزائے خیر عطا فرمائے ہمارے برادر مکرم جناب سید ریاض الدین صاحب کو کہ انہوں نے اس ضرورت کی تکمیل کا بیڑا اٹھایا اور کئی سال متواتر اس کی ترتیب و تالیف میں بڑی محبت اور عقیدت کے ساتھ مشغول رہے۔ اس کے لئے انہوں نے معلومات حاصل کرنے اور مواد جمع کرنے میں بڑی عرق ریزی سے کام لیا۔ یہاں تک کہ حضرت والا کی مکمل سوانح پر مشتمل یہ کتاب اب تیار ہو کر پریس جا رہی ہے۔

جیسا کہ ضرورت تھی فاضل مولف نے اس سوانح کو محض ایک تاریخی دستاویز کے طور پر مرتب نہیں کیا بلکہ حضرت کے مستند حالات زندگی کے ساتھ ساتھ حضرت کے مذاق زندگی، حضرت کے افادات اور حضرت کی ان خصوصی تعلیمات کو خاص طور پر اجاگر کیا ہے جو ہر قاری کے لئے نصیحت و موعظت کا انتہائی قیمتی سرمایہ ہیں جس کا معمولی سا اندازہ صرف فہرست مضامین پڑھ کر بھی کیا جا سکتا ہے۔

احقر اپنی گوناگوں مصروفیات کی وجہ سے، خواہش کے باوجود مسودے کو پورا تو نہیں دیکھ سکا، لیکن کتاب کے ایک بڑے حصے سے احقر نے استفادہ کیا ہے اور اس کی ترتیب و تہذیب میں فاضل مولف کو بعض مشورے بھی پیش کئے ہیں۔ الحمد للہ بحیثیت مجموعی احقر کو اطمینان ہے کہ اس کتاب نے حضرت والا کی سوانح کی ضرورت کو پورا کر دیا ہے اور اس طرح فاضل مولف ہم سب کی طرف سے شکریہ کے مستحق ہیں۔ خاص طور پر حضرت والاؒ کے ہم جیسے خدام ان کے بطور خاص ممنون ہیں جن کی طرف سے انہوں نے یہ فرض کفایہ ادا فرمایا۔ اللہ تعالیٰ یہ سعادت ان کے حق میں مبارک فرمائیں، اس کتاب کو ان کے لئے ذخیرہ آخرت بنائیں، قارئین کو اس سے دنیا و آخرت میں فائدہ

پہنچائیں اور یہ حضرت والا کی تعلیمات و افادات کی زیادہ سے زیادہ اشاعت کا بہترین ذریعہ ثابت ہو۔ آمین

آخر میں یہ بھی گزارش ہے کہ کوئی بشری کوشش خامیوں سے خالی نہیں ہوتی۔ اگر کسی صاحب کو کتاب میں کوئی بات قابل اصلاح نظر آئے تو الحمدللہ فاضل مولف اپنے اخلاص اور حسن نیت کی وجہ سے بہتری کے ہر مشورے کا خیر مقدم کرنے کے لئے تیار ہیں۔ وللہ الحمد اولا و آخرا

احقر
محمد تقی عثمانی عفی عنہ
دارالعلوم کراچی نمبر ۱۴

۱۰ ربیع الثانی ۱۴۱۵ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیش لفظ برائے اشاعت ثانی

الحمدلله و کفی وسلام علی عباده الذین اصطفیٰ

الحمد للہ کہ "عارف باللہ حضرت ڈاکٹر محمد عبدالحیؒ عارفیؒ: سوانح حیات و تعلیمات" کی اشاعت اول کچھ ہی عرصہ میں مقبول عام ہوئی۔ حضرت عارفیؒ کے محبین اور معتقدین نے اس سوانح حیات کی اشاعت سے قبل ہی پیشگی ادائیگی کے ساتھ خریداری کی اور نہ صرف خود مطالعہ کر کے مستفید ہوئے بلکہ اپنے دوست واحباب میں بھی تقسیم کیا۔ اخبارات اور رسائل میں اس کتاب پر تبصرے بھی ہوئے۔ پاکستان کے علاوہ دوسرے ممالک میں بھی اس کتاب کو ارسال کیا گیا۔ ایک مختصر سی مدت میں اس کتاب کی اچھی خاصی تعداد فروخت ہو گئی۔ اَللّٰھُمَّ لَکَ الْحَمْدُ وَلَکَ الشُّکْرُ.

بقول ایک کرم فرما کہ جب تک کوئی کتاب چھپی رہے گی تو معلوم نہیں ہو گا کہ اس کتاب میں کیا خوبیاں ہیں اور کیا خامیاں۔ جب وہ کتاب چھپ کر آجائیگی تو اس کی خوبیاں اور خامیاں منظر عام پر آجائیں گیں۔ احقر کے استاد محترم ڈاکٹر حمید فاروقی صاحب مرحوم نے آج سے تیس (۳۰) سال قبل فرمایا "سید ریاض الدین جب کوئی کتاب تالیف کرو تو اس کی پروف ریڈنگ خود نہ کرو کیونکہ میں نے ایسا کیا تو کتاب میں بہت سی غلطیاں رہ گئیں" اس تنبیہ پر بھی احقر نے عمل نہیں کیا۔ نتیجہ ظاہر ہے۔

حضرت عارفیؒ کے قریبی رشتہ دار محترم سید زاہد رضا صاحب نے ناقدانہ نظر

ڈال کر اس کتاب میں اغلاط کے علاوہ کچھ غیر ضروری مواد کو حذف کرنے، کچھ میں تبدیلی کرنے اور کچھ کا اضافہ کرنے کا قیمتی مشورہ دیا۔ حضرت عارفیؒ کے مجاز صحبت حضرت مظفر احمد اشرف صاحب نے کتاب کا غائر مطالعہ فرما کر اپنے قیمتی رائے سے مطلع فرمایا۔ ان حضرات کے علاوہ ڈاکٹر تنزیل الرحمٰن صاحب، محترم راحت ہاشمی صاحب اور حضرت عارفیؒ کے دیگر محبین، منتسبین وغیرہ نے اپنی قیمتی مشوروں سے نوازا۔

اس سوانح حیات میں اغلاط کی نشاندہی، تجاویز اور مشوروں کی روشنی میں یہ مناسب سمجھا گیا کہ اس کتاب کو نظر ثانی کر کے دوبارہ مرتب کیا جائے۔ اس تناظر میں حضرت مظفر احمد اشرف صاحب، حضرت زاہد رضا صاحب، محترم حسن عباس صاحب اور احقر نے اپنی کئی نشستوں میں اس کتاب کو حرفاً حرفاً پڑھ کر اغلاط کی تصحیحات کیں، غیر ضروری مواد کو حذف کیا، پیش لفظ کو دوبارہ تحریر کیا گیا، تربیت گاہ عارفیؒ کے کچھ حصہ کو حذف کر کے "حضرت عارفیؒ کا انداز تعلیم و تربیت" کے زیر عنوان حضرت مظفر احمد اشرف صاحب کا مقالہ شامل کیا گیا، کچھ ابواب کے عنوانات تبدیل کیے گئے اور ان ابواب کو دوبارہ مرتب کیا گیا۔ حصہ پنجم یعنی آخری ایام (سفر آخرت)، وصایا، نصائح و ترکہ، 'گلہائے عقیدت' اور مجازین' کو حصہ سوم کے بعد رکھا گیا کیونکہ یہ حصہ سوانح حیات ہی سے متعلق ہے۔ چونکہ حصہ چہارم "تعلیمات" (تعلیمات حضرت عارفیؒ) اس کتاب کے نصف سے زائد حصہ پر مشتمل ہے جو بڑی اہمیت کا حامل ہے اس لیے اس کو آخر میں رکھا گیا۔

اس طرح اس کتاب کو دو حصوں میں تقسیم کیا گیا یعنی "سوانح حیات حضرت عارفیؒ" اور "تعلیمات حضرت عارفیؒ"

یہ سوانح حیات جمادی الاولی ۱۴۱۵ھ میں شائع ہو چکی تھی۔ اس کتاب کا ایک باب "صد پند عارفیؒ" ماہنامہ بینات میں کسی تغیر کے ساتھ ذوالحجہ ۱۴۱۵ھ تا رجب

المرجب ۱۴۱۶ھ میں آٹھ اقساط میں شائع کر دیا گیا اور اس کا تذکرہ بھی نہیں کیا گیا کہ یہ "صد پند عارفی" "عارف باللہ حضرت ڈاکٹر عبدالحیٔ عارفی: سوانح حیات و تعلیمات" سے لیا گیا ہے جس کی اشاعت جمادی الاولی ۱۴۱۵ھ میں ہو چکی ہے۔ چونکہ یہ تذکرہ نہیں کیا گیا اس لیے یہ غلط فہمی پیدا ہوئی کہ یہ "صد پند عارفی" ماہنامہ بینات کے مرتب کردہ ہیں جو سراسر غلط ہے۔ اسی بنیاد پر مولانا منظور الحسینی صاحب نے اپنی مرتب کردہ کتاب "ملفوظات عارفی" میں تحریر فرمایا کہ "بینات" کراچی میں شایع شدہ صد پند عارفی والے مضمون کو بھی نئے عنوانات کے ساتھ شامل کیا گیا۔" (صفحہ ۴، ۵) احقر حضرت عارفی کی سوانح حیات و تعلیمات کی اشاعت سے قبل امریکہ چلا گیا تھا اس لیے احقر کے علم میں یہ بات نہیں تھی کہ یہ "صد پند عارفی" بغیر کسی حوالے یا تذکرہ کے ماہنامہ بینات میں کسی قدر تغیر کے ساتھ شایع ہو چکے ہیں۔

غلطیوں اور خامیوں کا احتمال ہر وقت ہو سکتا ہے۔ کوشش بسیار کے باوجود اس سوانح حیات و تعلیمات کی اشاعت ثانی میں بھی غلطیاں اور خامیاں ہو سکتی ہیں۔ احقر ان تمام حضرات کا بے حد ممنون و مشکور ہو گا جو اغلاط وغیرہ کی نشاندہی کریں گے انشاء اللہ تعالیٰ آئندہ ان کو دور کرنے کی کوشش کی جائے گی۔

احقر مذکورہ بالا حضرات کا جنہوں نے اس اشاعت کی ترتیب و تدوین میں اعانت کی اور جنہوں نے اس کتاب کی اشاعت میں دامے 'درمے' سخنے اور قدمے اعانت کی نیز جنہوں نے اپنے قیمتی مشوروں سے نوازا ان سب کا تہہ دل سے مشکور و ممنون ہے اور دعا گو ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت واسعہ سے ان تمام حضرات کو احسن اجر عظیم عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین۔ اللہ تعالیٰ سے احقر ملتجی ہے کہ اللہ تعالیٰ اس اشاعت ثانی کو بھی اشاعت اول کی طرح تمام مسلمانوں کے لیے نافع بنائے اور حضرت عارفی کی تعلیمات کو عام و تام کرے۔ آمین ثم آمین

۱۴/ شوال ۱۴۲۰ھ — احقر العباد

۲۲/ جنوری ۲۰۰۰ء — سید ریاض الدین

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پیش لفظ برائے اشاعت اول

الحمدللہ وکفی وسلام علی عبادہ الذین اصطفی

حضرت ڈاکٹر محمد عبدالحیؒ صدیقی عارفی نوراللہ مرقدہ کی حیات مبارکہ ہی میں آپ کے بعض احباب، مسترشدین اور متعلقین کے قلوب میں یہ داعیہ پیدا ہوا کہ حضرتؒ کی سوانح مرتب کی جائے، چنانچہ حضرتؒ کی خدمت میں ان حضرات نے یہ تجویز اجازت کے لئے پیش کی جس کو آپ نے اپنے شیخ حضرت حکیم الامت قدس سرہ کی اتباع میں قبول فرمایا۔ سوانح کو مرتب کرنے کے لئے حضرت سید علی حماد رضاؒ کی سربراہی میں ایک کمیٹی تشکیل دی گئی اور حضرت حمادؒ نے ۳/ اگست ۱۹۸۴ء مطابق یکم ذیقعدہ ۱۴۰۴ھ کو ایک گشتی مراسلہ حضرت عارفیؒ کے محبین، متوسلین وغیرہ کی خدمت میں ارسال کیا جس میں حضرتؒ کی ذات والا صفات پر اپنے اپنے تاثرات، ارشادات وغیرہ ارسال کرنے کی درخواست کی گئی۔ اس کے بعد حضرت حماد رضاؒ عارضہ قلب میں مبتلا ہوگئے جس کی وجہ سے اس سلسلہ میں کوئی خاص پیش رفت نہ ہو سکی۔

حضرت عارفیؒ کا وصال ۱۶/ رجب ۱۴۰۶ھ مطابق ۲۷/ مارچ ۱۹۸۶ء کو ہوا۔ ''ماہنامہ البلاغ کراچی'' نے بیاد عارف باللہ حضرت ڈاکٹر محمد عبدالحیؒ قدس سرہ ایک خصوصی اشاعت (صفر تا ربیع الثانی ۱۴۰۷ھ) کا اہتمام کیا۔ چونکہ اس اشاعت میں

حضرت عارفیؒ کی زندگی کے مختلف پہلو پر مضامین لکھے گئے تھے اس لئے بعض حضرات کا خیال تھا کہ حضرتؒ کی زندگی کے تمام پہلوؤں کا احاطہ کرتے ہوئے حضرتؒ کی سوانح حیات مرتب کی جائے۔ اس ضرورت کو محسوس کرتے ہوئے حضرت حماد رضاؒ نے حضرت عارفیؒ کے متوسلین وغیرہ کی خدمت میں دوسرا مراسلہ مارچ ۱۹۸۷ء میں ارسال کیا، تاہم خاطر خواہ پیش رفت نہ ہو سکی۔ ۱۹۸۸ء کے آخری سہ ماہی میں حضرت حماد رضاؒ کی طبیعت بہت زیادہ ناساز رہنے لگی اور آخر کار ۲۵ر دسمبر ۱۹۸۸ء کو آپ اس دار فانی سے کوچ کر گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

حضرت حماد رضاؒ کے انتقال کے بعد حضرت عارفیؒ کی سوانح مرتب کرنے کے سلسلے میں اس احقر کی دلچسپی کو محسوس کرتے ہوئے محترم احمد حسین صاحب (جن کا حضرت عارفیؒ سے تعلق ۱۵ سال تک رہا، آپ حضرتؒ سے بیعت بھی تھے اور حضرت حمادؒ کے حکم پر حضرت عارفیؒ کی سوانح حیات کے متعلق مواد جمع کر رہے تھے) نے جو کچھ مواد سوانح کے متعلق جمع کیا تھا اس کو صرف حوالے ہی نہیں کیا بلکہ اس دلچسپی کا تذکرہ حضرتؒ کے بڑے صاحبزادے محترم حسن عباس صاحب سے بھی کر دیا۔ چنانچہ محترم حسن عباس صاحب نے حضرت عارفیؒ کی بیاضیں ان کے مکتوبات بنام حضرت حکیم الامت قدس سرہ حضرت خواجہ عزیز الحسن غوری مجذوب رحمہ اللہ، حضرت عبد الغنی پھولپوری رحمہ اللہ اور حضرت سید سلیمان ندوی رحمہ اللہ کے خطوط بنام حضرت عارفیؒ اور دیگر خطوط کا ذخیرہ اس احقر کے حوالہ کیا جو اس سوانح کے ماخذ بنے۔

حضرت ڈاکٹر حفیظ اللہ صاحب اور حضرت مظفر اشرف صاحب نے اپنے مرتب کردہ حضرت عارفیؒ کے ملفوظات عطا کئے جس میں سے اکثر افادات میں شامل کئے گئے۔ حضرت نصرت علی صدیقیؒ نے ان خطوط کی نقل عنایت فرمائی جو حضرت عارفیؒ نے ان کے نام تحریر فرمایا تھا۔ کیپٹن سراج الحسن صاحب اور سید میر فہیم الدین حسین صاحب نے اپنے غیر مطبوعہ مضامین اور دیگر نگارشات عنایت فرمائیں۔ حضرت کی

حضرت رفعت احمد خان صاحب نے باوجود ضعف و ضعیفی کے سوانح حیات و تعلیمات کے تمام ابواب کا حرفاً حرفاً مطالعہ فرمایا، تصحیح فرمائی اور بہت سے اہم اور مفید مشوروں سے نوازا جس کی وجہ سے اس میں جلا پیدا ہو گئی۔

مذکورہ بالا حضرات کے علاوہ حضرت عارفیؒ کے دیگر دونوں صاحبزادے یعنی ڈاکٹر احسن عباس صاحب اور مستحسن عباس صاحب اور خاندان کے دیگر افراد اور حضرت عارفیؒ کے بہت سے خدام محبین، متوسلین اور منتسبین نے مفید معلومات فراہم کیں۔ میر فہیم الدین حسین صاحب اور کیپٹن سراج الحسن صاحب نے اس کتاب کی پروف ریڈنگ میں بھرپور تعاون فرمایا۔

ان تمام حضرات کا اور جن حضرات نے اس سوانح حیات کے مرتب کرنے میں دامے، درمے، قدمے، سخنے اعانت کی ان سب حضرات کا احقر تہہ دل سے مشکور اور ممنون ہے اور دعا گو ہے کہ اللہ تعالیٰ ان سب کو جزائے خیر اور احسن الجزاء سے نوازے اور ان کے درجات بلند فرمائے۔ آمین ثم آمین۔

ابتدا میں حضرتؒ کی سوانح حیات کو جن ابواب پر مرتب کیا گیا تھا ان میں حضرتؒ کے ذرائع معاش، حضرتؒ کے اسفار، معاصرین سے تعلقات وغیرہ بھی شامل تھے۔ اگر مرتب شدہ تمام ابواب کو اس کتاب میں شامل کیا جاتا تو اس کتاب کی ضخامت دوگنی ہو جاتی۔ کتاب کی ضخامت کے معیار اور اشاعت پر آنے والے اخراجات کو مد نظر رکھتے ہوئے طوعاً و کرہاً کچھ ابواب کو کلیۃً حذف کر دیا گیا یا کچھ ابواب میں سے ایک معتدبہ حصے کو حذف کر کے باقی ماندہ مواد کو متعلقہ ابواب میں شامل کیا گیا۔

احقر ان تمام حضرات جنھوں نے حضرتؒ سے محبت اور خصوصی تعلق کی بناء پر اپنی نگارشات عنایت فرمائیں تھیں، جو اس کتاب میں شامل نہیں کی جا سکیں، مودباً معذرت خواہ ہے۔ جن کی نگارشات اس کتاب میں شامل نہیں کی جا سکیں۔ احقر متوقع ہے کہ انشاء اللہ تعالیٰ ان کی یہ نگارشات حضرتؒ سے متعلق کسی اور کتاب میں شامل کی جائیں گی

نہ حسنش غایتے و سرو نہ سعدی را سخن پایاں

اب یہ سوانح پانچ حصوں پر مشتمل ہے۔ حصہ اول حضرت عارفی ؒ کی سوانح سے متعلق ہے۔اس حصہ میں حضرت کا خاندان بشمول اہلیہ واولاد ' آپ کی نوے سالہ زندگی کا اجمالی جائزہ آپ کے آداب وانداز زندگی وغیرہ ہیں۔

حصہ دوم "تحصیل طریق" کے زیر عنوان حضرت عارفیؒ کا اپنے شیخ حضرت حکیم الامت مولانا محمد اشرف علی تھانوی قدس سرہ سے تعلق 'حضرت حکیم الامتؒ کے مجازین کے ساتھ تعلق ' معمولات اوراد و وظائف 'امتیازی خصوصیات اور انعامات الہیہ و مبشرات منامیہ کے ذیلی عنوانات کے مضامین ہیں۔

حصہ سوم میں تاثر علمیہ کے زیر عنوان آپ کی تالیفات اور آپ کے کلام کا تذکرہ ہے۔

حصہ چہارم میں حضرتؒ کی تعلیمات کے زیر عنوان 'تربیت گاہ عارفیؒ 'انداز تربیت' افادات ' آداب سلوک ' صد پند عارفی رحمۃ اللہ علیہ جیسے ذیلی عنوانات کے تحت حضرتؒ کی منتخب نگارشات اور آپ کے ارشادات کو شامل کیا گیا ہے۔

حصہ پنجم میں حضرتؒ کے آخری ایام و وصایا' نصائح و ترکہ 'گلہائے عقیدت اور مجازین عارفیؒ کی فہرست شامل ہے۔

اس سوانح کے مرتب کرنے میں روز اول ہی سے محترم حسن عباس صاحب اور محترم احمد حسین صاحب نے کماحقہ اعانت کی ہے۔ یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ اس کاوش میں ان دونوں کا بہت بڑا حصہ ہے۔

حضرت عارفیؒ کی اس سوانح حیات و تعلیمات میں حضرت حکیم الامت مجدد ملت مولانا حضرت شاہ محمد اشرف علی تھانوی قدس سرہ العزیز کا بار بار ذکر آیا ہے، اس لئے اختصار کو مد نظر رکھتے ہوئے انہیں صرف حکیم الامت قدس سرہ تحریر کیا گیا ہے۔ اسی طرح حضرت ڈاکٹر محمد عبدالحیؒ صدیقی عارفیؒ کو صرف حضرت عارفیؒ یا حضرت

ڈاکٹر صاحبؒ لکھا گیا ہے۔ نیز البلاغ کراچی ' اشاعت خصوصی بیاد عارف باللہ حضرت مولانا ڈاکٹر محمد عبدالحیؒ صاحب (صفر تا ربیع الثانی ۱۴۰۳ھ) کے حوالے سے مختلف مضامین دیئے گئے ہیں لہذا اس پورے حوالہ کے بجائے صرف البلاغ لکھا گیا ہے۔

حضرت عارفیؒ کی سوانح حیات و تعلیمات ' مرتب کرنا آسان کام نہ تھا۔ نیز احقر کو نہ سوانح حیات لکھنے کا کوئی تجربہ تھا اور نہ ہی وہ اہل قلم اور اہل نظر ہے۔ یہ صرف اللہ تعالیٰ کا کرم اور حضرت عارفیؒ کا فیض اور ان کے متوسلین و منتسبین کی اعانت تھی جس کی وجہ سے یہ سوانح حیات و تعلیمات مرتب ہو سکی۔ حضرتؒ کی سوانح حیات اور ان کی تعلیمات کو یکجا کر کے پیش کرنے کی یہ پہلی کاوش ہے 'اس لئے اس کی ترتیب اور اظہار خیال میں کوتاہیوں اور خامیوں کا رہ جانا بعید از قیاس نہیں۔

چونکہ یہ کتاب کمپیوٹر پر کمپوز ہوئی ہے۔ اس لئے کچھ الفاظ ایسے بھی ہیں جن میں یکسانیت نہیں ہے۔ اگر کسی واقعہ کے بیان میں سہوًا کوئی بات رہ گئی ہو یا کسی صاحب کو کوئی بات قابل اصلاح نظر آئے اور اس کی نشاندہی کی جائے یا کوئی صائب مشورہ دیا جائے تو احقر ان کا مشکور و ممنون ہو گا۔

بہر حال یہ حقیری کوشش آپ کے سامنے ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اس کوشش کو قبول فرمائیں اور حضرتؒ کے محبین، متوسلین 'منتسبین کے لئے خصوصاً اور سب مسلمانوں کے لئے عموماً نافع بنائیں اور جن جن حضرات نے اس کے مرتب کرنے میں اعانت کی ان کی مغفرت کے اسباب پیدا کر دیں۔ آمین ثم آمین۔

۳ر جمادی الاول ۱۴۱۵ھ	یکے از خدام حضرت عارفیؒ
۸ر اکتوبر ۱۹۹۴ء	سید ریاض الدین عفی عنہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مقدمہ

والد ماجد حضرت ڈاکٹر محمد عبدالحیؒ عارفیؒ کی حیات ہی میں ان کے کچھ محبین نے ان سے ان کی سوانح حیات مرتب کرنے کی خواہش ظاہر فرمائی جس کو آپ نے اپنے شیخ حکیم الامت قدس سرہ کی اتباع میں قبول فرمالیا۔ سوانح مرتب کرنے کے لئے ایک کمیٹی بھی تشکیل دی گئی۔ کمیٹی نے ماموں حضرت سید علی حماد رضاؒ کو سوانح مرتب کرنے کے لئے نامزد کیا۔ ۱۹۸۵ء میں آپ نے والد محترم سے خصوصی تعلق رکھنے والے حضرات کو خطوط بھی لکھے۔ بعد ازاں ماموں صاحب عارضہ قلب میں مبتلا ہو گئے اور آپ کا یہ مرض تاحیات جاری رہا جس کی وجہ سے اس طرف بھرپور توجہ نہ دی جا سکی۔

۱۹۸۸ء کے آخری سہ ماہی میں ماموں حماد رضا صاحبؒ کے مکان پر ایک نشست میں حضرت والد صاحبؒ کی سوانح حیات کو مرتب کرنے کے سلسلہ میں کچھ گفتگو ہوئی تو برادرم سید ریاض الدین صاحب جنہوں نے صہبائے سخن' کو دوبارہ مرتب کرنے کے سلسلے میں اپنی خدمات پیش کی تھیں اس سوانح کے سلسلے میں بھی اپنی دلچسپی کا اظہار کیا۔ چونکہ حماد ماموں صاحبؒ ان دنوں بہت علیل تھے اور ان کا انتقال ۲۵ر دسمبر ۱۹۸۸ء کو ہو گیا چنانچہ اس وقت سوانح کے کام کی ابتداء نہ ہو سکی۔

۱۹۸۹ء کی ابتداء میں حضرت والد صاحبؒ کی سوانح حیات مرتب کرنے کے سلسلے میں سید ریاض الدین صاحب کی دلچسپی کا مجھے علم ہوا تو ان کے ایماء پر میں نے حضرت

والد صاحب کی بیاضیں، خطوط اور ان کی دیگر نگارشات ان کے حوالہ کیں۔ انہوں نے والد صاحب کی نگارشات 'البلاغ عارفی' نمبر اور دیگر کتب و رسائل سے استفادہ کرتے ہوئے سوانح حیات مرتب کرنا شروع کی۔

سید ریاض الدین صاحب ۸/ اگست ۱۹۳۰ء مطابق ۱۲/ ربیع الاول ۱۳۴۹ھ بمقام بورنچہ، تعلقہ مدہرہ ضلع ورنگل، حیدر آباد دکن پیدا ہوئے۔ ۱۹۳۸ء میں حصول تعلیم کے لئے بلدہ، حیدر آباد دکن آئے۔ ۱۹۴۷ء میں میٹرک کا امتحان پاس کیا۔ بعد ازاں انٹر سائنس میں داخلہ لیا مگر سقوط حیدر آباد دکن کے بعد نومبر ۱۹۴۸ء میں اکیلے پاکستان چلے آئے اور Accountant General of Pakistan Revenue میں ملازمت اختیار کی۔ ملازمت کے ساتھ انہوں نے ۱۹۵۰ء میں ادیب فاضل کا امتحان دیا، ۱۹۵۱ء میں بحیثیت اردو کالج کے طالب علم کے سندھ یونیورسٹی سے انٹر آرٹس کا امتحان پاس کیا۔ کراچی یونیورسٹی سے ۱۹۵۳ء میں بی اے آنرز معاشیات اور ۱۹۵۶ء میں معاشیات ہی میں ایم اے کا امتحان پاس کیا۔ آپ کی شادی ۱۹۵۷ء میں ہوئی۔ ۱۹۶۲ء میں دوبارہ کراچی یونیورسٹی میں داخلہ لے کر ۱۹۶۴ء میں لائبریری سائنس میں دوسری پوزیشن کے ساتھ ایم اے کیا۔ ۷۳-۱۹۷۲ء میں ٹورنٹو پبلک لائبریری، ٹورنٹو، کینیڈا میں ایک سال کی ٹریننگ حاصل کی۔

آپ نے ۱۹۴۸ء تا ۱۹۶۰ء سرکاری محکموں میں مختلف عہدوں پر ملازمت کرنے کے بعد یکم جولائی ۱۹۶۰ء سے بینک دولت پاکستان، کراچی میں اسسٹنٹ ریسرچ آفیسر، لائبریرین اور چیف لائبریرین کے عہدوں پر فائز رہے اور ۱۴/ جولائی ۱۹۹۲ء سے ملازمت سے سبکدوش ہوگئے۔

ریاض صاحب کو لڑکپن ہی سے مضامین لکھنے کا شوق تھا۔ ۱۹۵۲ء سے آپ کے اقتصادی امور پر مضامین انجمن ترقی اردو کے رسالہ معاشیات میں شائع ہونے لگے۔ بعد ازاں آپ کے مضامین اردو اور انگریزی اخباروں اور رسائل میں شائع ہوتے رہے۔

کتب خانہ سے تعلق ہونے کے بعد کتابداری پر آپ کے متعدد مضامین شائع ہونے لگے۔ نیز ریڈیو پاکستان سے آپ کے مقالے اور اقتصادی جائزے وغیرہ نشر ہوتے رہے۔ آپ کے کچھ مضامین کتابوں میں بھی شامل کیے گئے۔ ادبی' سماجی اور کتابداری کی انجمنوں میں آپ نے بھرپور حصہ لیا اور مختلف اہم عہدوں پر فائز بھی رہے۔ قومی سیمناروں اور کانفرنسوں کے علاوہ بین الاقوامی کانفرنسوں میں بھی آپ نے مقالے پیش کئے۔ اب تک آپ کے ڈیڑھ سو سے زائد مضامین اور مقالے شائع ہو چکے ہیں۔ مقتدرہ قومی زبان کی خواہش پر آپ نے لائبریری سائنس کے ایم اے کے طلباء کے لئے ایک کتاب "درجہ بندی" تالیف کی جو ۱۹۹۳ء میں شائع ہوئی۔

یہ بات قابل ستائش ہے کہ سید ریاض الدین صاحب نے اپنی دفتری اور دیگر مصروفیات 'اندرونی اور بیرونی اسفار اور طبیعت کی ناسازی کے باوجود سوانح مرتب کرنے کی ذمہ داری قبول کی۔ یہ کٹھن کام وہی کر سکتا ہے جس کو صاحب سوانح سے خصوصی تعلق اور محبت ہو۔ ماشاءاللہ یہ خصوصیات برادرم سید ریاض الدین میں موجود ہیں اور اسی عقیدت اور محبت نے آپ سے یہ کام کرالیا۔ یہی محبت اور عقیدت برادرم احمد حسین صاحب میں بھی ہے۔ باوجود دفتری مصروفیات اور گھریلو ذمہ داریوں کے ہمہ تن سید ریاض الدین صاحب کے ساتھ اس سوانح حیات کی تالیف میں مصروف ہو گئے۔ میری دلی خواہش تھی کہ اس سوانح حیات کی تالیف میں بھرپور حصہ لوں مگر گوناگوں مصروفیات اور عدیم الفرصتی کی وجہ سے ان دونوں کا کماحقہ ساتھ نہ دے سکا جس کا مجھے افسوس ہے۔

اس سوانح حیات اور تعلیمات کی تالیف میں قریباً پانچ سال صرف ہوئے اس کے تمام ابواب کو حرفاً حرفاً میں نے پڑھا ہے۔ میرے علاوہ میرے ماموں سید علی زاہد رضا صاحب اور حضرت والد صاحبؒ کے خلفاء اور محبین میں سے حضرت رفعت احمد خان صاحب ' محمد کلیم صاحب ' عشرت علی خان قیصر صاحب ' عاصم ذکی صاحب ' راحت

ہاشمی صاحب، کیپٹن سراج الحسن صاحب، میر فہیم الدین صاحب نے حرفاً حرفاً پڑھا نیز برادرم مولانا تقی عثمانی صاحب گوناگوں مصروفیات کے باوجود اس کے بیشتر حصہ کا مطالعہ کر کے اپنی قیمتی آراء سے سید ریاض الدین صاحب کو آگاہ کرتے رہے۔

کسی بزرگ ہستی کی سوانح حیات مرتب کرنے کا مقصد صرف تاریخی واقعات کا تاریخ وار تذکرہ کرنا ہی نہیں ہوتا ہے بلکہ صاحب سوانح کا شایان شان تعارف اور ان کی تعلیمات کو پیش کرنا ہوتا ہے تاکہ عامۃ المسلمین ان تعلیمات سے استفادہ کرتے ہوئے اپنی اصلاح کر سکیں۔ الحمدللہ یہ سوانح حیات ان مقاصد کا نہایت خوبی سے احاطہ کئے ہوئے ہے۔

میں ان تمام حضرات کا جنہوں نے اس سلسلے میں اعانت فرمائی مشکور و ممنون ہوں۔ ہمارے بزرگ محترم رفعت احمد خان صاحب (جو حضرت حکیم الامتؒ اور ان کے بہت سے خلفاء کے صحبت یافتہ ہیں اور والد صاحبؒ سے دیرینہ خصوصی تعلق رکھتے ہیں) نے باوجود ضعیفی اور علالت کے اس سوانح حیات کا بغور مطالعہ فرمایا اور ضروری اصلاح فرمائی، میں ان کا بے حد شکر گزار ہوں۔ اللہ تعالیٰ سے دعا گو ہوں کہ اللہ تعالیٰ ان تمام احباب کو جنہوں نے اس سوانح کی تالیف میں اعانت فرمائی اجر عظیم عطا فرمائیں۔ آمین ثم آمین۔

احقر
حسن عباس عفی عنہ

۳ر جمادی الاول ۱۴۱۵ھ

تشکر

عارف باللہ حضرت ڈاکٹر محمد عبدالحیؒ عارفیؒ: سوانح حیات و تعلیمات کی اشاعت سے قبل ہی حضرت والد ماجدؒ کے متوسلین، مریدین، منتسبین اور محبین کی جانب سے اس کتاب کی طلب شروع ہو گئی۔ ان میں سے کچھ اصحاب نے پیشگی رقم ادا کر کے کتاب کو محفوظ کروالیا۔ اشاعت کے بعد اس کی طلب میں اضافہ ہوا اور کچھ ہی عرصہ میں اس کتاب کی اچھی خاصی تعداد فروخت ہو گئی۔

اللهم لك الحمد ولك الشكر

احقر نے حضرت والد ماجدؒ کے کچھ متوسلین اور محبین کی خدمت میں اس کتاب کو اس درخواست کے ساتھ پیش کیا کہ اس سوانح حیات میں حسب ضرورت تصحیح و ترمیم فرمادیں اور اپنی قیمتی مشوروں سے نوازیں تاکہ اس کتاب کے دوسرے ایڈیشن میں ضروری تصحیحات کر دی جائیں۔ احقر کی اس درخواست پر ان متوسلین اور محبین نے اپنی آراء سے مطلع فرمایا۔ اختصار کو مد نظر رکھتے ہوئے ان میں سے صرف دو حضرات کی حسب ذیل آراء پیش کی جا رہی ہیں:

(۱) حضرت ڈاکٹر حفیظ اللہ صاحبؒ (مجاز بیعت حضرت مولانا مفتی محمد حسنؒ اور تجدید بیعت حضرت عارفیؒ) نے اپنے خط مورخہ ۲۷؍دسمبر ۱۹۹۶ء میں ارشاد فرمایا: ''سوانح ماشاءاللہ بڑی اچھی مرتب ہوئی ہے۔ ابھی تک کوئی ایسی بات علم میں نہیں آئی کہ تبصرہ یا اصلاح کی ضرورت ہو۔ احقر نہ تو اس فن کا آدمی ہے نہ ایسی صلاحیت رکھتا ہے۔ تاہم

اگر بات ذہن میں آئی تو عرض کر دوں گا۔"

(۲) حضرت کریم الدین صاحب کا قیام جدہ، سعودی عرب میں ہے اور حضرت عارفیؒ کے پرستاروں اور مریدوں میں شامل ہیں۔ آپ کا دین اسلام پر وسیع مطالعہ ہے اور حضرت عارفیؒ کی ساری تالیفات کے علاوہ حضرت حکیم الامتؒ کی اکثر تالیفات کا بھی آپ مطالعہ کر چکے ہیں اور ان دونوں بزرگوں کی تعلیمات پر گہری نظر رکھتے ہیں۔

حضرت والا نے ضعیفی اور صحت کی مسلسل خرابی کے باوجود اس سوانح حیات کا حرفاً حرفاً مطالعہ کرنے کے بعد اس کتاب میں چار سو تیس (۴۳۰) اغلاط کی نشاندہی فرمائی اور اپنے خط مورخہ ۲۲/اپریل ۱۹۹۵ء کے آخر میں تحریر فرمایا "فی الحال ان باتوں کے علاوہ اور کچھ جناب کی نوٹس میں لانے کے لیے یاد نہیں پڑ رہا۔ علاوہ اس کے کہ سید ریاض الدین صاحب مولف سوانح، سوانح نگاری کے امام معلوم ہوتے ہیں۔ احقر نے بزرگوں کی سوانحات میں کوئی بھی اس قدر مکمل سوانح حیات نہیں دیکھی"۔

حضرت والد ماجدؒ کی ایک جامع سوانح حیات مرتب کرنے اور حضرت والا کی زندگی کے ہر پہلو کو اجاگر کرنے کے لیے مختلف ابواب پر مواد جمع کیا گیا جس میں ایک باب "حضرت عارفیؒ کے اسفار" کا بھی تھا۔ اس باب میں ایک مفصل مضمون "حضرت عارفیؒ کا سفر اسلام آباد اور لاہور" مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب دامت برکاتھم صدر دارالعلوم، کراچی کا تھا۔ چونکہ حضرت والا احقر کے والد ماجدؒ کے ساتھ سابق صدر پاکستان شہید جنرل ضیاء الحق کی دعوت پر دو مرتبہ اسلام آباد اور ایک مرتبہ لاہور تشریف لے گئے تھے۔ اس لیے احقر نے ان سے فرمائش کی تھی کہ وہ سفر اسلام آباد اور لاہور کے متعلق کچھ مواد فراہم کریں۔ اس فرمائش پر آپ نے اپنی گوناگوں مصروفیات کے باوجود اپنے تاثرات اور مشاہدات کو بیان فرمایا جس کو ٹیپ ریکارڈر پر محفوظ کر لیا گیا۔ بعد ازاں ان مشاہدات اور تاثرات کو قلم بند کر کے حضرت والا کی خدمت میں پیش کیا گیا۔ آپ نے اس مسودہ کو بغور مطالعہ فرمانے کے بعد

تصحیحات فرمائیں۔ اس مفصل سفر نامے کو چند ناگزیر حالات کی وجہ سے اس سوانح حیات کی اشاعت اول میں شامل نہیں کیا جاسکا۔ جس کا صد افسوس ہے۔ اس سفر نامے کی افادیت کو مد نظر رکھتے ہوئے اس سوانح حیات کی اشاعت ثانی میں اس کو شامل کیا جارہا ہے۔ احقر حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب دامت برکاتہم کا تہہ دل سے مشکور ہے۔ جنہوں نے مختلف امور میں اور حتی المقدور اعانت فرمائی۔

اس سفر نامہ کو سوانح حیات میں شامل کرنے کی غایت یہ ظاہر کرنا نہ تھی کہ صدر پاکستان جنرل ضیاء الحق صاحب حضرت عارفیؒ کے بہت معتقد تھے اور ان سے خصوصی تعلق رکھتے تھے بلکہ یہ بتانا مقصود تھا کہ حضرت والا کس طرح بے باکانہ اور بلا کسی خوف و خطر اور کسی اور رعایت کو ملحوظ خاطر نہ رکھتے ہوئے حق بات کو ہر ایک تک پہنچاتے تھے، چاہے وہ کسی ملک کا صدر ہو یا کوئی عام آدمی، حضرت والا کو نہ کسی قسم کا لالچ تھا اور نہ ہی کسی شہرت کے خواہاں۔ یہی وجہ تھی کہ آپ کی حیات میں ان اسفار کی نہ نشر و اشاعت ہوئی اور نہ ہی اپنی ذات تو کجا کسی خاندان کے فرد یا رشتہ دار اور مریدین، منتسبین، محبین اور متوسلین میں سے کسی کے لئے اس تعلق سے کسی استفادہ کی کوشش کی گئی ہو۔ جس کی نگاہیں ہر وقت اللہ تعالیٰ کی نصرت پر ہو اور جو لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ (زمر:۵۳) اور رجوع الی اللہ کی تعلیم دیتا ہو وہ دنیاوی مفاد کے لئے کسی اور کی مدد کا خواہاں کیسے ہو سکتا ہے۔

ایک وہ زمانہ تھا جب شہنشاہ، بادشاہ اور رؤساء بزرگان دین کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے اور اپنے اپنے امور میں ان سے رہنمائی و رہبری حاصل کرتے تھے اور اس بات کی شہرت نہیں ہوتی تھی بلکہ یہ ایک معمول تھا۔ مگر فی زمانہ جب کبھی کوئی صدر مملکت یا مملکت کے نامور اشخاص بزرگان دین کی خدمت میں حاضری دیتے ہیں تو ان کی شہرت بابانگ دہل ہو جاتی ہے اور انتظامیہ کو ضروری انتظامات کرنا پڑتا ہے جس کی وجہ سے بزرگان دین کے قیام گاہ کے قرب و جوار میں اپنے رہنے والوں کو ایک گونا پریشانی

لاحق ہوتی ہے۔ صدر پاکستان جنرل ضیاء الحق کی خواہش تھی کہ وہ کسی مقررہ وقت پر حضرت والا کی خدمت میں حاضر ہو کر شرف ملاقات حاصل کرے۔ جب ضیاء الحق نے یہ خواہش حضرت والا سے ظاہر کی تو آپ نے سختی سے منع فرمایا اور اصرار پر صرف ٹیلیفون پر رابطہ قائم کرنے کی اجازت مرحمت فرمائی۔

تاریخ شاہد ہے کہ بزرگان دین تبلیغ دین کے لئے مختلف مقامات کا تکلیف دہ سفر بھی اختیار فرمایا کرتے تھے۔ آپ کے شیخ حکیم الامت حضرت اشرف علی تھانویؒ نے بھی طویل اور تکلیف دہ سفر فرمایا اور ریاستوں کے سربراہوں اور رؤساء کو اپنے مواعظ و نصائح کے ذریعہ دینی تعلیم دیتے رہے۔ حضرت عارفیؒ نے اپنے شیخ کی اتباع میں اور جب صدر ضیاء الحق نے اپنے اور اپنے قریبی رشتہ داروں کے عقد نکاح کے سلسلہ میں حکیم الامتؒ کے جید خلفاء کا حوالہ دیا تو آپ نے صدر ضیاء الحق کی درخواست کو قبول فرمایا تاکہ اسی بہانہ ان کو اور ان کے خاندان کے افراد وغیرہ کو دینی تعلیمات سے سرفراز کیا جائے۔ یہ تھی ان اسفار کی غرض و غایت۔ الحمد للہ حضرت والا اس مقصد میں بھی کامیاب رہے۔

احقر دارالعلوم کراچی اور ان حضرات کا جنہوں نے اس سوانح حیات کی اشاعت ثانی میں دامے، درمے اور سخنے استعانت کی بے حد مشکور و ممنون ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دلی دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اشاعت اول کی طرح اس سوانح حیات کی اشاعت ثانی کو بھی قبول فرمائے اور سارے مسلمانوں کو عموماً اور حضرت عارفیؒ کے مریدین، محبین، منتسبین اور متوسلین کے لیے خصوصاً نافع بنائے اور مرتب کرنے والوں اور اعانت کرنے والوں کے لیے ذریعہ نجات بنادے۔ آمین۔ ثم آمین۔

احقر
حسن عباس عفی عنہ

۱۲؍ محرم الحرام ۱۴۲۱ھ
۲۷؍ اپریل ۲۰۰۰ء

حصہ اول

سوانح حیات

عارفی میرا ہی دل ہے محرم ناز و نیاز
بعد میرے رازِ حسن و عشق سمجھائے گا کون

....

دیکھتے ہیں مجھ کو عزت کی نظر سے اہل دل
اللہ اللہ ان کی نسبت میں بھی کیا اعجاز ہے

....

جب کبھی اہل وفا یاد کریں گے مجھ کو
جانے کیا کیا میری روداد کے عنوان ہوں گے

عارفیؒ

سوانح حیات

اسلام کے ظاہری و باطنی محاسن سے آراستہ اس دور کے برگزیدہ شخصیتوں میں ایک نہایت ممتاز اور نمایاں شخصیت عارف باللہ حضرت ڈاکٹر محمد عبدالحیؒ عارفیؒ کی تھی جو حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی قدس سرہ کے خلیفہ خاص اور اپنے شیخ کے انداز تعلیم و تربیت کے منفرد آئینہ دار تھے۔ ۱۹۷۰ء میں حضرت عارفیؒ سے پہلی ملاقات میں جو گہرے تاثرات میرے قلب پر مرتب ہوئے ان کو بعد کی ملاقاتوں نے جلا بخشی اور آپ سے عقیدت میں روز بروز اضافہ ہی ہوتا گیا۔ آپ کی شخصیت میں وہ کشش اور دل پذیری تھی کہ لوگوں کو اپنا گرویدہ بنالیتی تھی۔

شخصیت

دراز قامت، وجیہ و شکیل بزرگ، نورانی چہرہ، خوبصورت داڑھی، چہرہ پر کھلتا ہوا تبسم، گفتگو میں متانت و خوش خلقی، غرض آپ سادگی، حسن و متانت، نورانیت، خوش خلقی کا پیکر مجسم تھے اور آپ کی ہر ادا سے محبت، شفقت اور اپنائیت کا اظہار ہوتا تھا۔ آپ کی سادگی کے متعلق ڈاکٹر تنزیل الرحمان فرماتے ہیں۔

"حضرت عارفیؒ کی جس چیز نے مجھے بے حد متاثر کیا وہ حضرتؒ کی سادگی تھی اس زمانہ کے عام پیروں اور صوفیوں کی ایک بات بھی تو ان میں نہ تھی، کوئی ظاہری علامت (زمانہ حال کے اعتبار سے) حضرتؒ میں ایسی نہ تھی کہ کوئی دیکھے اور کہہ اٹھے کہ بہت

بڑے بزرگ ہیں۔ نہ وضع قطع، نہ لباس، بس ایک عام متشرع، متبع سنت مسلمان کی صورت، لیکن ذرا دیر بیٹھو اور حضرتؒ توجہ فرمائیں تو دل پر جو کیفیت گزرتی ہے خدا کی قسم لفظوں میں بیان نہیں ہو سکتی"۔ (البلاغ ص۔۳۹۸)

حقیقتہً آپ میں زمانہ حال کے پیروں اور صوفیوں والی کوئی بات بھی نہیں تھی۔ نہ سبز چوغہ آپ کی پہچان تھی اور نہ روایتی کلاہ بلکہ سیدھے سادھے لباس میں ایک سادھا سا آدمی مگر دنیاوی جاہ و حشم کے حامل کسی شخص کی ہمت نہیں ہوتی تھی کہ آپ سے بے تکلفانہ گفتگو کرنے کی جسارت کرے، حالانکہ آپ اپنے محبین اور مریدین اور متعلقین سے ایسی بے تکلفانہ گفتگو فرمایا کرتے تھے کہ شیخ اور مرید میں فرق کرنا ایک دشوار عمل ہوتا تھا۔ آپ کا انداز نصیحت کسی کو بار گراں نہیں ہوتا تھا بلکہ آپ کی محفل میں شریک ہر فرد یہ محسوس کرتا تھا کہ یہ نصیحت اس کو ہی کی جارہی ہے۔ آپ کی شخصیت کو جس پہلو سے بھی دیکھا جائے تو معلوم ہوتا تھا کہ آپ نے اتباع سنت رسول اللہ ﷺ کو اپنا شیوہ بنالیا تھا۔ ذٰلِکَ فَضْلُ اللّٰہِ یُؤْتِیْہِ مَنْ یَّشَاءُ

لباس

آپ کا لباس انتہائی سادہ تھا۔ شرعی پاجامہ، کرتا مع بنڈی جس میں بائیں جانب اوپر کی طرف ایک جیب ہوتی تھی، ایک چمڑے کے کیس میں جیبی گھڑی رکھتے تھے۔ ایک بڑا رومال تہہ کیا ہوا ہاتھ میں رکھتے تھے۔ سر پر کپڑے کی پنج کلی سفید ٹوپی پہنتے تھے۔ کثرت سے عطر کا استعمال فرماتے۔ جمعہ کے روز خصوصاً عطر اور سرمہ لگاتے تھے۔ اتباع سنت میں آپ کو سفید لباس زیادہ پسند تھا۔ سردیوں میں گرم کپڑے کا کرتا، گرم سوئٹر اور گرم شال بھی استعمال فرمایا کرتے تھے۔ لباس کے معاملے میں ہمیشہ خود بھی سادگی پسند رہے اور اپنے منتسبین سے بھی یہی چاہتے تھے کہ لباس میں سادگی اختیار کریں۔

طرز زندگی

آپ کی (سن ہجری کے لحاظ سے) نوّے (۹۰) سالہ طویل زندگی کا جائزہ لیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے رہن سہن میں کوئی نمایاں فرق نہیں آتا' طرز زندگی نہایت سادہ اور صاف ستھرا تھا۔ انگریزی تعلیم حاصل کرنے کے باوجود انگریزی معاشرت سے بالطبع اجتناب' نفرت اور مغائرت تھی۔

بقول مولانا محمد یوسف لدھیانوی صاحب رحمہ اللہ:

"باوجودیکہ حضرتؒ خود علی گڑھ کے گریجویٹ تھے لکھنؤ (یونیورسٹی) سے قانون کی سند (ایل ایل بی) حاصل کی تھی اور ایک عرصہ تک وکالت کے پیشہ سے بھی منسلک رہے لیکن شیخ کی نظر کیمیا اثر کی برکت سے انگریزیت کی رگ ان کے اندر سے کٹ گئی تھی"۔ (بینات' کراچی' شعبان المعظم ۱۴۰۶ھ)

یہ تھے عارفیؒ جن کا خاندان معاشرہ میں معزز مقام رکھتا تھا۔

خاندان

اللہ تعالیٰ کی ایک سنت یہ بھی ہے کہ اپنے جن مقرب بندوں سے دین کی تعلیم و تبلیغ اور نشر واشاعت کا کام لیتے ہیں ان کو عموماً ان خاندانوں میں سے منتخب فرماتے ہیں جو ہر لحاظ سے اپنے زمانے کے معاشرہ میں ایک معزز مقام رکھتے ہوں۔ ان کی تعلیم و تربیت اس زمانہ کی ضروریات کو مد نظر رکھتے ہوئے پوری کی جاتی ہے۔ چنانچہ عارف باللہ حضرت ڈاکٹر محمد عبدالحیؒ صاحب صدیقی عارفیؒ کا خاندان بھی ایک نمایاں مقام کا حامل تھا اس لئے اسی خاندان میں دین کی تعلیم و تبلیغ کے لئے حضرت عارفیؒ کو منتخب کیا گیا۔

ایک مقام سے دوسرے مقام پر نقل مکانی کرنے ' خاندان کے افراد میں اضافہ اور تقسیم در تقسیم ہونے کے بعد کسی خاندان کے افراد کے لئے اس خاندان کے ماضی سے ناواقفیت ایک امر لاینحل بن جاتا ہے۔ اس امر لاینحل کو محسوس کرتے ہوئے اور اس کو حل کرنے کے لئے حضرت عارفیؒ نے اپنے خاندان کی آئندہ نسلوں کے استفادہ کے لئے اپنی یادداشتوں میں اپنے خاندان کا ایک خاکہ مرتب کر کے محفوظ کر دیا۔ غایت تحریر کے متعلق آپ تحریر فرماتے ہیں:

"میں نے اپنے خاندان کے افراد اور ان کے مختلف حالات مختصر اس لئے لکھنا ضروری سمجھا کہ پاکستان آنے کے بعد ہماری آئندہ نسلیں یہ بھی نہ بتا سکیں گی کہ ہم لوگ کس خاندان سے تعلق رکھتے تھے ' ہماری دینی حالت کیا تھی ' ہمارا دنیا کا وقار کیا تھا، کس خاندان سے تعلق تھا' ایک دوسرے کے ساتھ کیا رشتے تھے"۔

اپنے خاندان کا تاریخی پس منظر پیش کرتے ہوئے حضرت عارفیؒ رقم طراز ہیں:

"ہمارے آباء واجداد عرب سے ہمایوں بادشاہ کے زمانہ میں ہندوستان آئے تھے اور قاضی القضاۃ کے منصب پر فائز تھے۔ ضلع اٹاوہ کے ایک دیہات اکبرپور میں آباد تھے۔ مورث اعلیٰ قاضی علاؤالدین عربی صدیقیؒ اسی زمانہ میں تھے۔ (قاضی علاؤالدین عربی صدیقی صاحب کے دسویں سلسلہ پشت میں حضرت عارفیؒ کے دادا کاظم حسین صاحب تھے۔)

ہمارا خاندان متوطناً اٹاوہ 'یوپی' ہند سے تعلق رکھتا ہے۔ نسباً ہم لوگ صدیقی ہیں' مذہباً حنفی ہیں۔ مسلکاً چشتی ہیں۔ ایک دوسرا خاندان جو اسی خاندان میں مدغم ہوا ان کے جدامجد مولوی فرخ حسین صاحبؒ تھے ان کے صاحبزادے مولوی نادر حسین صاحبؒ ہمارے جد امجد مولوی کاظم حسین صاحب کے پھوپھا اور خسر بھی تھے یہ دونوں خاندان ضلع اٹاوہ میں قیام پذیر تھے"۔ (اس باب کے آخر میں شجرہ دیکھئے)

کاظم حسین صاحب

حضرت عارفیؒ اپنے جدامجد کاظم حسینؒ صاحب کے متعلق تحریر فرماتے ہیں:

"آپ کے والد صاحب کا اسم گرامی امیر اللہ صاحبؒ تھا۔ حضرت مولوی کاظم حسین صاحبؒ کی ایک نایاب اور نادرہ روزگار تصنیف "مسمّی باسم تاریخی' نشید کاظم" ہے۔ اپنی تصنیف میں جدامجدؒ نے اپنی تاریخی ولادت یوں نظم فرمائی:

گر تو تاریخ ولادت راز من خواہی نشان
سال میلادم بود (کاظم ز اولاد امیر

(۱۲۶۲ ہجری)

حضرت مولوی کاظم حسین صاحبؒ نے عربی' فارسی اور دینی تعلیم کی تکمیل مختلف مشاہیر وقت علماء سے کانپور میں حاصل کی۔

جدامجد مولوی کاظم حسین صاحبؒ نے اپنے متعلق نظم (نشید کاظم) میں حسب ذیل مضمون ارقام فرمایا ہے۔ (جس کو نثر میں پیش کیا جارہا ہے)

''میں نسباً صدیقی ہوں اور میرے مرشد پیردستگیر حضرت شاہ عبداللہ ابوالخیر مجددیؒ ہیں۔ حضرت شیخ احمد فاروقی مجددالف ثانیؒ کے جد ہیں۔ حضرت پیر مرشد ظاہری وباطنی علوم کے صاحب کمال ہیں۔ میرے اجداد و آباء کا وطن قریہ اکبرپور ہے جو ضلع اٹاوہ (یوپی) ہندوستان میں واقع ہے۔ اکبر بادشاہ کے عہد میں میرے اجداد نے اس قریہ کو آباد کیا تھااور میرے اجداد بڑے صاحب علم اور صاحب مرتبت اور صاحب منصب تھے۔ ہم لوگ اپنے وطن سے اپنے بزرگوں کے ساتھ کدورہ ریاست باونی بندیل کھنڈ یوپی ہندوستان (موجودہ بھارت) آگئے اور میں نے ریاست باونی میں اپنے عم بزرگوار اور منشی نادر حسین ہاشمی کی ما تحتی میں کام کیا پھر میں نواب صاحب ریاست کدورہ باونی کا مصاحب رہااور پھر کچھ دنوں کے بعد ریاست کی طرف سے بعہدہ وکالت مامور رہا یعنی امور ریاست کو گورنمنٹ برطانیہ کے گورنر مقیم چھاؤنی نیاگاؤں میں پیش کرتے رہنے کے عہدے پر فائز رہااور پھر آخر میں بعہدہ نظامت ریاست میں مامور رہا''۔

جدامجد حضرت مولوی کاظم حسین صاحبؒ کا نکاح ۱۲۸۰ھ میں نادر حسین ہاشمی کی صاحبزادی محترمہ علیمہ (علیمن صاحبہ سے) ہوا۔ تاریخ نکاح جدامجد محمد اسحاق صاحب کدورویؒ (حضرت کاظم حسین صاحبؒ کے چچازاد بھائی) نے یوں تحریر فرمایا:

نکاح ہمایوں کاظم حسین
ہوا نصف ذوالحجہ بازیب و زین
کہا سال خوش ہو کے اسحاق نے
نکاح ہمایوں کاظم حسین

(۱۲۸۰ھ)

”جد امجدؒ کو حضرت شاہ ابوالخیر صاحبؒ سے شرف بیعت حاصل تھا۔ اور سنا ہے کہ انہوں نے خلافت بھی عطا فرمادی تھی۔ مگر اس کا اظہار جد امجدؒ نے کبھی نہیں فرمایا۔ جوانی میں شکار کا بے حد شوق تھا متعدد بندوقیں، رائفلیں اور مختلف قسم کے خنجر وغیرہ رکھنے کا اہتمام تھا یہ آخر عمر تک محفوظ رہے اور ایام جوانی میں گھوڑے کی سواری کا بھی بے حد شوق تھا۔ ایک بار بہت ہی تند و تیز گھوڑے پر سوار تھے کہ اس کا لگام ٹوٹ گئی، گھوڑا بے قابو ہو کر بہت تیزی کے ساتھ ایک انگریزی اعلیٰ عہدیدار کے بنگلہ کی طرف بھاگا۔ آپ نے اس کے منہ پر زور سے تھپڑ مارا اور گھوڑے کے رکتے ہی فوراً کود پڑے جس سے دونوں ٹانگوں پر شدید چوٹ آئی جو آخر عمر تک چلنے پھرنے سے معذور بنائے رہی۔“

”آخری عمر میں چھاؤنی نیا گاؤں والا مکان فروخت کر دیا تھا اور کالپی ضلع اورئی میں لب دریائے جمن ایک مکان خرید کر سکونت اختیار کر لی تھی۔ جہاں ۱۹۱۳ء سے لے کر ۱۹۱۸ء (وفات) تک قیام رہا۔

کالپی میں (آپ کی) سکونت کا سبب خاص طور پر یہ ہوا کہ دادا خان بہادر منشی رضا حسین صاحب مرحوم (آپ کے برادر نسبتی جن کا ذکر آگے آ رہا ہے) پہلے سے یہاں مقیم تھے۔ یہ دونوں گھر (خاندان) ۱۹۲۲ء تک کالپی میں سکونت پذیر رہے اس کے بعد پھر بسلسلہ معاش مختلف مقامات پر منتقل ہو گئے۔ آخر عمر میں ٹانگوں کی معذوری کی وجہ سے چلنا پھرنا بہت کم ہو تا تھا۔ خانہ نشین ہی ہو کر رہ گئے تھے۔ کچھ وقت اوراد و وظائف میں اور کچھ وقت کتابوں کے مطالعہ میں صرف ہو تا تھا۔ کتابوں کا بے حد شوق تھا بڑی بڑی نادر کتابیں عربی و فارسی کی جمع کی تھیں۔ تاریخ گوئی میں بڑی مہارت تھی۔ شاعری کا کامل ذوق تھا۔ ان دونوں (تاریخ گوئی اور اشعار) کا کچھ مجموعہ کتاب ”نشید کاظم“ میں شائع ہوا ہے اور باقی تمام مسودے قلمی جو بہت گراں قدر سرمایہ تھا، زیادہ تر تاریخ گوئی ہی کا مجموعہ تھا۔ اس انقلاب عظیم میں یعنی تقسیم ہند کے وقت سب کا سب

ضائع ہو گیا۔ صفر / ربیع الاول ۱۳۳۶ھ (دسمبر ۱۹۱۷ء) کی بالکل آخری تاریخ میں حضرت حکیم الامت مولانا شاہ محمد اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہ العزیز کالپی تشریف لے گئے۔ دو دن قیام رہا۔ عند الملاقات حضرت مولانا تھانوی ؒ بہت محظوظ ہوئے جد امجدؒ کے لئے فرمایا کہ اہل دل بزرگ ہیں اور جد امجدؒ فرماتے تھے کہ ملاقات کے بعد سے ساری رات یہ کیفیت رہی کہ ہر بن مو سے ذکر اللہ جاری رہا اور بڑی اضطراری حالت رہی۔ منگل یکم / جنوری ۱۹۱۸ء بمطابق ۱۶/ ربیع الثانی ۱۳۳۶ھ جد امجدؒ کے مکان ہی پر حضرت مولانا تھانوی قدس سرہ العزیز کا وعظ ہوا۔ اس وعظ کا نام ''الکاف'' ہے خاندان کے تمام افراد حضرت تھانویؒ سے بیعت ہوئے۔ دادی صاحبہ مکرمہ مرحومہ بھی بیعت ہوئیں۔ چند یوم کی معمولی بیماری کے بعد جد امجدؒ نے بروز پیر ۶/ محرم الحرام ۱۳۳۷ھ بمطابق ۱۱/ نومبر ۱۹۱۸ء بحالت نماز مغرب (بہ عمر ۷۵ سال بہ لحاظ سن ہجری) رحلت فرمائی۔ انا للہ و انا الیہ راجعون. اللهم اغفرله ۔وقدس سره العزيز

کاظم حسین صاحبؒ کا مزار کالپی میں مدرسہ قدیمہ کے اندر مسجد کے شرقی صحن کے بعد ایک بزرگ سید احمد صاحبؒ کے مقبرہ کے متصل واقع ہے۔

حضرت عارفیؒ نے اپنے جد امجد کی تاریخ وفات یوں تحریر فرمائی:

''مزار کاظم حسین / ۱۳۳۷ھ''

حضرت مولوی کاظم حسین صاحبؒ کی چھ (۶) اولاد تھیں۔ جن میں سے تین صاحبزادے یعنی علی عباس صاحبؒ، علی الیاس صاحبؒ اور محمد ہادی صاحبؒ تھے اور تین صاحبزادیاں یعنی کلثوم بیگم صاحبہؒ، امہانی بیگم صاحبہؒ اور آمنہ بیگم صاحبہؒ تھیں۔

علیمہ صاحبہ

حضرت عارفیؒ اپنی دادی صاحبہ کے متعلق تحریر فرماتے ہیں:

"دادی علیمن صاحبہ مکرمہ مرحومہ کا قیام بعد از وفاتِ دادا صاحبؒ کچھ عرصہ تک کالپی ہی میں رہا۔ کدورہ ریاست باونی سے اور جھالر اوار ریاست سے کچھ عرصہ تک (آپ کو) وظیفہ ملتا رہا۔ ۱۹۲۲ء میں کالپی کی سکونت ترک کرنے کے بعد ان کا چچا علی الیاس صاحبؒ مرحوم کے ساتھ قیام رہا۔ جس زمانہ میں چچا علی الیاس صاحب مرحوم جالون ضلع اورئی میں نائب تحصیل دار تھے وہیں (دادی صاحبہؒ) نے (بروز) جمعرات ۲ر ربیع الاول ۱۳۵۶ھ بمطابق ۱۳ر مئی ۱۹۳۷ء بوقت ۳ بجے صبح رحلت فرمائی اور عید گاہ جالون (ضلع اورئی بھارت) کے شرقی گوشہ کے باہر مدفون ہیں۔ (انتقال کے وقت آپ کی) عمر تقریباً ۹۵ سال تھی۔

علی عباس صاحب

حضرت عارفیؒ کے والد ماجد علی عباس صاحبؒ کدورہ، ریاست باونی میں پیدا ہوئے۔ آپ کی ولادت ۱۲۸۹ھ میں ہوئی۔ نشید کاظم میں آپ کی تاریخ ولادت کاظم حسین صاحبؒ نے یوں تحریر فرمائی۔

جو عصر شنبہ تاریخ ہفتم رمضان
پسر بکاظم بخشید مفضل منعام
بود زکاظم صوری و معنوی سالش
ہزار و دوصد و ہشتادونہ بماہ صیام

(۱۲۸۹ھ)

حضرت عارفیؒ اپنے والد ماجد کے بارے میں رقم طراز ہیں:

"آپ مولوی کاظم حسین صاحبؒ کے سب سے بڑے صاحبزادے تھے۔ عربی وفارسی کی تعلیم حاصل کی۔ علم کا بڑا شوق تھا۔ ۱۸۹۸ء میں انٹرنس کا بھی امتحان پاس کرلیا تھا۔ آخر عمر میں ہومیوپیتھی طریقہ علاج کو بھی بڑی محنت سے حاصل کرلیا تھا۔ اس

کے علاوہ جو بھی فن سامنے آتا تھا ضرور کچھ نہ کچھ اس کو حاصل کر لیتے تھے۔ فن دندان سازی بھی سیکھ لیا تھا۔ محض شوق کے درجہ میں اسی طرح گھڑی سازی سے بھی دلچسپی تھی۔ گھڑیوں کا بڑا شوق تھا۔ بڑی بڑی قیمتی گھڑیاں رکھتے تھے۔ ابتدائی عمر کدورہ میں گزری۔ نواب ریاض الحسن صاحب والیٔ ریاست سے بڑی بے تکلفی کی دوستی تھی۔ انہی کے ساتھ رہتے تھے۔ ۱۹۰۴ء میں کدورہ ترک کر کے چھاؤنی نیاگاؤں دادا صاحب قبلہؒ کے پاس چلے گئے تھے۔ وہیں کچھ عرصہ تک اسکول میں ملازمت کرلی تھی۔ پھر نواب صاحب موصوف نے ریاست میں بلوالیا اور (آپ کو اپنا) پرائیویٹ سیکریٹری (مقرر) کرلیا۔ کچھ عرصہ کے بعد (نواب صاحب موصوف کے) صاحبزادہ مشتاق الحسن کا معلم بنا کر اجمیر بھیج دیئے گئے۔ اسی اثناء میں ۱۹۱۲ء میں دفعتہً نواب ریاض الحسن صاحب (والیٔ ریاست کدورہ) کا انتقال ہو گیا۔ اس لئے مصلحت وقت کا لحاظ کر کے آپ نے وہاں کی ملازمت ترک کر دی۔ ہمارا خاندان بشمول والد صاحب کالپی میں مارچ ۱۹۱۳ء میں آکر مقیم ہو گیا۔ معاش کے سلسلہ میں کچھ عرصہ تک ہمیر پور میں اسکول میں مدرسی پر کام کیا پھر تقریباً ۱۹۲۰ء میں کانپور (بھارت) میں سکونت اختیار کرلی یہاں ایک اسکول میں بحیثیت مدرس کام کرتے رہے اور پھر آخر عمر میں ہومیوپیتھک پریکٹس شروع کر دی تھی۔"

آپ ۱۹۱۹ء میں حضرت مولانا شاہ محمد اشرف علی صاحب تھانویؒ سے بیعت ہو گئے تھے۔ ہماری والدہ (احمدی بیگم صاحبہ) کا بمقام چھاؤنی نیاگاؤں بسلسلہ ولادت ۱۹۰۶ء میں انتقال ہو گیا اس زمانہ میں دادا صاحبؒ نیاگاؤں میں مقیم تھے اور والد صاحبؒ بھی وہیں اسکول میں ملازم تھے۔ نانا مولوی اکرام حسین صاحب بھی مع اہل وعیال وہیں مقیم تھے۔ ۱۹۰۸ء میں دادا صاحبؒ والد صاحبؒ کے ساتھ کدورہ ریاست چلے آئے اور نانا صاحبؒ چھاؤنی میں آخر عمر (۱۹۲۵ء) تک مقیم رہے تقریباً ۱۹۰۷ء میں (والد صاحب نے کنیز فاطمہ صاحبہ سے) عقد ثانی کرلیا تھا۔ پہلی شادی (اہلیہ محترمہ) سے ہم تین

(محمد عبدالحیؒ، محمد عبدالقیوم اور محمد عبدالقدوس) بھائی تھے پھر دوسری شادی (زوجہ دوم) سے دوسرے بھائی بہن تھے۔ ان کی تعداد سات تھی (جن میں چار لڑکے یعنی عبدالعزیز، عبدالحق، عبدالغنی، اور عبدالرشید ہیں) اور تین لڑکیاں (رابعہ صاحبہ، قیصرہ صاحبہ اور راشدہ صاحبہ) ہیں۔

(مئی ۱۹۳۷ء میں) دفعۃً لولگ جانے کی وجہ سے (کانپور میں والد صاحب) دو روز شدید بخار اور بے ہوشی میں (رہے)۔ میں اس زمانے میں جونپور میں تھا۔ تار پہنچنے پر بعد مغرب کانپور پہنچا بروز دوشنبہ ۱۱؍ ربیع الاول ۱۳۵۶ھ بمطابق ۲۱ مئی ۱۹۳۷ء (اپنی والدہ علیمہ صاحبہ کی وفات کے نو روز بعد) صبح ساڑھے چار بجے نماز فجر کی اذان کے ساتھ ہی (والد صاحب) داعیٔ اجل کو لبیک کہہ کر رخصت ہوگئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ (انتقال کے وقت) تقریباً ۶۴ سال کا سن تھا۔

حضرت عارفیؒ کے والد ماجد، حضرت حکیم الامت قدس سرہ العزیز سے بیعت تھے اس لئے اپنے مکتوب ۲۱ جون ۱۹۳۷ء بنام حکیم الامتؒ اپنے والد کی وفات کی خبر دیتے ہوئے آپ نے تحریر فرمایا:

''میرے والد صاحب قبلہ مولوی علی عباس صاحب کا آج صبح دو روز کی علالت کے بعد انتقال ہوگیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ میں علالت کی خبر سن کر کانپور آگیا تھا۔ والد صاحب قبلہ مرحوم حضرت سے بیعت تھے اور گاہ گاہ عریضے بھی ارسال خدمت کرتے رہتے تھے۔ نزع کی حالت میں سخت کرب و بحرانی وہذیانی کیفیت تھی مگر با آواز بلند نماز کئی مرتبہ شب میں پڑھی۔ سورۂ فاتحہ اور مختلف سورتیں پڑھتے رہے۔ جبکہ حواس بجا نہ تھے۔ حضور والا ان کے لئے دعائے مغفرت فرمادیں۔''

حضرت حکیم الامت قدس سرہ العزیز نے اس مکتوب پر جواباً سخت رنج کا اظہار کیا اور دعائیہ کلمات اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلَہٗ، اَللّٰھُمَّ ارْحَمْہُ تحریر فرمایا۔

علی الیاس صاحب

حضرت عارفیؒ اپنے چچا علی الیاس صاحب کے متعلق تحریر فرماتے ہیں:

"جناب علی الیاس صاحب کدورہ ریاست باونی میں ۱۳۰۰ھ میں پیدا ہوئے۔ علی گڑھ کالج سے انٹرنس اور ایف اے پاس کیا پھر کانپور ایگریکلچر میں قانون گوئی (ایک عہدہ ہوا کرتا تھا) کا امتحان پاس کیا۔ تمام تر ملازمت ضلع جالون میں گزری آخری ملازمت میں نائب تحصیل داری سے پینشن لی۔ آخر عمر میں کانپور میں آگئے تھے۔ آپ کا انتقال ۸/اکتوبر ۱۹۳۵ء کو ہوا اس وقت آپ کی عمر ساٹھ اور ستر سال کے درمیان تھی۔ آپ کانپور کے قبرستان میں مدفون ہیں۔

آپ کی شادی منشی رضا حسین صاحب کی صاحبزادی فاطمہ بیگم صاحبہ سے ہوئی، جن کے بطن سے ایک لڑکے عبدالسلام صاحب اور تین لڑکیاں یعنی رقیہ صاحبہ، عائشہ صاحبہ اور ثریا صاحبہ پیدا ہوئیں۔ ان میں سے دو لڑکیوں کا عقد نکاح حضرت عارفیؒ کے دو بھائیوں یعنی رقیہ صاحبہ کا عبدالقدوس صاحب کے ساتھ اور عائشہ صاحبہ کا عبدالعزیز صاحب کے ساتھ ہوا۔

محمد ہادی صاحب

آپ کی ولادت کدورہ ریاست میں ہوئی ابتدائی تعلیم کچھ عرصہ تک الہ آباد میں پائی اور باقی تعلیم کانپور میں ایگریکلچر کالج میں پائی، وہاں سے فراغت کے بعد گورکھپور میں ایگریکلچرل ڈیپارٹمنٹ میں انسپکٹر ہوگئے۔ تقریباً ۱۹۲۲ء سے لکھنؤ اور پھر ملیح آباد میں ہومیوپیتھک ڈاکٹری شروع کردی (پھر) ملیح آباد سے کانپور آگئے وہاں پریکٹس کی پھر قیام پاکستان کے بعد میرے (حضرت عارفیؒ کے) ہمراہ جون ۱۹۵۰ء میں کراچی آگئے اور یہاں پریکٹس شروع کردی۔ آپ تقریباً ۹۰ سال عمر پاکر دوشنبہ ۱۷ ربیع الاول

۱۳۹۹ھ (۵ فروری ۱۹۸۰ء) کو انتقال فرمایا۔ آپ سخی حسن قبرستان، شمالی ناظم آباد کراچی میں مدفون ہیں۔

آپ کی شادی منشی رضا حسین صاحب کی دوسری صاحبزادی صفیہ بیگم صاحبہ سے ہوئی آپ کے بطن سے دو لڑکے یعنی محمد جمیل صاحب اور محمد خالد صاحب (ان کا انتقال ۱۹۶۴ء میں ہو گیا) اور تین لڑکیاں سلمٰی صاحبہ، قریشہ صاحبہ اور طاہرہ صاحبہ ہیں۔ قریشہ صاحبہ کی شادی حضرت عارفیؒ کے دوسرے صاحبزادے ڈاکٹر احسن عباس صاحب سے ۱۹۵۲ء میں ہوئی۔

کلثوم بیگم صاحبہ

حضرت عارفیؒ اپنی پھوپھیوں کے متعلق تحریر فرماتے ہیں:

"آپ کاظم حسین صاحب کی سب سے بڑی صاحبزادی تھیں۔ آپ کا عقد سید محمد صاحب سے ہوا۔ سید محمد صاحب کا یہ عقد ثانی تھا۔ کلثوم بیگم کے بطن سے چار لڑکے محمود (مشتاق حسین)، حامد، معبود اور عبدالواحد (عرف بنے) اور تین لڑکیاں بتول، خاتون اور زبیدہ پیدا ہوئیں۔ کلثوم بیگم صاحبہ کا انتقال ۱۹۰۹ء ریاست چھتہ پور میں ہوا۔ آپ وہیں دفن ہوئیں۔ ان کے انتقال کے بعد کاظم حسین صاحبؒ نے ان کی سب اولاد کو اپنے پاس ریاست کدورہ میں بلوالیا پھر سب سے بڑی صاحبزادی بتول بیگم کا عقد علی صابر صاحب ابن رضا حسین صاحب کے ساتھ ۱۹۱۲ء میں کر دیا۔ اور دوسری لڑکی خاتون بیگم کا عقد علی ساجد صاحب ابن رضا حسین صاحب کے ساتھ ۱۹۱۷ء میں ہوا۔

امہانی بیگم صاحبہ

آپ کاظم حسین صاحبؒ کی دوسری صاحبزادی تھیں ان کا نکاح سید اشتیاق حسین صاحبؒ سے ہوا۔ ان کے بطن سے محمد ابراہیم صاحب محمد شبیر احمد صاحب اور عزیزہ

خاتون صاحبہ پیدا ہوئے۔ آخر عمر میں ان کی بینائی جاتی رہی تھی۔ آنکھیں اس لئے نہیں بنوائی کہ بے پردہ ہو کر ڈاکٹر کے سامنے جانا پڑے گا۔ نیز حدیث شریف میں ہے کہ جس کی آنکھیں جاتی رہتی ہیں اللہ تعالیٰ اس کو جنت عطا فرمائیں گے۔ بس اس امید میں آخر عمر تک (تقریباً پانچ سال تک) اس معذوری کی حالت میں گزار دیئے۔ اشتیاق حسین صاحب کا تقریباً چونسٹھ (۶۴) سال کی عمر میں بمقام الہ آباد ۳۱ دسمبر ۱۹۴۵ء بوقت ۱۲ بجے شب انتقال ہو گیا۔ گورستان جنوبی ملاکہ الہ آباد متصل ریلوے اسٹیشن مدفون ہیں۔ نماز جنازہ میں (حضرت عارفیؒ) نے ہی پڑھائی۔ ساری عمر ایک خاص ضابطہ اور اصول زندگی کے ساتھ گزار دی۔ اسکول میں ٹیچر تھے اور اسی محکمہ سے پینشن لی۔ پھوپھا سید اشتیاق حسین صاحب کے انتقال کے بعد پھوپھی صاحبہ میرے پاس جونپور چلی آئی تھیں۔ یہاں ان کے صاحبزادے محمد ابراہیم اس زمانہ میں اسکول ٹیچر تھے۔ عمر تقریباً ۷۵ سال تھی۔ ۲۷، ۲۸ جنوری ۱۹۴۷ء بوقت ۸ بجے شب انتقال ہوا۔ گورستان عام بلوا گھاٹ دریائے گومتی کے کنارے ٹیلہ پر گوہر شاہ کے مزار کے قریب بالکل متصل بھائی عبدالقدوس مرحوم کی قبر کے مدفون ہیں۔"

آمنہ بیگم صاحبہ

آپ کاظم حسین صاحب کی سب سے چھوٹی صاحبزادی تھیں۔ آپ کا چھاؤنی نیا گاؤں ملک بندیل کھنڈ ضلع جھانسی (بھارت) میں سید علی سجاد صاحب ابن رضا حسین صاحبؒ کے ساتھ ۱۹۰۵ء میں عقد ہوا۔ اس وقت آپ کی عمر تقریباً پندرہ سال ہوگی۔ چار لڑکیاں اور دو لڑکے ان کے بطن سے ہوئے۔ محترمہ دادی صاحبہ مرحومہ سے سنا ہے کہ وہ بطن مادر ہی سے ایک برگزیدہ اور مقدس وجود لے کر آئی تھیں۔ تمام عمر ایک خاموش سنجیدہ اور پر حوصلہ زندگی بسر کی۔ ایثار اور تواضع کی ایک بے مثال نمونہ تھیں۔ نہایت متقی و عبادت گزار تھیں۔ حضرت مولانا تھانوی قدس سرہ العزیز سے بیعت

تھیں۔ ذکر اللہ کا اثر ان پر بہت نمایاں تھا۔ فرماتی تھیں کہ بعض وقت جب اللہ ' اللہ کرتی ہوں تو منہ میں مٹھاس پیدا ہو جاتی ہے۔ میرے ساتھ ابتداء ہی سے محبت و شفقت کا معاملہ رکھا۔ آخر عمر میں اکثر بیمار رہا کرتی تھیں۔ خصوصاً ۱۹۲۲ء یا ۱۹۲۳ء میں نمونیہ ہو جانے کے بعد سے بہت کمزور ہو گئی تھیں اور شاید اسی کا اثر ہوتے ہوتے دق کے علامات پیدا ہو گئے تھے اور آخر میں یہ مرض نمایاں ہو گیا اور اسہال جاری ہو گئے تھے۔ آخر اسی میں ۲۴/اگست ۱۹۲۵ء کو انتقال ہو گیا۔

انتقال کے دو روز قبل سے عجیب حالات رو نما ہوتے رہے اس درمیان میں کئی بار کہا کہ ایک مریضہ میرے بستر پر لیٹی ہے ' ہم لوگ اس کی فکر نہیں کرتے ' اس کو اذیت ہے ' کبھی فرماتیں کہ دیکھو بہت سے لوگ مہمان آئے ہیں۔ ان کی خاطر کرو ' کبھی فرماتیں کہ بہت سی عورتیں آئی ہوئی ہیں ان کی خدمت کرو۔ جس دن انتقال ہوا فرمایا کہ دیکھو ایک فرشتہ آیا ہے وہ کچھ کہہ رہا ہے۔ تقریباً دس بجے دن کو انتقال ہوا۔ صبح سے نہایت سکون کا عالم تھا۔ فرماتی رہیں کہ دیکھو میری نزع کا عالم ہے ' پاؤں کی جان نکل چکی ہے۔ پھر تدریجاً برابر بتاتی رہیں کہ اب گھٹنوں تک جان نکل چکی ہے ' اب سینہ تک جان آگئی ہے وغیرہ وغیرہ۔ نہایت سکون کے عالم میں سب کو وداعی نصیحت فرماتی رہیں۔ سب چھوٹے چھوٹے بچے ارد گرد موجود تھے۔ نہایت سکون کے ساتھ سب پر نظر کرتی رہیں اور کوئی بات غم یا افسوس کی ظاہر نہیں کی۔

مجھے سرہانے بلا کر کچھ نصیحت کی۔ اسی طرح اپنی والدہ صاحبہ سے ' بھائیوں سے اور پھوپھا صاحب سے تسکین کی باتیں ہوتی رہیں۔ پھوپھا صاحب نے کہا کہ تم تو بالکل اچھی ہو کیا باتیں کر رہی ہو۔ فرمایا ابھی تھوڑی دیر میں سب معلوم ہو جائے گا۔ پھوپھا صاحبؒ نے کہا کہ کلمہ پڑھو اس پر خاموش ہو گئیں پھر تھوڑی دیر کے بعد مجھ سے فرمایا کہ ایک کھپرا مٹی کا لے آؤ۔ پھر اس پر اپنے ہاتھ سے تیمم کیا اور نہایت طمانیت کے ساتھ کلمہ شہادت پڑھا اور کہا کہ گواہ رہنا کہ میں نے کسی کے کہنے سے کلمہ نہیں پڑھا۔

پھر فرمایا کہ اب سینہ کے اوپر تک جان سلب ہو چکی ہے۔ کلمہ پڑھ کر خاموش ہو گئیں۔ تھوڑی دیر میں ہونٹوں پر خفیف سی جنبش ہوئی، آنکھوں کے گرد ہلکی سی سیاہی آئی، چہرہ ضعف کی وجہ سے زرد تھا لیکن آنکھیں ہلکی سی حرکت کے بعد بند کر لیں اور روح پرواز کر گئی۔ ایک منٹ کے بعد تمام چہرہ گلاب کے پھول کی طرح کھل گیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ ماحول پر عجیب سکون کا عالم تھا اللہ تعالیٰ ان کو اپنے جوار رحمت میں جنت الفردوس میں مقامات عالیہ و رفیعہ عطا فرمادیں۔ عمر تقریباً چالیس سال تھی تمام عمر صبر واستقلال، ایثار، سنجیدگی و متانت اور اہل خاندان کی خدمت ہی میں گزار دی۔ آپ کا انتقال ۲۴ اگست ۱۹۲۵ء کو ہوا۔ آپ جھانسی کے قبرستان میں پہاڑی کے نشیب میں مدفون ہیں۔

ننھیال

حضرت عارفیؒ کے جد امجد کاظم حسین صاحبؒ کے والد امیر اللہ صاحب، محمد کرامت اللہ صاحب اور محمد سلامت اللہ صاحب تینوں حقیقی بھائی تھے اور یہ تینوں عنایت اللہ صدیقی صاحب کے بیٹے تھے۔ محمد کرامت اللہ صاحب کے تین بیٹے یعنی محمد اکرام حسین صاحب، محمد صدیق صاحب اور محمد اسحاق صاحب تھے۔ جناب محمد اکرام حسین صاحب کی شادی عمدہ بیگم صاحبہ سے ہوئی۔ آپ کے بطن سے تین بیٹے محمد نسیم صاحب، اعجاز احمد صاحب اور شمیم احمد صاحب اور دو بیٹیاں احمدی بیگم صاحبہ اور سرمدی بیگم صاحبہ پیدا ہوئیں۔ احمدی بیگم صاحبہ کی شادی علی عباس صاحب سے ہوئی اور آپ کے بطن سے حضرت عارفیؒ کے علاوہ عبد القیوم صاحب، اور عبد القدوس صاحب پیدا ہوئے۔

اس طرح حضرت عارفیؒ کی ددھیال اور ننھیال ایک ہی تھی۔ اس لئے حضرت عارفیؒ نے اپنی یادداشتوں میں تحریر فرمایا۔ "نسباً ہم لوگ صدیقی ہیں۔"

حضرت عارفی ؒ کے نانا جناب محمد اکرام حسین صاحب غالباً ۱۸۵۵ء میں پیدا ہوئے۔ تقریباً ۷۰ سال کی عمر پا کر آپ کا انتقال بمقام چھاؤنی نیا گاؤں ۱۹۲۵ء میں ہوا اور وہیں آپ مدفون ہیں۔

آپ کی نانی عمدہ بیگم صاحبہ بھی تقریباً ۷۰ سال عمر پا کر بمقام چمن گنج کانپور ۴/ دسمبر ۱۹۴۵ء کو انتقال فرمایا اور آپ وہاں کے عام قبرستان میں مدفون ہیں۔

اتصال خاندانی

حضرت عارفی ؒ کے جد امجد کاظم حسین صاحب کی شادی منشی نادر حسین (ولد منشی فرخ حسین صاحب) کی صاحبزادی علیمہ صاحبہ سے ہوئی' بعد ازاں حضرت والاؒ کی پھوپھی آمنہ بیگم صاحبہ کا عقد نکاح سید علی سجاد صاحبؒ (نادر حسین صاحب کے پوتے) اور رضا حسین صاحب کے بیٹے سے ہوا۔ ان دونوں کے علاوہ سید رضا حسین صاحب اور سید علی سجاد صاحب کی اولاد کی شادیاں کاظم حسین صاحب کی اولاد در اولاد سے ہوتی رہیں۔ اس طرح یہ دونوں خاندان ایک دوسرے میں مدغم ہوتے رہے۔

اتصال خاندانی کے زیر عنوان حضرت عارفی ؒ تحریر فرماتے ہیں:

"یہ (ہاشمی) خاندان بھی ضلع اٹاوہ سے تعلق رکھتا ہے خانپور، پھپھوند وغیرہ سے ہمارے علم میں سب سے پہلے بزرگ فرخ حسین صاحب ہاشمی ہیں۔ یہ ضلع اٹاوہ سے آکر بندیلکھنڈ کی ریاست کدورہ' باونی میں مقیم ہوئے۔ یہ ریاست ضلع جھانسی میں ہے اور اس کے قریب کالپی ضلع اورئی (یوپی) ہے۔

فرخ حسین صاحب کے صاحبزادے مولوی نادر حسین صاحب ہاشمی ہیں اس خاندان کے مورث اعلیٰ جہاں تک (ہمارے) علم (میں) ہے حضرت شاہ مسعود غازیؒ (بہرائچ) کے ہمراہ جہاد فی سبیل اللہ کے سلسلہ میں عرب سے آئے تھے۔ حضرت شاہ مسعود غازیؒ کا مزار شریف بہرائچ میں ہے۔ یہ خاندان جس کو شاید کسی منصب کے تحت

ضلع اٹاوہ کے مفصلات میں جاگیریں دی گئی تھیں مثلاً پھپھوند ' خانپور وغیرہ۔ ہمارے آباؤاجداد بھی یعنی مولوی کاظم حسین صاحبؒ کے مورث اعلیٰ بھی عرب کی طرف سے جہاں تک علم ہے ہمایوں بادشاہ کے زمانے میں آئے تھے اور قاضی القضاۃ کے منصب پر فائز تھے۔ شاید اسی سلسلہ میں ضلع اٹاوہ میں جاگیر شاہی عطیات میں دی گئی تھی۔ ضلع اٹاوہ کے ان دیہاتوں میں اکبر پور ' خانپور، پھپھوند وغیرہ ہیں ' ہر دو خاندان آباد تھے۔ باغات اور مکانات کے علاوہ بڑی بڑی زمینداریاں تھیں ان دونوں خاندانوں میں روابط اور الحاق کس طرح سے شروع ہوا اس کا کچھ علم نہیں۔

ریاست کدورہ ' باونی بندیلکھند میں ایک چھوٹی سی ریاست ہے جو قدیم زمانہ سے چلی آتی ہے۔ سنا ہے کہ اس کے مورث اعلیٰ نظام دکن کے رشتہ دار تھے۔ یہ ریاست مسلمانوں ہی کی رہی ہے ' سینٹرل انڈیا میں ضلع جھانسی کمشنری کے حلقہ میں ہے۔ جنگ آزادی سے قبل نواب ریاست نے شاہ اودھ سے ایک قابل وزیر کی ضرورت ظاہر کی جس پر ہاشمی خاندان سے منشی فرخ حسین صاحبؒ منتخب کر کے بھیجے گئے اور وہاں ریاست میں عہدہ مدارالمہام پر فائز ہوئے۔ انہی بزرگ کے ساتھ ہمارے آباؤاجداد بھی کدورہ چلے گئے۔ منشی فرخ حسین صاحبؒ کے بعد ان کے صاحبزادے حضرت نادر حسین صاحبؒ ریاست کے مدارالمہام ہوئے۔ ان کے زمانہ میں جنگ آزادی ۱۸۵۷ء ہوئی تھی۔

سید نادر حسین صاحب

حضرت منشی نادر حسین صاحبؒ بڑے صاحب کمالات ظاہر و باطن تھے حضرت شاہ غلام رسول صاحب رسول نما قدس سرہ العزیز کے خلیفہ ارشد تھے۔ حضرت شاہ صاحبؒ موصوف کا مزار مبارک خانقاہ بیگم گنج ' کانپور میں واقع ہے۔ حضرت منشی نادر حسین صاحبؒ بڑے صاحب تدبر تھے۔ ریاست کے نظم ونسق میں ان کی عزت انگریز پولیٹیکل

ایجنٹ کی نظر میں ہمیشہ بہت زیادہ تھی۔ اس کے علاوہ بڑے درجہ کے ادیب تھے۔ غالب نے ان سے خط و کتابت کر کے استفادہ کیا ہے۔ افسوس کہ زیادہ تفصیلی حالات زندگی کہیں سے فراہم نہ ہو سکے۔ حضرت منشی نادر حسین صاحب ہاشمیؒ کی پہلی بیوی سے ایک صاحبزادے عبداللہ حسن صاحب تھے اور ایک صاحبزادی تھیں۔ ایک پوتا منشی شرف الدین حسن صاحب، عبداللہ حسن صاحب کے لڑکے تھے۔ محمد حسن صاحب جن کی اولاد تجمل حسین، عبدالقادر، تمیزن، خدیجہ، میمونہ ہیں۔

سید رضا حسین صاحب

منشی نادر حسین صاحب ہاشمیؒ کے انتقال کے بعد منشی شرف الدین صاحبؒ ریاست کے مدارالمہام ہوئے اور منشی رضا حسین صاحب جو منشی نادر حسینؒ کی دوسری اہلیہ سے سب سے بڑے صاحبزادے تھے، ناظم ریاست مقرر ہوئے۔ اسی زمانے میں نواب سید مہدی حسن صاحب بہادر حج کے لئے تشریف لے گئے ان کے ہمراہ منشی شرف الدین حسن صاحب اور بہت سے لوگ بھی گئے۔ وہاں ہیضہ کی وبا میں نواب صاحب اور اکثر افراد فوت ہو گئے۔ منشی شرف الدین صاحبؒ کی عدم موجودگی میں منشی رضا حسین صاحب ریاست کے مدارالمہامی کا کام سر انجام دے رہے تھے۔ نواب صاحب کے انتقال کی اطلاع پر پولیٹیکل ایجنٹ نے پھر انہی کو باضابطہ مستقل مدارالمہام مقرر کر دیا۔ جب منشی شرف الدین صاحب واپس آئے ان کو دوسرا کام سپرد کیا گیا۔ منشی رضا حسین صاحب مرحوم کے دوران انتظام ریاست ۱۸۹۶ء میں سخت قحط سالی ہوئی۔ انہوں نے اپنی ریاست میں اراضیات کاشت کے لئے بارانی پانی کی روک تھام کے لئے بہت معقول انتظام کیا اور اخراجات بہت ہی کم ہوئے۔ جب پولیٹیکل ایجنٹ نے ان کے حسن انتظام کا اندازہ کیا کہ کسی اور جگہ اطراف میں اس قدر بہتر انتظام نہیں تھا اور نہ اس قدر کفایت کے ساتھ تھا، پولیٹیکل ایجنٹ کی خصوصی سفارش پر ضلع جھانسی سے صرف ان

کو حسن انتظام کے اعتراف میں خان بہادری کا خطاب و تمغہ ملا۔

۱۹۰۲ء میں شاید ریاست سے جدا ہونے کے بعد انہوں نے کالپی میں قیام کیا۔ کدورہ ریاست سے کالپی تقریباً بارہ میل ہے اور ریلوے اسٹیشن ہے' ۱۹۲۲ء تک کالپی میں قیام رہا۔ بڑا وسیع اور عالیشان مکان تھا۔ اس کے بعد پھر مختلف مقامات پر قیام رہا۔ کبھی اپنے صاحبزادے علی سجاد صاحب کے ہمراہ رہے' جہاں جہاں بھی وہ بسلسلہ ملازمت تحصیلداری و ڈپٹی کلکٹر تعینات ہوئے۔ اس کے بعد آخر میں (تاحیات) اپنی صاحبزادی صفیہ بیگم کے ساتھ اورئی میں قیام پذیر رہے۔ (آپ) بڑے ذہین وضع دار بزرگ تھے۔ بہت متواضع اچھے شاعر تھے۔ مگر شاعری کا شغل محض اپنی تنہائی کی دلچسپی کے لئے تھا۔ کسی کو سنانے کا شوق نہ تھا۔ افسوس کہ ان کا کلام محفوظ نہ رہ سکا۔ مولوی کاظم حسین صاحبؒ جو ان کے بہنوئی بھی تھے' آخر میں وہ بھی کالپی ہی میں مقیم ہو گئے تھے' ان کی صحبت میں وقت گزارتے تھے۔''

''حضرت شاہ غلام رسول صاحب رسول نما قدس سرہ العزیز کے صاحبزادے احسان الحق صاحبؒ (خانقاہ بیگم گنج کانپور) سے بیعت تھے' عمر کا آخری حصہ دن رات یاد الٰہی میں اور خلوت ہی میں بسر کیا۔ عمر بھی تقریباً اسی نوے سال کے درمیان تھی۔ آخر عمر میں حضرت مولانا شاہ محمد اشرف علی صاحب تھانویؒ کے ساتھ بڑا والہانہ تعلق رہا' حضرت والاؒ بھی ان کا بڑا خیال فرماتے تھے۔ خاندان کے تمام افراد کو بڑے چھوٹے' مرد و عورت سب کو انہیں کی ایماء اور درخواست پر حضرت والاؒ نے بلا تکلف بیعت فرمالیا۔ آپ کا انتقال اورئی میں ۱۹۳۴ء میں ہوا اور وہیں گورستان میں مدفون ہیں۔ خان بہادر منشی سید رضا حسین صاحبؒ کی اولاد کی تعداد آٹھ تھی جن میں پہلی بیوی سے سید علی زین العابدین صاحب' سید علی سجاد صاحب اور فاطمہ خاتون صاحبہ اور دوسری بیوی سے سید علی اوسط صاحب' سید علی صابر صاحب' سید علی شاکر صاحب' سید علی ساجد صاحب اور صفیہ خاتون صاحبہ ہیں۔ خان بہادر صاحب کا سارا خاندان حضرت

کو حسن انتظام کے اعتراف میں خان بہادری کا خطاب وتمغہ ملا۔

۱۹۰۲ء میں شاید ریاست سے جدا ہونے کے بعد انہوں نے کالپی میں قیام کیا۔ کدورہ ریاست سے کالپی تقریباً بارہ میل ہے اور ریلوے اسٹیشن ہے' ۱۹۲۲ء تک کالپی میں قیام رہا۔ بڑا وسیع اور عالیشان مکان تھا۔ اس کے بعد پھر مختلف مقامات پر قیام رہا۔ کبھی اپنے صاحبزادے علی سجاد صاحب کے ہمراہ رہے' جہاں جہاں بھی وہ بسلسلہ ملازمت تحصیلداری وڈپٹی کلکٹر تعینات ہوئے۔ اس کے بعد آخر میں (تاحیات) اپنی صاحبزادی صفیہ بیگم کے ساتھ اورئی میں قیام پذیر رہے۔ (آپ) بڑے ذہین وضع دار بزرگ تھے۔ بہت متواضع اچھے شاعر تھے۔ مگر شاعری کا شغل محض اپنی تنہائی کی دلچسپی کے لئے تھا۔ کسی کو سنانے کا شوق نہ تھا۔ افسوس کہ ان کا کلام محفوظ نہ رہ سکا۔ مولوی کاظم حسین صاحبؒ جو ان کے بہنوئی بھی تھے' آخر میں وہ بھی کالپی ہی میں مقیم ہو گئے تھے' ان کی صحبت میں وقت گزارتے تھے۔"

"حضرت شاہ غلام رسول صاحب رسول نما قدس سرہ العزیز کے صاحبزادے احسان الحق صاحبؒ (خانقاہ بیگم گنج کانپور) سے بیعت تھے' عمر کا آخری حصہ دن رات یاد الٰہی میں اور خلوت ہی میں بسر کیا۔ عمر بھی تقریباً اسی نوے سال کے درمیان تھی۔ آخر عمر میں حضرت مولانا شاہ محمد اشرف علی صاحب تھانویؒ کے ساتھ بڑا والہانہ تعلق رہا' حضرت والاؒ بھی ان کا بڑا خیال فرماتے تھے۔ خاندان کے تمام افراد کو بڑے چھوٹے' مرد وعورت سب کو انہیں کی ایماء اور درخواست پر حضرت والاؒ نے بلا تکلف بیعت فرمالیا۔ آپ کا انتقال اورئی میں ۱۹۳۴ء میں ہوا اور وہیں گورستان میں مدفون ہیں۔ خان بہادر منشی سید رضا حسین صاحبؒ کی اولاد کی تعداد آٹھ تھی جن میں پہلی بیوی سے سید علی زین العابدین صاحب' سید علی سجاد صاحب اور فاطمہ خاتون صاحبہ اور دوسری بیوی سے سید علی اوسط صاحب' سید علی صابر صاحب' سید علی شاکر صاحب' سید علی ساجد صاحب اور صفیہ خاتون صاحبہ ہیں۔ خان بہادر صاحب کا سارا خاندان حضرت

حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہ العزیز سے بیعت تھا۔ اس خاندان کے سید علی سجاد صاحب، سید علی شاکر صاحب اور سید علی ساجد صاحب حضرت حکیم الامتؒ کے مجازین صحبت تھے۔"

سید زین العابدین صاحب

آپ خان بہادر رضا حسین صاحب کے بڑے صاحبزادے تھے۔ آپ ۱۸۸۱ء میں کدورہ میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی مروجہ تعلیم کدورہ میں پانے کے بعد انگریزی تعلیم کے لئے علی گڑھ چلے گئے اور وہاں ایم۔ او کالج سے انٹرنس کا امتحان پاس کر کے ایف اے میں داخلہ لیا۔ آپ کسب معاش کے لئے مستقل طور پر کوئی پیشہ اختیار نہ کر سکے۔ چونکہ مشترکہ موروثی جائیداد جو کئی موضعوں پر مشتمل تھی، اس لئے زیادہ تر اس کے انتظام پر معمور رہے۔

آپ کی پہلی شادی اوائل عمر میں ہوئی۔ پہلی بیوی کے انتقال کے بعد آپ کی دوسری شادی برادری میں، نفیس فاطمہ صاحبہ (بنت شوکت علی صاحب) سے، اپنے آبائی وطن اٹاوہ میں ہوئی۔ آپ کے بطن سے تین صاحبزادیاں یعنی رضیہ خاتون صاحبہ (زوجہ سید مظاہر حسین صاحب) ذکیہ خاتون صاحبہ (زوجہ محمد شفیع علوی صاحب) اور شمیم زہرہ صاحبہ (زوجہ سعید عمر صاحب) اور دو صاحبزادے سید علی نادر رضا صاحب اور سید علی زاہد رضا صاحب پیدا ہوئے۔ نفیس فاطمہ صاحبہ کا انتقال طویل علالت کے بعد ۱۹۳۲ء میں سیتاپور، یوپی میں ہوا اور وہیں مدفون ہیں۔ زاہد رضا صاحب کی شادی حضرت خواجہ عزیز الحسن مجذوب کی پوتی خواجہ فیض الحسن صاحب کی صاحبزادی حدیقہ خاتون کے ساتھ دسمبر ۱۹۵۱ء میں بمقام کراچی ہوئی۔ سید علی نادر رضا صاحب کا ۲۱ سال کی عمر میں ۱۹۴۰ء میں بمقام اٹاوہ انتقال ہوا۔

سید زین العابدین صاحب حضرت حکیم الامت قدس سرہ العزیز کے حلقہ ارادت

میں تھے اور انھیں حضرت والاؒ سے بیعت کا شرف بھی حاصل تھا۔ پاکستان کے قیام کے بعد بھی آپ ہندوستان ہی میں مقیم رہے۔ آپ نے طویل عمر گزارنے کے بعد بعمر ۷۵ سال ۲۳ مئی ۱۹۵۵ء مطابق ۳۰ رمضان ۱۳۷۴ھ روز دوشنبہ اورئی ، ضلع جالون میں انتقال فرمایا' آپ اورئی ہی میں مدفون ہیں۔ حضرت عارفیؒ کے والد آپ کے پھوپھی زاد بھائی تھے اس طرح حضرت عارفیؒ کے چچا ہوتے تھے۔

سید علی سجاد صاحب

آپ خان بہادر صاحبؒ کے دوسرے صاحبزادے تھے' آپ حضرت عارفیؒ کے پھوپھا اور خسر تھے۔ حضرت عارفیؒ آپ کے متعلق رقم طراز ہیں:

"سید علی سجاد صاحب ابن سید رضا حسین صاحبؒ کدورہ میں ۱۳۰۰ھ بمطابق ۱۸۸۳ء میں پیدا ہوئے۔ ۱۹۰۵ء میں ایم اے او کالج علی گڑھ سے بی اے پاس کیا۔ ۱۹۰۷ء سے نائب تحصیل داری سے ملازمت کا آغاز کیا۔ ۱۹۰۸ء سے ۱۹۲۴ء تک نائب تحصیلدار رہے۔ پھر ۱۹۲۴ء سے بعہدہ ڈپٹی کلکٹری ۱۹۴۰ء تک فائز رہے۔ پینشن پر ۱۹۴۰ء میں سبکدوش ہوئے پھر تھانہ بھون ہی میں مقیم ہوگئے اور وہاں ایک مکان بھی تعمیر کرالیا۔ ۱۹۵۸ء تک تھانہ بھون سے کچھ عرصہ کے لئے کراچی آتے جاتے رہے مگر پھر ۱۹۵۸ء میں مستقل طور پر کراچی آگئے۔

آپ کی پہلی شادی ۱۹۰۵ء میں آمنہ بیگم بنت کاظم حسین صاحبؒ سے ہوئی۔ ان (آمنہ بیگم صاحبہ) کا انتقال ۲۴ اگست ۱۹۲۵ء بعارضہ دق بمقام جھانسی ہوا۔ اس کے بعد ۱۹۲۶ء میں حضرت چھوٹی پیرانی صاحبہ (حضرت حکیم الامتؒ کی دوسری اہلیہ محترمہ کی چھوٹی بہن عجیبہ خاتون صاحبہ) کے ساتھ شادی ہوئی۔

۱۹۱۴ء کا واقعہ ہے خواجہ صاحبؒ نے سید علی سجاد صاحب کا حضرت مولانا شاہ محمد اشرف علی صاحب قدس سرہ العزیز سے بڑے والہانہ انداز میں تعارف کروایا۔ علی سجاد

پھوپھا صاحبؒ کی حضرت والاؒ سے خط وکتابت شروع ہوگئی۔ پھر وہ مجاز صحبت بھی ہوگئے۔"

آپ کی پہلی زوجہ آمنہ بیگم صاحبہ کے بطن سے دو صاحبزادے یعنی سید علی عباد رضا صاحب اور سید علی حماد رضا صاحب اور چار صاحبزادیاں یعنی جویریہ بیگم صاحبہ (حضرت عارفیؒ کی زوجہ صاحبہ)، صابرہ بیگم صاحبہ، حمیرہ بیگم صاحبہ اور ساجدہ بیگم صاحبہ پیدا ہوئے اور دوسری زوجہ عجیبہ خاتون صاحبہ کے بطن سے تین صاحبزادے یعنی سید خلاد رضا صاحب، سید وقار رضا صاحب اور سید امداد رضا صاحب اور چار صاحبزادیاں، زاہدہ خاتون صاحبہ، حامدہ خاتون صاحبہ، خالدہ خاتون صاحبہ اور عطیہ خاتون صاحبہ پیدا ہوئے۔"

حضرت عارفیؒ آپ کے انتقال کے متعلق سانحہ ارتحال کے زیر عنوان تحریر فرماتے ہیں:

"جناب پھوپھا سید علی سجاد صاحب ہاشمی نے بعمر ۹۸ سال طویل بیماری کے بعد مگر تمام ہوش وحواس کے بجا ہوتے ہوئے نہایت پاک وصاف حالت میں توبہ واستغفار اور کلمہ طیبہ کے ورد کے ساتھ پونے دو بجے دن کے بروز چہار شنبہ ۲۳ جمادی الثانی ۱۳۹۸ھ مطابق ۳۱ مئی ۱۹۷۸ء نہایت سکون کے عالم میں رحلت فرمائی۔ آپ سخی حسن قبرستان، شمالی ناظم آباد کراچی میں مدفون ہیں۔"

سید علی اوسط صاحب

آپ خان بہادر صاحب کی دوسری بیوی کے فرزند اکبر تھے۔ آپ کی ولادت غالباً ۱۸۸۸ء میں ہوئی۔ انٹرنس پاس کرنے کے بعد لکھنؤ میں سب رجسٹرار ہوگئے۔ ملازمت کے ساتھ آپ ہومیوپیتھک ڈاکٹری بھی کرتے تھے۔ جب آپ تحصیل منڈھیاؤں میں سب رجسٹرار تھے اس وقت ہومیوپیتھک دوائی غریبوں میں مفت تقسیم کیا کرتے تھے۔

جونپور میں بھی ہفتہ میں ایک دوبار جاتے تھے۔ حضرت عارفی ؒ نے آپ ہی سے ہومیوپیتھک ڈاکٹری سیکھی تھی۔ آپ کی شادی اپنی چچازاد بہن سعیدہ بیگم صاحبہ (بنت محمد حسین صاحب) سے ہوئی۔ آپ کے بطن سے تین صاحبزادے یعنی عاشق رضا صاحب، وصی رضا صاحب اور قنبر رضا صاحب اور چار صاحبزادیاں سلطانہ بیگم صاحبہ، حسنہ بیگم صاحبہ، نثار بیگم صاحبہ اور نوشابہ بیگم صاحبہ پیدا ہوئے۔ ان کے دوسرے بچے بھی پیدا ہوئے جن کا صغر سنی میں انتقال ہوگیا۔ سید علی اوسط صاحب کا بعمر ۵۵ سال ۱۹۴۲ء میں انتقال ہوا۔

سید علی صابر صاحب

آپ خان بہادر رضا حسین کی دوسری بیوی کے دوسرے بیٹے تھے۔ آپ قانون گو تھے۔ آپ کی شادی بتول صاحبہ (بنت سید حسین صاحب) سے ہوئی۔ آپ کے بطن سے دو صاحبزادے سید آل رضا صاحب اور سید علی رضا صاحب اور ایک صاحبزادی پیدا ہوئی۔ صاحبزادی کا اوائل عمر ہی میں انتقال ہوگیا۔ ۱۹۲۹ء میں جب ضلع گورکھپور میں، جہاں آپ مقیم تھے، طاعون کی وبا پھیلی، اس میں مبتلا ہو کر آپ نے انتقال فرمایا۔

سید علی شاکر صاحب

آپ خان بہادر رضا حسین کی دوسری بیوی کے تیسرے صاحبزادے تھے۔ آپ کی ولادت ۱۸۹۳ء میں ہوئی۔ آپ بھی قانون گو تھے اور سرکاری ملازم تھے۔ ملازمت کے سلسلہ میں زیادہ تر لکھیم پور میں رہے۔ غالباً ۱۹۲۳ء میں حضرت حکیم الامت قدس سرہ العزیز سے بیعت ہوئے۔ حضرتؒ سے تعلق کے بعد ان میں بڑا حیرت انگیز انقلاب رونما ہوا۔ آپ بڑے ذاکر وشاغل، متقی اور زندہ دل آدمی تھے۔ شعر بہت والہانہ انداز میں کہتے تھے اور پڑھتے بھی خوب تھے۔ آپ حضرت حکیم الامت قدس سرہ العزیز کے

مجاز صحبت تھے۔ آپ کی پہلی شادی محسنہ بیگم صاحبہ بنت محمد حسین صاحب سے ہوئی جن کے بطن سے ذاکر رضا صاحب' نظر فاطمہ صاحبہ اور احسنہ بیگم صاحبہ پیدا ہوئے۔ پہلی بیوی کے انتقال کے بعد آپ کی دوسری شادی عزیز فاطمہ عرف ملکہ صاحبہ بنت سید اشتیاق حسین صاحب (حضرت عارفیؒ کی پھوپھوا مہانی بیگم صاحبہ کے شوہر) سے ہوئی اور ان کے بطن سے احتشام رضا صاحب' جامی رضا صاحب' تنویر رضا صاحب' صافیہ بیگم صاحبہ اور آصفیہ بیگم صاحبہ پیدا ہوئے۔ آپ ملازمت سے سبکدوش ہونے کے بعد الہ آباد اور پھر کانپور میں رہے۔ ۱۹۴۷ء میں آپ کراچی تشریف لے آئے اور تقریباً ۵۵ سال کی عمر پاکر ۱۹۴۸ء میں ٹائیفائیڈ بخار میں مبتلا ہو کر انتقال فرمایا۔ آپ لیاقت آباد کراچی کے قبرستان میں مدفون ہیں۔

سید علی ساجد صاحب

آپ خان بہادر صاحب کے چھوٹے صاحبزادے ہیں۔ آپ کی ولادت ۱۸۹۸ء میں کالپی میں ہوئی۔ آپ کی شادی محترمہ خاتون صاحبہ بنت سید حسین صاحب سے ہوئی۔

آپ کثیر الاولاد تھے جن میں سے چار بیٹے یعنی اثیر رضا صاحب' طیب رضا صاحب' محمد بن رضا صاحب اور احمد بن رضا صاحب تھے اور چھ بیٹیاں تھیں۔ آپ حضرت حکیم الامت قدس سرہ العزیز کے خلیفہ مجاز صحبت تھے۔ ہندوستان سے جب کراچی آئے تو زمینداری کے معاوضہ میں حکومت پاکستان کی جانب سے ۱۹۵۹ء میں جب اراضیات دی گئیں تو علاقہ نصیر آباد میں آپ کو بھی اراضیات حاصل ہوئیں۔ اس کے بعد سے آپ نے مطب ختم کر دیا۔ آپ کا انتقال ۱۸ اپریل ۱۹۷۶ء میں ہوا اس وقت آپ کی عمر ۷۸ سال تھی۔ آپ سخی حسن' شمالی ناظم آباد' کراچی کے قبرستان میں مدفون ہیں۔

اہلیہ و اولاد

عقد نکاح

حضرت عارفیؒ کے دوران تعلیم یعنی دسمبر ۱۹۲۴ء میں آپ کی پھوپھی آمنہ بیگم صاحبہ (زوجہ سید علی سجاد صاحب) کی طبیعت بہت زیادہ خراب ہو گئی اس لئے انہوں نے حضرت عارفیؒ کے والد علی عباس صاحب سے بذریعہ خط یہ خواہش ظاہر کی کہ ان کی صاحبزادی (جن کا رشتہ حضرت عارفیؒ سے طے ہو چکا تھا) کی شادی حضرت عارفیؒ سے فوری کرنا چاہتی ہیں۔ چنانچہ ایک سادی سی تقریب میں آپ کا عقد نکاح ہوا۔

اپنے عقد کے متعلق اپنی یادداشتوں میں حضرت عارفیؒ رقمطراز ہیں:

"میرا عقد مراد آباد میں ۲۵ دسمبر ۱۹۲۴ء بروز جمعہ بعد نماز عصر (پھوپھا سید علی سجادؒ کے) مکان سے متصل مسجد میں ہوا۔ اس زمانہ میں پھوپھا علی سجاد صاحب قبلہ ڈپٹی کلکٹری کی ٹریننگ کے لئے مع متعلقین (مراد آباد میں) مقیم تھے اس وقت پھوپھی (آمنہ بیگم) صاحبہ مرحومہ کی طبیعت زیادہ خراب رہنے لگی تھی۔ اور ان کو اپنی بیماری سے کچھ مایوسی سی ہو گئی تھی اس لئے انہوں نے وہیں (یعنی) مراد آباد سے والد صاحب قبلہ مرحوم کو (جو اس وقت کانپور میں مقیم تھے) خط لکھا کہ میں اپنی بڑی لڑکی (جویریہ بیگم صاحبہ) کا عقد بغیر کسی تاخیر کے جلد از جلد کرنا چاہتی ہوں اس لئے آپ عبدالحیؔ کو تنہا مراد آباد بھیج دیں اور سادگی سے عقد ہو جائے۔ آپ خود بھی شریک نہ ہوں۔ چنانچہ والد صاحب قبلہ (مرحوم) نے مجھ کو اس امر کی اطلاع کی۔ میں اس زمانہ میں لکھنؤ میں ایل۔ ایل۔ بی۔ کی تعلیم حاصل کر رہا تھا اور میں ۲۲ دسمبر ۱۹۲۴ء کو ملیح آباد

سے چچا محمد ہادی صاحب قبلہ کو لے کر مراد آباد پہنچ گیا۔ میرے بھائی عبدالقدوس مرحوم بھی از خود اسی دن براہ راست کانپور سے وہاں پہنچ گئے۔ اسی روز دادا اخلاق حسین صاحب بھی مراد آباد پہنچے۔ اور نکاح میں شرکت فرمائی۔"

محترمہ جویریہ بیگم صاحبہ رحمۃ اللہ علیہا

آپ سید علی سجادؒ کی بڑی صاحبزادی تھیں۔ آپ کی ولادت ۱۹۰۷ء میں ہوئی۔ آپ ایک معزز خاندان کی چشم و چراغ' دینی تعلیم سے بہرور' حضرت حکیم الامت قدس سرہ سے تعلیم و تربیت یافتہ والدین کی دختر نیک اختر' صبر و شکر سے آراستہ' زمانہ کے زیر و بم کا مقابلہ کرنے والی' حسن اخلاق سے بھرپور' خدمت گزار' سلیقہ شعار' صبر و تحمل اور صلہ رحمی کا جذبہ رکھنے والی ملنسار اور ہنس مکھ خاتون تھیں۔ آپ حضرت عارفیؒ کی شریک حیات تھیں۔ یہی وہ شریک حیات تھیں جنہوں نے حضرت عارفیؒ کا ہر لمحہ اور ہر قدم ثابت قدمی سے آخری عمر تک ساتھ دیا۔

ذلک فضل اللہ یوتیہ من یشاء

چونکہ آپ حضرت سید علی سجادؒ کی بڑی صاحبزادی تھیں اس لئے خاندان والوں اور حضرت عارفیؒ کے خدام میں "آپا" کے نام سے مشہور تھیں۔ حضرت عارفیؒ کے انتقال کے ۵ سال تین ماہ کے بعد ۲ جولائی ۱۹۹۱ء کو کچھ عرصہ کی علالت کے بعد آپ نے داعی اجل کو لبیک کہا۔ (انا للہ و انا الیہ راجعون)

اولاد

حضرت عارفیؒ کو حق تعالیٰ شانہ نے چھ بیٹے عطا فرمائے۔ آپؒ نے اپنی یادداشتوں میں ان کی تاریخ ولادت اور مقام پیدائش حسب ذیل تحریر فرمائی ہے:

نمبر شمار	اسماء اولاد	مقام ولادت	دن و تاریخ
(۱)	حسن عباس سلمہ	جھانسی	سہ شنبہ ۲۵ اگست ۱۹۲۵ء

(۲)	احسن عباس سلمہ	سہارنپور	جمعہ یکم اپریل ۱۹۲۷ء
(۳)	احمد عباس سلمہ	ہردوئی	شنبہ ۱۱ دسمبر ۱۹۲۹ء
(۴)	محسن عباس سلمہ	جونپور	سہ شنبہ ۱۶ اکتوبر ۱۹۳۳ء
(۵)	مستحسن عباس سلمہ	مرزاپور	چہار شنبہ ۲۷ نومبر ۱۹۳۵ء
(۶)	احسان عباس سلمہ	جونپور	شنبہ ۲۰ اپریل ۱۹۴۰ء

حسن عباس صاحب

آپ کی ولادت ۲۵ اگست ۱۹۲۵ء کو ہوئی۔ چونکہ حضرت عارفیؒ اپنے بچوں کو انگریزی اسکولوں میں تعلیم نہیں دلوانا چاہتے تھے اور گھر پر ہی ان کی تعلیم کا انتظام کیا تھا اس لئے آپ کی ابتدائی تعلیم گھر پر ہی ہوئی۔ آپ ۱۹۴۴ء میں بطور پرائیویٹ طالب علم میٹرک پاس کر کے اپنے خالو ظفر احمد صاحب تھانوی کے پاس بمبئی چلے گئے، وہاں چار سال میرین انجینئرنگ کی ٹریننگ حاصل کی اور ساتھ ہی Victoria Jubille Technical College میں میرین انجینئرنگ کا ابتدائی کورس مکمل کیا۔ ستمبر ۱۹۴۷ء میں بمبئی سے کراچی آئے اور باقی ماندہ ٹریننگ یہاں رہ کر پوری کی۔ آپ ۱۹۵۰ء اور ۱۹۵۴ء کے دوران دو مرتبہ انگلستان گئے اور وہاں میرین انجینئرنگ میں اعلیٰ تعلیم حاصل کی۔ ۱۹۴۸ء اور ۱۹۶۳ء کے دوران آپ محمدی اسٹیم شپ کمپنی، پین اسلامک اسٹیم شپ کمپنی اور کراچی شپ یارڈ اینڈ انجینئرنگ ورکس میں بالترتیب سیکنڈ انجینئر، چیف انجینئر اور Repair Superintended کے عہدوں پر فائز رہے۔ ۱۹۶۳ء میں اپنی فرم Marine Consultant قائم کی۔ ساتھ ہی ایک اور کمپنی G.B. Patts Co. میں ۱۹۷۳ء میں ڈائریکٹر کی حیثیت سے شمولیت کی اور اب اس کمپنی کے مینجنگ ڈائریکٹر ہیں۔ آپ نے ۱۹۵۷ء میں حج کی ادائیگی کی سعادت حاصل کی۔ دوسرا حج ۱۹۶۶ء میں ادا کیا۔

آپ کی شادی اپنی خالہ زاد بہن زہرہ خاتون صاحبہ سے جون ۱۹۴۸ء میں تھانہ بھون (ہندوستان) میں ہوئی۔ زہرہ خاتون صاحبہ کے بطن سے کئی بچے پیدا ہوئے جن میں سے ایک صاحبزادے انس مصطفےٰ صاحب کے علاوہ باقی کا صغر سنی میں انتقال ہو گیا۔ انس مصطفےٰ کی ولادت ۲۲/ اکتوبر ۱۹۵۹ء کو ہوئی۔ ان کی شادی اپنے چچا احسن عباس صاحب کی صاحبزادی شمیمہ صاحبہ سے ۲۴ دسمبر ۱۹۸۴ میں ہوئی۔

حسن عباس صاحب کے متعلق حضرت (عارفیؒ) فرماتے تھے "حسن میں بہت خوبیاں ہیں، ملنسار ہے، مزاج میں تحمل بہت ہے۔ انشاء اللہ تعالیٰ میرے بعد اپنے بھائیوں میں اتفاق و اتحاد قائم رکھے گا"۔ (البلاغ ص ۳۴۲) الحمد للہ حضرتؒ کا یہ ارشاد صحیح ثابت ہو رہا ہے۔

احسن عباس صاحب

حسن عباس صاحب کی طرح ڈاکٹر احسن عباس صاحب نے بھی ابتدائی تعلیم گھر ہی پر حاصل کی۔ مشن اسکول، جونپور میں ۸/ جولائی ۱۹۴۴ء کو نہم میں داخلہ لیا اور اسی اسکول میں تعلیم حاصل کرتے ہوئے ۱۹۴۵ء میں میٹرک کا امتحان پاس کیا۔ آپ ۱۹۴۸ء میں پاکستان چلے آئے۔ ۱۹۴۹ء میں اردو کالج کراچی میں انٹر آرٹس میں داخلہ لیا اور سندھ یونیورسٹی سے ۱۹۵۳ میں بی اے کا امتحان پاس کیا۔ بعد ازاں آپ حکومت پاکستان کے ایک محکمہ میں ۱۹۵۶ء میں ملازم ہوئے۔ آپ نے ۱۹۵۸ء میں ہومیو پیتھک ڈاکٹری کی تعلیم حاصل کرنے کے لئے ہومیو پیتھک کالج میں داخلہ لیا اور اس کورس کی تکمیل کے بعد ۱۹۶۲ء میں اس کا امتحان پاس کیا۔ ۱۹۶۴ء سے اپنے والد حضرت عارفیؒ کے زیر نگرانی آپؒ نے رابسن روڈ کے مطب میں پریکٹس شروع کی۔ یہاں آپ صبح کے وقت مطب کیا کرتے تھے۔ اس مطب کو ختم کرنے کے بعد آپ پاپوش نگر کے مطب میں بیٹھنے لگے۔ جب آپ حضرت عارفیؒ کے ساتھ شمالی ناظم آباد میں منتقل ہو گئے تو

۱۹۷۲ء سے حیدری (شمالی ناظم آباد) میں مطب شروع کیا اور صبح اس مطب میں اور شام پاپوش نگر کے مطب میں بیٹھنا شروع کیا۔ حضرت عارفیؒ کے انتقال کے بعد بھی آپ کا یہ سلسلہ جاری رہا۔

آپ کی شادی قریشہ خاتون صاحبہ بنت محمد ہادی صاحب (حضرت عارفیؒ کے چچا) سے ۱۹۵۲ء میں ہوئی۔ آپ کی اہلیہ کے بطن سے ایک صاحبزادے حارث مصطفیٰ اور چار صاحبزادیاں یعنی صالحہ صاحبہ' ہاجرہ صاحبہ' شمیسہ صاحبہ' اور منیبہ صاحبہ' تولد ہوئے۔ ان کے علاوہ ایک اور صاحبزادی پیدا ہوئیں جن کا صغر سنی میں انتقال ہوگیا۔ آپ ۱۹۸۳ء میں فریضہ حج سے بہرور ہوئے۔

مستحسن عباس صاحب

حسن عباس صاحب اور ڈاکٹر احسن عباس صاحب کی طرح آپ نے بھی ابتدائی تعلیم گھر ہی میں حاصل کی۔ حضرت عارفیؒ نے آپ کو ابتداء میں ایک دینی مدرسہ میں داخل کیا مگر چند ناگزیر حالات کے تحت اس مدرسہ میں آپ اپنی تعلیم کو جاری نہ رکھ سکے۔ آپ نے ۱۹۵۵ء میں ثانوی تعلیمی بورڈ' لاہور سے بحیثیت پرائیویٹ طالب علم میٹرک کے امتحان میں شرکت فرمائی اور کامیابی حاصل کی۔ ۲۵/جون ۱۹۵۵ء کو آپ نے سندھ مسلم کالج میں ایف اے میں داخلہ لیا اور ایف اے کے امتحان میں کامیابی کے بعد اسی کالج میں مزید تعلیم حاصل کرتے ہوئے کراچی یونیورسٹی سے ۱۳/اگست ۱۹۶۰ء کو بی اے میں کامیابی حاصل کی۔ تعلیم مکمل کرنے کے بعد پاک شاہین ٹریڈنگ کمپنی میں ملازمت شروع کی اور اب آپ بحیثیت ڈائریکٹر کام کررہے ہیں۔

آپ کا عقد نکاح اپنی خالہ (ساجدہ بیگم صاحبہ زوجہ انجینئر ظفر احمد صاحب تھانوی) کی صاحبزادی راشدہ خاتون صاحبہ سے ۲۰/اپریل ۱۹۶۶ء کو ہوا، اللہ تعالیٰ نے آپ کو تین لڑکیاں یعنی فاطمہ صاحبہ' صائمہ صاحبہ اور قدسیہ صاحبہ عطا فرمائیں۔ آپ حضرت

عبدالغنی پھولپوریؒ سے ۱۹۵۸ء میں بیعت ہوئے۔

حضرت عارفیؒ کی ہمشیرہ نسبتی حمیرا صاحبہ کی شادی آپ کے پھوپھی زاد بھائی محمد ابراہیم صاحب سے ہوئی۔ محمد ابراہیم صاحب کا انتقال ۱۹۴۰ء میں ہو گیا۔ آپ کے بطن سے ایک صاحبزادی زہرہ خاتون صاحبہ اور دو صاحبزادے خورشید احمد صاحب اور مسعود صاحب تولد ہوئے۔ حمیرا صاحبہ کا انتقال ۱۹۴۳ء میں ہو گیا۔ ان کے انتقال کے بعد ان کے دونوں صاحبزادوں اور صاحبزادی کی پرورش حضرتؒ عارفیؒ نے کی۔ حضرتؒ نے زہرہ صاحبہ کی شادی اپنے بڑے صاحبزادے حسن عباس صاحب کے ساتھ کر دی۔

زہرہ خاتون صاحبہ

آپ کی ولادت ۱۹۳۱ء میں بمقام اورئی ہوئی۔ آپ کی والدہ حمیرا صاحبہ کے انتقال (۱۹۴۳ء) کے بعد آپ حضرت عارفیؒ کے زیر پرورش رہیں۔ ۱۹۴۸ء میں حضرت والا نے آپ کا نکاح اپنے بڑے صاحبزادے حسن عباس صاحب کے ساتھ کر دیا۔ یہ نکاح خانقاہ امدادیہ 'تھانہ بھون میں نہایت سادگی سے ہوا۔

خورشید احمد صاحب

آپ کی ولادت ۱۹۳۲ء میں بمقام اورئی ہوئی۔ ابتدائی تعلیم آپ نے وہیں حاصل کی۔ ۱۹۵۰ء میں کراچی آنے کے بعد آپ نے میرین انجینئرنگ کی تعلیم اور چار سال کی ٹریننگ مکمل کرنے کے بعد بحری جہاز پر بحیثیت انجینئر ملازمت اختیار کی۔ بعد ازاں آپ نے انگلستان سے میرین انجینئرنگ کے مختلف امتحانات پاس کئے۔ آج کل آپ بحری جہاز میں بحیثیت چیف انجینئر ملازم ہیں۔ آپ کی شادی اپنے ماموں سید علی حماد رضا صاحبؒ کی صاحبزادی بشریٰ صاحبہ سے ۱۹۶۰ء میں ہوئی۔

مسعود صاحب

آپ کی ولادت ۱۹۳۴ء بمقام جونپور ہوئی اور وہیں ابتدائی تعلیم حاصل کی ۱۹۵۰ء میں حضرتؒ کے ساتھ کراچی تشریف لائے۔ کراچی میں مزید تعلیم حاصل کرنے کے بعد بحری جہاز میں بحیثیت Navigating Officer ملازم ہوگئے۔ بعد ازاں خرابی صحت کی وجہ سے بحری جہاز کی ملازمت جاری نہ رکھ سکے۔ آج کل پورٹ قاسم، کراچی میں ملازمت کر رہے ہیں۔ آپ کی شادی حضرت عارفیؒ کی پھوپھی زاد بہن عزیز فاطمہ کی صاحبزادی صافیہ خاتون صاحبہ سے ۱۹۷۱ء میں ہوئی۔

نوے سالہ زندگی کا اجمالی جائزہ

حضرت ڈاکٹر محمد عبدالحیؒ صدیقی عارفیؒ نے اپنی یادداشتوں میں اپنے متعلق تحریر فرمایا:

"میری پیدائش سہ شنبہ ۸ محرم الحرام ۱۳۱۶ھ (جون ۱۸۹۸ء) بمقام کدورہ، ریاست باونی[1] صوبہ بندیلکھنڈ، متصل جھانسی، یوپی (ہندوستان) میں ہوئی۔ جدامجد مولوی کاظم حسین صاحبؒ نے میری تاریخ ولادت "نشید کاظم" میں اس طرح تحریر فرمائی ہے۔

صبح صادق روز سہ شنبہ ہشتم بود از ماہ نخست[2]
بخت نکورا وقت مبارک شاہد وارد عبدالحیؒ
عمر طویل و علم وسیع و دولت دینش حق بدہاد
بست بجا تار بخش کاظم فرخ باشد عبدالحیؒ

۱۳۱۲ھ
۴
۱۳۱۶ھ

ماہ و دیگر "فجر ہشتم محرم" ۱۳۱۶ھ

---

[1] باونی ایک سندیافتہ ریاست تھی۔ چونکہ سند کے ذریعہ باون (۵۲) دیہات عطا کئے گئے تھے اس لئے اس کا نام باونی رکھا گیا۔ یہ مسلم ریاست تھی۔ اس کے سردار نظام حیدرآباد دکن آصف جاہ کے پوتے امدادالملک غازی الدین کے خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔

[2] ماہ نخست محرم کو کہا جاتا ہے۔

تعلیم

''میں نے ۱۹۰۵ء میں قرآن شریف ختم کیا۔ جدامجدؒ نے شروع ہی سے (مجھے) کلام پاک کے علاوہ عربی کی صرف و نحو اور فارسی کی ابتدائی کتابیں پڑھانا شروع کرادیں۔ ۱۹۰۸ء میں (بمقام نیاگاؤں) میرا نام اسکول میں تیسری کلاس میں لکھا گیا اور میں سالانہ امتحان میں اول نمبر سے پاس ہوا۔ ۱۹۰۹ء میں جدامجدؒ نے مجھے اپنے دوست سید کرامت حسین صاحب جج ہائی کورٹ' الہ آباد کے پاس بھیج دیا۔ (جہاں) مارچ ۱۹۱۰ء میں شیوراکھن اسکول چوک الہ آباد میں (میں) چوتھے درجہ میں داخل ہوا۔ اسی سال طاعون کی وباء پھیلی اس لئے میں اور چچا محمد ہادی صاحب قبلہ بغیر امتحان میں شریک ہوئے گھر آگئے ۱۹۱۱ء میں ہم لوگ کدورہ سے اورئی پڑھنے کے لئے گئے۔ میں چوتھے درجہ میں داخل ہوا۔ اورئی میں ایک مکان کرایہ پر لے لیا تھا۔ اور ہم لوگ یعنی چچا محمد ہادی صاحب' چچا علی اوسط صاحب (جو اس وقت انٹرنس میں پڑھتے تھے) چچا علی ساجد صاحب چچا علی ثامن صاحب مرحوم سب ساتھ رہتے تھے۔''

''۱۹۱۲ء میں اورئی سے امتحان پاس کر کے (ہم) لکھنؤ پہنچ گئے۔ جوبلی ہائی اسکول میں (ہمارا) داخلہ ہوا۔ میں پانچویں جماعت میں داخل ہوا۔ اس سال جوبلی ہائی اسکول کا بورڈنگ ہاؤس قائم ہوا تھا اس لئے ہم لوگ اس کے پہلے بورڈرز ہوئے۔ پھر وہاں سے میں نے پانچواں اور چھٹا درجہ پاس کیا۔ ۱۹۱۴ء میں کانپور کرائسٹ چرچ ہائی اسکول میں ہمارا داخلہ ہوا۔ میں ساتویں جماعت میں داخل ہوا۔ اسی اسکول میں تعلیم پاتے ہوئے ۱۹۱۸ء میں ''اسکول لیونگ امتحان'' سیکنڈ ڈویژن میں اردو کے ڈسٹنکشن کے ساتھ پاس کیا۔ پھر ۱۹۱۸ء ہی میں ایم۔ اے۔ او کالج علی گڑھ چلا گیا۔''

''۱۹۱۸ء سے ۱۹۲۳ء تک میں نے ایف۔ اے اور بی۔ اے کی تعلیم علی گڑھ ایم۔ اے۔ او کالج میں حاصل کی اور ۱۹۲۰ء میں علی گڑھ ایم۔ اے۔ او کالج سے ایف۔ اے کا

امتحان پاس کیا۔ ۱۹۲۲ء میں پہلی بار بی۔اے کا امتحان الہ آباد یونیورسٹی سے (اکنامکس اور فارسی میں) دیا اور ناکام رہا۔ پھر ۱۹۲۳ء میں علی گڑھ سے بحیثیت ایم۔اے۔او کالج کے طالب علم الہ آباد یونیورسٹی سے امتحان دیا اور پھر ناکام رہا۔"

آپ اپنی تعلیم کے سلسلہ میں مزید رقمطراز ہیں:

"علی گڑھ کالج میں دوبارہ بی۔اے میں ناکامیاب رہنے کے بعد ۱۹۲۳ء میں علی گڑھ چھوڑ دیا۔ پھر آئندہ امتحان کے لئے میں نے بریلی کالج میں تعلیم جاری رکھی۔ وہاں بورڈنگ ہاؤس میں قیام رہا۔ پھر وہاں سے بی۔اے کا امتحان الہ آباد یونیورسٹی سے دیا۔ اس سال ۱۹۲۴ء میں بفضلہ تعالیٰ کامیابی ہوئی۔ اس زمانہ میں والد صاحب قبلہ کانپور میں تھے۔ میں بھی وہاں چلا گیا۔"

حضرت عارفیؒ نے ۱۹۲۴ء میں بی۔اے کا امتحان پاس کرنے کے بعد لکھنؤ یونیورسٹی میں ایل ایل بی میں اسی سال داخلہ لیا۔ اپنے مکتوب ۴ دسمبر ۱۹۲۵ء بنام حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ اپنی قانون کی تعلیم کے متعلق اطلاع دیتے ہوئے آپؒ تحریر فرماتے ہیں۔

"آج کل یہ خادم لکھنؤ کالج میں قانون کی تعلیم حاصل کر رہا ہے۔" اس اطلاع پر حضرت حکیم الامت نے استفسار فرمایا: "دعا کرتا ہوں لیکن سچی ایمانی طاقت اور اتباع سنت کیا تعلیم قانون کے ساتھ مجتمع ہو سکتی ہے؟"

اس استفسار پر آپ نے اپنے مکتوب ۸ دسمبر ۱۹۲۵ء میں تحریر فرمایا:

"حضور نے تحریر فرمایا ہے کہ سچی ایمانی طاقت و اتباع سنت قانون کے ساتھ مجتمع نہیں ہو سکتیں۔ مجھے یہ معلوم ہو کر بہت ملال ہوا کہ تعلیم قانون حاصل کرنے سے میں اتنی عظیم سعادت سے محروم ہو جاؤں گا۔ مجھے سخت افسوس ہے کہ میری عمر کا ایک گراں قدر حصہ محض بے سود صرف ہوا۔ مجھے خود اول سے قانون کی طرف رجحان طبیعت نہیں تھا لیکن چند واقعات نے مجھے میری مرضی کے خلاف مجبور کر دیا۔ بی۔اے

پاس کرنے کے بعد میرا ارادہ ملازمت کرنے کا تھا مگر کسی معقول ملازمت کی کوئی صورت نظر نہیں آئی۔ سب سے زیادہ میری طبیعت کا رجحان محکمہ تعلیم میں ملازمت کا تھا۔ میرا خیال تھا کہ اگر مجھے موقع نصیب ہوا تو کچھ اور مزید تعلیم حاصل کر لینے کے بعد صیغۂ تعلیمات میں چلا جاؤں گا۔ لیکن واقعات نے میری مساعدت نہیں کی اور مجھے قانون پڑھنا پڑھا۔ مجھے بتایا گیا کہ ہر چند قانون کا پیشہ ناجائز مشہور ہے لیکن فی زمانہ بہ نسبت دیگر ملازمتوں کے اس میں پھر بھی عافیت ہے۔ کوئی محکمہ ملازمت ایسا نہیں جس میں ضمیر کے خلاف زندگی بسر نہ کرنا پڑتی ہو۔ بحیثیت ماتحت ہونے کے ہر ملازمت میں غیر مستحسن زندگی بسر کرنے کے لئے ہر شخص مجبور ہے۔ الّاماشاءاللہ۔ لوگوں کا خیال ہے کہ قانون کے پیشہ میں پھر بھی اتنی آزادی ہے (۱) کہ انسان اگر چاہے تو ناجائز مکاسب سے اپنے کو بچا سکتا ہے۔ اگر قناعت واستقلال سے کام لیا جائے تو (۲) سچے مقدمات اور سچے معاملات سے سروکار رکھ کر ایک حد تک غیر مذموم زندگی بسر ہو سکتی ہے۔ قانون کے پیشہ میں خواہ مخواہ اپنے ضمیر کے خلاف کرنے پر مجبوری نہیں ہے۔ جیسا کہ دوسری ملازمتوں میں ہے۔ اب میری تعلیم کے ختم ہونے میں صرف پانچ مہینے اور باقی ہیں۔ میرے اعزہ کا خیال ہے کہ میں تعلیم قانون سے فراغت کے بعد (۳) منصفی کے لئے کوشش کروں اگر اس میں کامیابی ہو تو بہتر ہے۔ قانون سے مجھے کبھی دلچسپی نہیں تھی۔ میری خاص دلچسپی صیغۂ تعلیم سے ہمیشہ تھی۔ اب بھی میرا خیال ہے کہ اگر کوئی موقع ملا تو میں ضرور نشاءاللہ تعالیٰ اس صیغہ میں جانے کی کوشش کروں گا۔ بہر صورت جو خدا کو منظور ہے وہی ہوگا۔''

اس مکتوب پر حضرت حکیم الامتؒ نے نشان زدہ جملوں کے متعلق سلسلہ وار تحریر فرمایا:

(۱) صرف آزادی کے پہلو پر لوگوں نے نظر کی، جائز و ناجائز سے کوئی بحث نہیں۔

(۲) سچا ہی معاملہ ہو مگر کوشش تو قانون کے موافق کی جاتی ہے جو شرع کے خلاف ہے۔

(۳) یہ تو وکالت سے بھی زیادہ خطرناک ہے۔

قانون کی تعلیم کے متعلق حضرت حکیم الامتؒ کے تاثرات سے واقفیت کے بعد حضرت عارفیؒ اپنے مکتوب بنام حضرت حکیم الامتؒ مورخہ ۲۲ جنوری ۱۹۲۶ء میں رقمطراز ہیں:

"تعلیم قانون کے متعلق شرعی مسائل معلوم ہو کر میرے خیالات میں اصلاح ہو گئی۔ گو میں پہلے بھی وکالت کی طرف میلان طبعی نہیں رکھتا تھا مگر مجھے یہ علم نہ تھا کہ شریعت اس پیشہ کو کسی صورت میں جائز نہیں رکھتی۔ چونکہ کثیر تعداد مسلمان طلباء کی قانون پڑھنے پر مجبور ہو جاتی ہے اس لئے کہ فی زمانہ ہر ملازمت کا دروازہ مسدود ہے۔ ہر صیغہ میں اس قدر کافی تعداد امیدواروں کی موجود رہتی ہے کہ اول تو ہنود کے مقابلہ میں پھر بارسوخ لوگوں کے مقابلہ میں کامیابی ہونا قطعی غیر ممکن ہوتا ہے۔ میری بھی یہی حالت تھی کہ میں قانون پڑھنے پر مجبور ہو گیا لیکن اب مجھے تعلیم قانون کے متعلق شرعی مسائل معلوم ہو کر بے حد پس و پیش لاحق ہے۔ میرے پورے دو سال اس تعلیم میں صرف ہو چکے ہیں اور اب میری طبیعت اس سے بالکل برداشتہ ہو چکی ہے۔"

اس مکتوب پر حضرت حکیم الامتؒ نے تحریر فرمایا:

"میں فتویٰ تو دیتا نہیں جس کو عام طور پر حجت بنایا جائے۔ لیکن مجموعی حالات کو پیش نظر رکھ کر اپنا خیال ظاہر کرتا ہوں جس چیز کو شروع کیا ہے عملاً تو اس کی تکمیل کر لی جائے باقی عمل تو اپنا اختیاری فعل ہے اس کے لئے پھر مستقل مشورہ ہو سکتا ہے۔"

انگریزی تعلیم کے برے اثرات

حضرت عارفیؒ نے ایم۔اے۔او کالج علی گڑھ اور لکھنؤ یونیورسٹی میں تعلیم حاصل

کی مگر یونیورسٹی کی تعلیم سے آپ متاثر نہیں ہوئے بلکہ اس ذریعہ تعلیم سے نالاں تھے۔ اپنے مکتوب مورخہ ۸؍دسمبر ۱۹۲۵ء بنام حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی قدس سرہ العزیز میں اس تعلیم کے متعلق رقمطراز ہیں:

"فی زمانہ اکتساب معاش کا مسئلہ اس قدر دشوار ہو رہا ہے کہ کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا کیا جائے۔ زمانے کا انقلاب کچھ ایسا ہو رہا ہے کہ والدین جو پرانی تعلیم اور پرانے خیالات کے ہیں اس کا اندازہ اکثر نہیں کر سکتے کہ ہم لوگوں کو کس طرح تعلیم دی جائے اور ہمارا مستقبل کیا ہونا چاہئے۔ وہ ہماری بہبودی کے خواہاں ہوتے ہیں لیکن واقعات اور ضروریات زندگی سے مجبور ہو کر وہ حتی الامکان ہم کو اس راہ پر لگا دینے کی کوشش کرتے ہیں جس میں کچھ فلاح نظر آتی ہے۔ لیکن نئی تعلیم کچھ اس قدر ناقص ہے کہ اس میں زندگی کا اصلی جوہر ہاتھ سے جاتا رہتا ہے۔ حکومت وقت کا کچھ ایسا اثر غالب ہے کہ موجودہ تعلیم مذہب سے بالکل بیگانہ کر دیتی ہے۔ ہمارے والدین کو اس کا احساس نہیں ہوتا اور جب ہم تعلیم پا چکتے ہیں تو ہم کو اس کا احساس ہوتا ہے۔ لیکن یہ احساس عمر کا ایک بیش قیمت حصہ رائیگاں کرنے کے بعد حاصل ہوتا ہے۔ تعلیم حاصل کرنے کے بعد پھر دنیا میں کسی کام کے نہیں رہتے اور جس مقصد کے لئے تعلیم حاصل کی جاتی ہے اس میں بھی شاذ و نادر ہی کامیابی حاصل ہوتی ہے حالات کے تقاضے اور ضروریات زندگی، اکتساب معاش کے لئے مجبور کر دیتے ہیں پھر جو کچھ قسمت میں ہوتا ہے ویسی ہی زندگی بسر کرنی پڑتی ہے۔

یہ تمام معاملات حضور پر خود اچھی طرح روشن ہیں۔ حضور کو اچھی طرح علم ہے کہ ایک کثیر تعداد انگریزی تعلیم یافتہ لوگوں کی میری طرح کس حالت میں ہے۔"(۲)

اس مکتوب پر حضرت حکیم الامتؒ نے سلسلہ وار تحریر فرمایا:

"(۱) یہ بالکل سچ ہے

(۲) بالکل سچے جملے ہیں۔ ان جملوں نے آپ کی ایک خاص درجہ کی محبت

میرے دل میں پیدا کر دی۔"

بہر حال حضرت عارفیؒ نے لکھنؤ یونیورسٹی سے ایل ایل بی کا امتحان پاس کرنے کے بعد منصفی کا امتحان الہ آباد جا کر دیا مگر ناکام رہے۔ اس طرح حضرت عارفیؒ کے ابتدائی ۱۸ سال (۱۹۰۸ء تا ۱۹۲۶ء) حصول تعلیم میں گزرے۔

وکالت

حضرت عارفیؒ نے اپنی تعلیم مکمل کرنے کے بعد وکالت کا پیشہ اختیار کیا۔ اس سلسلہ میں آپ رقمطراز ہیں:

"۱۹۲۶ء میں (قانون کا) امتحان پاس کرنے کے بعد جب میں تھانہ بھون حاضر ہوا تو میں نے حضرت (حکیم الامتؒ) سے عرض کیا کہ تعلیم قانون کے متعلق عندالملاقات زبانی گفتگو کے لئے تحریر فرمایا تھا۔ اس پر حضرت نے بے ساختہ فرمایا کہ مجھے تو صرف یہی کہنا تھا کہ "تارک الوکالت ہونا بہتر ہے بہ نسبت متروک الوکالت ہونے سے"۔

بس اس وقت حضرت نے اسی قدر فرمایا۔ میں نے دل میں سوچا کہ ابھی تو میں نے وکالت شروع بھی نہیں کی پھر تارک اور متروک کے کیا معنی مگر

"قلندر آنچہ گوید دیدہ گوید"

اپنی یادداشتوں میں اس پیشہ سے ابتدائی تعلق کے بارے میں آپ تحریر فرماتے ہیں۔

"نتیجہ نکلنے کے بعد کچھ روز تک بمقام سہارنپور مولوی منفعت علی صاحب وکیل کے ساتھ کام سیکھنے کی غرض سے رہا اور کچھ روز محمد الیاس وکیل فوجداری کے ساتھ رہا۔ پھر نومبر ۱۹۲۶ء میں ہردوئی چلا آیا اور لکھنؤ چیف کورٹ میں انرولمنٹ کرایا اس وقت تک وہاں چھ ماہ کی ٹریننگ کی شرط نہ تھی۔ ہردوئی میں مولوی سید محمود الحق صاحب

کے ہمراہ وکالت کا کام کچھ عرصہ تک کرتا رہا۔"

مینجری / رسیوری

چونکہ وکالت کا پیشہ آپ کی طبیعت سے مناسبت نہیں رکھتا تھا اس لئے اس میں خاطر خواہ کامیابی حاصل نہ ہو سکی۔ آپ کی دیانت داری کی وجہ سے ۸ / اگست ۱۹۲۸ء کو عدالت سب جج کی طرف سے آپ کو ریاست کھجوارہ کا رسیور مقرر کیا گیا۔

ترک وکالت

رسیوری کی پیچیدگیوں اور عدالت کی ریشہ دوانیوں کی وجہ سے آپ نے وکالت کے پیشے کو حتمی طور پر ترک کرنے اور ہومیوپیتھک ڈاکٹری کے پیشہ کو اختیار کرنے کا ارادہ کر لیا۔ اس سلسلہ میں اپنے مکتوب بنام حضرت حکیم الامتؒ میں آپ رقمطراز ہیں:

"بعض لوگ مجھ پر اعتراض کرتے ہیں کہ میں نے قانون کی تعلیم حاصل کی۔ ڈگری حاصل کی، اور نو برس تک اپنی عمر اس میں صرف کی۔ اس کا ترک کر دینا میری پست ہمتی ہے ورنہ اگر سچائی سے کام لیا جائے تو وکالت کوئی مذموم چیز نہیں کیونکہ حضور والا نے اپنے اکثر خادموں کو وکالت کا کام کرتے ہوئے بھی مجاز بنایا ہے۔ اس لئے مجھے وکالت ترک کرنے میں کچھ مصلحت نہیں معلوم ہوئی۔ مجھ کو ہمت اور تندہی سے وکالت ہی کرنا چاہئے۔ مگر بحمد اللہ مجھ کو کسی کے اعتراض سے یا بطور خود کبھی بھی ایک لمحہ کے لئے بھی کوئی تاسف یا اشکال و تذبذب پیدا نہیں ہوتا۔ میں اپنے آپ کو موجودہ حالت میں نہایت ہی مطمئن محسوس کرتا ہوں۔

ڈاکٹری کے متعلق بھی مجھ سے کہا جاتا ہے کہ اگر اس کو اختیار کیا ہے تو وہ سب ذرائع اختیار کرو جس سے شہرت ہو۔ حکام سے ملو، رئیسوں اور عام لوگوں سے رسم و راہ اختیار کرو۔ محض اس قدر تدبیر کافی نہیں کہ گھر بیٹھے ہوئے مطب شروع کر دیا

ہے۔ مگر میں اس مشورہ پر عمل کرنے کے لئے اپنے آپ کو فطرۃً وطبعاً نااہل ونا قابل سمجھتا ہوں میں اپنے ذہن میں سمجھتا ہوں کہ میں نے ایک تدبیر اختیار کرلی ہے اور آگے اللہ تعالیٰ پر توکل و بھروسہ ہے جو کچھ رزق مقسوم ہے وہ مجھ کو پہنچے گا۔"(مکتوب ۱۱ نومبر ۱۹۳۵ء)

حضرت عارفیؒ ترک وکالت اور ہومیوپیتھک ڈاکٹری کے آغاز کے متعلق فرماتے ہیں:

"خداداد بات ہے کہ ۱۹۳۵ء کے آخر میں کچھ ایسے اتفاقات اور حالات رونما ہوئے کہ مجھ کو سلسلہ وکالت کے قائم رکھنے میں شدید تردد پیدا ہوگیا۔ بالآخر حضرت والاؒ کا کچھ صریح ایما پاکر اور اپنے عزیز ہومیوپیتھک ڈاکٹر کی ترغیب اور تحریک اور معاونت حاصل ہونے پر میں نے ستمبر ۱۹۳۵ء میں قطعی طور پر اس کو ختم کردیا اور وکالت کا سرٹیفکیٹ ہائی کورٹ الہ آباد میں جمع کردیا۔ دسمبر ۱۹۳۵ء کی آخری تاریخ میں اس کی میعاد ختم ہوگئی (اور) میں نے جونپور میں پہلی جنوری ۱۹۳۶ء سے ہومیوپیتھک پریکٹس شروع کردی۔" (بزم اشرف کے چراغ)

حضرت عارفیؒ کو حکیم الامت نے ۱۹۳۵ء میں مجاز صحبت بنایا تھا اور اس تبدیلی کسب معاش کی اطلاع پر حضرت حکیم الامتؒ نے آپ کو اپنے مجازین بیعت میں شامل فرمایا۔

ہومیوپیتھک ڈاکٹری کے پیشے کو حضرت والا نے کیوں، کب اور کیسے اختیار فرمایا، آپ ہی کے الفاظ میں ملاحظہ فرمائیے:

"میری تعلیمی قابلیت بی۔اے، ایل۔ایل۔بی ہے۔ ۱۹۲۶ء سے لے کر ۱۹۳۵ء تک میں نے وکالت کی مگر میں اس سے کبھی سمجھوتہ نہیں کرسکا۔ اس زمانے میں میرے ایک (رشتہ کے) چچا ہومیوپیتھی ادویات مفت تقسیم کرتے تھے اور میرے والد نے بھی کسی حد تک ہومیوپیتھی کا مطالعہ کیا تھا۔ اس وقت میں ان دونوں حضرات کی مخالفت کیا

کرتا تھا کہ آپ میٹھی گولیوں سے کیوں لوگوں کو دھوکہ دیتے ہیں۔ میں اکثر اپنے چچا کے دواخانے میں ان کے ساتھ بیٹھا کرتا تھا اور ان کے کہنے پر لوگوں کو دوائیں بنا کر دیتا تھا تو اس دوران مجھے احساس ہوا کہ یہ تو بڑا حیرت انگیز علاج ہے اور یہ چھوٹی چھوٹی دوائیں بڑے بڑے امراض میں انتہائی کامیاب ثابت ہوتی ہیں۔ اس طرح مجھے ہومیوپیتھی میں دلچسپی محسوس ہوئی۔ پھر میرے بزرگوں نے بھی مشورہ دیا کہ میں اسے اختیار کرلوں۔ میں نے اس کو اسٹیڈی کیا۔ کینٹ، نیشن اور ایلن کو پڑھا اور ان لوگوں کے حیرت انگیز کارنامے پڑھ پڑھ کر میرا اشتیاق بڑھتا گیا اور پھر میں نے مکمل طور پر ہومیوپیتھک ڈاکٹری کا پیشہ اختیار کرلیا۔" (معالج، کراچی شمارہ فروری ۱۹۸۶ء)

ترک وطن

حضرت عارفی ؒ نے اپنی زندگی کے ۵۲ سال (۱۸۹۸ء تا ۱۹۵۰ء) ہندوستان میں گزارنے کے بعد اپنے وطن مالوف کو ترک کرنے پر مجبور ہوئے، مشیت الٰہی کو آپ سے پاکستان میں تبلیغ دین کا کام لینا مقصود تھا اس لئے آپ ہجرت فرما کر پاکستان تشریف لائے۔

اپنی یادداشتوں میں اسباب ترک وطن اور سفر پاکستان کے متعلق آپؒ رقمطراز ہیں:

"وہم وگمان بھی نہ تھا کہ اب جونپور سے کہیں اور بھی جانا ہے اور کیوں جانا ہو سکتا ہے۔ پردہ غیب میں کچھ اور ہی مستور تھا جس کا ظہور ہوا اور ۱۹؍ مئی ۱۹۵۰ء کو مع اہل و عیال ترک جونپور پر مجبور ہوا۔ ۲۰؍ مئی ۱۹۵۰ء کو جونپور سے رخصت ہو کر ہم لوگ تھانہ بھون پہنچے پھوپھا علی سجاد صاحب قبلہ مدظلہ کے پاس قیام رہا۔ حسن سلمہ کانپور سے چچا محمد ہادی قبلہ مدظلہ کو اور سب متعلقین کو لے کر تھانہ بھون آگئے۔ میں یکم جون ۱۹۵۰ء؍ ۱۴؍ شعبان المعظم ۱۳۶۹ھ جمعرات کو دو روز کے لئے اٹاوہ (محمد آفتاب احمد خان صاحب سے ملاقات کے لئے گیا) ۱۰؍ جون ۱۹۵۰ء کو میں نے اپنے اہل و عیال و چچا محمد ہادی صاحب کے اہل و عیال کے ساتھ تھانہ بھون سے رخصت ہو کر براہ راست

سہارن پور ‘امر تسر اور لاہور کا سفر اختیار کیا۔ اور ہندوستان کو بظاہر ہمیشہ کے لئے ترک کر دیا۔ سہارنپور میں دن بھر رہ کر شب میں گیارہ بجے امر تسر کے لئے روانہ ہوئے صبح آفتاب نکلنے پر امر تسر پہنچے وہاں سے دو بجے روانہ ہو کر واہگہ پہنچے وہاں ہم لوگوں کے سامان وغیرہ کا جائزہ لیا گیا پھر وہاں سے چار بجے کے قریب سرحد پاکستان پر پہنچے ‘اور سرحد عبور کر کے نماز عصر ادا کی اور وہاں سے موٹروں پر روانہ ہو کر مغرب کے قریب لاہور اسٹیشن پر پہنچے۔ شب بھر وہاں قیام کیا صبح نو بجے ڈاک گاڑی سے روانہ ہو کر دوسرے روز ۱۳ / جون ۱۹۵۰ء بروز منگل گیارہ بجے دن کراچی اسٹیشن پر پہنچے۔“

کراچی میں قیام

حضرتؒ نے کراچی تشریف لانے کے بعد پیر الٰہی بخش کالونی میں اپنے ہم زلف ظفر احمد صاحب تھانویؒ کے مکان میں اپنے اہل و عیال اور دیگر اعزاء کے ساتھ کچھ عرصہ کے لئے قیام فرمایا۔ رہائش کے لئے علیحدہ مکان کے حصول کے لئے کوشش جاری رکھی مگر ایک مدت تک مکان نہیں مل سکا۔ اپنی یادداشتوں میں آپ تحریر فرماتے ہیں:

”مکان کا مسئلہ کراچی میں اہم ترین مسئلہ ہے۔ بغیر پگڑی کے مکان نہیں ملتا اور پگڑی بھی تین چار ہزار سے کم و بیش رقم کی ہوتی ہے۔ مطب تو برنس روڈ کے قریب ہی مل گیا مگر مکان نہیں ملا۔“

مطب رابسن روڈ

”رابسن روڈ متصل برنس روڈ پر خوش قسمتی سے بفضلہٖ تعالیٰ ایک کمرہ مطب کے لئے مل گیا جو بہت غنیمت تھا۔ میری جان پہچان کے احباب جن سے ملاقات ہوتی گئی میرے مطب کے آغاز میں کام شروع ہونے کا سبب بنتے گئے۔ اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم ہے کہ امید سے زیادہ مرجوعہ اور آمدنی کی صورت پیدا ہو گئی ہے۔“

جگہ ملتے ہی آپ نے ۱۹/ اگست ۱۹۵۰ء سے مطب کا آغاز فرمایا۔ کراچی میں بھی حضرت عارفی ؒ کی شہرت بڑھتی گئی، حتی کہ آپ نے پاکستان کے اصحاب اقتدار کا بھی علاج کیا۔ آپ نے ایک انٹرویو میں فرمایا:

"جیسا کہ میں نے بتایا کہ میں ۱۹۵۰ء میں پاکستان آیا اس وقت یہاں ہومیوپیتھی پر سناٹا طاری تھا اور لوگ نہیں جانتے تھے کہ ہومیوپیتھی کیا ہے۔ اس دوران میری کافی ہمت افزائی ہوئی۔ کوئی حلقہ ایسا نہ تھا جہاں مجھے نہ بلایا گیا ہو۔ اس زمانے کے گورنر جنرل غلام محمد نے مجھے اپنے علاج کے لئے بلایا پھر بیگم رعنا لیاقت علی خان، چوہدری محمد علی، محترمہ فاطمہ جناح اور جناب چندریگر صاحب تک کا علاج میں نے کیا ہے۔ یہ میری خوش قسمتی سمجھ لیں کہ میں اس میدان میں یہاں تنہا تھا۔ صبح سے شام تک کراچی کے کونے کونے میں میری آمدورفت جاری رہتی تھی۔ میں نے کراچی کے ہر حلقے میں ہومیوپیتھی کی خدمت کی۔ اس زمانے میں میری Visiting fees (۱۰) روپے تھی جو میں سب سے وصول کیا کرتا تھا۔ خواہ گورنر ہو یا عام آدمی۔ یہ Visiting کا کام ۱۹۶۰ء تک جاری رہا اور اللہ کا احسان ہے کہ اس نے مجھے بہت عزت اور شہرت دی اور میرے ہاتھوں بہت سے لاعلاج مریض بھی صحت یاب ہوئے۔" (معالج کراچی۔ شمارہ فروری ۱۹۸۶ء)

جون ۱۹۵۰ء سے ۱۹۵۵ء تک آپ کا قیام پیر الٰہی بخش کالونی میں رہا۔ اس دوران آپ پیر الٰہی بخش کالونی سے صبح و شام دونوں وقت مطب تشریف لایا کرتے تھے۔ ۱۹۵۵ء میں جب آپ کو مطب کے قریب رتن تلاؤ میں کرایہ کا مکان مل گیا تو آپ پیر الٰہی بخش کالونی سے یہاں منتقل ہوگئے اور مارچ ۱۹۵۸ء تک یہاں مقیم رہے پھر ناظم آباد بلاک نمبر ۵، کمرشیل ایریا میں بیت الاشرف میں منتقل ہوگئے اور بیت الاشرف ہی میں مطب کا آغاز کیا۔ اس سلسلہ میں آپ فرماتے ہیں:

مطب بیت الاشرف

''۱۹۵۰ء سے ۱۹۶۰ء تک میں نے رابسن روڈ پر کلینک کیا اور اس کے بعد پاپوش نگر منتقل ہو گیا اور ۱۹۶۰ء سے اب تک یہیں کلینک چلاتا رہا ہوں لیکن اب میں نے خانہ نشینی اختیار کر لی ہے۔ کہیں بھی وزٹ پر نہیں جاتا۔ خواہ کوئی بلائے۔''

حضرت عارفیؒ نے وزٹ کے معاملے میں تو خانہ نشینی اختیار کر لی مگر مطب کا سلسلہ ۲۳؍ مارچ ۱۹۸۶ء تک جاری رہا۔

تبلیغ دین

اسلامی تعلیمات سے عوام الناس کی روگردانی اور بے راہ روی اور احکامات اسلامی پر بے عملی کی وجہ سے آپ فکر مند ہوا کرتے تھے اور آپ اپنے محبین و معتقدین کو اپنے مطب میں اور ملاقاتوں میں اسلامی تعلیمات کی طرف توجہ دلاتے رہتے۔ آپ کے مطب میں جسمانی اور روحانی دونوں قسم کے مریض تشریف لایا کرتے اور شفایاب ہوتے تھے۔ ۱۹۵۸ء میں جب آپ پاپوش نگر منتقل ہوئے تو اپنی رہائش گاہ سے متصل خالی جگہ پر جمعہ کے دن عصر اور مغرب کے درمیان مجلس منعقد کرنا شروع کی جس میں آپ معاشرہ میں پھیلے ہوئے فواحشات و منکرات کی نشاندہی فرماتے اور اصلاح کی طرف متوجہ کرتے تھے۔ آپ کا طرز تکلم اتنا دل پذیر تھا کہ سامعین کو اپنا گرویدہ بنالیتا تھا۔ اس دل پذیری کو اپنے شیخؒ کے فیض سے تعبیر کر کے خود ارشاد فرمایا ؎

لوگ کہتے ہیں تری باتوں میں ہوتا ہے اثر
بات یہ ہے کہ ان ہی کی بات دہراتا ہوں میں

آپ کی اس مجلس میں حاضرین کثرت سے شریک ہونے لگے جس کی وجہ سے یہ مجلس جلسہ کی شکل اختیار کرنے لگی۔ لوگ دور دور سے بلکہ دوسرے شہروں سے بھی

اس میں شرکت کے لئے آنے لگے اور جن کا بھی آپ سے اصلاحی تعلق پیدا ہوا ان کی زندگیوں میں ایک انقلاب برپا ہوا اور مختصر سی مدت میں ان کی حالت بدل گئی۔ یہ مجلس آپ کی درسگاہ یا خانقاہ یادکان معرفت تھی۔

حضرت عارفیؒ کی اسلامی اخوت و محبت

حضرت عارفیؒ کی اسلامی اخوت و محبت اور ملت مسلمہ کی خدمت کے زیر عنوان حضرت رفعت احمد خان صاحب نے اپنے تاثرات قلمبند فرمائے جو حضرتؒ کی ان کیفیات کی عکاسی کرتے ہیں۔ ملاحظہ فرمایئے

"زندگی بھر حضرتؒ کا نصب العین اسلام اور مسلمانوں کی خدمت تھا۔ یوں کہنے کو تو اس جذبہ اسلامی کی اہمیت کے سب ہی قائل ہیں لیکن اس کی ایسی لگن اور تڑپ جو سعی و عمل سے ہم آہنگ کردے کم نظر آتی ہے۔ حضرتؒ کا امتیازی وصف ایک ایسا قلب مضطر تھا جو اسلام کی محبت سے سرشار تھا اور انھیں والہانہ انداز میں ہر وقت اسلام اور ملت کی خدمت کے لئے بے چین رکھتا تھا۔ بقول اقبال ؎

مضطرب رکھتا ہے میرا دل بے تاب مجھے

حضرتؒ نے خود ہی اپنی کیفیت یوں بیان فرمائی ہے ؎

میں ہوں اس بحر حوادث میں وہ موج بے قرار
زندگی جس کے لئے ساحل سے ٹکرانے میں ہے

مختلف ممالک میں اپنوں اور غیروں کے ہاتھوں مسلمانوں کی تباہی و بربادی، قتل و غارت گری اور خونریزی کے واقعات اور حالات دیکھ کر، سن کر اور پڑھ کر بے چین ہو جاتے تھے۔ امیر مینائی کا یہ شعر آپ پر حسب حال تھا ؎

خنجر چلے کسی پہ تڑپتے ہیں ہم امیر
سارے جہاں کا درد ہمارے جگر میں ہے

اپنی صحت اور ضعف العمری کا خیال کئے بغیر آپ ہر وقت سرگرم عمل رہتے تھے۔
گویا بقول غالب ؎

موج خوں سر سے گزر ہی کیوں نہ جائے
آستان یار سے اٹھ جائیں گے

یا بقول اقبال ؎

پھونک ڈالا ہے میری آتش نوائی نے مجھے
اور میری زندگانی کا یہی ساماں بھی ہے

مسلمانوں کی موجودہ تباہی اور پھر ان کی بے حسی پر افسوس و ملال کرتے ہوئے فرماتے تھے کہ نہ اصلاح کی عملی تدابیر اختیار کرتے ہیں اور نہ اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع ہوتے ہیں۔ بس ایمانی تقاضوں اور اسلامی جذبات سے خالی ہوتے جارہے ہیں۔ میں نے اوپر حضرتؒ کے جن اضطراب انگیز جذبات کا ذکر کیا ہے ان کے شواہد سے حضرتؒ کی زندگی بھری ہوئی ہے۔ میں پاکستان کے چند واقعات کا ذکر کرتا ہوں۔

۱۔ سقوط مشرقی پاکستان کا حضرتؒ کے دل و دماغ پر بڑا گہرا اثر تھا۔ شدت احساس کے ایسے حالات میں اسلامی تعلیمات اور پند و نصائح کو صرف تقریر تک محدود نہیں رکھا بلکہ ایک کتابچہ "تازیانہ عبرت" کی شکل میں طبع کرا کے تقسیم کر دیا۔

۲۔ اسی طرح پاکستان میں سیلاب کی تباہ کاریوں کے وقت "سیلاب فنا اور سفینہ نوح" کے عنوان سے مسلمانوں کے لئے ضروری ہدایات تحریر فرما کر تقسیم کرائیں۔

اسی جذبہ اخوت و ہمدردی اور خدمت مسلمہ کا ایک اور اہم سنگین واقعہ بیان کرتا ہوں۔

۳۔ غالباً اکتوبر ۱۹۸۳ء کا واقعہ ہے کہ لانڈھی میں ایک صاحب نے تین دن مسلسل

حضور ﷺ کی زیارت مبارکہ خواب میں کی۔ اس موقع پر نبی کریم ﷺ نے ان صاحب سے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا قہر متوجہ ہونے والا ہے۔ مسلمانوں سے کہہ دو اور اعلان کر دو کہ گناہوں کو ترک کریں۔ توبہ اور استغفار کریں۔ ان صاحب سے اعلان کرنے میں کوتاہی ہوئی تو لانڈھی میں زلزلہ آیا۔ وہ صاحب حضرتؒ کے پاس آئے۔ اس واقعہ کو سن کر حضرتؒ بے چین ہوگئے اور خود تقریراً اور تحریراً مسلمانوں کو اخلاص کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے رجوع کرنے کی تلقین فرمائی۔ ایک کتابچہ بھی "مسلمانوں کے لئے ایک اہم انتباہ" کے عنوان سے شائع فرمایا جو ایمانی تقاضوں کا مرقع تھا اور مفید ہدایات پر مشتمل تھا۔ دراصل حضرتؒ کا دل اخوت اسلامی کے جذبات سے لبریز تھا۔ مسلمانوں کے کسی بھی خطے کے مصائب اور مظلومیت کی خبر سن کر ان کی حالت غیر ہو جاتی تھی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ عزیز و اقارب کا حال سنا ہے۔

حضرتؒ کو ابتداء ہی سے تعلیم و تعلم کا ذوق تھا اس لئے درس و تدریس کو ذریعہ معاش بنانے کی آرزو تھی۔ وکالت کے دوران بھی آپ شعبہ تعلیم میں مناسب اسامی کے حصول میں کوشاں رہے مگر سعی بسیار کے باوجود سر رشتہ تعلیم کے کسی شعبہ میں بھی ملازمت نہ مل سکی۔ اتباع سنت رسول اللہ ﷺ میں تجارت کو ذریعہ معاش بنانا چاہا مگر آپ کو اس کا کوئی نہ تجربہ تھا اور نہ ہی خاطر خواہ سرمایہ۔ اس لئے تجارت کا ارادہ بھی ترک کرنا پڑا۔ اللہ تعالیٰ کو آپ سے رشد و ہدایت کا کام لینا تھا اس لئے اللہ تعالیٰ نے حضرتؒ کے ذریعہ معاش کے لئے ہومیوپیتھک ڈاکٹری کا پیشہ منتخب کیا۔ اس پیشہ سے آپ پچاس سال منسلک رہے اور عوام کا جسمانی علاج کے علاوہ روحانی علاج بھی کیا۔

اجمالی طور پر حضرت عارفیؒ کی سن ہجری کے لحاظ سے نوے (۹۰) سالہ زندگی حصول علم اور اصلاحی درس اور تصنیف و تالیف میں گزری۔ نیز طالب علمی کے ابتدائی دور کے علاوہ ساری عمر اپنے حلال معاش کے لئے بذات خود کوشاں رہے۔ آخری عمر میں اپنی دینی اور علمی مصروفیات کے باوجود کسی پر بوجھ بننا یا اپنے معاشی فرائض سے

اعراض یا گریز کرنا کبھی گوارا نہ فرمایا۔ بقول ڈاکٹر محمد الیاسؒ (خلیفہ مجاز بیعت حضرت عارفیؒ) ''میرے شیخ نوے (۹۰) سال کی عمر تک اپنی حلال روزی کے حصول سے کبھی غافل نہیں رہے۔'' ﴿ذالِكَ فَضْلُ اللهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَاءُ﴾

اللہ تعالیٰ حضرت عارفیؒ کو مقام علیین میں اعلیٰ مقام عطا فرمائیں۔ آمین

آداب واندازِ زندگی

حضرت عارفی" مآثر حکیم الامت" میں اپنے شیخ مجدد وقت حضرت حکیم الامت قدس اللہ سرہ العزیز کی خصوصیات اندازِ زندگانی کے زیرِ عنوان رقمطراز ہیں۔

"تعلیمات نبوت کی تجدید فرمانے والے اور ایک مجدد ملت کا منصب رکھنے والے کی یہی شان ہونا چاہئے کہ اسکی زندگی کا ہر انداز ﴿لَقَدْ کَانَ لَکُمْ فِی رَسُوْلِ اللّٰہِ اُسْوَۃٌ حَسَنَۃٌ﴾ (تم لوگوں کے لئے رسول (ﷺ) کی ذات میں ایک عمدہ نمونہ موجود ہے اور ہمیشہ رہے گا) کا پورا مصداق ہو۔ کیونکہ جب وہ مسلمانوں کو احیاء سنت کی تعلیم و تبلیغ کر رہا ہو تو خود بھی اس کی ساری زندگی اسی تعلیم کا نمونہ ہونا چاہئے۔ اس کے تمام عادات و معاملات اور اخلاقیات و معاشرت قدم بقدم اتباع سنت ہی کی صراط مستقیم پر ہوں۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت حکیم الامت مجدد ملت شاہ محمد اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہ العزیز کی فطرت سلیم ہی میں متابعت سنت کی صلاحیت ودیعت فرمائی تھی حضرت والاؒ کا تمام ضابطہ حیات و انداز زندگانی اسی سے مرتب نظر آتا ہے اور یہ چیز آپ کے تمام کارناموں' اشاعت و تبلیغ دین و انداز تعلیم و تربیت باطن میں ہر طرح ظاہر و نمایاں نظر آتی ہے۔

حضرتؒ نے اپنے تمام ظاہری و باطنی اعمال کو اسوۂ حسنہ رسول کریم ﷺ میں ڈھال لیا تھا اور بقول حق تعالیٰ جو کوئی حضور ﷺ کی اتباع اپنے امور زندگی میں کرے گا اللہ تعالیٰ خود اس سے محبت فرمائیں گے۔ ایک بندہ عاجز کے لئے اس سے بڑا احسان و انعام الٰہی اور کیا ہو سکتا ہے۔"[۱]

---

۱ مآثر حکیم الامتؒ ص ۵۱۔ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱۴۰۶ھ

حضرت عارفیؒ کے اپنے شیخؒ کی خصوصیات انداز زندگانی کے متعلق مندرجہ بالا اقتباس کی روشنی میں اگر حضرت عارفیؒ کی زندگی کا جائزہ لیا جائے تو بلاشبہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ آپ کی خصوصیات انداز زندگانی پر بھی کم و بیش یہی نگارشات صادق آتی ہیں۔ کیونکہ آپ اپنے شیخؒ کے رنگ میں پوری طرح رنگے ہوئے تھے۔ حضرت مولانا محمد شفیع صاحبؒ اس بات کی تصدیق یوں فرماتے ہیں:

''اخی فی اللہ عارف باللہ محترم ڈاکٹر عبدالحیَ صاحب دامت برکاتہم کو حق تعالیٰ نے بہ فیض سیدی حضرت حکیم الامت تھانویؒ جو کمالات عطا فرمائے ہیں مجھ جیسے ضعیف الہمت کے لئے قابل رشک عطیہ ہیں۔'' [1]

اہتمام اتباع سنت

اتباع سنت حضرت والاؒ کی عادت ثانیہ بن گئی تھی خواہ کتنا ہی اہتمام کرنا پڑے، سنت کے مطابق ہی عمل کرتے تھے چنانچہ ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ آپ نے مسجد باب الاسلام کراچی میں پانی پینے کے لئے مسجد میں رکھے ہوئے گڑھے میں سے پانی گلاس میں لیا اور اپنے کرتے کو سمیٹتے ہوئے بیٹھ کر پانی پیا اور گلاس گھڑے پر رکھ دیا۔ اس اہتمام سے پانی پیتے ہوئے دیکھ کر ایک صاحب نے کہا ''ذرا سا پانی پینے کے لئے آپ نے اتنا اہتمام کیا'' تو آپ نے جواباً فرمایا ''عادت سی ہو گئی ہے۔'' ان صاحب نے حضرت سے پوچھا کیا آپ حضرت حکیم الامتؒ سے تعلق رکھتے ہیں؟ تو آپ نے اثبات میں جواب دیا۔ سبحان اللہ آپ کی اتباع سنت کی عادت آپ کے شیخ کی نسبت کو بھی ظاہر کر رہی تھی۔ آپ صرف پانی پینے جیسے روزمرہ کے عمل میں ہی اتباع سنت کا اہتمام نہیں فرمایا کرتے تھے بلکہ آپ کی تمام طرز زندگی اتباع سنت میں ڈھلی ہوئی تھی کیونکہ ہر وقت اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ﴿قُلْ اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰہَ فَاتَّبِعُوْنِی﴾ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) فرما دیجئے کہ اگر تم اللہ

---

[1] صہبائے سخن ص ۱۷۔ ادارہ اسلامیات لاہور ۱۹۸۸ء

تعالیٰ سے محبت رکھتے ہو تو تم لوگ میری اتباع کرو) آپ کے پیش نظر رہتا تھا۔ ارشاد ربانی کی تعمیل کے لئے ہی آپ نے قرآن و احادیث اور حضرت حکیم الامت ؒ کی تصانیف و تالیفات اور دیگر دینی کتب سے استفادہ کرتے ہوئے شرعی احکامات کے مسنون طریقوں کو اپنی بیاضوں میں تحریر کرکے ان پر پوری توجہ اور اہتمام سے عمل پیرا تھے۔ مزید براں اپنی اور دوسروں کی رہبری کے لئے ان احادیث کو جن کا تعلق انسانی امور زندگی سے ہے احادیث اور سیرت کی کتب سے استفادہ کرتے ہوئے یکجا فرمایا۔ احادیث کا یہ ذخیرہ اسوہ رسول اکرم ﷺ سے موسوم کتاب کی شکل میں ہمارے لئے مشعل راہ ہے۔

اتباع سنت کا آسان طریقہ

حضرت ؒ اتباع سنت کے متعلق ایک آسان طریقہ یہ بتاتے تھے کہ جو بھی کام کیا جائے اتباع سنت کی نیت کے تحت کیا جائے۔ ابتداء میں ایسی سنتوں پر عمل کیا جائے جو عمل میں آسان ہوں تو ان کی عادت ہو جائے گی پھر رفتہ رفتہ سب سنتوں پر عمل کرنے کی توفیق ہو جائے گی۔ اس طرح امور زندگی کا ہر عمل اتباع سنت پر ہوگا۔

حضرتؒ فرمایا کرتے تھے کہ:۔

”میں نے سالہا سال اس بات کی باقاعدہ مشق کی ہے کہ صبح سے شام تک کی زندگی کا ہر کام اتباع سنت سے کیا جائے اور مشق اس طرح کی ہے کہ لذیذ کھانا سامنے آیا' بھوک لگی ہوئی ہے' دل چاہ رہا ہے کہ اسے کھائیں لیکن چند لمحوں کے لئے نفس کو کھانے سے روک لیا' نفس کی خواہش پر نہیں کھائیں گے پھر سوچا کہ یہ اللہ تعالیٰ کی نعمت اور ان کی عطا ہے اور آنحضرت ﷺ کی سنت یہ تھی کہ نعمت ہائے خداوندی کو شکر ادا کرکے استعمال فرماتے تھے اب اس سنت کی اتباع میں کھائیں گے۔ گھر میں داخل ہوئے' بچہ پیارا معلوم ہوا' دل چاہا کہ اسے گود میں اٹھا کر اس سے دل بہلائیں لیکن چند

لمحوں کے لئے نفس کو روکا کہ نفس کی خواہش پر اسے نہیں اٹھائیں گے پھر ایک لمحہ غور کرنے کے بعد کہ آنحضرت ﷺ بچوں سے محبت فرماتے تھے اور انہیں کھلایا کرتے تھے اب آپ کی سنت کی اتباع میں اٹھائیں گے۔ ٹھنڈا پانی سامنے آیا پیاس لگی ہوئی ہے اور دل کی خواہش ہے کہ اسے جلدی سے پی لیا جائے لیکن کچھ وقفہ کے لئے اپنے آپ کو روکا اور کہا کہ صرف دل کی خواہش پر پانی نہیں پئیں گے پھر تھوڑے وقفے کے بعد استحضار کیا کہ آنحضرت ﷺ کو ٹھنڈا پانی بہت مرغوب تھا اب آپ کی سنت کی اتباع میں پئیں گے اور انہیں آداب کے ساتھ پئیں گے جن کی آپؐ رعایت فرمایا کرتے تھے"۔

فرمایا کہ "صبح سے شام تک ہر کام کے وقت اس طرح غور و فکر کی مدتوں مشق کی۔ الحمد للہ اس کے نتیجے میں ہر کام کے وقت اتباع سنت کی نیت کی عادت پڑ گئی اور اب خود بخود ہر کام میں نیت مستحضر ہو جاتی ہے۔"[1]

رجوع الی اللہ

اتباع سنت ہی میں حضرت والا نے ہر معاملہ میں رجوع الی اللہ کو اپنا لیا تھا۔ آپ اپنے خدام اور منتسبین کو ہر معاملہ میں رجوع الی اللہ کی عادت ڈالنے کی تعلیم دیتے تھے۔ رجوع الی اللہ کے سلسلہ میں حسن عباس صاحب دو عجیب و غریب سبق آموز واقعات یوں بیان کرتے ہیں:

(۱) یہ ۱۹۵۷ء کا واقعہ ہے کہ میں ملازمت کی تلاش میں تھا' اس زمانہ میں حکومت پاکستان کے ایک سیکریٹری صاحب والد صاحبؒ کے پاس آیا کرتے تھے' والد صاحب نے ان سے میری ملازمت کے لئے کہا اور یہ بھی فرمایا کہ "یہ کام میں نے آپ کے سپرد کر دیا" اس کے بعد میں ان صاحب سے ملا اور انہوں نے میرے سامنے ایک بڑے ادارے کے چیئرمین کو فون کیا۔ ظاہر ہے کہ سیکریٹری کا فون کرنا ہی کافی تھا۔ انہوں نے

---

[1] ماہنامہ البلاغ کراچی اشاعت خصوصی صفر تا ربیع الثانی ۱۴۰۷ھ ص ۲۲۹، ۲۳۰

ملازمت ملنے کا پورا یقین دلا دیا۔ والد صاحب کو خیال گزرا کہ انہوں نے بہت غلط بات کہہ دی کہ "آپ کے سپرد کیا" سپرد تو اللہ تعالیٰ کو کرنا چاہئے تھا اس کا ذکر حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے کیا تو انہوں نے تسلی دی کہ آپ نے یہ بات محض محاورۃً کہہ دی ہوگی لیکن والد صاحب کو تسکین نہ ہوئی 'آپ نے استغفار کیا اور اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ ملازمت نہ ملے۔ چنانچہ باوجود اتنی بڑی سفارش کے وہ ملازمت مجھے نہ ملی اور کچھ روز بعد اس سے بہتر ملازمت بغیر سفارش کے دوسری جگہ مل گئی۔

(۲) بیت الاشرف ناظم آباد نمبر ۵ میں ہمارا قیام تھا والد صاحبؒ رابسن روڈ (کراچی) پر مطب کرتے تھے۔ روزانہ صبح میرے ساتھ مطب جاتے تھے 'مطب میرے آفس کے راستہ میں تھا۔ ایک روز بریٹو روڈ کے قریب میری موٹر ایک دوسری موٹر سے ٹکرا گئی، غلطی میری تھی دونوں موٹروں کو کافی نقصان ہوا 'پولیس والے رپورٹ لکھنے آئے تو والد صاحبؒ نے بیان میرے خلاف دیا اور صاف صاف بتادیا کہ غلطی انہی کی (میری) ہے 'پولیس انسپکٹر کو تعجب بھی ہوا کہ وہ اپنے بیٹے کے خلاف بیان لکھوا رہے تھے بعد میں میرا دوسری موٹر کے مالک سے سمجھوتا ہو گیا اور اس طرح پولیس سے نجات ملی۔"[۱]

حضرت والاؒ کی ساری زندگی رجوع الی اللہ اور لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ کے مصداق تھی اور آپ کا تعلق اللہ سے روز بروز قوی سے قوی تر ہوتا گیا۔ اس کیفیت کا اظہار آپ یوں کرتے ہیں۔

فنا کیسی بقا کیسی جب ان کے آشنا ٹھہرے
کبھی اس گھر میں آ ٹھہرے کبھی اس گھر میں جا ٹھہرے

---

[۱] ماہنامہ البلاغ کراچی۔ اشاعت خصوصی صفر تا ربیع الثانی ۱۴۰۷ھ ص ۲۴،۲۵

تسلیم و رضا

تسلیم و رضا حضرتؒ کی زندگی کا ایک جزو لاینفک تھا آپ کا یہ شعر ؎

عارفی ہو تو گئے خوگر تسلیم و رضا
عشق سے گر نہ ہوا کچھ ہمیں حاصل نہ سہی

آپ کی اس کیفیت کو ظاہر کرتا ہے۔ حضرتؒ کو اللہ تعالیٰ نے تسلیم و رضا کا ایسا مقام عطا فرمایا تھا کہ سخت سے سخت حوادث میں بھی آپ کے چہرے پر پریشانی، غصہ یا گھبراہٹ نہیں دیکھی گئی۔ آپ اکثر اللہ تعالیٰ کی ایک ایک نعمت کا ذکر فرماتے اور تمام نعمتوں کا استحضار کر کے شکر ادا کرتے تھے اور آپ کی زبان مبارک پر اَللّٰھُمَّ لَکَ الْحَمْدُ وَلَکَ الشُّکْرُ جاری رہتا تھا۔ غم یا ناگواری کے وقت آہستہ آہستہ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ کا تکرار فرماتے اور ایسے موقع پر آپ کی زبان سے بے اختیار لا اِلٰہَ اِلا اللّٰہ کا کلمہ جاری ہو جاتا۔ ہر حال میں راضی برضا رہتے تھے۔ خود ہی فرماتے ہیں۔

منازل بے خودی شوق کے سب ہو چکے پورے
بس اب باقی رہا ہے محو لذات فنا ہونا

حضرت والاؒ اپنی زندگی کے ہر کام اور نقل و حرکت میں اللہ تعالیٰ سے رجوع کر کے اسی سے مدد مانگنے کے عادی تھے۔ اپنے خدام سے فرمایا کرتے تھے کہ ہر کام سے پہلے ایاك نعبد و ایاك نستعين کہنے کی عادت ڈالو بلکہ ہر وقت دل میں یہ رٹ لگاؤ کہ یا اللہ اب میں کیا کروں؟ پھر دیکھو کہ کیا سے کیا ہو جاتا ہے۔

مزاج و مذاق طبیعت

حضرت عارفیؒ کی طبعی و مزاجی کیفیت کے متعلق مولانا محمد رفیع عثمانی صاحب دامت برکاتہم فرماتے ہیں:

"محترم دوست کیپٹن سراج صاحب (جو برسوں سے حضرت کے ساتھ والہانہ

خادمانہ تعلق رکھتے اور حضرت کے مزاج شناس تھے) ایک دن ہم حضرتؒ کے یہاں حاضر تھے تنہائی میں فرمانے لگے آپ حضرتؒ کے پاس اطمینان سے کھل کر بیٹھا کریں، کھل کر بات کیا کریں، ہم تو حضرتؒ کے پاس ہنستے بولتے بھی ہیں اور اس طرح رہتے ہیں گویا اپنے والد کے پاس ہوں۔ حضرت والاؒ ان باتوں سے مسرور ہوتے ہیں۔ بلاشبہ انہوں نے تجربہ کی بات ارشاد فرمائی اور ان کی زبان حال قابل رشک انداز میں وہ بات کہہ رہی تھی جو کبھی حضرت عارفیؒ نے فرمائی تھی۔

میں نے ساری عمر کی ہے خدمت پیر مغاں
مجھ سے پوچھو میکدے کی زندگی ہوتی ہے کیا [1]

آپ کی طبیعت میں خادمیت کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ آپ نے بارہا اپنی مجالس میں فرمایا:

"ایک عظیم منصب آپ کو ایسا بتاتا ہوں کہ اس سے آپ کو کوئی معزول نہیں کر سکتا، کوئی اس پر حسد نہیں کر سکتا، کوئی اس کی راہ میں رکاوٹ نہیں ڈال سکتا وہ منصب خدمت ہے۔ خادم بن جاؤ ہر کام میں دوسروں کی خدمت کی نیت کرلو ساری خرابیاں "مخدوم" بننے سے پیدا ہوتی ہیں۔ خادم بننے میں نہ کوئی خرابی ہے نہ جھگڑا، یہ منصب سب سے اعلیٰ ہے۔ ہمارے اللہ میاں کو بندے کی عبدیت سب سے زیادہ محبوب ہے۔"

حضرت والا صرف خادمیت کی تعلیم ہی نہیں دیتے تھے بلکہ اس پر آپ کا پورا پورا عمل بھی تھا۔ سید فہیم الدین حسین صاحب اس سلسلہ میں ایک سبق آموز واقعہ بیان کرتے ہیں:

"حضرت والاؒ اپنے چند عزیز واحباب کے ہمراہ پہلی مرتبہ بحری جہاز سے حج کے لئے تشریف لے جارہے تھے اس وقت میں اور کیپٹن سراج صاحب نے بحری جہاز پر

---

[1] ماہنامہ البلاغ کراچی۔ اشاعت خصوصی صفر تا ربیع الثانی ۱۴۰۷ھ ص ۱۶۰

سامان رکھوانے کی ذمہ داری لے رکھی تھی۔ چونکہ صبح کو روانگی تھی اس لئے ہم دونوں رات حضرت کے پاس ٹھہر گئے۔ عشاء کی نماز سے فارغ ہو کر حضرت اپنی رہائش گاہ کی پہلی منزل پر تشریف لے گئے۔ پہلے ہمارے لئے کھانا بھجوایا کچھ دیر کے بعد کسی کو بھیج کر دریافت فرمایا کہ کسی اور چیز کی ضرورت تو نہیں۔ ہم بیٹھے بے تکلف باتیں کرتے ہوئے کھانا کھا رہے تھے 'اس وقت "کچھ کم تو نہیں اور بھجوا دیں" کی آواز کان میں پڑی' اس آواز پر میں نے متوجہ ہو کر دیکھا تو حضرت والاؒ سامنے کھڑے تھے' ہم نے بیٹھے بیٹھے ہی کہا کہ کسی چیز کی ضرورت نہیں۔ جب کھانے کے برتن وغیرہ جا چکے تو حضرتؒ نے بستر وغیرہ بھجوایا اور کچھ دیر بعد دوبارہ تشریف لائے اور فرمایا "اب سو جاؤ" حضرت والا سے ۳۴ سالہ تعلق میں ہمیں معلوم ہی نہ ہو سکا کہ خادم کون ہے اور مخدوم کون؟"[۱]

حضرتؒ کو "نفیس رنگوں کی قیمتی اور خوبصورت پینسل' قلم اور گھڑیاں جمع کرنے کا شوق تھا۔ طرح طرح کے قلم اور گھڑیاں اکٹھا کرتے تھے جن کو چند سالوں سے تقسیم کرنا شروع کر دیا تھا۔ ایک صاحب کو قلم دیتے ہوئے فرمایا کہ اب اس کا کام ختم ہو گیا ہے اور گھڑی کا شوق بھی نہ رہا' اب وقت بھی پورا ہو گیا ہے۔ کتابیں جمع کرنے کا بہت شوق تھا ایک چھوٹی سی لائبریری بنائی تھی جس کے لئے وصیت فرما گئے ہیں کہ اولاد در اولاد اس کو قائم رکھا جائے۔"[۲]

کیپٹن سراج الحسن صاحب حضرت عارفیؒ کی مزاجی کیفیت کے متعلق فرماتے ہیں:

"ایک دن میں مطب گیا حضرتؒ مریضوں سے فارغ ہو کر حاضرین کی طرف متوجہ تھے۔ مجھ پر نظر پڑی تو میں نے سلام کیا حضرت نے مصافحہ کے لئے ہاتھ بڑھایا' قریب پہنچا تو مصافحہ فرما کر کرسی کی طرف بیٹھنے کا اشارہ فرمایا اور فرمایا "کیسے آنا ہوا" میں نے

---

[۱] حضرت عبدالحیؒ (غیر مطبوعہ مضمون)

[۲] ماہنامہ البلاغ کراچی۔ اشاعت خصوصی صفر تا ربیع الثانی ۱۴۰۷ھ ص ۳۴

عرض کیا بس یونہی چلا آیا۔ حضرت نے لمحہ بھر کے تامل کے بعد مسکراتے ہوئے فرمایا:

"ہمارے ہاں آنے والوں کی عجیب عجیب قسمیں ہیں۔ کوئی ہم سے دوا لینے آتا ہے تو کوئی دعا لینے، کوئی امانت رکھوانے آتا ہے تو کوئی واپس لینے، کوئی قرض مانگنے آتا ہے تو کوئی لوٹانے، کوئی اہل تعلق سے سفارش کروانے آتا ہے تو کوئی ذوق سخن و لذت سماعت کی تسکین کی خاطر، کوئی کچھ سنانے آتا ہے تو کوئی کچھ سننے کے لئے، کوئی خواب کی تعبیر دریافت کرنے آتا ہے تو کوئی بزرگ جان کر بزرگی سمیٹنے، کوئی اللہ والا سمجھ کر اللہ کا راستہ پوچھنے آتا ہے تو کوئی بزرگوں سے نسبت کے ناطے بیعت ہونے۔ ہم بھی حسب طلب اور حسب توفیق جو بن پڑتا ہے ہر ایک کی خدمت کرتے رہتے ہیں مگر ان سب آنے والوں کے علاوہ ایک قسم اور بھی معلوم ہوئی جو بڑی خاص قسم ہے اور وہ ان آنے والوں کی ہے جو یوں ہی چلے آتے ہیں۔ ہم نے بہت غور کیا یونہی چلے آنے والوں کا معاملہ کیا ہے اور ان سے کیا معاملہ کیا جائے؟ بہت دنوں بعد یہ گتھی سلجھی کہ "یوں ہی چلے آنے والے" کسی خاص غرض سے نہیں آتے تو گویا صرف ہمارے لئے چلے آتے ہیں تو بھائی ہم ان کو کیا پیش کریں ان کے لئے تو ہم خود حاضر ہیں۔"

حضرتؒ نے جب یہ فرمایا تو جی چاہا کلیجہ نکال کر حضرتؒ کے قدموں میں ڈال دوں۔ سبحان اللہ کیا حال ہوا ہوگا مدینہ والوں کا جب آقائے نامدار ﷺ نے یہ فرمایا ہوگا "اچھا تو یہ مال متاع تو سارے کا سارا مکہ والوں کو دیئے دیتا ہوں اور تم مجھے اپنے ساتھ لے چلو۔"[۱]

سادگی اور نفاست

سادگی اور نفاست حضرتؒ کی زندگی میں رچ بس گئی تھی۔ لباس، رہن سہن بلکہ زندگی کے ہر پہلو کا غائر جائزہ لیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ سادگی اور نفاست آپ کے

۱؎ دست بر آورد (غیر مطبوعہ مضمون)

ہر عمل میں اجاگر تھی۔ اور طبیعت کی پاکیزگی، نفاست اور خوش مذاقی ہر ادا سے نمایاں تھی۔ فرماتے تھے "کوئی چیز بے قاعدہ رکھی ہو تو بڑی ذہنی کوفت معلوم ہونے لگتی ہے۔" اس نفاست مزاج کا اثر گفتگو پر بھی تھا۔ اگر کوئی لفظ جو شائستگی کے معیار سے ذرا ہٹا ہوا ہو طبیعت پر بار گزرتا تھا۔ حضرت مولانا تقی عثمانی صاحب اس سلسلہ میں اپنا ایک واقعہ یوں بیان کرتے ہیں۔

"ایک مرتبہ احقر حاضر خدمت ہوا حضرتؒ کو کہیں تشریف لے جانا تھا مگر سواری موجود نہ تھی۔ احقر کے پاس کار تھی عرض کیا "حضرت میں آپ کو چھوڑتا جاؤں گا" حضرتؒ نے بے ساختہ فرمایا "چھوڑتے جاؤ گے یا پہنچاتے جاؤ گے؟" بھئی ہمیں یہ پسند نہیں کہ کوئی ہمیں چھوڑ کر جائے۔ آج کل یہ جملہ بہت رواج پا گیا ہے کہ کسی شخص کو اپنی سواری میں کہیں پہنچانے کو چھوڑنے سے تعبیر کرتے ہیں۔ حالانکہ چھوڑنے کے لفظ میں ایک بیزاری کا سا پہلو ہے۔ صحیح لفظ پہنچانا ہے وہی استعمال کرنا چاہئے۔"[1]

حضرت عارفیؒ کی نفاست پسندی کا یہ عالم تھا کہ اگر کوئی چیز بے ڈھنگی اور طریقہ سے نہ رکھی ہوئی ہو تو آپ کی طبیعت میں ایک ناگواری اور الجھن کی سی کیفیت پیدا ہوتی تھی۔ چنانچہ حضرت مولانا محمد رفیع عثمانی صاحب اس سلسلہ میں فرماتے ہیں:

"ایک مرتبہ اپنی ایک دیرینہ خلش حضرتؒ سے یہ عرض کی کہ گھر یا دفتر وغیرہ میں کوئی چیز ٹیڑھی یا غیر متوازی نظر آئے تو جب تک وہ ٹھیک نہ ہو جائے تو نظر بار بار وہیں اٹکتی رہتی ہے حضرتؒ نے فرمایا:

"بھئی یہ بیماری ہمیں بھی ہے، دیکھئے یہ دو دستر خوان جہاں آپس میں مل رہے ہیں اگر یہ ذرا سا آگے پیچھے ہو جائیں تو الجھن ہوتی رہتی ہے۔ کسی کے گھر جائیں اور وہاں فرش وغیرہ کے نقوش یا کوئی چیز غیر متوازی نظر آئے تو آنکھوں میں کھٹکتی رہتی ہے ہم نے تو اس کا علاج یہ کیا ہے کہ جہاں جاتے ہیں وہاں کی چیزوں سے قطع نظر کر لیتے ہیں

---

[1] ماہنامہ البلاغ کراچی۔ اشاعت خصوصی صفر تا ربیع الثانی ۱۴۰۷ھ ص ۲۴۵

کیوں خود کو تکلیف میں ڈالیں۔"[۱]

شفقت و محبت

حضرت عارفیؒ 'اتباع سنت میں ہر شخص سے شفقت و محبت سے پیش آتے تھے۔ آپ کی شفقت و محبت ہی تھی جس کی وجہ سے آپ کے دولت کدہ اور مطب میں دور دراز علاقوں سے سالکین تشریف لاتے اور آپ سے استفادہ کرتے تھے۔ عیدالفطر کے موقع پر اپنے اخراجات سے ضیافت کا انتظام کرتے تھے جس میں کثیر تعداد میں افراد شرکت کرتے تھے۔ آپ سے جو بھی ملتا اس سے نہ صرف شفقت و محبت سے پیش آتے بلکہ بہت سی دعاؤں سے اسے نوازتے تھے طبیعت کی ناسازی ہو یا ناگواری آپ کی شفقت و محبت میں کوئی فرق نہیں آتا تھا۔ آپ نہ صرف متعلقین سے محبت کرتے بلکہ یہ فرمایا کرتے تھے کہ "یہ مجھ سے محبت کرتے ہیں"۔ جو بھی آپ سے ملتا آپ کا گرویدہ ہو جاتا تھا اور یہ محسوس کرتا تھا کہ حضرت والاؒ دوسروں کے مقابلہ میں اس سے زیادہ اور خصوصی محبت فرماتے ہیں۔ آپ کی شفقت و محبت کی انتہا یہ تھی کہ روزانہ سونے سے قبل اہل و عیال اور رشتہ داروں کے علاوہ اپنے تمام محبین اور متعلقین وغیرہ کے لئے دعا فرماتے تھے۔ اور فرماتے تھے "جب میں دعا شروع کرتا ہوں تو احباب کی صورتیں فلم کی ریل کی طرح سامنے آجاتی ہیں اور میں سب کے لئے دعا کرتا رہتا ہوں" اور یہ بھی فرماتے تھے "جب تک میں سب کے لئے دعا نہ کرلوں سوتا نہیں ہوں" وفات سے کچھ روز پہلے ارشاد فرمایا:

"اب میرا یہ حال ہے کہ جب تک دارالعلوم کا اور اپنے تمام مریدوں کا خواہ وہ دنیا کے کسی کونے میں ہوں ان کے لئے دعا اور ان کی حفاظت کے لئے حصار نہ کرلوں اس وقت تک سوتا نہیں ہوں۔"

---

[۱] ماہنامہ البلاغ کراچی۔ اشاعت خصوصی صفر تا ربیع الثانی ۱۴۰۷ھ ص ۱۹۳

حضرت کی شفقت و محبت کی اتنی مثالیں ہیں کہ ان سب کا احاطہ کرنا ایک مشکل امر ہے، نمونتاً چند مثالیں درج ذیل ہیں۔

۱............ حضرت مولانا مفتی محمد یوسف لدھیانوی صاحب فرماتے ہیں:

"حضرتؒ کے عناصر ترکیبی میں محبت کا عنصر سب سے غالب تھا۔ ان کا خمیر محبت کی مٹی سے گوندھا گیا تھا اور شیخ کامل کی نظر کیمیا اثر کی کرامت سے حسن ازل کا عشق ان کے رگ و پے میں سرایت کر گیا تھا، وہ کشتہ محبت ہی نہیں سراپا محبت بن گئے تھے۔ حضرتؒ کی محفل بجائے خود درس محبت تھی۔ آپ کی مجلس میں محبت کی خوشبو مہکتی تھی اور آپ کے بیانات میں بھی اکثر محبت ہی زیر بحث آتی۔ فرماتے تھے کہ "ہمارے حضرت (تھانویؒ) فرمایا کرتے تھے کہ ہمیں تو سارے سلوک کا حاصل صرف ایک چیز معلوم ہوتی ہے اور وہ ہے محبت۔"[۱]

۲............ حضرت مولانا محمد رفیع عثمانی صاحب فرماتے ہیں:

"۱۱ر شوال ۱۳۹۶ھ کی صبح کو حضرت والد ماجد (حضرت مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ) کا جنازہ گھر میں رکھا تھا، رات ۱۲ بج کر ۱۹ منٹ پر ان کی وفات ہو چکی تھی، میں جنازے کی پائنتی کی طرف حضرت عارفیؒ کے پہلو میں کھڑا تھا اچانک دل میں ایک امید افزا احساس بڑی قوت سے پیدا ہوا اور میں نے رندھی ہوئی آواز میں مگر پر اعتماد انداز میں حضرت والاؒ سے عرض کیا "حضرت ہم آپ کی موجودگی میں خود کو یتیم نہیں سمجھتے۔" "بلاشبہ آپ کو میرے متعلق یہی احساس رکھنا چاہئے میں بھی انشاء اللہ آپ کے اس تعلق محبت کا حق ادا کرنے کی مقدور بھر کوشش کروں گا۔"

"ایسے موقع پر لوگ تسلی کے لئے اس قسم کی باتیں کہہ تو دیا کرتے ہیں لیکن نبھاتا کون ہے؟ اور نبھانا آسان بھی تو نہیں لیکن یہ عارف باللہ ولی اللہ کا وعدہ تھا جو اس کے تمام عواقب و نتائج پر غور کرنے کے بعد کہا گیا تھا۔ آپ نے زندگی بھر اس کے ایک ایک لفظ کا ایسا حق ادا فرمایا کہ اس کی نظیر کہیں دیکھنے میں نہیں آئی۔"[۲]

۱۔ ماہنامہ بینات کراچی۔ شعبان المعظم ۱۴۰۶ھ ص ۵،۴

۲۔ ماہنامہ البلاغ کراچی۔ اشاعت خصوصی صفر تا ربیع الثانی ۱۴۰۷ھ ص ۱۸۰۔۱۸۱

۳............ حضرت نصرت علی صدیقی صاحبؒ فرماتے ہیں:

"حضرت والاؒ محبت و شفقت کے پیکر عظیم تھے احقر پر اور احقر زادہ پر بہت شفقت فرماتے تھے۔ فرماتے تھے "میں تم سے اپنے گھر والوں کی طرح محبت کرتا ہوں" احقر کا قیام مکہ مکرمہ میں تھا' کراچی میں ملاقات پر فرمایا "کبھی تمہارے خطوط آنے میں دیر ہو جاتی ہے ہمیں انتظار رہتا ہے اب تم چھٹی گزار کر واپس جاؤ تو اپنے پتہ کے لفافے ہم کو دے جانا جب تمہارے خط میں معمول سے زیادہ دیر ہو گی (تو) ہم خود خط لکھ دیا کریں گے۔

حضرت والاؒ نے ازراہ شفقت اور احقر کا دل رکھنے کے لئے ہدیہ لانے کی اجازت مرحمت فرما رکھی تھی۔ حضرت والاؒ نے ایک مرتبہ احقر سے فرمایا "یہ کپڑے تم ہی لائے ہو مجھے کپڑے بنوانے کی ضرورت نہیں ہوتی۔" یہ اس قدر محبت بھرے الفاظ میں فرمایا کہ احقر کے آنسو بے اختیار جاری ہوگئے' حضرت والاؒ نے فوراً بات کا رخ بدل دیا"[۱]

(۴) حضرتؒ کی محبت و شفقت کا ایک دلنشین واقعہ کیپٹن سراج الحسن صاحب نے بیان فرمایا:

"جناب احسان اللہ صاحب لالو کھیت (لیاقت آباد) ڈاک خانے پر لوہے کی جالیاں بناتے ہیں۔ سیدھے سادے آدمی ہیں۔ یہ ان پرانے کفش برداروں میں سے ایک ہیں جنہیں حضرت ڈاکٹر صاحبؒ انتہائی شفقت سے "ہمارے چار یار" فرمایا کرتے تھے۔ جب بھی کوئی اور حضرت کے سر میں تیل ڈال رہا ہوتا اور احسان اللہ آجاتے تو حضرتؒ اسے فوراً روک دیتے اور فرماتے "یہ ہمارے پرانے سرپرست آگئے ہیں اب انہیں موقع دو۔"

ایک دن احسان اللہ صاحب اپنی بیٹی کی شادی کا رقعہ لے کر حضرتؒ کی خدمت میں

---

[۱] ماہنامہ البلاغ کراچی۔ اشاعت خصوصی صفر تا ربیع الثانی ۱۴۰۷ھ ص ۲۳

حاضر ہوئے، مصافحہ کیا تو محسوس کیا کہ حضرت کو ہلکا سا بخار ہے۔ انہوں نے رقعہ پیش کرتے ہوئے عرض کیا کہ یہ میری بیٹی کی شادی کا دعوت نامہ ہے، چونکہ حضرت کی طبیعت ناساز ہے اس لئے شادی میں شرکت نہ فرمائیں۔ بس دعا فرمادیں۔

حضرت نے مسکرا کر فرمایا "ہاں طبیعت بے کیف ہے لیکن جو کام کرنے کے ہیں وہ رو کے تو نہیں جاسکتے تمہارا تو ہم پر حق ہے، دعا بھی کرتے ہیں ان شاء اللہ شرکت بھی کریں گے۔"

انہی دنوں کی بات ہے کہ صدر جنرل ضیاء الحق صاحب نے جناب مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب اور جناب مفتی محمد تقی عثمانی صاحب کے توسط سے حضرت حکیم الامتؒ اور خاص طور پر حضرت مفتی محمد حسن صاحبؒ لاہوری سے اپنے تعلق نیازمندی کا تذکرہ کرتے ہوئے درخواست کی کہ ان کی بیٹی کا نکاح حضرت ڈاکٹر صاحب پڑھادیں چونکہ صدر صاحب نے حضرت حکیم الامتؒ سے نسبت کا حوالہ دیا تھا اس لئے حضرتؒ اسلام آباد تشریف لے گئے۔ نکاح کے بعد صدر صاحبؒ نے حضرتؒ سے التجا کی کہ مزید ایک دن ایوان صدر میں قیام فرمائیں حضرتؒ نے اس التجا کو یہ کہہ کر مسترد کردیا کہ ان کی کراچی میں اپنے ایک دوست کی بیٹی کے نکاح میں شرکت ضروری ہے۔ جس شخص کو حضرتؒ نے دوست فرمایا اور جس کی بیٹی کے نکاح میں شرکت کی خاطر ایوان صدر میں قیام کو مسترد فرمایا یہ وہی لالوکھیت کے (احسان اللہ صاحب) تھے۔"[1]

حضرتؒ کی محبت و شفقت کی صفت نے آپ کے خدام اور متعلقین کو آپ سے والہانہ محبت کرنے پر مجبور کردیا۔ یہ کیفیت صرف ان لوگوں ہی کی نہیں تھی جن کو آپ سے ملاقات اور تعلق کا شرف حاصل تھا بلکہ ایسے بھی تھے جنہوں نے آپ کو نہ کبھی دیکھا اور نہ ملاقات کی بلکہ صرف خط و کتابت کے ذریعہ آپ سے رابطہ تھا۔ وہ بھی آپ سے بے حد محبت کرتے تھے انہی میں سے ایک غیاث الدین بھنیاں سابق ڈپٹی

---

[1] دست بر آورد (غیر مطبوعہ مضمون)

پوسٹ ماسٹر جنرل ڈھاکہ بھی تھے۔جب آپ ملازمت سے سبکدوش ہو گئے تو آپ نے حضرتؒ کو خط میں لکھا "الحمد للہ کافی روپیہ مل گیا ہے۔ایک طرف حج کا ارادہ کرتا ہوں اور دوسری طرف دل چاہتا ہے کہ آپ کی خدمت میں حاضری دوں۔دعا بھی فرمایئے اور دوا بھی بتلایئے۔"

حضرت نے اس خط کے جواب میں تحریر فرمایا "حج کا ارادہ بھی رکھئے اور یہاں بھی چلے آیئے۔دل سے دعا کرتا ہوں۔آپ سے ملنے کو جی چاہنے لگا ہے۔" حضرت کی اس تحریر پر "آپ سے ملنے کو جی چاہنے لگا ہے۔" بھنیاں صاحب پھٹ پڑے۔خط کے جواب میں لکھا "اللہ اللہ آپ کا دل ہم کو ملنے چاہنے لگا ہے۔ہم کوئی دور ہے۔ذرا دیکھو وہ سامنے۔ بینچ پر 'کرسی پر' نہیں اپنا جوتی میں دیکھو۔دیکھو غیاث الدین بھنیاں وہیں پڑا ہے۔(راوی کیپٹن سراج الحسن)

تحمل و بردباری

حضرتؒ میں تحمل و بردباری بھی بے حد تھی۔اللہ تعالیٰ نے آپ کو بے حد تحمل اور حلم و وقار عطا فرمایا تھا۔کیسا ہی ناگوار واقعہ پیش آئے آپ کے صبر واستقلال کے پہاڑ میں جنبش نہیں ہوتی تھی۔فرماتے تھے کہ اب تو قلب کی یہ حالت ہو گئی ہے کہ کسی واقعہ سے بھی کوئی تاثر نہیں لیتا۔

عارفی ہو تو گئے خوگر تسلیم و رضا
عشق سے گر نہ ہوا کچھ ہمیں حاصل نہ سہی

فرماتے تھے کہ اگر کوئی ہمیں برا بھلا کہتا ہے تو اس سے ہمارے نفس کی اصلاح ہوتی ہے اور جو لوگ بڑی عقیدت سے لمبے چوڑے القاب لکھ بھیجتے ہیں ان سے نفس پھولتا ہے۔برا بھلا کہنے والوں سے اس کا کفارہ ہو جاتا ہے۔

حضرت والاؒ کی طویل زندگی میں بہت سے ایسے واقعات بھی پیش آتے رہے ہیں

جس سے طبیعت پر گرانی ہوتی تھی۔ خاندان کے افراد میں اختلافات ورنجش' احباب کا طرز تکلم اور آپ کے ساتھ غلط قسم کا رویہ' معاملات میں ناخوش گواری مگر آپ کے وصف تحمل و بردباری کی وجہ سے یہ سب ناگواریاں آپ پر زیادہ اثر انداز نہیں ہوا کرتی تھیں۔ اس سلسلہ میں مفتی رشید احمد صاحب لدھیانوی فرماتے ہیں:

"ایک قصہ ان (حضرت عارفیؒ) کے صاحبزادے ڈاکٹر احسن صاحب نے سنایا کہ ہمارے رشتہ داروں میں دو آدمیوں میں جھگڑا تھا انہوں نے حضرت ڈاکٹر صاحبؒ سے کہا آپ فیصلہ فرمادیں آپ نے فیصلہ فرمایا۔ فیصلہ جس کے خلاف ہوا وہ آپ کا مخالف ہوگیا۔ اس نے آپ سے بے ادبی اور گستاخی کی اور بہت برا بھلا کہا (مزید براں) ان کے صاحبزادے نے بڑی عجیب بات بتائی کہ حضرت ڈاکٹر صاحبؒ فرمایا کرتے تھے کہ میں نے فیصلے کئے ہیں' فیصلہ کر رہا ہوں' کرتا رہوں گا' فیصلے کی وجہ سے کوئی میرا مخالف ہو کر مجھے برا بھلا کہے مجھے اس کی پرواہ نہیں۔ الحمدللہ پانچ منٹ کے اندر اندر میرا دل صاف ہو جاتا ہے اور مجھے یاد بھی نہیں رہتا کہ کسی نے مجھے برا بھلا کہا تھا یا نہیں۔"[۱]

اسی طرح حضرت والاؒ کے تحمل و صبر و ضبط کا ایک واقعہ سید فہیم الدین صاحب نے سنایا:

"ایک مرتبہ ایک مستری کو گھر کی چھت کی دراڑیں بند کرنے کی اجرت اور میٹیریل کی قیمت میرے سامنے طے کر کے کل رقم حضرتؒ نے دیدی۔ اس کے تین یا چار روز بعد وہ مستری حضرتؒ کے مطب پر آیا اور مزید رقم کا مطالبہ کیا۔ حضرتؒ نے فرمایا کہ جتنی اجرت اور میٹیریل کی قیمت کی بات ہوئی تھی وہ تو اس وقت تمہیں دیدی گئی پھر مزید رقم کا مطالبہ کیسے؟ بس یہ سننا تھا کہ وہ مستری آپے سے باہر ہو گیا اور آگے بڑھ کر آپ کے قریب ہو گیا اور ہاتھ بڑھا بڑھا کر بغیر کسی تمہید کے بدکلامی شروع کر دی "کیوں جھوٹ بولتے ہو' شرم نہیں آتی' داڑھی رکھی ہوئی ہے' بزرگ بنے

۱۔ ماہنامہ البلاغ کراچی۔ اشاعت خصوصی صفر تا ربیع الثانی ۱۴۰۷ھ ص ۲۳۳۔۲۳۴

بیٹھے ہو' مزدور کی مزدوری مارتے ہو وغیرہ وغیرہ" جب بات حد سے بڑھ گئی تو مجھے اندیشہ ہوا کہ یہ مستری کہیں حضرتؒ کو کوئی گزند نہ پہنچائے اس لئے میں آگے بڑھ کر اور حضرتؒ کی طرف پشت کر کے ان دونوں کے درمیان کھڑا ہو گیا۔ اس کے باوجود وہ بے قابو ہوتا رہا اور کبھی ادھر مڑ کر اور کبھی ادھر مڑ کر اور ہاتھ بڑھا کر گالیاں دیتا رہا اور حضرتؒ میرے دائیں طرف اور کبھی بائیں طرف سے اسے سمجھا رہے تھے۔ میری حالت بالکل گم سم سی ہو گئی' نہ تو ناگواری ہوئی اور نہ ہی میں اشتعال میں آیا۔ کچھ دیر بعد مستری کا غصہ ٹھنڈا ہوا تو اسے ایک طرف لے جا کر اس کی زائد مطلوبہ رقم پوری کر دی۔ جب مستری چلا گیا اور میں واپس آ کر کرسی پر بیٹھ گیا تو حضرت نے فرمایا "دیکھا تم نے یہ ہاتف غیبی ہے' ہم سے کوئی گناہ سرزد ہوا ہے متنبہ کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے اسے بھیجا ہے۔ اس پر میں کیا کہتا البتہ میں نے حضرتؒ سے عرض کیا کہ اس مستری کی اس حرکت پر مجھ پر نہ تو ناگواری کی کیفیت طاری ہوئی نہ ہی طبیعت میں جوش' غصہ ابھرا تو فرمایا "ایسا ہی ہونا چاہئے لَا اِلٰہَ اِلاَّ اللّٰہُ "[1]

اسی واقعہ کا تذکرہ کرتے ہوئے جناب مولانا محمد یوسف لدھیانوی صاحب نے اپنے مضمون میں تحریر فرمایا

"ایک خادم (سید فہیم الدین صاحب) نے ان صاحب (مستری صاحب) کو کمرے سے باہر لے جانا چاہا تو حضرتؒ نے نہایت خندہ پیشانی سے مسکراتے ہوئے فرمایا کہ بھئی ان (مستری) کو کچھ نہ کہو ان صاحب نے آج ہمیں خوب ناشتہ کرایا ہے۔ حضرتؒ اپنی مجلس میں اس واقعہ کا ذکر فرماتے تو اس کے الفاظ "کیوں جھوٹ بولتے ہو شرم نہیں آتی۔ الخ نقل فرما کر خوب محظوظ ہوتے تھے۔ بے نفسی اور فنائیت کا یہ مقام خاص مقبولان الٰہی کو ہی نصیب ہوتا ہے۔"[2]

۱۔ حضرت عبدالحیؒ (غیر مطبوعہ مضمون)

۲۔ ماہنامہ بینات کراچی۔ شعبان المعظم ۱۴۰۶ھ ص ۷

ہمت و استقامت

اللہ تعالیٰ نے حضرتؒ کو بڑی ہمت اور حوصلہ عطا فرمایا۔ آپ کی طویل زندگی میں اکثر ایسے واقعات بھی پیش آئے جس سے ایک عام آدمی کے قدم ڈگمگا جائیں۔ مگر آپ کی ہمت اور حوصلہ نے تکلیف دہ واقعات میں آپ کو ثابت قدم رکھا۔ ضعف اور ضعیفی کے باوجود تہجد کے وقت بیداری سے لے کر رات سونے تک آپ کی مصروفیات اور معمولات میں کوئی فرق نہ آیا۔ سخت گرمی کے باوجود ماہ صیام کے روزوں کو نہ آپ نے ترک کیا اور نہ ہی مطب کو، اس ماہ میں بھی مریضوں کا بے پناہ ہجوم ہوتا تھا اس کے باوجود ہر مریض کی دلداری اور اس پر بھرپور توجہ میں آپ کوئی فرق نہ آنے دیتے تھے۔ دوپہر میں ایک گھنٹہ قیلولہ فرماتے تھے اور حسب معمول عصر کی نماز محلے کی مسجد میں پڑھ کر مغرب تک وہیں ذکر و دعا میں مشغول رہتے۔ مختصر افطار کر کے مغرب کی نماز اور اوابین سے فارغ ہو کر گھر تشریف لاتے تھے۔ اپنے خدام کو نصیحت کرتے ہوئے بار بار فرمایا کرتے تھے:

"میں نے دو گر ایسے سیکھے ہیں کہ ان سے مجھے زندگی کی تمام مشکلات میں آسانی ملی ہے ایک ہمت اور دوسری پابندی وقت۔ ان دو چیزوں سے مشکل سے مشکل کام آسان ہو جاتے ہیں۔ میں نے زندگی کے ہر مرحلے میں ان سے کام لیا ہے۔"

آپ کی ہمت و استقامت کے متعلق حسن عباس صاحب فرماتے ہیں:

"ایک مرتبہ بخار تھا اور کافی نقاہت تھی، تہجد میں حسب معمول آنکھ کھل گئی تو اٹھ کر بیٹھ گئے، والدہ صاحبہ نے فرمایا کہ آج تہجد ناغہ کر دیجئے جو نفل ہے اور اس حالت میں ناغہ ہو سکتا ہے" والد صاحبؒ نے جواب میں فرمایا۔

"ٹھیک ہے تیمم کر کے بستر پر بیٹھ کر دو رکعت پڑھ لیتا ہوں تاکہ نام لکھ دیا جائے اور ناغہ نہ ہو" پھر خیال ہوا کہ غسل خانہ قریب ہے اور استنجا کے لئے چلے گئے۔ واپس

آکر فرمایا کہ کھڑا تو ہو ہی گیا ہوں کیوں نہ نماز کھڑے ہو کر پڑھ لوں۔ چنانچہ نماز کھڑے ہو کر ادا کی۔ بیماری کے علاوہ کبھی بیٹھ کر آپ کو نماز ادا کرتے ہوئے نہیں دیکھا۔"[۱]

آپ کی ہمت واستقامت تاحیات باقی رہی۔ آپ کی ہمت ہی نے پیٹ میں تکلیف ہونے کے باوجود آپ کو ۲۳/ مارچ ۱۹۸۶ء (وفات سے چار دن قبل) دارالعلوم کورنگی میں ختم بخاری شریف کے سلسلہ میں طویل سفر کرنے پر آمادہ کیا۔

جودوسخا (روحانی)

حضرتؒ کے جودوسخا کے متعلق مولانا محمد تقی عثمانی صاحب فرماتے ہیں:

"حضرت والاؒ کے صاحبزادگان نے حضرتؒ کی منشاء کو پیش نظر رکھتے ہوئے ایثار سے کام لیا اور تدفین کے لئے دارالعلوم کے قبرستان کو منتخب فرمایا۔ نماز جنازہ کی امامت کے لئے حضرت والاؒ کے صاحبزادگان نے کچھ اس انداز سے احقر سے فرمائش کی کہ اپنی نااہلی اور صدمے کی شدت کے باوجود اس سعادت سے انکار ممکن تھا نہ مناسب۔ کچھ عجیب ناقابل بیان جذبات کے ساتھ یہ نماز جنازہ پڑھائی گئی بعد میں ایک دوست نے بتایا کہ ایک موقع پر حضرت والاؒ نے یہ اظہار فرمایا تھا کہ "میں نے عمر بھر میں جتنی جنازے کی نمازیں پڑھائی ہیں ان سب کے بارے میں اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کی ہے کہ "یا اللہ ان سب کا ثواب اس شخص کو عطا فرمادے جو میری نماز جنازہ پڑھائے۔"

اللہ اکبر! ابھی ہم حضرتؒ کی روح کو ایصال ثواب شروع بھی نہ کرپائے ہوں گے کہ حضرت والاؒ جاتے جاتے بھی اپنے جودوکرم کا ایک اور بادل برسا گئے۔ واقعہ تو یہی ہے کہ حضرت والاؒ کی رفعت فکر ہمارے تخیل کی پرواز سے کہیں بلند تھی۔[۲]

---

[۱] ماہنامہ البلاغ کراچی۔ اشاعت خصوصی صفر تا ربیع الثانی ۱۴۰۷ھ ص ۲۳

[۲] ماہنامہ البلاغ کراچی۔ اشاعت خصوصی صفر تا ربیع الثانی ۱۴۰۷ھ ص ۲۶۲

بذلہ سنجی

مزاح و خوش طبعی، زندہ دلی پاکیزہ ذوق کی علامت ہے۔ رسول اللہ ﷺ اور دیگر انبیاء کرام علیہم السلام نے اپنی خوش طبعی اور مزاح سے کلیۃً احتراز نہیں فرمایا بلکہ یہ نفوس مقدسہ بڑے لطیف ذوق مزاح کے حامل تھے۔ ان کے ذوق مزاح کی اکثر مثالیں ملتی ہیں۔ لطیفہ گوئی اور ذو معنی الفاظ کا استعمال اچھے ادب کا ایک جزو سمجھا جاتا ہے۔ اچھی تقریر اور اچھی تحریر وہی مانی جاتی ہے جس سے سامعین اور قاری محظوظ ہوں اور مقرر و محرر کا مدعا ان کی سمجھ آجائے۔ حضرت عارفیؒ کی تقریر و تحریر ایسی جامع اور حسب ضرورت مزاح سے پر ہوا کرتی تھی کہ ہر سامع و قاری کے دل میں اتر جاتی تھی۔ آپ اپنے ذوق مزاح اور لطیفہ گوئی سے لاینحل مسائل کی عقدہ کشائی فرماتے تھے جس سے ان مسائل کو سمجھنا آسان ہو جاتا تھا اور آپ کی ہشاش بشاش طبیعت ہر ایک کو اپنا گرویدہ بنالیتی تھی۔

حضرت عارفیؒ مزاح میں مذاق نبوی ﷺ کو مد نظر رکھتے تھے۔ آپ کا مزاح بڑا لطیف اور صداقت پر مبنی ہوتا تھا۔ خود بھی ایسے مزاح کو پسند فرماتے تھے جو کذب و افتراء سے پاک ہو اور تمسخر و استہزاء کا پہلو لئے ہوئے نہ ہو۔

آپ کے ذوق مزاح کے بہت سے واقعات ہیں۔ اختصار کے پیش نظر چند واقعات کا تذکرہ کیا جارہا ہے۔

"ایک صاحب طباق میں کھویا لائے اور عرض کیا کہ:

"حضرت یہ کھویا ہے" اس پر آپ نے برجستہ فرمایا:

"کھویا تو آپ نے ہے ہم نے تو پایا ہے۔"

اسی طرح ایک صاحب بادام لائے اور کہنے لگے کہ "حضرت! یہ بادام ہیں۔"

آپ نے برجستہ فرمایا۔ "ہمارے لئے تو بے دام ہیں۔"

"ظفر احمد تھانویؒ (مجاز صحبت حکیم الامت حضرت تھانویؒ) حضرت ڈاکٹر صاحبؒ کی مجالس میں پابندی سے حاضر ہوتے تھے۔ حضرت کو ان سے قلبی تعلق بھی تھا اور بے تکلفی بھی۔ ایک مرتبہ دو شنبہ کی مجلس میں دیر سے تشریف لائے۔ حضرتؒ نے سوالیہ انداز میں فرمایا۔ "بہت دیر سے آئے؟" انہوں نے جواب دیا "گھٹنوں میں تکلیف ہے چلا نہیں جاتا۔" آپ نے کسی قدر مسکرا کر فرمایا "عذر لنگ ہے۔"

خاندان کے ایک بے تکلف شخص نے آپ سے عرض کیا کہ:

"یہ جو لوگ آپ کو گھیر لیتے ہیں۔ ٹانگیں اور جسم وغیرہ دباتے ہیں ہمیں تو یہ کچھ اچھا نہیں لگا۔" آپ نے ذرا توقف کے بعد مسکرا کر فرمایا۔

"کیا کریں بھئی؟ لوگ ہمیں دباتے ہیں اور ہم دب جاتے ہیں۔"[1]

اس سلسلہ میں مولانا محمد رفیع عثمانی صاحب چند واقعات کا تذکرہ یوں کرتے ہیں:

"ایک اتوار کو ہم حضرتؒ کے دولت خانے پر حضرت کی خدمت میں بیٹھے تھے، ایک صاحب ہمیں اپنے مدرسہ یا مسجد وغیرہ کے سلسلہ میں یا کسی اور معاملے میں مشورہ کے لئے اپنے یہاں لے جانا چاہتے تھے۔ حضرتؒ کی بھی خواہش تھی کہ وعدہ کر لیا جائے۔ ان صاحب نے بھی تجویز پیش کی کہ کل شام کو بعد عصر چلیں، حضرت نے بھی تائید فرمائی۔ شاید خیال نہ رہا کہ کل پیر ہے میں نے عرض کیا "حضرت کل تو "پیر" ہے۔ حضرت محظوظ ہوئے اور ہنس کر فرمایا کہ "ہاں بھئی کل تو "پیر" کا دن ہے (پیر نہیں، پیر کا دن تو پیر کا ہے) پھر فرمایا کوئی اور دن رکھ لو۔"

"ایک صاحب نے فرمائش کی میرے نو مولود بچے کا نام اپنی پسند کا رکھ دیجئے۔ حضرت نے تین چار نام بتائے مگر ان صاحب نے ہر نام پر کہا کہ اس نام کے بچے خاندان میں اور بھی ہیں۔ اس پر حضرت نے فرمایا "اچھا بھائی آپ کوئی نام رکھ دیں میں اسے پسند کر لوں گا۔"

---

[1] ماہنامہ البلاغ کراچی۔ اشاعت خصوصی صفر تا ربیع الثانی ۱۴۰۷ھ ص ۱۰۴، ۱۰۵

"مجھے بزرگوں کے سامنے بولنے کا سلیقہ تھا نہ لکھنے کا۔ ایک مرتبہ میں نے ایک عریضہ لفافے میں دستی پیش کیا جس پر میں نے لکھا تھا:

بخدمت گرامی قدر مطاع معظم سیدی و شیخی حضرت -----

اس پر نظر پڑتے ہی حضرتؒ مسکرائے اور معنی خیز تبسم کے ساتھ فرمایا "شیخی! بھئی شیخی تو اچھی چیز نہیں ہوتی۔"[1]

حافظ ابرار الحق صاحب اپنا ایک واقعہ یوں بیان کرتے ہیں:

"جب میں مطب میں جاتا تو دیکھتے ہی مصافحہ کو ہاتھ بڑھاتے اور ہاتھ پکڑ لیتے اور فرماتے "بھئی ہمارے سرپرست آگئے ہیں ذرا ہمارے سر میں تیل ڈال دیں۔"

حضرتؒ اس قدر محبت فرماتے کہ اکثر آنے والوں کے سامنے بھی فرمادیتے کہ یہ ہمارے سرپرست ہیں اور مزاح بھی بہت فرماتے ہیں۔ ایک مرتبہ میں نے حضرت سے حسنات الابرار اور سیات المقربین کے معنی پوچھے۔ اتفاق سے میرے برابر میں ایک نابینا حافظ صاحب بیٹھے ہوئے تھے۔ حضرت نے یہ سن کر بہت سنجیدہ ہو کر جو سنجیدگی مزاح سے پُر تھی فرمایا "ارے حافظ صاحب سنئے یہ آپ کے برابر میں حافظ ابرار الحق بیٹھے ہوئے ہیں اور یہ کیا کہہ رہے ہیں حسنات الابرار اور سیات المقربین یہ بہت چالاک اور ہوشیار آدمی ہیں۔ ساری حسنات اپنے حصہ میں لگالیں اور سیات آپ کے حصہ میں لگادیں ذرا ان سے دور ہو جائیے" اور فرمایا "تم بہت چالاک ہو۔ سب اچھائیاں خود لے لیں اور ہمیں سیات دیدیں۔"[2]

اہل و عیال اور اہل خاندان سے تعلق

اتباع شریعت و سنت میں حضرت عارفیؒ اپنے اہل و عیال اور اہل خاندان سے اسی طرح پیش آیا کرتے تھے جس کی تعلیم رسول اللہ ﷺ نے دی اور اس پر عمل کر کے

---

[1] ماہنامہ البلاغ کراچی۔ اشاعت خصوصی صفر تا ربیع الثانی ۱۴۰۷ھ، ص ۱۶۴، ۱۷۵، ۱۷۶

[2] ماہنامہ البلاغ کراچی۔ اشاعت خصوصی صفر تا ربیع الثانی ۱۴۰۷ھ ص ۳۵۱

دکھایا۔ اپنی اہلیہ محترمہ سے تعلق کے متعلق حضرتؒ نے فرمایا:

''بحمد اللہ میں نے عمر بھر اپنی اہلیہ سے بھی اپنے کسی ادنیٰ کام کو نہیں کہا۔ مثلاً پانی پلادو' فلاں چیز اٹھادو' یہ اور بات ہے کہ وہ اپنی خوشی سے میرے بہت کام کر دیتی ہیں اور کبھی سخت سے سخت ناگواری کے موقع پر بھی میں نے ان سے لہجہ بدل کر بات نہیں کی۔''

اہل و عیال اور اہل خاندان سے تعلق کے متعلق حسن عباس صاحب فرماتے ہیں:

''سونے سے پہلے اوراد و وظائف کا معمول تھا' گھر والوں کو بہت کم وقت ملتا تھا' پھر بھی سب کا خیال رکھتے تھے اور پوچھتے رہتے تھے۔ سب سے بے تکلف تھے۔ چھوٹے بچوں سے دلچسپی تھی' گھریلو معاملات میں دلچسپی لیتے اور مشورہ دیتے رہتے تھے۔ ہم لوگوں کو ساتھ کھانا کھانے کا موقع مل جایا کرتا تھا۔ ان کی گفتگو زیادہ تر نصیحتوں سے پُر ہوتی' شکر کی تلقین تو بہت ہی زیادہ کرتے تھے' باوجود ضعیفی کے اپنے بزرگوں کی مزاج پرسی کے لئے اکثر جایا کرتے تھے' عیدین میں تو اہتمام سے اپنے بزرگوں سے ملنے ضرور جاتے تھے۔ نانا صاحب (سید علی سجاد صاحب مرحوم) کی بیماری کے زمانہ میں معمول بنالیا تھا کہ عصر کے بعد ایک گھنٹہ 'ان کے گھر پر جاکر بیٹھا کرتے تھے۔''[1]

حضرتؒ کے ہم زلف حاجی ظفر احمد تھانویؒ کے انتقال کے بعد سے حضرت نے مستقل معمول یہ بنالیا کہ دوپہر کو مطب سے اٹھنے کے بعد روزانہ نماز ظہر پڑھ کر ان کے گھر تشریف لے جاتے اور ان کی اہلیہ اور صاحبزادوں کی خیریت دریافت فرماتے۔ یہ عمر کے بالکل آخری دور کی بات ہے۔ جب قویٰ بے حد مضمحل ہوچکے تھے۔ ضعف اور ضعیفی کے باوجود صبح ساڑھے آٹھ بجے سے ایک بجے دوپہر تک مسلسل مطب میں مشغول رہنے کے بعد جب آرام و سکون کی شدید ضرورت ہوتی تھی اس وقت بھی ادائے حق محبت کا یہ اہتمام آپ کی نظروں سے اوجھل نہ ہوا اور یہ معمول آخر دن تک

---

[1] ماہنامہ البلاغ کراچی۔ اشاعت خصوصی صفر تا ربیع الثانی ۱۴۰۷ھ ص ۲۳

برابر جاری رہا۔

حضرت والا کو خاندان میں ایک مرکزیت حاصل تھی اور آپ بلا تخصیص ہر ایک کا خیال کرتے تھے۔ خاندان کے افراد میں جب کبھی اختلافات ہوتے تھے تو ان کو دور کرنے میں اہم کردار ادا کرتے تھے۔ آپ صلہ رحمی کی صرف تعلیم ہی نہیں دیتے تھے بلکہ اس پر سختی سے پابند بھی تھے۔

مصارف خیر

حضرت عارفی ؒ ایک عرصہ دراز تک کسب معاش میں پریشان حال رہے مگر مصارف خیر کا آپ کو ہر وقت خیال رہا۔ جب آپ بچوں اور دیگر اہل خانہ کی پرورش سے ایک حد تک فارغ ہوگئے تو اپنی آمدنی کا ایک بڑا حصہ مصارف خیر کے لئے مختص کردیا۔ آپ کی تحویل میں مختلف لفافے ہوا کرتے تھے جن میں مختلف مدات کے لئے رقم محفوظ رہتی تھی۔ آپ نے اپنی بیاضوں میں ان رقومات کا تذکرہ فرمایا ہے۔

ان مدات کے علاوہ حسب توفیق بہت سے افراد کی اعانت فرماتے تھے۔ آپ کی اعانت کا طریقہ کار ایسا ہوتا تھا جس کا دوسروں کو پتہ بھی نہیں چلتا تھا۔ آپ کے وصال کے بعد آپ کے صاحبزادگان کے بقول بہت سے افراد نے یہ کہا کہ حضرت والاؒ ہر ماہ اور حسب ضرورت ہماری اعانت فرمایا کرتے تھے۔

آپ کے بعض محبین، متوسلین اور خدام اپنی زکوٰۃ اور خیرات کی رقم آپ کو ضرورت مندوں میں تقسیم کرنے کے لئے دیدیا کرتے تھے۔ افراد کے علاوہ آپ مساجد کی تعمیر اور مدارس کی بھی حسب توفیق اعانت فرمایا کرتے تھے۔ آپ نے ۱۹۷۳ء میں اپنے خرچ پر میدان عرفات میں حج کے دوران ایک خیمہ بھی فراہم کیا۔ آپ اپنی یادداشتوں میں ”خیمہ عرفات“ کے زیر عنوان رقمطراز ہیں:

”اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ مجھے اس کی توفیق وسعادت نصیب ہوگئی کہ میدان

عرفات میں خیمہ کا انتظام ہو گیا۔ نصرت علی صدیقی صاحب، مقیم مکہ المکرّمہ کے ذریعہ سے وہیں مکہ المکرّمہ میں ایک خیمہ مع سامان خرید لیا گیا اور جناب محترم ماموں سید محمد علی واسد اللہ صاحب مد ظلہم کی خدمت میں پیش کر دیا گیا وہ اور ان کے متعلقین میدان عرفات میں فروکش ہوئے اور اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مشغول رہے۔ یہ میں نے اپنے والد صاحب کے ایصال ثواب کے لئے وقف کیا۔"

حقوق و معاملات

اگر حضرت عارفیؒ کے "حقوق و معاملات" پر غائر نظر ڈالی جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ آپ اپنے شیخ حضرت حکیم الامتؒ کے پیروکار تھے اپنی یادداشتوں میں حقوق کی ادائیگی کے متعلق "مراقبہ الحقوق" (حفظ حقوق) کے زیر عنوان آپ رقمطراز ہیں:

(۱) حقوق اللہ (۲) حقوق العباد (۳) حقوق النفس۔

(۱) حقوق اللہ

نماز کی درستی: قضا نمازیں ادا کرنا ہے (صرف نماز وتر)۔ روزہ کی قضا: تقریباً احتیاطاً ڈیڑھ سو روزوں کی قضا ادا کرنا ہے۔ فکر تلافی مافات: نماز کی کوتاہیاں۔ تلاوت کی کوتاہیاں۔ روزوں کی خامیاں۔ دیگر عبادات میں ریا اور منافقت۔

کوتاہی ادائے حقوق شیخ و دیگر بزرگان دین

قال و حال کی سابقہ فرو گذاشتیں

مندرجہ بالا تحریر سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ غالباً لاعلمی کی وجہ سے حضرتؒ نے وتر کی نماز کی قضا ادا نہ کی ہو اور علم ہونے کے بعد آپ کو اس قضا نماز کی ادائیگی کی فکر لاحق ہوئی۔ بعد کی تحریرات سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے قضا شدہ وتر کی نمازیں ادا کردیں۔ غالباً بیماری اور دیگر مجبوریوں کی وجہ سے آپ کے ڈیڑھ سو روزے قضا ہوگئے تھے جن کے فدیئے آپ نے ادا کئے اور صحت مند ہونے کے بعد ان روزوں کی بالاہتمام قضا بھی ادا فرمائی۔

انہیں یادداشتوں میں آپ نے حقوق العباد کے زیر عنوان تحریر فرمایا۔

(۲) حقوق العباد

ا۔ جن لوگوں کا قرض ہے وہ ادا کرنا ہے (اس کی تفصیل آمدنی و خرچ کی کاپی میں

درج ہے)۔

۲۔اہل وعیال کی ضروریات کی فراہمی۔

۳۔اہل وعیال کی دینی تربیت، تبلیغ، تعلیم اور اوامر ونواہی (نہایت اہم مسئلہ ہے)

فکر تلافی مافات: زمانہ طالب علمی۔زمانہ وکالت۔زمانہ مطب (بلحاظ مقامات کدورہ الہ آباد، کالپی، لکھنؤ، کانپور، علی گڑھ، بریلی، شاہ آباد، جونپور، کراچی)

حضرت والا ایک عرصہ تک اپنی ذمہ داریوں کو پورا کرنے کے لئے قرض کے بوجھ سے دبے ہوئے تھے اور غالباً قرض کا سلسلہ ۱۹۷۱ء تک جاری رہا۔ ۱۹۲۷ء سے جب آپ نے کسب معاش کا سلسلہ شروع کیا اس وقت سے لے کر وفات سے چند دن پہلے تک آپ نے ہر ماہ کی آمدنی اور خرچ کا حساب تحریر فرمایا۔ ابتدائی زمانہ میں قرض کی ادائیگی کا حساب الگ تحریر ہوتا تھا۔جب سب قرض ادا ہو گیا تو آپ نے اپنی یادداشتوں میں یہ بھی تحریر فرمایا "الحمد للہ سارا قرض ادا ہو گیا" علی گڑھ یونیورسٹی میں جب آپ طالب علم (۱۹۱۸ء تا ۱۹۲۲ء) تھے اس وقت یونیورسٹی کے طلباء کے فنڈز سے کچھ قرض لیا تھا، اس کو ۱۹۶۴ء میں ایک صاحب کے توسط سے ادا فرمایا۔

اہل وعیال کی ضروریات کی فراہمی آپ ہر حال میں کرتے رہے۔ صرف اہل وعیال ہی نہیں بلکہ آپ والدین اور لواحقین کی ضروریات کی فراہمی کا حتی المقدور انتظام فرمایا کرتے رہے اس لئے آپ اکثر مقروض رہے۔

اہل وعیال کو دینی تربیت دینا آپ کی زندگی کا ایک اہم مسئلہ تھا۔ آپ اٹھتے بیٹھتے، چلتے پھرتے نہ صرف اہل وعیال کو بلکہ اپنے لواحقین، دوست احباب اور متعلقین کو بڑے اچھے انداز میں تعلیم دیتے رہے۔انداز تعلیم ایسا تھا کہ کسی کو ناگوار بھی نہیں معلوم ہوتا تھا۔ اوامر ونواہی پر آپ سختی سے پابند رہتے، اس لئے آپ گاہے بگاہے اپنے اہل وعیال وغیرہ کو اس کی نہ صرف تعلیم دیتے رہے بلکہ ان پر کاربند ہونے کی تلقین بھی کیا کرتے تھے۔ "ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَاءُ"

(۳) حقوق النفس

انہی یادداشتوں میں آپ حقوق النفس کے متعلق رقمطراز ہیں:

۱۔ دماغی محنت کرنے والے کے لئے لازمی ہے کہ کم از کم سات گھنٹے ضرور سوئے۔

۲۔ کچھ ورزش کرنا ضروری ہے۔ خواہ بعد نماز فجر تھوڑی دیر باہر سیر کو جانا۔

۳۔ کچھ تفریح بھی ضروری ہے۔

۴۔ عمدہ غذا کا اہتمام۔

۵۔ تحفظ قوت جسمانی کے لئے کچھ دوا وغیرہ کا بھی اہتمام ضروری ہے۔

فکر تلافی مافات: اتلاف صحت و اوقات وغیرہ۔ تصورات و غفلت میں لغویات و گندگی زمانہ غفلت از بمعہ حقوق 'لسانی' قلبی اور عملی معاصی۔

حضرت عارفیؒ حقوق النفس کی ادائیگی کا بھی خاص خیال کرتے تھے۔ بقول حضرت سید علی حماد رضاؒ ابتدائی عمر میں کافی دبلے اور کمزور تھے۔ ایک دن آپ کے پھوپھا سید علی سجادؒ کے پاس ایک حکیم صاحب تشریف لائے، اس وقت حضرت عارفیؒ بھی وہاں موجود تھے۔ حضرت سجادؒ نے حکیم صاحب سے فرمایا کہ یہ صاحبزادے (حضرت عارفیؒ) بڑے کمزور رہتے ہیں ان کا کچھ علاج کیجئے۔ حکیم صاحب نے حضرت عارفیؒ سے کہا کہ کسی دن وہ مطب پر تشریف لائیں تاکہ تشخیص کر کے کوئی مناسب علاج تجویز کیا جائے۔ حکیم صاحب کے اس ارشاد کی تعمیل میں حضرت عارفیؒ دوسرے دن مطب پر تشریف لے گئے۔ حکیم صاحب نے آپ کو انتظار کرنے کے لئے کہا۔ آپ نے کئی گھنٹے تک انتظار فرمایا۔ دیر تک بٹھانے کے بعد حکیم صاحب نے آپ سے کہا "آج میں بہت تھک گیا ہوں کل تشریف لائیں۔ حسب الحکم حضرت عارفیؒ دوسرے دن تشریف لے گئے اور دوسرے دن بھی اسی قسم کا واقعہ پیش آیا۔ بالآخر حکیم صاحب نے آپ سے کہا کہ "آپ کے مرض کی تشخیص کافی غور و خوص کے بعد کی جائے گی لہذا کل

تشریف لائیں۔'' آپ تیسرے دن بھی حکیم صاحب کے مطب پر تشریف لے گئے اور کافی انتظار کے بعد حکیم صاحب آپ کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا'' آپ تین دن سے مسلسل تشریف لا رہے ہیں اور کافی انتظار بھی کیا' اس سے یہ اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ آپ واقعی اپنی صحت کے لئے فکر مند ہیں۔ میں آپ کو صحت کا ایک راز بتاتا ہوں۔ آپ روزانہ صبح کچھ ورزش کرلیا کریں' چاہے چند ڈنڈ ہی لگالیں۔ یہ ایک نسخہ کیمیا ہے۔ آپ کے دل و دماغ میں یہ بات ایسی بیٹھی کہ آخری عمر تک آپ اس پر عمل پیرا رہے۔ کہا جاتا ہے کہ آپ روزانہ بعد نماز فجر کچھ ورزش کیا کرتے تھے۔

انہی یادداشتوں میں اختصاراً مراقبات یومیہ ضروریہ' کے زیر عنوان آپ رقمطراز ہیں:

۱۔ ماضی کے لئے تمام گناہوں سے ندامت کے ساتھ قلب منیب کے ساتھ استغفار' اہل حقوق کے لئے دعائے مغفرت۔ مستقبل کے لئے دعائے طلب پناہ۔ ایمان کامل و قوی کی طلب۔ عافیت کامل و مستقبل کے لئے مناجات اور توفیق ادائے شکر۔ دنیا میں ہر شعبہ زندگی میں عافیت کامل اور آخرت میں رحمت کامل و مغفرت کامل کی دعا۔ ظاہر و باطن کی تمام نعمتوں پر ادائے شکر کی توفیق کی طلب۔ لساناً' قلباً' عملاً ادائے حقوق العباد کے لئے طلب کی توفیق اور جو تدبیر ممکن ہو وہ کرنا۔ تبلیغ و ترغیب کرنا۔ پھر ہدایت کیلئے اللہ تعالیٰ سے دعا کرنا۔

۲۔ التزاماً دعائے مغفرت و طلب رحمت برائے اقرباء' اعزا و اولیاء و جمیع المومنین والمومنات الاحیاء منھم والاموات

۳۔ التزاماً ہر فرد خاندان کے لئے دعائے صلاح و فلاح دارین و تبلیغ امور شرعیہ۔

۴۔ حضرت مرشد (حکیم الامتؒ) کے ساتھ ازدیاد تعلق و رابطہ باطنی تصوراً و مطالعہ خطوط' ملفوظات و مواعظ...... تذکرہ کثیر۔

۵۔ ہر وقت استحضار ذکر۔ اہتمام نماز باجماعت مسجد میں۔ اہتمام ادائے معمولات

اورادیومیہ۔ کثرت ذکرونوافل

۶۔ توجہ اپنی صحت کے لئے

اللہ اکبر یہ تھے حضرت عارفیؒ جو حقوق اللہ، حقوق العباد اور حقوق النفس کو کما حقہ ادا فرماتے تھے۔ آپ نہ صرف ان امور کی پابندی کرتے تھے بلکہ آپ کی تعلیمات کا محور بھی حقوق کی ادائیگی تھا۔ آپؒ حقوق العباد اور حقوق النفس کی ادائیگی کا بالالتزام اہتمام فرمایا کرتے تھے۔ خصوصاً دعاؤں میں اور ایصال ثواب میں حسب مراتب قرب حقوق کی ادائیگی فرماتے۔ ایک مرتبہ فرمایا کہ

"میں جب دعائے مغفرت یا ایصال ثواب کرتا ہوں تو سب سے پہلے اپنے والدین کے لئے کرتا ہوں۔ پھر اپنے اباؤاجداد اور جدات وامہات کے لئے، اس کے بعد اپنے اساتذہ اور مشائخ کے لئے پھر اپنے اہل وعیال اور دوسرے رشتہ داروں کے لئے پھر اپنے احباب کے لئے، اس کے بعد اپنے خدام سے فرمایا کہ تم بھی اسی طرح کیا کرو۔"

والدین کے حقوق کی ادائیگی کے متعلق حضرت والا نے ایک مجلس میں ارشاد فرمایا:

"میں تو اپنی ساری عمر کی عبادات وطاعات نافلہ اور اعمال خیر اپنے والدین کی روح پر بخش دیتا ہوں اور سمجھتا ہوں کہ اب بھی حق ادا نہیں ہوا۔ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت واسعہ سے قبول فرمالیں۔" (افاداتِ عارفی۔ ص۲۷۹۔۲۸۰)

حضرت والاؒ اپنے اہل وعیال اعزہ واقربا، متعلقین، احباب اور متوسلین میں سے ہر فرد کے ساتھ حق تعلق اس طرح ادا فرماتے تھے کہ ہر ایک یہ سمجھتا تھا کہ جیسے آپ کو سب سے زیادہ محبت اسی سے ہے۔ آپ ہر ایک کے ذاتی اور نجی معاملات سے نہ صرف باخبر بلکہ ان کے لئے فکر مند اور دعاگو رہتے تھے۔

پاکستان کی سیاست میں حضرت عارفیؒ کا طرز عمل

حضرت عارفیؒ نے عملی طور پر کبھی پاکستان کی سیاست میں حصہ لینا پسند نہیں فرمایا اور علماء کرام کو بھی وہ یہی مشورہ دیتے تھے کہ عملی سیاست میں بالکل حصہ نہ لیں۔

۱۹۵۶ء میں اسلامی جمہوریہ پاکستان بننے کے بعد خود غرض اور خود ساختہ سیاستدانوں کے ناعاقبت اندیش طرز عمل کی وجہ سے مغربی ممالک جو پاکستان کو اسلام کا قلعہ بنتے ہوئے نہیں دیکھنا چاہتے تھے۔ پاکستان کی سیاست میں پُر اثر اور پُر اسرار دخل دینا شروع کر دیا۔ پاکستان کے وجود میں آنے کے ۲۲ سال بعد بھی اس وقت تک (اور ہنوز) اسلامی اصولوں پر مبنی قوانین کی تدوین نہیں کی گئی اور نہ ہی اس طرف کوئی خاص پیش رفت ہوئی۔ اس کے بر خلاف لادینی افراد اپنی ریشہ دوانیوں میں مصروف ہوگئے۔ سیاسی جماعتوں کے قائدین کا خود غرضانہ طرز عمل اور ان کی حب جاہ نے سیاسی جماعتوں میں افتراق و انتشار پیدا کر دیا، جس کا اثر بالراست عوام پر ہونے لگا۔ ان حالات کی وجہ سے مسلمان جن کی تعداد ملک میں ۹۰ فیصد سے زیادہ ہے، متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔ ان کے دینی، معاشرتی اور سیاسی حالات ابتر سے ابتر ہونے لگے۔ علماء کرام جن سے یہ توقع کی جاتی تھی کہ وہ سیاست میں عملی حصہ نہیں لیں گے اور وہ اس سے گریز کرتے ہوئے اپنی ساری قوت اسلام کی تبلیغ و ترویج اور مسلمانوں کے عقائد کی درستگی پر صرف کریں گے، ان میں سے اکثر علماء سیاست میں عملی حصہ لینے لگے۔ برایں بناء علماء کرام میں اختلافات منظر عام پر آنے لگے اور ان کا طرز عمل ایک دوسرے کے خلاف ہونے لگا۔

حضرت والاؒ نے علماء کرام کی خدمت میں ایک گشتی مراسلہ ۱۹۶۹ء میں انتخابات کے موقع پر ارسال کیا جس میں ان کو اپنے فرائض منصبی کی طرف متوجہ کرتے ہوئے تحریر فرمایا:

"اس وقت مسلمانوں کے معاشرتی اور سیاسی حالات میں جو آپس میں افتراق و انتشار کا ہیجان و تلاطم برپا ہے اس کا اندزہ کر کے جی بہت گھبراتا ہے۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ مشیت الٰہیہ اس وقت ناموافق ہے اور اس قدر کہ الامان الحفیظ۔ بظاہر کوئی صورت مفر کی نظر نہیں آتی اور اس کا انجام جو کچھ پیش نظر ہے وہ بڑا دردناک اور عبرتناک ہے۔ فَاعْتَبِرُوْا یَااُولِی الْاَبْصَارِ۔

ہر شخص کا اتنا یارا بھی نہیں ہے کہ زبان کھول سکے۔ اس کو شومئی قسمت ہی کہا جاسکتا ہے کہ ان (علماء و مشائخ) میں سے بیشتر حضرات کے دلوں میں بھی خودی' خودبین، خودرائی اور خودستائی کے فتنے خوابیدہ تھے وہ بھی دفعۃً جاگ اٹھے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ...... مختلف جماعتیں مختلف افراد مقصود اعظم یعنی مقصود واحد (اقامت دین) کی طرف سے بے نیاز ہو کر ایک دوسرے پر طعن و تشنیع میں مشغول ہو گئے۔ تضحیک و تذلیل پر اتر آئے۔ مصالح وقتی کو مسائل حقیقیہ پر ترجیح دینے لگے۔ ہمہ دانی اور ادعائے علمی کا باقاعدہ اکھاڑا قائم ہو گیا اور مخالفان اسلام کے لئے میدان صاف ہو گیا۔ عوام کی زبانیں بیباکانہ مقتدر علماء کے خلاف کھلنے لگیں۔

بڑی غیرت کی بات ہے یہ حضرات اتنا نہیں سمجھتے کہ اللہ تعالیٰ نے جو ان کو علم دین کا مرتبہ عطا فرمایا تھا اس کی غیرت' اس کا وقار' اس کی اہمیت اور اس کا اعزاز جو ان کے منصب سے تعلق رکھتا تھا خود غارت کر رہے ہیں۔ کیا یہ حضرات واقعی اس سے بالکل بے خبر ہیں کہ فی زمانہ سیاست ایسی گندی چیز ہے کہ جہاں صرف کیچڑ اچھالی جاتی ہے اور اس میں شریک ہونے والا کسی طرح بھی اپنے دامن کو نہیں بچا سکتا۔ چاہئے تو یہ تھا کہ علماء دین' مبلغان اسلام اور محافظان حق اپنے مقام پر دینی وقار کو قائم رکھتے ہوئے اللہ تعالیٰ اور رسول ﷺ کے قوانین شریعت اور تدابیر مملکت سے ان سیاست دانوں اور حکمرانوں کو خبردار کرتے رہتے۔

ایک عملی صورت یہ بھی ممکن تھی کہ تمام علمائے شریعت وزعمائے حق ملت آپس

میں متفق و متحد ہو کر سیاست حاضرہ کا مقابلہ کرنے کے لئے قوی محاذ قائم کرتے۔ ملک میں اسلامی نظام قائم کرنے کے لئے حقانیت شعار اور حفاظت مفاد عوام کے لئے اپنی طرف سے سیاست میں نمائندگی کے لئے ایسے آزمودہ کار مخلص اور دیندار سیاستدانوں کا انتخاب کرتے جو اس وقت کی کسی جماعت سے نمایاں تعلق نہ رکھتے ہوں اور جن کی نیک نیتی، استعداد قابلیت اور جذبہ خیر خواہی پر اعتماد ہو۔ پھر کثرت سے اپنی تقریروں اور تحریروں کے ذریعہ عامۃ المسلمین کو ان کی حمایت کے لئے آمادہ کرتے۔ سوچنے کی بات ہے کہ سیاسی مصلحت اندیشی اور خود پرستی کا بحران چند روز میں ختم ہی ہو جائے گا اور جو لوگ فریب حب جاہ اور فریب حصول منصب میں مبتلا ہیں ان کے لئے اس افتراق و نفسا نفسی کے باعث خسر الدنیا والآخرہ کا مصداق ہو گا مگر یہ طبقہ جو حامل شریعت ہے اس کے ذمہ اعلان حق اور حفاظت حق اور اتباع حق ہے۔ حشر کے دن جواب دہی کے وقت اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کو کیا منہ دکھائے گا۔ وہ وقت بڑا سنگین ہو گا، وہ دن اللہ تعالیٰ کی جباریت و قہاریت کا دن ہو گا۔ اس سے بے خوف رہنا یقیناً بہت بڑی جسارت ہو گی۔ میں تو اس کا مصداق ہوں کہ قہر درویش بر جان درویش۔ میں ایک ہیچمدان و ہیچمپرز ہستی ہوں مگر حالات حاضرہ سے متاثر ہو کر ایک جذبہ بے اختیار جو دل میں موجزن ہوا تو یہ چند سطور معرض تحریر میں آگئیں۔ "وَمَا عَلَيْنَا اِلاَّ الْبَلاَغُ الْمُبِيْن

علماء کرام کو متحد کرنے کی حضرت والا کی کوشش بے ثمر رہی۔ علماء میں اختلافات برقرار رہے اور حسب اعلان ملک بھر میں پہلی مرتبہ عام انتخابات ہوئے۔ انتخابات کے نتائج اس قدر بھیانک تھے کہ مشرقی اور مغربی پاکستان میں کسی ایک جماعت کو اکثریت حاصل نہ ہو سکی۔ انتخابات میں متضاد نتائج کی وجہ سے پاکستان کے دونوں حصوں میں اختلافات شدید ہو گئے اور بالآخر ۱۷ دسمبر ۱۹۷۱ء کو مشرقی پاکستان، پاکستان سے الگ ہو گیا اور بنگلہ دیش وجود میں آیا۔

فروری اور مارچ ۱۹۷۲ء (سقوط مشرقی پاکستان کے بعد) اپنی تین چار مجالس میں

درس بصیرت یعنی پاکستان کا "سیاسی بحران اور اس کا ایمان افروز حل" کے زیر عنوان حضرتؒ نے اپنے خیالات کا اظہار فرمایا جس کو مرتب کر کے کتابچہ کی شکل میں شائع کیا گیا اس کے کچھ اقتباسات حسب ذیل ہیں۔

خلاصہ شومئی احوال یہ ہے کہ

اس چوبیس سال کے عرصے میں اسلامی آئین نہ بن سکا یا یہ کہ بنانے نہ دیا جا سکا۔ ہماری کوئی قومی زبان جاری نہ ہو سکی۔ ہمارا کوئی قومی لباس، وضع قطع مقرر نہ ہو سکا۔ ہمارا کوئی قومی واسلامی معاشرہ ظہور میں نہ آ سکا۔ ہمارا کوئی قومی کردار قائم نہ ہو سکا وغیرہ وغیرہ۔

پاکستان کے وجود کے تھوڑے عرصے بعد ہی سے اس کی عنان حکومت وسیاست ایسے افراد کے ہاتھوں میں آئی اور ایسی صدارتیں اور وزارتیں قائم ہوئیں جو اسلام سے بالکل بیگانہ تھے یا صاف بات یہ ہے کہ وہ افراد اپنے مذاق زندگی اور مقاصد فاسدہ اور اغراض ذاتی کی وجہ سے ایک حد تک اسلام سے نفرت ومغائرت رکھنے والے تھے۔ آئین اسلام ان کے لئے خلل انداز ہوتا اور وہ حاصل شدہ منصب اور وجاہت اور مفادات مال ومتاع سے محروم ہو جاتے۔

اب آپ ملک کے حالات کا سرسری جائزہ لیں تو آپ کو عام افراد ملک وقوم میں فسق وفجور کی فراوانی، بے حیائی وبے شرمی، بے باکی وآزادی نظر آئے گی جماعتوں میں نفاق وافتراق، خود بینی وخود پرستی نظر آئے گی۔ رہنمایان ولیڈران قوم میں حب جاہ واقتدار پسندی اور انانیت کے جذبات کارفرما نظر آئیں گے صاحبان اقتدار، ارباب حل وعقد میں عیش وعشرت، آمریت وفرعونیت کے انداز نظر آئیں گے۔

توجس قوم وملک میں ایسی عادتیں وخصلتیں پیدا ہو جائیں اس میں دناءت، بزدلی، بے غیرتی اور بے حوصلگی کی وجہ سے غلامانہ ذہنیت اور مرعوبیت ومغلوبیت کا خاصہ پیدا

ہو جاتا ہے اور وہ قوم پھر ایک مردہ قوم ہو جاتی ہے۔ اس کا کوئی وقار اور اعتبار دنیا کی نظر میں باقی نہیں رہتا۔

حیرت اور افسوس اس بات پر بھی ہے کہ اس زمانے میں دفعتہً سچے خیر خواہان ملک وملت اور بہی خواہان تہذیب واخلاق کا یک لخت فقدان ہو گیا۔ کوئی ایسا نہ رہا جو ملک و قوم کی اخلاقی اور اقتصادی تباہ کاری سے دل سوزی اور ہمدردی کے ساتھ نجات دلاتا۔

وائے عبرت

ایک بات اور بھی کہنے کو جی چاہتا ہے مگر غیرت دینی صاف صاف کہنے سے مانع ہو رہی ہے وہ یہ ہے کہ حب جاہ اور اقتدار پسندی کی فضا میں کچھ ناعاقبت اندیش سیاسی مذاق لئے ہوئے دینی اور مذہبی جماعتیں بھی پیدا ہو گئیں اور وہ بھی ایک دو نہیں بلکہ متعدد اور سب کے سب یہ اعلان کرتے ہوئے میدان سیاست میں آگئے کہ یہاں اسلامی قانون اور اسلامی شعائر جاری کریں گے اور مملکت پاکستان میں اسلام کا نام سربلند کریں گے۔

مگر وائے عبرت! کہ اس مقصد کے حصول کے لئے بجائے اس کے کہ متفق ہو کر کوئی کام کرتے اور عام مسلمانوں میں اعلائے کلمۃ الحق کے لئے جذبات ایمانی اور تحریکات اسلامی ابھارتے خود آپس میں ہی دست و گریباں ہو گئے اور اپنے اغراض و مقاصد کے لئے جس کی بنیاد ہی اَلْفَسَادُ عَلَیَ الْفَسَادِ کے سوا کچھ بھی نہ تھی ایک جماعت دوسری جماعت پر لعن طعن کرنے لگی' ذاتیات پر حملے ہونے لگے اور ساری اپنی قوت و توانائی اسی میں صرف کرنے لگے۔ ایسی حالت میں مقصود تو کیا حاصل ہو تا ملک و قوم کو اور بھی زیادہ انتشار اور اضطراب کی حالت میں مبتلا کر دیا۔

عوام کی بدگمانی

عامۃ المسلمین کی نظر میں خواص کا وقار دینی بالکل ختم ہو گیا۔ عوام الناس میں ان

کے خود غرضانہ عزائم سے بے اعتمادی پیدا ہو گئی اور عوام کو انھیں اپنا رہنما اور پیشوا سمجھنے میں تذبذب پیدا ہو گیا۔ اور سب سے زیادہ افسوسناک بات یہ ہے کہ نوجوان طبقہ جس کو مذہب اسلام سے پہلے ہی اس زمانے میں صحیح اور کافی علم نہیں ہے ایسے مولویوں کو دیکھ کر مذہب سے اور بھی زیادہ بدظن اور بدگمان ہوتا جارہا ہے اور ان کے طرح طرح کے اختلافات اور حرکات دیکھ کر دین سے بے اعتنا ہوتا جارہا ہے۔ اس کا جواب کون دے اور کس طرح دے، کاش ان سے کوئی یہ کہتا کہ ؎

سن تو سہی جہاں میں ہے تیرا فسانہ کیا
کہتی ہے تجھ کو خلق خدا غائبانہ کیا

اہل حکومت اور برسر اقتدار طبقے میں ان حضرات کی تنگ نظری اور آپس کے نفاق اور لعن طعن سے ان کی طرف سے بے اعتمادی اور بے اعتباری پیدا ہو گئی ہے اور ان کی نظر میں ان کا ذرہ برابر بھی وزن نہیں رہا یوں وہ اپنی مصلحت سے ان کے ساتھ جو بھی معاملہ کریں۔ کاش یہ حضرات اپنے وقار علمی اور دینی وجاہت کو قائم رکھنے کے لئے سیاست سے علیحدہ ہی رہتے تو بہتر تھا۔ اپنے مقام پر رہ کر اعلائے کلمۃ الحق کرتے رہتے اور سیاستدانوں اور حکمرانوں کو اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کے احکامات سے مطلع کرتے رہتے اور ان کو بے راہ روی اور غیر اسلامی رجحانات سے روکنے کی کوشش کرتے اور انہی امور کی اشاعت و تبلیغ میں ساری جدوجہد اور اپنی مساعی کو صرف کرتے' ان کو اپنے مقصود میں کامیابی و قوت حاصل کرنے کے لئے عامۃ المسلمین کی حمایت اور تعاون کی سخت ضرورت تھی' اس سے افسوس ہے کہ وہ بالکل محروم رہ گئے انا اللہ الخ۔"

علمائے کرام و طلبہ دارالعلوم سے خطاب

۷ار جولائی ۱۹۸۵ء کو دارالعلوم کراچی کے تعلیمی سال کے آغاز اور افتتاح بخاری کے موقع پر حضرت عارفیؒ نے بحیثیت صدر دارالعلوم' طلباء' اساتذہ اور منتظمین سے

انھیں سیاست میں حصہ نہ لینے کے متعلق متنبہ کرتے ہوئے اپنے خطاب میں فرمایا:

"آج کل کا ماحول' اللہ تعالیٰ محفوظ رکھے' بڑا اثر انگیز ہے۔ میں اساتذہ سے بھی اور طلبہ سے بھی کہتا ہوں کہ دارالعلوم کی چار دیواری کے اندر رہتے ہوئے ہر گز نظر نہ ڈالنا کہ باہر کیا ہو رہا ہے؟ کہاں کہاں کون کونسی انجمنیں اور بڑی بڑی جماعتیں قائم ہیں؟ خبر دار ان جماعتوں کا تم سے کوئی تعلق نہیں' تم اپنی توجہ اپنی حدود کے اندر رکھو۔ اپنی صلاحیتیں، تعلیم و تعلم اور درس و تدریس میں صحیح طور پر صرف کرو۔

خبر دار! باہر بڑے فتنے ہیں' دین کے فتنے ہیں' جماعتیں اور انجمنیں قائم ہو رہی ہیں اسلام کے نام پر' ایمان کے نام پر پارٹیاں بن رہی ہیں۔ تم کو ہر گز ان کے قریب نہ جانا چاہئے۔ ہمیں اپنے کام سے کام رکھنا ہے...... آپ کیوں ان چیزوں میں حصہ لیں؟ کیا آپ خدائی فوجدار ہیں؟ آپ کے اوپر وحی آئی ہے کہ دنیا بھر کی اسلامی ذمہ داریاں آپ اٹھاتے پھریں۔ آپ سوچتے ہوں گے کہ مسلمان ہونے کی وجہ سے' عالم ہونے کی وجہ سے یہی تقاضا ہے کہ اہل حق کی نمائندگی کرنی چاہئے۔ اہل حق کو رسوخ نہ ہو گا تو باطل غالب آجائے گا۔ بڑی اونچی سوچ ہے۔ بھئی تم کون ہوتے ہو باطل کو روکنے والے؟ حق کو غالب کرنے والے...... خبر دار! میری نصیحت ہے کہ آج کل کی سیاست کی طرف طلبہ و اساتذہ ہر گز نظر نہ ڈالیں' آج کل کی سیاست کا فتنہ بہت بڑا فتنہ ہے۔ خبر دار کبھی سیاست کی طرف نظر نہ اٹھانا' ٹھوکر کھا جاؤ گے۔ میری نصیحت یاد رکھنا' اس سلسلہ میں اللہ میاں تم سے مواخذہ نہیں کریں گے...... جماعتیں صرف یہ چاہتی ہیں کہ کچھ ایسے لوگوں کو بھی ساتھ لے لیں جن سے ان کا وقار بڑھ جائے۔ کچھ ان کی پشت پناہی ہو جائے' اس لئے وہ چاہتی ہیں کہ فلاں مولوی صاحب کو شامل کر لیں' فلاں مولوی صاحب کو بھی شامل کر لیں۔ وہ جماعتیں یہ سمجھتی ہیں، ان سے ہماری جماعت میں تقویت پیدا ہو جائے گی' وہ تمہارے علم سے کچھ اخذ نہ کریں گی بلکہ اپنا اثر ضرور تم پر ڈال دیں گی۔ میں خیر خواہی سے' محبت سے' نصیحت کر رہا ہوں کہ خبر دار سیاست کی طرف نہ جانا

ہماری سیاست درس و تدریس ہے۔ تصنیف و تالیف ہے۔ میں دعوے کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ جو داعیہ آپ کے دل میں پیدا ہو رہا ہے کہ سیاست کے ذریعہ خدمت اسلام کی جائے وہ سوائے نفسانیت کے کچھ نہیں۔ آپ میں سے جس میں بھی یہ جذبہ پیدا ہو گا وہ محض نفسانی ہو گا۔ ایمانی نہیں ہو گا۔ الا ماشاء اللہ۔

ہاں اگر حکومت کسی دینی معاملے میں مشورہ کے لئے دارالعلوم کے علماء یا کسی اور عالم کو طلب کرے تو حق کی وضاحت کے لئے ضرور جانا چاہئے اور جا کر شریعت کا حکم واضح کر دینا چاہئے۔ لیکن اگر حکومت کی طرف سے کسی ایسی کمیٹی کا رکن بننے کی دعوت دی جائے جس میں ارکان کی اکثریت عظمت دین سے غافل اور دین کے معاملے میں تاویل کوش ہوں اور وہاں جا کر اس بات کا خطرہ ہو کہ اہل حق کا وقار دینی مجروح ہو گا یا خدانخواستہ دوسروں کی تاویل کوشی میں خود کو حصہ دار بننا پڑے گا تو ایسی رکنیت کو ہرگز قبول نہ کیا جائے۔ اور ایسی صورت میں اپنے فرائض منصبی کے مشاغل کثیرہ اور ایسے کام کی عدم صلاحیت و نااہلیت کا عذر کافی ہے۔

البتہ ایک بات آپ کے مقاصد میں داخل ہے اور وہ یہ کہ آپ اپنے یہاں ایک شعبہ کھول لیں جو درس و تدریس کے علاوہ تبلیغ و اشاعت کا کام کرے، آپ کہتے ہیں کہ منکروبات پھیلے ہوئے ہیں اور اسلام کے خلاف سازشیں ہو رہی ہیں۔ آپ کو اللہ تعالیٰ نے علم دیا ہے، قلم دیا ہے اور زبان دی ہے آپ وعظ و نصیحت کیجئے قلم سے آپ مضامین لکھئے، دینی ماہناموں میں اور اخبارات میں شائع کر دیجئے۔ بس اتنا کافی ہے، ہمارے حضرت (حکیم الامتؒ) کا یہی طریقہ رہا کہ جہاں کوئی مسئلہ درپیش ہوا مضمون لکھ دیئے، رسالہ لکھ دیا اور شائع کرا دیا۔"

تعلق مع شیخ

چشم مست ناز ساقی کے پرستاروں سے پوچھ
تشنگی ہوتی ہے کیسی مے کشی ہوتی ہے کیا؟

ان کی بزم ناز ہی میں اس کو سمجھا تھا کبھی
زندگی کہتے ہیں کس کو زندگی ہوتی ہے کیا؟

ڈوب سا جاتا ہے دل رہ رہ کے ان کی یاد میں
کیا کسی سے کہئے وجہ بے خودی ہوتی ہے کیا

میں نے ساری عمر کی ہے خدمت پیر مغاں
مجھ سے پوچھو مے کدہ کی زندگی ہوتی ہے کیا؟

دید کے قابل ہے وہ منظر کہ ان کے روبرو
اہل دل اہل نظر کی بے بسی ہوتی ہے کیا

ذکر ان کا چھیڑ کر دیکھے کوئی اے عارفیؔ
بے خودی کیا چیز ہے وارفتگی ہوتی ہے کیا



حریم دوست

وہ نظر آتا ہے دیکھ اے دل سواد کوئے دوست
گوشہ گوشہ سے جہاں کے آرہی ہے بوئے دوست

آج آساں ہوگئی دشواریٔ منزل مجھے
کھینچ لایا مجھ کو میرا جذبۂ دل سوئے دوست

دیکھتا ہوں خواب کوئی یا ہوں اپنے جوش میں
اے خوشا قسمت کہاں میں اور کہاں پہلوئے دوست

اے وفور شوق اتنی فرصت نظارہ دے
جذب کرلوں دیدہ ودل میں بہار روئے دوست

کس طرح کوئی سنبھالے دل کو بزم ناز میں
مست وبے خود کررہی ہے نرگس جادوئے دوست

ہائے کتنی جاں فزا ہے لذت زخم جگر
وائے وہ دل جو نہیں ہے کشتہ ابروئے دوست

ذوق و شوق دل کا مدت سے تقاضا ہے یہی
جان ودل میں جذب کرلوں ہر ادائے خوئے دوست

اس طرح دل میں بسا لوں نکہت گلہائے حسن
پھوٹ نکلے ہر بن مو سے مرے خوشبوئے دوست

عارفیؔ بس اب یہی ہے آرزوئے زندگی
کاش میرا شغل ہو ہر دم طواف کوئے دوست

حضرت حکیم الامتؒ سے تعارف

"۱۹۱۴ء میں پھوپھا علی سجاد صاحبؒ کانپور میں نائب تحصیلدار تھے اور میں اس زمانہ میں انگریزی اسکول کرائسٹ چرچ ہائی اسکول کانپور میں ساتویں درجہ میں تعلیم پارہا تھا۔ اسی زمانہ میں حضرت خواجہ عزیزالحسن صاحب غوری مدظلہ العالی کانپور میں ڈپٹی کلکٹر تھے۔ حضرت خواجہ صاحب قبلہ اور پھوپھا علی سجاد صاحب قبلہ دونوں علیگڑھ کالج میں ایک ساتھ پڑھتے تھے اور ہم وطن بھی تھے اس لئے آپس میں بے تکلفی تھی۔ جب آپس میں ملاقات ہوتی تھی تو حضرت مولانا تھانویؒ ہی کا ذکر ہوتا تھا۔ رفتہ رفتہ پھوپھا صاحب پر حضرت مولانا تھانویؒ کا بہت اثر ہونے لگا۔ خواجہ صاحب قبلہ مدظلہ کے ذریعہ سے روز بروز حضرت مولانا تھانویؒ کی تصانیف کا ہمارے خاندان میں اضافہ ہوتا گیا، خصوصاً بہشتی زیور اور حضرتؒ کے مواعظ بہت پڑھے جانے لگے۔

۱۹۱۶ء میں پھوپھا صاحب قبلہ مچھلی شہر میں تحصیلدار تھے اور ۱۹۲۰ء تک وہاں رہے۔ دسمبر ۱۹۱۷ء میں حضرت مولانا تھانویؒ مچھلی شہر تشریف لے گئے، وہاں سے واپسی پر پھوپھا صاحب قبلہ حضرت والا کو کالپی بھی ساتھ لائے، اس زمانہ میں ہمارا سارا خاندان کالپی میں مقیم تھا۔ گویا ایک طرح سے وطنی حالت تھی۔ حضرت مولانا تھانویؒ جس وقت کالپی تشریف لائے تھے اس وقت تمام اعزہ حسن اتفاق سے کرسمس کی تعطیلات کی وجہ سے جمع تھے۔ دسمبر کی ۳۱ تاریخ تھی ہم لوگوں نے پہلی بار اس دن حضرت مولاناؒ کی زیارت کی۔ حضرت والا کی طرف بڑی کشش اور بڑی عقیدت محسوس ہوتی تھی حالانکہ اس وقت میری عمر بیس سال کی تھی اور میں کچھ زیادہ واقف بھی نہ تھا کہ بزرگ کیسے ہوتے ہیں اور ان سے کیا تعلق رکھا جاتا ہے۔ میں نے اس روز حضرت والاؒ کے پیچھے سب سے پہلی نماز مغرب کی پڑھی۔ میں کہہ نہیں سکتا کہ اس وقت میرے قلب کی کیا حالت تھی۔ سراپا شوق اور ہمہ تن وارفتگی کی سی حالت تھی۔ دوسرے روز

صبح یعنی یکم جنوری ۱۹۱۸ء کو ہمارے دادا کاظم حسین صاحب قبلہؒ کے مکان پر صبح نماز فجر کے بعد حضرت قبلہؒ کا وعظ ہوا۔ اس وعظ کا نام الکاف ہے۔ دادی صاحبہ محترمہ و معظّمہ حضرت قبلہ مولانا تھانویؒ سے بیعت ہوئیں۔ دادا صاحب قبلہؒ نے حضرت سے عرض کیا کہ اس کی بڑی تمنا تھی کہ حضرت سے بیعت ہوں مگر مقام دوری کی وجہ سے کوئی امید نظر نہیں آتی تھی کہ یہ آرزو مستقبل قریب میں پوری ہو سکے گی' اللہ تعالیٰ نے دعا قبول فرمائی اور ایسا انتظام فرمایا کہ حضرت خود یہاں تشریف لے آئے۔ گھر میں اور بھی بہت عورتیں اور لڑکیاں مرید ہوئیں۔ مردوں میں بھی دو ایک لوگ مرید ہوئے' اسی روز مغرب کے قریب حضرت والاؒ سے ملنے کے لئے اپنے جائے قیام سے تشریف لائے۔ حضرت قبلہ جہاں تشریف رکھتے تھے ان کے سامنے ہی دادا صاحب قبلہ بیٹھے ہوئے تھے اور دادا صاحب قبلہ کے پیچھے حضرت خواجہ عزیز الحسن صاحب قبلہ مدظلہ بیٹھے ہوئے تھے۔ دفعتہً گھبرا کر دادا صاحب قبلہ نے فرمایا کہ خواجہ صاحب کہاں تشریف رکھتے ہیں' دیکھا تو پیچھے بیٹھے ہیں۔ دادا صاحب نے فرمایا کہ مہربانی فرما کر ذرا ہٹ کر بیٹھئے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت والا آپ کے قلب کی طرف متوجہ ہیں۔ درمیان میں میرا قلب پڑتا ہے جو اس کا متحمل نہیں ہو سکتا' میرے قلب کی حالت دگرگوں ہو رہی ہے۔

دادا صاحب قبلہ پر اس وقت عجیب حالت طاری تھی۔ بڑے ضبط والے اور متحمل مزاج آدمی تھے' سنجیدگی اور متانت انتہا سے زیادہ فطرۃً حاصل تھی' مگر حضرت والا کی موجودگی نے بالکل بے خود بنا رکھا تھا۔ حضرت والا دیر تک گفتگو فرماتے رہے' بعد میں حضرت والا نے فرمایا کہ بڑے صاحب دل ہیں۔ دادا صاحب قبلہ نے حضرت والا سے ملاقات کے لئے کپڑے تبدیل کئے تھے' عمامہ اور عباء وغیرہ زیب تن فرما کر بڑے اہتمام سے ملاقات کے لئے تیار ہوئے تھے۔ اس روز رات بھر دادا صاحب کی عجیب حالت رہی۔ فرماتے تھے کہ رات بھر قلب جاری رہا اور ہر بن مو تمام جسم سے

ذکر جاری تھا، نیند نہیں آئی، اور برابر رقت طاری رہی۔ حضرت والا کی ملاقات کا دادا صاحب قبلہ پر بہت اثر رہا۔ دادا صاحب کا اسی سال ۱۱ر نومبر ۱۹۱۸ء کو بروز شنبہ انتقال ہوا۔ میں اس سال انٹرینس پاس ہوا تھا اور دادا صاحب قبلہ نے تعلیم کے لئے علیگڑھ کالج بھیج دیا تھا۔

حضرت حکیم الامتؒ سے ابتدائی تعلق

''میں نے حضرت حکیم الامتؒ کے کئی وعظ کانپور میں سنے۔ بڑے بڑے مجمع میں وعظ ہوتے تھے۔ اسی سال یا اگلے سال والد صاحب قبلہ بھی حضرت سے بیعت ہو گئے اور رفتہ رفتہ تمام افراد خاندان حضرت سے بیعت ہو گئے۔ اللہ کا شکر ہے کہ ہمارے خاندان کی حالت بہت سنبھل گئی۔ ہم لوگ بدعات میں تو کبھی الحمد للہ مبتلا نہ تھے، البتہ چند رسوم ضرور شامل زندگی ہو گئی تھیں۔ مثلاً شب برات وغیرہ کے حلوے، محرم میں مجالس عاشورہ سادہ طور پر محض ذکر الشہادتین پڑھ لی جاتی تھی۔ شربت وغیرہ بن جاتا تھا، فاتحہ وغیرہ کے لئے کبھی کبھی کھانا پک جاتا۔ بس اس کے علاوہ اور کچھ نہ تھا۔ عقائد ہمیشہ سے ایسے تھے، مگر حضرت والا سے تعلق ہو جانے پر متذکرہ باتیں ترک کر دی گئیں اور دین کا زیادہ اہتمام شروع ہو گیا۔ الحمد للہ علی احسانہ میں جب تک علیگڑھ میں پڑھتا رہا ہر سال امتحان میں کامیابی کے لئے حضرت والا کو خط لکھا کرتا تھا۔ جس سال بی اے کا امتحان دیا ہے اس سال بھی دعا کے لئے خط لکھا تھا۔''

غالباً وہ خط یکم جولائی ۱۹۲۳ء کا تھا جس کے اقتباسات حسب ذیل ہیں۔

''اب تک میں نے جتنے عریضے تحریر کئے وہ صرف دنیاوی مفاد کی دعاؤں کے واسطے تھے۔ اس مرتبہ منتظر تھا کہ نتیجہ امتحان نکل آئے تو حضور سے باطنی اصلاح کا طالب ہوں اور اس مقصد خاص کے ساتھ کسی دوسری دنیاوی مقصد کا شمول نہ ہو، لیکن نتیجہ امتحان توقع کے خلاف نکلا اور میں اس سال پھر امتحان بی اے میں ناکامیاب رہا۔ یہ میرا

دوسرا سال تھا۔ میں نے حضور کی اکثر تصانیف اور وعظ پڑھے ہیں اور خوش بختی سے اکثر کانپور وغیرہ میں حضور کے وعظ سننے کا شرف بھی حاصل ہوا ہے۔ ایک عرصہ سے تمنا ہے کہ حضور سے فیض حاصل کروں مگر اب تک اپنے کو اس کا نااہل سمجھتا رہا' مگر اب خیال ہوتا ہے کہ جس قدر زمانہ گزرتا جاتا ہے اتنا ہی حضور کی برکتوں سے محرومی ہوتی جائے گی' اس لئے آج اس عریضہ کے لکھنے کی جرأت کی ہے۔ ہمیشہ اس کا آرزو مند رہا ہوں کہ بزرگوں کی توجہ مجھ پر ہو جائے تاکہ میری زندگی سنور جائے۔ حضور کا ایک مدت سے ارادت کیش ہوں۔ اب مجھے پوری طرح یقین ہے کہ حضور سے بڑھ کر مجھے کہیں کوئی اور ایسا شفیق اور کامل بزرگ نہیں مل سکتا۔ مجھے حضور کی تصانیف کے مطالعہ سے روشن ہو گیا ہے کہ جس فیض کا میں طالب ہوں وہ حضور ہی کی بارگاہ سے مجھے مل سکتا ہے' اگر حضور اپنی توجہ گرامی مجھ پر مبذول فرمائیں۔

آں کہ خاک را بنظر کیمیا کنند
آیا بود کہ گوشہ چشمے ہما را ما کنند

میں نہایت مودبانہ ملتجی ہوں کہ حضور مجھ پر ایسی توجہ فرمائیں کہ میں دین کے اصولوں پر استقلال کے ساتھ کاربند ہو جاؤں' اور مجھ میں جو کمزوریاں ہیں وہ رفع ہو جائیں' اور طالب علمانہ زندگی اور آئندہ زندگی عافیت کے ساتھ بسر کر سکوں۔ طبیعت جو پریشان اور متفکر رہتی ہے کچھ دنیا کے تعلقات سے اور کچھ آخرت کے خیالات سے اس کو اطمینان اور سکون ہو جائے۔ جسمانی صحت کے ساتھ روحانی تقویت حاصل ہو جائے تاکہ مکروہات زندگی تکلیف دہ نہ ہوں۔ ہر چند کہ نماز کا پابند ہوں اور تلاوت قرآن مجید بھی کرتا رہتا ہوں۔ علیگڑھ میں کچھ عرصہ تک تفسیر شریف بھی پڑھی ہے مگر اکثر طبیعت نماز اور تلاوت میں تساہلی کرنے لگتی ہے اور ذوق و شوق پیدا نہیں ہوتا۔ جسمانی صحت بھی بہت خراب ہو گئی ہے' علاج کرا رہا ہوں مگر خاطر خواہ فائدہ اب تک ظاہر نہیں ہوا۔ اکثر یہ جسمانی بیماریاں تساہلی اور کاہلی کا سبب ہوتی ہیں'

مجھے امید ہے کہ حضور کی دعا سے مجھے صحت جسمانی اور صحت روحانی دونوں نصیب ہو جائیں گی۔"

حضرت حکیم الامتؒ نے اس خط پر جواباً تحریر فرمایا۔

"السلام علیکم۔ دل بہت خوش ہوا۔ کامیابی کی دعا کرتا ہوں۔ اس وقت تو بہشتی زیور وگوہر و قصد السبیل اور تبلیغ دین اور مواعظ کا مطالعہ اور عمل کافی ہے۔

پھر جب یکسوئی ہو جائے گی اس وقت کچھ اور عرض کروں گا۔ کیا اس دوران میں کبھی دو چار روز پاس رہنے کا موقع مل سکتا ہے۔"

حضرت عارفیؒ نے حضرت حکیم الامتؒ سے تعلق کے متعلق مزید تحریر فرمایا:

"اس سال (۱۹۲۳ء) میں ناکامیاب رہا، پھر علیگڑھ کالج پڑھنے کے لئے گیا۔ اس سال حضرت قبلہ بھی اپنے خاص مرید شفاعت اللہ صاحب پیش کار کے پاس تشریف لائے تھے اور انہیں کے مکان پر قیام تھا۔ مجھ کو کسی ذریعہ سے اطلاع ہو گئی تھی، میں بھی جائے قیام پر قدم بوسی کے واسطے حاضر ہوا۔ میں نے اپنا تعارف حضرت سے کرایا۔ پہلے فرمایا کہ میں نے آپ کو پہچانا نہیں، جب میں نے کالپی اور پھوپھا صاحب قبلہ کا نام لیا تو فرمایا جی ہاں اب پہچان لیا۔ میں نے عرض کیا حضرت میں نے امتحان میں کامیابی کے لئے دعا کرائی تھی مگر اس سال فیل ہو گیا۔ فرمایا "پھر محنت کرو پھر دعا کریں گے" میں دیر تک حضرت کی خدمت میں بیٹھا رہا...... پھر میں چلا آیا اس کے بعد دوبارہ وہاں حاضری کا موقعہ نہیں ملا۔ مجھے حضرت سے ہر دفعہ مل کر ایک خاص قسم کا تعلق محبت محسوس ہوتا تھا، جس کا قلب پر ہمیشہ اثر رہتا تھا۔

اس کے بعد پھر عرصہ تک حضرت سے شرف ملاقات حاصل نہیں ہوا۔ البتہ امتحانات میں کامیابی کے لئے خطوط بھیجا کرتا تھا۔ جب ۱۹۲۵ء (۱۹۲۴ء تا ۱۹۲۶ء) میں لکھنؤ میں قانون کی تعلیم حاصل کر رہا تھا اس وقت حضرت کو اپنی اصلاح باطن اور بیعت کے لئے خطوط لکھے۔"

وہ خطوط جو ابتدائی دور میں تحریر کیے گئے تھے ان میں سے چند اقتباسات مندرجہ ذیل ہیں۔

۱۔ "میں نے ماہ فروری میں بریلی کالج سے ایک عریضہ خدمت والا میں ارسال کیا تھا جس میں میں نے عرض کیا تھا کہ مجھے تقویت ایمانی اور صفائی قلب کے لئے کوئی ایسی چیز تلقین فرمائی جائے جس سے مجھے اطمینان قلب و سکون میسر ہو۔ حضور نے جواباً ارشاد فرمایا تھا کہ ان امور کے بابت بعد فراغت مشاغل تعلیم عرض کروں چنانچہ آج کل میں امتحان سے فارغ ہو کر آزاد ہوں اور چاہتا ہوں کہ ان ایام میں حضور سے کچھ فیض حاصل ہو جائے۔"

اس مکتوب پر حضرت حکیم الامتؒ نے تحریر فرمایا۔

"پاکیزہ خیالات سے مسرت ہوئی اللہ تعالیٰ برکت واستقامت بخشے۔ قصد السبیل سے اوراد و ہدایات لے کر عمل شروع کیجئے اور مع اس پرچہ کے مجھ کو اطلاع دیجئے۔"
(مکتوب ۱۷/ اپریل ۱۹۲۴ء)

۲۔ "حضور کے ارشاد کے مطابق میں نے قصد السبیل کی ہدایات اور اوراد پر عمل شروع کر دیا ہے، نمازیں جو پچھلی قضا ہو گئی ہیں ان کو سلسلہ وار بقیہ وقت ہر نماز پنجگانہ کے ساتھ ادا کرنا شروع کر دیا۔ ہر نماز کے بعد سُبْحَانَ اللّٰہِ، لَآ اِلٰہَ اِلاَّ اللّٰہُ وَاللّٰہُ اَکْبَر سو سو مرتبہ پڑھ لیا کرتا ہوں۔ بعض دن ایک آدھ وقت کبھی چھوٹ بھی جاتا ہے۔ نماز عشاء کے بعد وتر سے پہلے دو دو رکعت کر کے چار رکعت نماز نفل بجائے تہجد پڑھ لیا کرتا ہوں۔ بعض اوقات ان امور کی پابندی میں تساہلی محسوس ہوتی ہے لیکن خدا کے فضل سے جب سے شروع کیا ہے اس کا سلسلہ منقطع نہیں ہوا۔ اس کے علاوہ چلتے پھرتے درود شریف پڑھتا رہتا ہوں۔ سوتے وقت سو بار استغفار پڑھ لیتا ہوں۔ بہشتی زیور میں مسائل فقہ کبھی کبھی دیکھ لیتا ہوں اور مفتاح الجنۃ کا تیسرا باب پڑھنا شروع کیا ہے جو فروگذاشتیں ناواقفیت میں ہو جایا کرتی تھیں ان کو عمل میں لانے کی کوشش

کرتا ہوں۔"

جواباً حضرت حکیم الامتؒ نے تعلیم فرمائی۔

"میرے مواعظ ہی مطالعہ میں رکھئے۔" (مکتوب ۲۳ر مئی ۱۹۲۴ء)

۳۔ "ایک مدت سے مجھے اس کی تمنا ہے کہ اپنے میں ایسی صلاحیت پیدا کروں کہ حضور کی توجہ گرامی کے قابل ہو جاؤں۔ حضور کے ارشاد کے مطابق میں نے قصد السبیل پڑھی اور اس کے اوراد کا ایک عرصہ تک پابند رہا۔ روزانہ تلاوت قرآن شریف کا بفضلہٖ تعالیٰ پابند ہوں۔ حضور کے مواعظ بھی اکثر دیکھتا رہتا ہوں اور حتی الامکان ان سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کرتا ہوں جہاں تک ہو سکتا ہے برائیوں سے بھی بچنے کی کوشش کرتا ہوں۔ لیکن بعض وقت جب غور کرتا ہوں تو بے شمار کمزوریوں اور برائیوں میں اپنے آپ کو مبتلا پاتا ہوں۔ ایسے وقت طبیعت چاہتی ہے کہ حضور سے خاص توجہ کا طالب رہوں میں چاہتا ہوں کہ حضور میرے لئے خداوند تعالیٰ سے دعا فرمائیں کہ مجھ میں سچی ایمانی طاقت پیدا ہو جائے۔ اور مجھے سنت رسول اللہ ﷺ کی پیروی کی توفیق نصیب ہو جائے اور دوسری تمنا یہ ہے کہ ہر چند نااہل ہوں حضور مجھے اپنے سلسلہ غلامی میں داخل کرلیں۔ کیا عجب اس نسبت سے میری عاقبت درست ہو جائے اور اس کے اثر سے میری زندگی سنور جائے۔ امید ہے کہ حضور اپنی توجہ گرامی سے مجھے محروم نہ کریں گے۔

آں ہا کہ خاک را بنظر کیمیا کنی
آیا بود کہ گوشہ چشمے بما کنی

اس مکتوب پر حضرت حکیم الامتؒ نے تحریر فرمایا

"میں نے آپ کو پہچانا نہیں۔" (مکتوب ۴ر دسمبر ۱۹۲۴ء)

۴۔ "مجھے حضور نے اس لئے نہیں پہچانا کہ میں نے ایک مدت کے بعد عریضہ ارسال خدمت کیا تھا ورنہ اس سے قبل اکثر عریضے ارسال کر چکا ہوں۔ میرے والد علی

عباس صاحب اور میرے پھوپھا و خسر علی سجاد صاحب اور میری دادی صاحبہ مکرمہ اور دیگر اعزہ کالپی میں حضور کی غلامی سے مشرف ہوئے ہیں۔ یہ خادم بھی حضور کی توجہات گرامی کا طالب و متمنی ہے۔"

اس تعارف پر حضرت حکیم الامتؒ نے تحریر فرمایا۔

"ان تعلقات سے پہچان لیا گو صورت یاد نہیں آئی...... میں بدون بیعت بھی ہر ممکن خدمت کے لئے حاضر ہوں اور بیعت کے بعد پھر مجھ پر حق ہو جائے گا کہ آپ کو اپنے مسلک پر مجبور کروں اور آپ حالت موجودہ میں اس کا تحمل نہیں فرما سکتے۔"

(مکتوب ۸/ دسمبر ۱۹۲۵ء)

۵۔ "میں نے حضور سے اپنے حلقہ غلامی میں داخل کر لینے کی استدعا کی تھی جس پر حضور نے تحریر فرمایا تھا کہ موجودہ حالات میں تم اس کے متحمل نہیں ہو سکتے۔ میں ایک عرصہ سے اس نسبت سے شرف حاصل کرنے کا متمنی تھا، لیکن اپنے کو نااہل سمجھ کر جرات نہ کر سکتا تھا۔ حضور کی تصانیف اور مواعظ کا مطالعہ اکثر کیا کرتا تھا مگر اب ادھر آکر یہ خیال پیدا ہونے لگا کہ جس قدر بھی اس خواہش کو عرض کرنے میں تاخیر ہوتی جائے گی اسی قدر میری محرومی کا باعث ہوگا اور اپنی نااہلیت کے متعلق سمجھ میں آیا کہ اسی وقت مجھ میں اہلیت و صلاحیت نیک پیدا ہو سکتی ہے جب حضور کی توجہ مجھ پر ہو (ا) اور میں حضور کے فیوض سے بہرہ اندوز ہوں۔ میں علویت نفس اور تزکیہ روح کے متعلق پڑھا کرتا ہوں اور سنا کرتا ہوں بہت جی چاہتا ہے کہ اس کا احساس میری طبیعت میں بھی پیدا ہو جائے۔ (ب) میں بھی ان نعمتوں سے مستفید ہونے کی تمنا رکھتا ہوں گو مجھے ایسے مواقع بہت کم اور قلیل وقت کے لئے ملتے ہیں۔ مجھے ایک مدت سے حضور کے مواعظ پڑھ کر اور اکثر سن کر ایک خاص ارادت و عقیدت پیدا ہو گئی ہے۔ جی چاہتا ہے کہ حضور سے ہر ممکن فیض اپنی استعداد کے موافق حاصل کروں۔ اس لئے میری انتہائی تمنا ہے کہ حضور جس طرح لوگوں کے قلوب کی اصلاح کیا کرتے ہیں اور اپنے فیوض

گرامی سے مستفیض فرماتے ہیں ویسے ہی میری طرف بھی توجہ فرمائیں اور مجھے وہ طریقہ اور روش بتلادیں جس پر میں اپنی زندگی کا دستور العمل قائم کرسکوں اور مجھے اپنی قدم بوسی سے ایسی نسبت عطا فرمادیں جو دارین میں میرے لئے باعث سعادت ہو۔ امید ہے کہ حضور میری استدعا قبول فرمائیں گے۔(ج)

حضرت حکیم الامتؒ نے اس مکتوب پر حسب ذیل ارشادات سلسلہ وار تحریر فرمایا۔

(ا) توجہ بیعت پر موقوف نہیں، اگر حالات کی اطلاع اور مشوروں کا اتباع جاری رہے تو سب سے بڑھ کر طریق توجہ کا یہ ہے۔

(ب) میں یہ سننا چاہتا ہوں کہ آپ کے ذہن میں عُلویت اور تزکیہ اور ان کے احساس کے کیا معنی ہیں کیونکہ مطلوب کی حقیقت معلوم ہونا اول قدم ہے۔

(ج) میں نے بالکل سچائی اور خیر خواہی سے بلا کسی تکلف اور کسر نفسی کے اس کا طریق عرض کردیا ہے یعنی حالات کی اطلاع اور مشوروں کا اتباع اور یہ بھی ضرور ہوگا کہ ہر خط کے ساتھ اس سے پہلا خط ہمراہ رکھ دیا جایا کرے۔(مکتوب ۲۲ جنوری ۱۹۲۶ء)

۶۔ "حضور نے جو کچھ تحریر فرمایا ہے بالکل بجا ہے میں انشاءاللہ ضرور حتی الامکان اس پر عمل کرنے کی کوشش کروں گا۔ دینی کتب تو میں اکثر مطالعہ میں رکھتا ہوں۔ حضور کے مواعظ اور تصانیف دیکھتا رہتا ہوں البتہ اب تک اتنا موقع نصیب نہیں ہوا کہ خدمت گرامی میں حاضر ہوکر شرف قدم بوسی حاصل کرتا اور کچھ دنوں حاضر خدمت رہ کر سعادت وبرکات سے بہرہ اندوز ہوتا۔ انشاءاللہ تعالیٰ موقع میسر ہونے پر ارادہ ہے کہ کبھی حاضر خدمت ہوں۔ فی الحال میرے لئے جو حضور مناسب سمجھیں وہ تعلیم تجویز فرمادیں تاکہ اس کا شغل جاری رکھوں۔"

اس مکتوب پر حضرت حکیم الامتؒ نے تحریر فرمایا۔

"قصد السبیل سے دستور العمل مناسب اور مطالعہ مواعظ اور اطلاع حالات کی پابندی، یہ ابتدائی طریق ہے۔"(مکتوب ۱۰ مارچ ۱۹۲۶ء)

تعلق مع شیخ کے سلسلے میں حضرت عارفیؒ مزید رقم طراز ہیں۔

تھانہ بھون کی پہلی حاضری

"۱۹۲۶ء کی اپریل میں میں نے قانون کا آخری امتحان دیا۔ امتحان سے فارغ ہو کر میں سہارنپور چلا گیا وہاں اس زمانہ میں پھوپھا صاحب ڈپٹی کلکٹر تھے۔ کچھ دنوں کے بعد ہم لوگوں کا تھانہ بھون جانے کا اتفاق ہوا۔ میرا تھانہ بھون کا یہ پہلا سفر تھا' دادا خان بہادر منشی سید رضا حسین صاحب قبلہ بھی ہمراہ تھے اور پھوپھا صاحب بھی تھے۔ میں نے وہاں پہنچ کر اور حضرت کی زیارت ہونے پر عجیب کیفیت دل میں محسوس کی جو بیان سے باہر ہے۔ ہم لوگ حضرت ہی کے ہاں مہمان ہوئے' حضرت ہم لوگوں سے بہت ہی خصوصیت سے ملے۔ کھانا بھی ساتھ ہی تناول فرمایا۔ آم کی فصل تھی قلمی آم کھلائے۔ کھانا اندر سے خود لے لے کر آتے تھے' ہر وقت ہم لوگوں کا خیال فرماتے تھے' میں نے زمانہ تعلیم قانون لکھنؤ سے ایک مرتبہ حضرت کی خدمت بابرکت میں ایک عریضہ لکھا تھا کہ اب تک تو صرف امتحانات میں کامیابی کے لئے دعا کے لئے عریضہ لکھا کرتا تھا مگر اب جی چاہتا ہے کہ حضرت مجھے ایسی تعلیم فرمادیں جس سے اللہ اور رسول اللہ ﷺ کی محبت دل میں پیدا ہو اور تزکیہ نفس کا ہو۔ اس پر حضرتؒ نے تحریر فرمایا تھا کہ میں فتویٰ تو دیتا نہیں مگر یہ باقی ماندہ تعلیم قانون کی پوری کر لی جائے اور پھر مجھ سے زبانی گفتگو کر لی جائے' اس کے بعد یہ پہلا موقع تھا کہ میں حاضر خدمت ہوا تھا اور امتحان قانون کا نتیجہ نکل چکا تھا جس میں کامیاب ہو گیا تھا۔ جیسا کہ اس حاضری کے وقت میں نے موقع دیکھ کر اس خط کے حوالہ سے حضرت کی خدمت میں عرض کیا کہ حضرت نے یوں تحریر فرمایا تھا۔ سن کر فوراً فرمایا کہ جی ہاں مجھے تو صرف یہ کہنا ہے کہ "تارک الوکالت ہونا بہتر ہے بہ نسبت متروک الوکالت ہونے کے۔" میں نے اس وقت تک وکالت شروع بھی نہ کی تھی نتیجہ نکلے ہفتہ عشرہ ہی گزرا تھا مگر حضرت کا یہ ارشاد پورا ہو کر رہا گو کہ درمیان میں نو سال گزر گئے۔ جس کی تفصیل آگے لکھوں گا۔ خیر ہم لوگ وہاں سے واپس آئے۔ دل

میں مگر ایک لگاؤ، ایک کشش سی اس ذات گرامی کے ساتھ پیدا ہو گئی اور رفتہ رفتہ اس کا اثر اندر ہی اندر ہوتا رہا۔"

تھانہ بھون کی دوسری حاضری

"ماہ اگست ۱۹۲۷ء میں پھر سہارنپور جانے کا اتفاق ہوا اور دادا خان بہادر منشی رضا حسین صاحب قبلہ اور پھوپھا علی سجاد صاحب قبلہ کے ہمراہ پھر تھانہ بھون جانے کا شرف نصیب ہوا۔ جس وقت ہم لوگ خانقاہ کے قریب پہنچے یک بیک قلب میں یہ خیال پیدا ہوا اور اسی وقت میں نے دادا صاحب قبلہ سے عرض کیا کہ آپ حضرت سے فرمادیں کہ مجھے بیعت کرلیں۔ انہوں نے فرمایا کہ تم خود عرض کرو۔ مگر میں نے انہی سے درخواست کرنے کی استدعا کی۔ چنانچہ بعد نماز ظہر انہوں نے حضرت سے عرض کیا کہ عبدالحیؒ بیعت کی استدعا کررہے ہیں۔ فرمایا جی ہاں، کیا عذر ہے۔ دریافت کیا کہ کس وقت، فرمایا بعد نماز مغرب موجود رہنا، میں خود بلاؤں گا۔ پھوپھا صاحب قبلہ نے عرض کیا، جی ہاں ساتھ ہی کچھ شیرینی بھی منگوالی جائے فرمایا۔ "کہ کوئی ضروری تو نہیں جیسے آپ کی خوشی ہو۔"

شرف بیعت

"الحمدللہ علی احسانہ ۲۰؍ اگست ۱۹۲۷ء بعد نماز مغرب جب حضرت نوافل سے فارغ ہوئے تو مجھ سے فرمایا کہ آجایئے۔ میں کچھ فاصلہ پر مسجد میں بیٹھا ہوا تھا اور حضرت اپنی سہ دری کے سامنے ٹین کے سائبان کے نیچے جو مسجد کی حدود سے علیحدہ ہے نماز پڑھتے ہیں، وہیں مجھ کو بلالیا اور پھر بطریق معلومہ بیعت فرمایا۔ اس وقت وہاں کوئی اور قریب موجود نہ تھا۔ بیعت کے بعد فرمایا کہ اگر کوئی حالت کبھی پیش آئے تو مجھ کو مطلع کرنا اور کسی سے کچھ ذکر نہ کرنا اور یہ بھی ارشاد فرمایا کہ ہر ہفتہ اپنے حالات کا خط لکھتے رہنا۔ میں نے عرض کیا اگر کوئی حال نہ ہو اس حالت میں کیا کیا جائے۔ فرمایا یہی لکھ

دینا کوئی حال نہیں ہے۔ اس وقت جو میرے دل کی حالت تھی اس کا اظہار لفظوں میں ناممکن ہے۔ اللہ اللہ میری خوش نصیبی کی کچھ انتہا ہے۔ اللہ تعالٰی کے فضل و کرم نے اس قدر رحمت واسعہ کے ساتھ مجھ پر نزول فرمایا کہ جس کا احساس صحیح بھی مرے امکان اندازہ سے باہر ہے۔ اس عہد حاضرہ کے اس قدر زبردست شیخ، اس صدی کے اتنے عظیم المرتبت مجدد ملت، قطب الاقطاب، غوث زماں، یکتائے روزگار، یگانہ عصر، پیرومرشد کے قدموں کے ساتھ مجھے متوسل فرمادیا۔ مجھے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ سب میرے بزرگوں کی دعاؤں کی برکت کا ظہور تھا۔ خصوصاً میرے جدامجد حضرت مولوی کاظم حسین صاحبؒ جو مجھ سے خاص اور بہت ہی زیادہ محبت فرماتے تھے، جن کے آغوش شفقت میں میں نے پرورش پائی تھی۔ میرا بچپن اور آغاز شباب (۱۹۱۸ء کے نومبر تک) انہی کی تعلیم و تربیت میں گزرا تھا، جن کی توجہات اور دعائیں ہر آن، ہر لمحہ میرے ساتھ تھیں۔ انہیں کا یہ کرشمہ تھا کہ مجھے ایسے مرشد کامل کے حلقہ غلامی کا شرف نصیب ہوا۔ میں اللہ جل شانہ کی اس نعمت عظیم کا تمام عمر بھی شکر ادا کروں تو ناممکن ہے کہ ایک ذرہ بھی شکر کا حق ادا ہو سکے۔ الحمد للہ۔ ثم الحمد للہ۔ ثم الحمد للہ۔

بیعت کے بعد پھوپھا صاحب قبلہ نے شیرینی حضرت کے سامنے لاکر رکھ دی پھر حضرت کی اجازت سے اہل خانقاہ میں تقسیم کر دی گئی۔ دوسرے روز ہم لوگ مکان واپس ہوئے یعنی میں ہردوئی واپس آگیا اور پھوپھا صاحب قبلہ وغیرہ سہارنپور تشریف لے گئے۔"

حضرت حکیم الامتؒ سے بیعت کا شرف حاصل کرنے کے بعد بے حد مسرت کا اظہار فرماتے ہوئے حضرت عارفیؒ اپنی رہبری ورہنمائی اور اصلاح نفس کی تمنا اپنے مکتوب مورخہ ۲۶/اگست ۱۹۲۷ء میں ان الفاظ میں کرتے ہیں۔

"گزشتہ شنبہ کو جب پھوپھا علی سجاد صاحب قبلہ کے ہمراہ حضور کی خدمت بابرکت میں حاضر ہوا ہوں تو حضور نے انتہائی محبت و شفقت کے ساتھ مجھ کو اپنے حلقہ غلامی

میں داخل کرلیا تھا۔ میرا دل ایک مدت سے اس شرف نسبت کے لئے بیتاب تھا۔ خداوند تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ حضور کی چشم کرم میرے اوپر ہو گئی 'اب انشاء اللہ حضور کی توجہ و تعلیم سے میری زندگی سنور جائے گی۔ بیعت کرنے کے بعد حضور نے ارشاد فرمایا تھا کہ میں پچھلے خطوط حضور کی خدمت میں مکان پہنچ کر بھیج دوں اس کے بعد حضور مجھے اپنی تعلیم و تلقین سے مستفیض فرمائیں گے چنانچہ حسب الحکم دو تین خط ارسال خدمت ہیں 'جو کچھ ارشاد فرمائیں گے انشاء اللہ تعالیٰ اس پر پابندی اور مستعدی کے ساتھ کاربند رہوں گا۔ حضور دعا فرمادیں کہ خداوند تعالیٰ مجھے استقامت فرمائیں۔"

اس استدعا پر حضرت حکیم الامتؒ نے جواباً تحریر فرمایا۔

"بسم اللہ شروع کرتا ہوں۔ قصد السبیل کو بار بار بنظر غائر مطالعہ فرمائیں اور اس کی سب ہدایات پر علماً و عملاً کاربند ہوں۔ مگر اوراد میں صرف ایک دستور العمل اپنی حالت کے مناسب اختیار فرمائیں اور بلاناغہ میرے مواعظ کا مطالعہ جاری رکھا جائے اور اس کے مطالعہ سے جو عیوب نفس کے اندر معلوم ہوں ان کا علاج کیا جائے۔ جس کا علاج معلوم نہ ہو دریافت فرمائیں یہی طریقہ ہے تعلیم کا۔ اگر یہ جاری رہا 'انشاء اللہ تعالیٰ بے حد نفع ہوگا۔ آئندہ ہر خط کے ساتھ اس سے پہلا خط بھیج دینا کافی ہوا کرے گا۔"

حضرت عارفیؒ اپنے شیخ کو بلا اہتمام ہر ہفتہ ایک خط تحریر فرمایا کرتے تھے۔ ان خطوط کے مطالعہ سے حضرت عارفیؒ کے بتدریج باطنی ترقی کا حال معلوم ہوتا ہے۔ حضرت عارفیؒ نے اپنے شیخ حکیم الامتؒ سے کیا حاصل کیا اور اس کے حصول کے بعد آپ کی کیا کیفیت ہوگئی اس کو آپ یوں فرماتے ہیں۔

آنکھوں سے میں نے بھرلیا سب دل میں عارفی
ساقی کی چشم مست میں جتنا خمار تھا

شرف مجاز صحبت

حضرت عارفیؒ گو آٹھ سال تک کسب معاش کے سلسلہ میں پریشان رہے لیکن انہیں پریشانیوں کے عالم میں اپنے شیخ محترمؒ کی تعلیم پر عمل کرنے کے فیوض و برکات کا یہ نتیجہ نکلا کہ تعلق مع اللہ کی نعمت ملی اور حضرت حکیم الامتؒ نے آپ کو اپنا مجاز صحبت بنایا۔

حضرت عارفیؒ اپنے شیخ کی اس عطا پر اظہار مسرت اپنے مکتوب مورخہ ۳؍ ستمبر ۱۹۳۵ء میں اس طرح فرماتے ہیں۔

”حضور والا نے ضمیمہ النور سابعۃ التابعہ، جس میں فہرست مجازین صحبت شائع ہوئی ہے پھوپھا علی سجاد صاحب قبلہ کے خط میں میرے لئے ملفوف کر کے ارسال فرمایا تھا۔ چونکہ پھوپھا صاحب قبلہ دورہ پر تشریف رکھتے تھے وہ خط ان کی واپسی پر بہت عرصہ کے بعد کھولا گیا اس لئے میں سابق عریضوں میں اس ہدیہ گرامی کے موصول ہونے کی اطلاع عرض نہیں کر سکا۔ حضور والا کی مجھ ناچیز پر جس قدر نگاہ محبت و شفقت ہے اس کے ادائے شکر کی اہلیت میں اپنے میں نہیں پاتا۔ اپنی حیثیت و حقیقت دیکھتا ہوں اور اس عطائے نعمت اور حضور والا کی شفقت بزرگانہ تو میرے قلب کی ناقابل بیان حالت ہو جاتی ہے۔“

جواباً حضرت حکیم الامتؒ نے تحریر فرمایا۔

”دل سے دعا ہے۔“

اس سلسلہ میں حضرت عارفیؒ مزید تحریر فرماتے ہیں۔

”خداداد بات ہے کہ ۱۹۳۵ء کے آخر میں کچھ ایسے اتفاقات اور حالات رونما ہوئے کہ مجھ کو سلسلہ وکالت کے قائم رکھنے میں شدید تردد پیدا ہو گیا بالآخر حضرت والاؒ کا کچھ صریح ایماء پا کر اور اپنے ایک عزیز ہومیو پیتھک ڈاکٹر (علی اوسط جو حضرت عارفیؒ

کے رشتے کے چچا تھا) کی ترغیب اور تحریک اور معاونت حاصل ہونے پر میں نے دسمبر ۱۹۳۵ء میں قطعی فیصلے کے ساتھ وکالت کو ختم کردیا اور جنوری ۱۹۳۶ء سے توکلاً علی اللہ باضابطہ اور مستقلاً ہومیو پیتھک پریکٹس شروع کردی اور اس امر کی اطلاع اسی وقت حضرت والاؒ کی خدمت میں پیش کردی جس کے جواب میں حضرت والاؒ نے جو بات میرے وہم وگمان میں بھی کبھی نہیں آئی تھی بہ عنوان بشارت یوں ارقام فرمائی۔

شرف مجاز بیعت

"میں نے "سابعۃ التابعہ" میں مجازین صحبت کے ذکر کے ساتھ یہ بھی لکھا ہے کہ مجھ کو ان صاحبوں کے متعلق بعض حالات کا انتظار ہے۔ اگر وہ حالات رونما ہوگئے تو ان کو مجازین بیعت میں داخل کردوں گا اور یہ حالات ہر ایک میں جدا جدا ہیں۔ آپ کے لئے ترک وکالت کا انتظار تھا جو بحمداللہ واقع ہوگیا اس لئے آپ کو مجازین بیعت میں داخل کرکے توکلاً علی اللہ اجازت دیتا ہوں کہ آپ بیعت طالبین کو کیا کریں۔"

﴿ذَٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَّشَاءُ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ﴾

حضرت والاؒ کی یہ مبارک تحریر پڑھ کر دفعتہً دل و دماغ پر ایک سکتے کی سی کیفیت طاری ہوگئی۔ کچھ عجیب طرح کی شرم و ندامت کی کیفیت تھی اور بڑا ہی حیرت واستعجاب کا عالم رہا۔ میں ہمیشہ یہ سمجھا کرتا تھا کہ خلافت اور بیعت کے منصب کے وہ لوگ اہل ہوتے ہوں گے جو شیخ کی تعلیم و تربیت اور نفس کے مجاہدات وریاضات اور تزکیہ نفس کے اعلیٰ مقام پر فائز ہوتے ہوں گے اور ان کی استعداد باطنی نہایت قوی، مجلی اور مصفی ہوتی ہوگی اور جن پر اللہ تعالیٰ کی معرفت اور محبت و حکمت کے دروازے کھل جاتے ہوں گے اور یہ بات یقیناً اپنے مقام پر بالکل صحیح اور مستند ہے۔ یہ خیالات و محسوسات میرے لئے عقدہ لاینحل بن گئے، اپنے تمام حالات باطنی دفعتہً پیش نظر ہوگئے۔ میری زندگی تو مشاغل روزمرہ کے اشغال اور تعلقات دنیوی سے ہمیشہ پراگندہ

اور بد حواس رہی' نہ کبھی معمولات کی پابندی رہی نہ کبھی اوراد و وظائف کا اہتمام رہا۔ بس یہ حضرت حکیم الامت مجدد الملتؒ کا انداز و اعجاز تعلیم و تربیت ایسا ہی عجیب و غریب تھا کہ اس زمانے کے سالکین کی اہلیت و استعداد باطنی کو دیکھتے ہوئے اور دین کی ضرورتوں اور تقاضوں کا لحاظ رکھتے ہوئے اور معاشرتی ماحول میں روزافزوں فسق و فجور اور الحاد کی زیادتی کے اندیشوں کو سامنے رکھتے ہوئے سالکین کے تزکیہ نفس اور اصلاح باطن اور تعلق مع اللہ' اتباع شریعت اور سنت کی اہمیت اور عظمت کے پیدا کرنے کے لئے ایسی سہل الحصول تدابیر تجویز فرماتے تھے اور اپنے حکیمانہ اور الہامانہ مواعظ اور ملفوظات سے سالکین کے دلوں میں خاطر خواہ انقلاب عظیم پیدا فرمادیتے تھے۔ اس دور میں مجددیت کا منصب حضرت کے لئے خاص الخاص ہے۔ حضرت اس عصر کے امام تصوف اور مجتہد طریقت تھے۔ حضرت کے فیضان توجہ سے جانے کتنے رہروان طریق اور جویائے حق بلاکسی کاوش کے بسہولت تمام منزل مقصود پر پہنچ کر فائزالمرام ہوگئے۔

حضرت والا سے میرا تعلق بیعت سے حضرت کی وفات تک سترہ سال رہا۔ اس عرصہ میں میں نے التزاماً اپنے حالات کا عریضہ ہر ہفتہ ارسال خدمت کیا ہے' اس التزام میں الحمد للہ کبھی ناغہ نہیں ہوا۔ اس کے علاوہ الحمد للہ میری بڑی خوش نصیبی اور سعادت کبریٰ کا سرمایہ یہ ہے کہ اکثر حضرت والا کی تقریریں اور وعظ بالمشافہ سنے ہیں اور مجلس ملفوظات میں بقدر اپنی فرصت اور گنجائش وقت کے اکثر شریک رہا ہوں اور مختلف تقریبات میں بھی شرکت کا اتفاق ہوا ہے۔ حضرت کے ساتھ سفر بھی کیا ہے اور حضرت کے دولت کدہ پر مہمان خصوصی رہنے کی بھی سعادت نصیب ہوئی ہے اور حضرت کے خوان کرم پر تنہا بھی کھانے کی سرفرازی حاصل ہوئی اور دعوتوں میں بھی شرکت کی مسرتیں نصیب ہوئی ہیں۔ حضرت کی خدمت میں اکثر جو بھی ہدیے پیش کئے ہیں ان کو شرف قبولیت عطا ہوا ہے اور حضرت نے اپنی شفقت بزرگانہ اور محبت مربیانہ سے اس ذرہ ناچیز کو اپنے عطایا تبرکات سے بھی سرفراز فرمایا ہے۔ مجلسوں میں بھی

حضرت کی توجہات خاص کا اکثر مورد فیض باطنی اور روحانی ہوا ہوں بس۔

ایں سعادت بزور بازو نیست

تانہ بخشد خدائے بخشندہ

میری قسمت کی یہ بھی معراج سعادت ہے کہ مرض الموت کے آخری ایام میں حضرت والا نے از خود مجھ سے ہومیو پیتھک علاج کی خواہش ظاہر فرمائی اور تین دن تک ہومیو پیتھک علاج جاری رہا۔ حضرت والا نے علاج شروع ہونے پر پہلے ہی مجھ سے یہ فرمادیا کہ تم اطمینان سے علاج کرو انجام مجھے معلوم ہے اور دوران علاج ایک ایسی بات فرمائی جس سے میرے دل و جان میں ارتعاشی کیفیت پیدا ہوگئی' جس کی شرح و بیان کے لئے میری تمام قوت اظہار آج تک عاجز و قاصر ہے۔ بس اسی قدر ممکن ہے کہ واقعہ تحریر کردوں اور کیفیات کا تموج اپنے دل ہی میں رہنے دوں۔ دوران علاج ایک دن تنہائی میں مجھ کو بلا کر فرمایا کہ "بھائی مجھ سے پرہیزی غذائیں نہیں کھاتے بنتیں" میں نے عرض کیا کہ حضرتؒ اسہال کبدی میں نیز حضرت کے ضعف اور مرض کے لحاظ سے ہلکی اور زود ہضم غذائیں ہی تجویز کی جاسکتی ہیں۔ فرمایا "جی ہاں۔ ساری مشق اور احتیاط پرہیز ہمارے ہی لئے ہے ہم نے تو تم سے کوئی پرہیز کرایا نہیں صرف معمولی نوک پلک درست کرکے جانے کہاں سے کہاں پہنچادیا۔ خیر اب کچھ تو غذا میں وسعت ہونا چاہئے۔" میرے اوپر جو کیفیت شرم و ندامت اور رعب کی طاری تھی مجھ سے کچھ جواب ہی نہ بن پڑا۔ میں نے عرض کیا حضرت اپنے مرغوبات کا اظہار فرمادیں۔ فرمایا "بھائی میں تو دیہاتی ہوں' مجھ کو تیل کی تلی ہوئی چیزیں' دہی بڑے وغیرہ پسند ہیں۔ خیر اچھا نہ سہی' انڈے کھا سکتا ہوں' چائے پی سکتا ہوں۔ میں نے عرض کیا جی ہاں۔ فرمایا کس تعداد میں' کس مقدار میں۔ میں نے مودبانہ عرض کیا کہ حضرت کی جس قدر بھی خواہش ہو۔ تین دن کے بعد حضرت کے ایک سابق مزاج دان طبیب تشریف لے آئے اور حضرت کے ایماء سے انہوں نے علاج اپنے ہاتھ میں لے لیا لیکن حضرت کا

کمال دل نوازی دیکھئے 'ایک پرچہ تحریر فرما کر مجھے دیا' جس میں لکھا تھا کہ چونکہ حکیم صاحب میرے پرانے طبیب ہیں اور دوا' پرہیز کا صحیح اندازہ رکھتے ہیں اس لئے میں نے ان کے اصرار پر ان کا علاج شروع کر دیا ہے آپ اپنے طور پر کچھ خیال نہ فرمائیں۔"

"سب کا خلاصہ یہ ہے:

کیمیائیست عجب بندگی پیر مغاں
خاک او گشتم و چندی درجاتم دادند

اب دعا یہ ہے کہ اے اللہ بغیر کسی استحقاق کے جب آپ نے محض اپنے فضل و کرم سے اپنے ایسے برگزیدہ اور مقرب بندے سے وابستہ فرمایا ہے تو اے اللہ اس زندگی میں اس نسبت گرامی کے صدقے میں حضرت مرشد شیخ کے صحیح ذوق و صحیح مسلک کا اتباع کامل و واثق و راسخ بھی عطاء فرمائیں اور انہی کی وابستگی میں محشور فرمایئے اور اپنے محبوب نبی کریم رحمۃ اللعالمین شفیع المذنبین ﷺ کی شفاعت کبریٰ نصیب فرمایئے اور اپنی رضائے کاملہ کا مورد بنایئے اور حضرت حکیم الامت مولانا تھانویؒ کے فیوض و برکات سے ان کی تصانیف و مواعظ کے ذریعہ تمام امت مسلمہ کو مستفیض فرمایئے۔"

"مختصر یہ کہ اس وقت میری جو موجودہ حالت ظاہری و باطنی ہے اور اللہ تعالیٰ کے تمام تر انعامات و احسانات جو میرے شامل حال ہیں حضرت والا کی نسبت کا کرشمہ ہے۔

عارفی پیر مغاں نے ایسی کچھ ڈالی نظر
میری ہستی مظہر اعجاز ہو کر رہ گئی

یا پھر تحدیث نعمت پر یہ عرض کرتا ہوں

بار یاب مجلس اشرف رہا ہوں عارفی
یہ شرف میرے لئے سرمایہ صد ناز ہے
دیکھتے ہیں مجھ کو عزت کی نگہ سے اہل دل
اللہ اللہ ان کی نسبت میں بھی کیا اعجاز ہے

حضرت حکیم الامتؒ کی نظر میں حضرت عارفیؒ

حضرت حکیم الامتؒ سے حضرت عارفیؒ کی کیا نسبت تھی اس کا اندازہ مندرجہ ذیل نگارشات سے لگایا جاسکتا ہے۔ اس سلسلہ میں حضرت عارفیؒ رقمطراز ہیں:

۱۔ ''ایک مرتبہ میں تھانہ بھون میں اپنے اہل وعیال کے ساتھ مقیم تھا کہ میرا ایک بچہ جو مجھے بہت عزیز تھا وہیں بروز دوشنبہ ۱۳ رجنوری ۱۹۴۱ء بمطابق ۱۳ر ذوالحجہ ۱۳۵۸ھ اللہ کو پیارا ہو گیا۔ حضرت حکیم الامتؒ کی مجلس ظہر کے بعد ہوا کرتی تھی میں اس روز بچے کی تجہیز و تکفین میں مشغول ہونے کی بناء پر مجلس میں حاضر نہ ہو سکا۔ عصر کے قریب جب میں فارغ ہوا تو خانقاہ کے باہر ایک چارپائی پر بیٹھ گیا۔ اچانک حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ تشریف لائے اور اسی چارپائی پر مجھ سے اس طرح لگ کر بیٹھ گئے کہ ان کا پہلو میرے پہلو کو چھونے لگا' میں ازراہ ادب اپنی جگہ سے سرکا تاکہ مفتی صاحبؒ کو جگہ دوں لیکن جونہی میرے اور ان کے درمیان خلا پیدا ہوا وہ بھی فوراً آگے کو سرکے اور پھر میرے پہلو سے پہلو ملا لیا۔ یہ چونکہ ایک غیر معمولی بات تھی اس لئے میں حیران ہوا اور حضرت مفتی صاحبؒ نے میری حیرانی کو محسوس کر کے خود ہی فرمایا کہ ''میں ذرا دیر آپ سے بالکل متصل ہو کر بیٹھنا چاہتا ہوں اور پھر خود ہی مجھے مبارکباد دی اور وجہ یہ بتائی کہ آج حضرت حکیم الامتؒ ظہر کے بعد کی مجلس میں مسلسل آپ ہی کا ذکر فرماتے رہے جس سے صاف واضح ہوتا تھا کہ حضرتؒ کو آپ سے بہت خصوصی تعلق ہے اور چونکہ آپ ہمارے شیخ کے محبوب ہیں اس لئے آپ سے متصل ہو کر بیٹھنے کو میں سعادت اور فال نیک سمجھتا ہوں۔''

۲۔ میں نے حضرت حکیم لامتؒ کی مجلس میں بارہا کوشش کی کہ حضرتؒ کے ملفوظات قلم بند کروں لیکن وہاں حضرت کی زیارت اور آپ کی باتیں سننے کی محویت ایسی رہتی تھی کہ کبھی اس پر قدرت نہ ہوئی۔ ان حضرات پر رشک بھی آتا تھا جو مجلس

میں ملفوظات قلمبند کرتے رہتے تھے۔

ایک مرتبہ حضرت حکیم الامتؒ مسجد کے حوض کے پاس ٹہل رہے تھے میں بھی حاضر تھا میں نے اپنی اس الجھن کا ذکر حضرتؒ ہی سے کر دیا کہ ملفوظات لکھ کر محفوظ رکھنے کو بہت دل چاہتا ہے، مگر قدرت نہیں ہوتی۔ حضرتؒ نے جواب میں ارشاد فرمایا:

''تم خود ہی صاحب ملفوظ کیوں نہ بنو؟''--- میں سن کر حیران اور ششدر رہ گیا کہ میں صاحب ملفوظ کیسے بن سکتا ہوں؟ کچھ توقف کے بعد حضرتؒ نے خود ہی فرمایا کہ ''ملفوظات کا مقصد انہیں رٹنا نہیں ہوتا، بلکہ جب آپ نے کوئی بات سنی اور طبیعت نے اسے قبول کر لیا تو وہ آپ کی ہو گئی۔ اب انشاء اللہ جب موقع آئے گا وہ فائدہ پہنچائے گی۔'' اور شاید یہ بھی فرمایا کہ ''جب اللہ تعالیٰ کو کام لینا ہو گا تو وہ باتیں خود بخود یاد آ جائیں گی۔''

۳۔ مولانا محمد تقی عثمانی صاحب اس سلسلے میں تحریر فرماتے ہیں:

''حضرت حکیم الامتؒ جب مرض وفات میں تھے تو حضرت ڈاکٹر صاحبؒ علالت کی خبر سن کر تھانہ بھون پہنچے، اس وقت شدت علالت کی بناء پر معالجین نے ملاقاتوں سے منع کیا ہوا تھا، لیکن جب حضرت حکیم الامتؒ کو آپ کی آمد کا علم ہوا تو اندر بلا لیا، اس وقت حضرت چارپائی پر آنکھیں بند کئے ہوئے لیٹے تھے، آپ کو دیکھ کر سلام و دعا کے بعد بے ساختہ ارشاد فرمایا: ''آپ نے کیوں زحمت کی؟'' ''آپ کا نقصان ہی کیا تھا؟''

اللہ اکبر! ایک فقرے سے حضرت حکیم الامتؒ نے اپنے اس مرید رشید کے ساتھ تعلق خاطر کی کس کیفیت کو ظاہر فرما دیا۔ مقصد یہ تھا کہ آپ نظروں کے سامنے ہوں یا نہ ہوں، قریب ہوں یا دور، آپ کے ساتھ تعلق، آپ کی طرف توجہ اور آپ کے لئے دعاؤں کی کیفیت یکساں ہے، اس لئے اگر خود نہ آتے تب بھی آپ کا کوئی نقصان نہ تھا گویا۔

اے غائب از نظر کہ شدی ہم نشین دل
می بلیمت عیاں و دعا فی فرستمت

"ایک اور عجیب و غریب واقعہ حضرت ڈاکٹر صاحبؒ سے کئی بار سنا۔ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت ڈپٹی علی سجاد صاحبؒ حضرت حکیم الامتؒ کے پاس تھانہ بھون گئے ہوئے تھے۔ میں نے بھی وہاں حاضری کا ارادہ کر لیا اور سفر کے تمام انتظامات مکمل کر کے حضرتؒ کو اطلاع بھی دیدی کہ میں حاضر ہو رہا ہوں۔ اتفاق سے انہیں دنوں حضرت حکیم الامتؒ نے تھانہ بھون سے (غالباً لکھنؤ ہی کے) سفر کا ارادہ فرمالیا۔ اس موقع پر حضرت ڈپٹی علی سجاد صاحبؒ نے حضرتؒ سے عرض کیا "حضرت سفر پر تشریف لے جارہے ہیں اور عبدالحیؒ سلمہ یہاں آنے والے ہیں" اس پر حضرت حکیم الامتؒ نے فرمایا کہ "میں نے انہیں منع کر دیا ہے۔" حضرت ڈپٹی صاحبؒ مطمئن ہو گئے کہ شاید خط یا تار وغیرہ کے ذریعہ روک دیا ہوگا۔

حضرت ڈاکٹر صاحبؒ فرماتے ہیں کہ ادھر میں سفر کا بالکل پختہ ارادہ کر چکا تھا، تمام انتظامات مکمل تھے۔ لیکن جب سفر کا وقت آیا تو قلب میں سفر کی طرف سے اس قدر شدید انقباض پیدا ہوا کہ میں عجیب تردد کا شکار ہو گیا، طبیعت کو بہت آمادہ کرنے کی کوشش کی، لیکن دل کسی طرح آمادہ نہ ہو کر دیتا تھا، ہزار دل کو سمجھایا کہ تمام انتظامات مکمل ہیں، اطلاع بھی دے چکا ہوں، تھانہ بھون حاضری کا موقع بھی بہترین ہے، لیکن انقباض تھا کہ بڑھتا گیا، یہاں تک کہ میں نے مجبور ہو کر سفر کا ارادہ ملتوی کر دیا۔

بعد میں پتہ چلا کہ حضرتؒ سفر پر روانہ ہو چکے تھے اور اس کے بعد (غالباً لکھنؤ ہی میں) حضرتؒ سے ملاقات ہوئی تو میں نے سارا واقعہ آپ سے ذکر کیا۔ ادھر ڈپٹی صاحبؒ جو یہ سمجھے ہوئے تھے کہ حضرت نے کسی خط کے ذریعہ مجھے روک دیا ہے، انہیں جب یہ پتہ چلا کہ میرے پاس حضرتؒ کی طرف سے کوئی اطلاع نہیں پہنچی تو وہ بھی بہت حیران ہوئے اور حضرتؒ سے پوچھا، تو حضرتؒ نے اس مفہوم کی کوئی بات ارشاد فرمائی

کہ ”کیا ایک مومن کے قلب میں اتنی بھی طاقت نہیں کہ وہ اپنے کسی دوست کو کوئی پیغام پہنچا سکے۔“

حضرت حکیم الامتؒ سے مکاتبت کا اجمالی جائزہ

حضرت عارفیؒ نے اپنے خطوط بنام حضرت حکیم الامتؒ مع جوابات ایک بیاض میں مرتب فرمایا تھا۔ ان خطوط کے علاوہ حضرت حکیم الامتؒ کے دیگر مجازین کے ساتھ منتخب مکاتبت پر مشتمل ایک کتاب ”مکتوبات حضرت عارفی“ حضرت والا کے بڑے صاحبزادے محترم حسن عباس صاحب نے مرتب فرمایا جو زیر اشاعت ہے۔

ان خطوط کے مطالعہ کرنے سے اجمالی طور پر یہ کہا جاسکتا ہے کہ آپ نے دینی اور دنیاوی، ہر معاملہ میں حضرت حکیم الامتؒ سے رہبری حاصل فرمائی، دینی کتب کے مطالعہ کے سلسلے میں رہبری، معمولات یومیہ کی اطلاع واصلاح، رمضان المکرّم کے خصوصی معمولات میں رہنمائی، وکالت یا ریسیوری کے معاملات کی اطلاع اور رہبری، ہومیوپیتھک ڈاکٹری کے سلسلے میں رہنمائی بچوں کی تعلیم کے سلسلے میں پریشانی کا اظہار اور رہبری، مالی پریشانیوں کا اظہار اور دعاؤں کی درخواست، آپ کے والد محترم، برادر خورد، برادر نسبتی، اہلیہ اور بچوں کی بیماری اور روحانی علاج کی خواہش، اکتساب معاش کے ذرائع کے سلسلے میں مشورہ، آداب شیخ، مقامی حالات میں تغیرات کی اطلاع غرض کہ دنیا اور آخرت کا کوئی مسئلہ ایسا نہیں تھا جس میں حضرت حکیم الامتؒ کی رہنمائی اور مشورہ حاصل نہ کیا ہو۔ یہ خطوط نہ صرف آپ کی ذات کے لئے ایک عظیم سرمایہ تھے بلکہ اہل سلوک کے لئے بھی گراں قدر علم وعرفان کا خزینہ ہے جس سے سالکین بے انتہا استفادہ کر سکتے ہیں۔ یہ خطوط یکم جولائی ۱۹۲۳ء اور ۱۳ر جولائی ۱۹۴۳ء کے دوران تحریر کئے گئے تھے۔

چند خطوط کے اقتباسات مع جوابات

حال: گزشتہ شنبہ کو...... حضور کی خدمت بابرکت میں حاضر ہوا تو حضور نے انتہائی محبت و شفقت کے ساتھ مجھ کو اپنے حلقہ غلامی میں داخل کرلیا تھا...... بیعت کرنے کے بعد حضور نے ارشاد فرمایا تھا کہ میں پچھلے خطوط حضور کی خدمت میں مکان پہنچ کر بھیج دوں اس کے بعد حضور مجھے اپنی تعلیم و تلقین سے مستفیض فرمائیں گے چنانچہ حسب الحکم دو تین پچھلے خطوط ارسال خدمت ہیں۔

جواب: بسم اللہ شروع کرتا ہوں۔ قصد السبیل کو دوبار بنظر غائر مطالعہ فرمائیں اور اس کی سب ہدایات پر علماً و عملاً کاربند ہوں مگر اوراد میں صرف ایک دستور العمل اپنی حالت کے مناسب اختیار فرمائیں اور بلاناغہ میرے مواعظ کا مطالعہ جاری رکھا جائے اور اس کے مطالعہ سے جو عیوب نفس کے اندر معلوم ہوں ان کا علاج کیا جائے۔ جس کا علاج معلوم نہ ہو دریافت فرمائیں۔ یہی طریقہ ہے تعلیم کا۔ اگر جاری رہا تو انشاء اللہ بے حد نفع ہوگا۔ ہر خط کے ساتھ اس سے پہلا ایک خط بھیج دینا کافی ہوا کرے گا۔ (مکتوب ۲۶/اگست ۱۹۲۷ء)

حال: جی میں آتا ہے کہ حضور کی خدمت میں جلد جلد عریضے ارسال کرتا رہوں، لیکن لکھتے وقت کوئی بات عرض حال کے لئے سمجھ میں نہیں آتی۔ بہت دل چاہتا ہے کہ کوئی ایسے ذرائع حاصل ہوں کہ متواتر حضور سے فیوض و تعلیم حاصل کرنے کا سلسلہ قائم ہو جائے۔ لیکن ان باتوں سے کچھ اس طرح بے بہرہ ہے کہ کوئی عنوان قائم نہیں ہوتا۔

جواب: کاغذ اور پنسل پاس رکھئے اور جس وقت جو بات یاد آئے نوٹ کرلیجئے۔ ان ہی نوٹوں کو خط میں لکھ دیا کیجئے۔ ان میں کسی سلسلہ یا ترتیب یا ربط کی ضرورت نہیں۔

حال: حضور کے مواعظ اور تصانیف کے مطالعہ کے وقت بعض وقت ایسا معلوم ہوتا

ہے کہ علم کی وسعتیں اور لطافتیں بے غایت و بے کراں ہیں اور روح کی بالیدگی میں لامتناہی کیفیتیں ہیں۔ ان باتوں کے خیال سے اپنی حالت پر بے انتہا تاسف ہوتا ہے کہ اتنی عمر تو ان باتوں سے محرومی میں یوں ختم ہی ہو چکی اب جو ایک متعین مستقبل سامنے ہے اس میں ان باتوں کے حصول کے لئے کوئی امکان ہی نہیں وہ اس لئے کہ دنیا کی زندگی اور اکتساب معاش کے افکار کچھ اس طرح محیط ہیں کہ ان کے ساتھ ان باتوں کا حصول قریب قریب محال ہے۔

جواب: بلا دلیل ایک خیال ہے۔ سب کچھ ممکن ہے مگر جب اس کا طریقہ ہی اختیار نہ کیا جائے تو پھر کیونکہ اس کا یقین دلایا جائے۔

حال: اپنی زندگی اس قدر ناکارہ اور گندی نظر آنے لگتی ہے کہ دل پریشان ہو جاتا ہے۔

جواب: یہ پریشانی بھی کلید کامیابی ہے مگر اس شرط سے کہ آگے سلسلہ چلے۔

حال: چند مقررہ اوقات کے سوا صبح سے شام تک کوئی مقصد ہی نظر نہیں آتا جس پر زندگی کا محور قائم ہو سکے۔ (جواب مکتوب ۲۴ دسمبر ۱۹۲۸ء)

حال: کیا بغیر شیخ کی اجازت کے دوسروں کے بتلائے ہوئے وظیفے یاد عائیں پڑھنا یا کسی کتاب میں دیکھ کر پڑھنا درست ہے یا نہیں۔

جواب: اگر مقصود دنیوی کے لئے سبب ہے تو اجازت شیخ کی ضرورت نہیں۔

حال: حضرت سے جو کچھ عرض کرنا چاہئے وہ باطن کے لئے یا دین کی باتوں کے لئے عرض کرنا چاہئے۔ اپنی دنیاوی افکار اور پریشانیوں کی اطلاع دینا یا اپنے دوسرے معاملات کے متعلق عرض کرنا نامناسب اور بے جا تو نہیں۔

جواب: نہیں جبکہ دعا مطلوب ہو۔ تدبیر پوچھنا مقصود نہ ہو۔ (مکتوب ۱۹ جنوری ۱۹۲۹ء)

حال: بعض وقت اس دماغ کی غیر حاضری کے خیال سے بہت الجھن ہوتی ہے کہ گو صورۃً نماز تو ادا ہو جاتی ہے، لیکن نماز کا مقصد حاصل نہیں ہوتا۔ یا اس یکسوئی کا فقدان دوسرے معاملات میں بھی رہتا ہے مثلاً مطالعہ کتب کے وقت، تلاوت قرآن کے

وقت اور دیگر امور میں جن میں دیر تک دماغ کو مصروفیت رہے۔ چاہتا ہوں کہ حضور یکسوئی پیدا کرنے کی کوئی تدبیر بتادیں۔

جواب: یوں ہی اہتمام رکھئے۔ انشاءاللہ مقصود حاصل ہو جائے گا۔

حال: یہ الجھن (مذکورہ بالا) رفع ہو اور جو کام کیا جائے اس میں نفع حاصل ہو۔

جواب: نفع اصلی تو ثواب ہے وہ اب بھی حاصل ہے۔ (مکتوب یکم فروری ۱۹۲۹ء)

حال: میں نے تو اب تک کوئی ذکر و شغل شروع کیا نہیں اور نہ اس کے متعلق حضور سے عرض کرنے کی جرأت کی۔ حضور کے ارشاد کے مطابق قصد السبیل میں عامی مشغول کے دستور العمل پر کاربند ہوں۔

جواب: وہ بھی ایک درجہ میں ذکر و شغل کا ہے اور خطوط سے جن امور کی اصلاح ہوتی ہے وہ ایک درجہ ہے سلوک کا۔ ابتداء یوں ہی ہوتی ہے۔ لگے رہنے سے دروازہ کھلتا چلا جاتا ہے۔ (مکتوب ۲۰ مارچ ۱۹۲۹ء)

حال: میں اپنے معمولات پر حتی الامکان کاربند ہوں لیکن مدتیں ہو گئیں اپنی حالت میں کسی قسم کا تغیر محسوس نہیں کرتا۔

جواب: حالت اگر غیر اختیاری ہے تو اس میں تغیر محسوس نہ ہونا کچھ نقص نہیں اور اگر اختیاری ہے شکوہ کی ضرورت نہیں، ہمت کی ضرورت ہے۔

حال: ان (مذکورہ بالا) باتوں پر نظر کرنے سے بعض وقت سخت پریشانی ہو جاتی ہے۔

جواب: پریشانی کا اوپر جواب ہے کہ غیر اختیاری پریشانی مضر نہیں اور اپنی اختیاری کوتاہی سے پریشانی ہو تو اس کا رفع بھی اختیاری ہے۔ (مکتوب ۱۴ اپریل ۱۹۲۹ء)

حال: ایک صاحب سے معلوم ہوا کہ میں نے جو عامی مشغول کا دستور العمل اختیار کیا ہے وہ میرے لئے موزوں نہیں بلکہ عالم مشغول ہونا چاہئے۔

جواب: عالم سے مراد اصطلاحی عالم نہیں، خوش فہم مراد ہے۔ بفضلہٖ تعالیٰ آپ خوش فہم ہیں۔

حال: حضور مجھے ابتداء سے وہ دستور العمل اور اصول بتلادیں جن پر کاربند ہو کر نفع اور اصلاح باطن حاصل کر سکوں۔ اگر میرے حسب حال کوئی ذکر و شغل مناسب ہو تو ارشاد فرمایا جائے یا جو طریقہ عمل حضور میرے لئے معین ہو وہ ارشاد فرمادیں۔ میں چاہتا ہوں کہ ایک باضابطہ راہ پر لگ جاؤں اور حضور کی توجہات کی بدولت رفتہ رفتہ زندگی پر فائز المرام ہو جاؤں۔ جس قسم کے احوال حضور کی اطلاع کے لئے ضروری ہوں وہ منجملاً بتادیئے جائیں تاکہ میری زندگی کے لئے ایک مستقل مسلک اور انضباط پیدا ہو جائے۔

جواب: آپ نے بلاوجہ اپنے اوپر فکر و تشویش کا اتنا بڑا بوجھ ڈال لیا، اس کی ضرورت نہیں۔ نہ اصلاح کا کام کوئی لانبا چوڑا ہے۔ قصد السبیل سے معمول مناسب مقرر کر لیا جائے اگر اس سے زائد کی عدد سے دلچسپی ہو مجھ سے پوچھ لیا جائے۔ یہ تو اوراد کا ضابطہ ہے۔ اب رہ گئے اعمال۔ اس کا ضابطہ یہ رہنا چاہئے کہ مسائل میں بہشتی زیور و بہشتی گوہر پر عمل رہے اور اخلاق میں مواعظ کے مضامین پر عمل رہے اس مطالعہ میں نفس کے اندر جو عیب معلوم ہوں ایک ایک کا علاج پوچھا جائے اس کے استعمال میں جو حالت پیش آئے، کامیابی یا کوئی خلجان یا کوئی سوال اس کی اطلاع کی جائے۔ بس اس سے دروازہ استفادہ کا کھل جائے گا۔ مایوسی اور پریشانی کوئی نہیں۔ (مکتوب ۷ جون ۱۹۲۹ء)

حال: (دن بھر کی مصروفیات کا تذکرہ کرنے کے بعد اوراد و وظائف میں خلل ہونے کی وجہ بیان کرنے کے بعد فرماتے ہیں) اگر حضور فرمائیں تو ذکر شریف بہت ہی قلیل تعداد میں نماز پنجگانہ کے ساتھ پڑھ لیا کروں...... حضور حد مقرر کردیں کہ کم از کم اس قدر ہونا چاہیے تاکہ اس پر عمل کرنے کی کوشش کروں۔

جواب: اپنے تحمل کے قدر ایک قلیل مقدار مقرر کرلیں جس پر دوام ہو سکے اور مجھ کو اطلاع دیجئے۔ میرے اتفاق رائے کے بعد جو مثل میرے مقرر کرنے کے ہو جائے گا۔ جس روز طبیعت میں نشاط ہو اس مقدار سے زیادہ کرلیا کریں مگر اس کو لازم نہ سمجھا جائے۔ لازم صرف اس قلیل ہی کو سمجھا جائے۔

حال: کیا ہر عریضہ کے ساتھ پہلا عریضہ ملفوف کرنا ضروری ہے۔

جواب: ہر حال میں۔ بہت مصلحت ہے۔

حال: کیا ان شکوک اور امراض باطنی کے علاج کے متعلق حضور کو لکھنا ضروری ہے جو اپنے میں پاتا ہوں، لیکن ان کے متعلق تشفی حضور کے مواعظ اور تربیت السالک سے ہو جاتی ہے۔

جواب: اس کا طریقہ یہ ہے کہ مرض بھی لکھ دیا اور تشفی کی وجہ بھی لکھ دی۔ ہاں اگر اس میں کچھ ترمیم کرنا ہو تو کر سکوں۔ (مکتوب ۱۱ر جنوری ۱۹۳۰ء)

حال: مواعظ کے علاوہ حضور کی دوسری تصانیف جو میرے مطالعہ کے لئے سود مند ہوں، حضور بتلادیں تاکہ ان کے مطالعہ سے خاص طور پر بہرہ اندوز ہو سکوں۔

جواب: تربیت السالک و اکمال الشیم

حال: ایک مدت سے میری تمنا ہے کہ قرآن شریف اور حدیث شریف سبقاً سبقاً کہیں پڑھنے کا موقعہ مل جائے لیکن اس کے لئے کوئی صورت اب تک نصیب نہیں ہوئی اور نہ سر دست نظر میں ہے۔ کیا میں دونوں کو از خود بھی کسی طرح پڑھ سکتا ہوں؟

جواب: ہاں مگر جہاں ذرا بھی شبہ رہے وہاں سوچیں نہیں۔

حال: میرے واسطے اور کس قسم کی تصانیف پڑھنا مفید ہو سکتا ہے۔

جواب: میں نے ایک کورس تصوف کا تجویز کیا ہے۔ اگر یہاں کسی کو لکھ دیجئے تو میں اس کو نقل کرادوں۔ مجھ کو اتنی فرصت نہیں۔ (مکتوب ۲۶ر جنوری ۱۹۳۰ء)

حال: تصوف کے کورس کے متعلق حضور نے کسی کو نقل کرنے کے واسطے ارشاد فرمایا ہے۔ اس کے متعلق یہ عرض ہے کہ وہاں اگر کوئی طالب علم نقل کردے تو اسکو میں اجرت دے دوں گا۔ اجرت معلوم ہونے پر اس قیمت کے ٹکٹ ملفوف کر کے بھیج دوں گا۔

جواب: مجھ کو فرصت مل گئی۔ میں نے ہی پشت پر نقل کر دی۔ اسی ترتیب سے مطالعہ ہوگا۔ آداب المعاشرت۔ معمولات خانقاہ۔ حصہ اول رحمت المعلمین۔ حصہ اول و دوم

تعلیم الدین۔ تکشف حصہ اول۔ فروع الایمان۔ نزہۃ البساتین۔ وعظ راحت القلوب۔ تبلیغ دین۔ جہاد اکبر۔ قصد السبیل۔ بقیہ تعلیم الدین۔ تکشف حصہ دوم وسوم۔ مسائل سلوک۔ کلید مثنوی دفتر ششم۔ نزہۃ السالک تمام۔ عوارف المعارف یا اس کا ترجمہ۔ الدر المنضور۔ ترجمہ آداب العبودیت۔ ترجمہ تنبیہ المغترین اکمال الشیم رفع الضیق۔ اصول الوصول۔ الابتلاء لاہل الاصطفاء۔ (مکتوب ۵/ فروری ۱۹۳۰ء)

حال: حضور کی تصنیف ''فروع الایمان'' میں جہاں شیخ کے حقوق درج ہیں اس کے پڑھنے سے معلوم ہوا کہ جو درود وظیفہ مرشد تعلیم کرے اس کو پڑھے اور تمام وظیفے چھوڑ دیں خواہ اپنی طرف سے پڑھنا شروع کیا ہو یا کسی دوسرے نے بتایا ہو...... اس بنا پر میں نے وہ تمام اوراد ترک کردیئے جن کی اجازت حضور سے حاصل نہیں کی تھی۔

جواب: جب اجازت حاصل کرنا ممکن تھا ناحق ترک کیا۔ میں اب لکھتا ہوں کہ اگر ان کا تحمل ہو تو پڑھا کیجئے۔

حال: میں نے اپنے معمولات (عالم مشغول کے دستور العمل کے تحت) کا تفصیلاً اوپر ذکر کردیا ہے۔ اب جی چاہتا ہے کہ حضور میرے حسب حال جو مناسب سمجھیں وہ اوراد تجویز فرمادیں۔

جواب: ناواقف کے لئے ضرورت ہوتی ہے۔ آپ کو سب اندازہ ہوگیا۔ جو دستور العمل سہولت ودلچسپی سے مقرر کرلیں اس کی اجازت ہے۔ (مکتوب ۱۱/ جنوری ۱۹۳۰ء)

حال: میں نے حضور سے پچھلے عریضہ میں حزب البحر پڑھنے کی اجازت چاہی تھی۔ حضور نے اس کی اجازت مرحمت فرماتے ہوئے تحریر فرمایا تھا کہ اس سے بھی اچھی چیزیں ہیں۔ مجھے ان کے جاننے اور ان پر عمل کرنے کا اشتیاق پیدا ہوگیا ہے۔ اگر مناسب ہو تو حضور مجھے ان سے بہرہ اندوز فرمادیں۔

جواب: قرآن وحدیث (مکتوب ۶/ جولائی ۱۹۳۰ء)

حال: اپنی حالت اسی طرح بدستور خراب پاتا ہوں۔ نفس میں کسی طرح کی اصلاح

محسوس نہیں ہوتی۔ جس میں فراموش کاری' بے حسی زیادہ نمایاں ہیں۔

جواب: اموراختیاری کی اصلاح یاامور غیر اختیاری کی۔ (مکتوب ۲۴ر جولائی ۱۹۳۰ء)

حال: مجھے کسی طرح یکسوئی قلب نصیب نہیں ہوتی اس کے حصول کا طریقہ حضور سے مطلوب ہے۔

جواب: جب تک مشاغل دنیویہ باقی ہیں یکسوئی طبعاً مشکل ہیں مگر دین میں مضر نہیں۔ (مکتوب ۱۲ر کتوبر ۱۹۳۰ء)

حال: (آج کل بیماری کی وجہ سے) سب اوراد چھوٹ گئے۔ تلاوت قرآن شریف بھی نہ ہو سکی۔ ان کے ترک کا افسوس ہے۔ کمزوری کے سبب سے اور چند تفکرات کی وجہ سے دماغ پریشان ہو گیا ہے اور ہمت پست ہو گئی ہے۔

جواب: اس میں بھی اجر ملتا ہے۔ (مکتوب ۲۶ر فروری ۱۹۳۲ء)

حال: ذکر کرتے وقت اب تک یکسوئی نصیب نہیں ہوئی۔

جواب: کچھ مضر نہیں۔ جب کپڑا سل جائے پھر اگر ایک سوئی بھی نہ رہی' کیا حرج ہے۔ (مکتوب ۱۰ر جون ۱۹۳۲ء)

حال: ابتداء میں مجھے ذرا سی بات میں بہت پریشانی لاحق ہو جاتی تھی اور اس کے لئے فکر ہوتی تھی کہ کسی کی سفارش یا خوشامد سے کام لے کر (ریسیوری کا) معاملہ رفع دفع کر لیا جائے۔ اس کے لئے مجھے بہت پریشانیاں اٹھانا پڑتی تھیں اور طبیعت پر مستقل طور پر بہت اثر پڑتا تھا۔ لیکن میں نے دیکھا کہ ایک بات اگر ختم ہوئی تو دوسری پیدا ہو گئی جو بالکل میرے قابو سے باہر ہے کہ ہر ایک کا تدارک کر سکوں۔ اعتقاداً تو بحمد اللہ ہمیشہ یہی سمجھا کہ جو کچھ ہے وہ منجانب اللہ ہے اور میری ہی بہتری کے لئے ہے۔ لیکن فطرۃً دل مشوش رہتا تھا۔ اب حضور کی دعاؤں کی برکت سے یہ حالت پیدا ہو گئی ہے کہ ان امور کو قطعی غیر اختیاری سمجھ کر اللہ کے فضل و کرم پر متوجہ ہو جاتا ہوں۔ اور پھر قلب میں کسی طرح کی تشویش پیدا نہیں ہوتی۔ اس پر پورا یقین ہوتا ہے کہ جس طرح اب تک

مختلف قسم کی بظاہر سخت سے سخت پریشانیاں لاحق ہوئیں اور اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل وکرم سے ان کو ایک خاص وقت کے بعد رفع فرمادیا اس لئے اب جو حالت پریشانی پیدا ہوئی ہے انشاء اللہ وہ بھی رفع ہو جائے گی۔ اس لئے اب نہ کسی سے سفارش کرانے کو جی چاہتا ہے اور نہ کسی کی خوشامد کرنے کو دل گوارا کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ سے خود تضرع کے ساتھ دعا کرتا ہوں اور حضور کو دعا کے لئے تحریر کر کے مطمئن ہو جاتا ہوں۔

جواب: سبحان اللہ۔ مبارک حالت ہے۔

حال: ہر وقت یہ محسوس ہوتا ہے کہ جس حالت میں ہوں لاکھوں سے بہت بہتر حالت میں ہوں اس لئے تمام امور اللہ تعالیٰ کے حوالے کر دیئے ہیں اور سبب اختیار کرنے کو جی نہیں چاہتا اس لئے کہ اس کا سلسلہ لامتناہی ہے۔ ہر وقت اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں۔ چلتے پھرتے ہر وقت درود شریف یا **لا اِلٰہَ اِلا اللّٰہ** پڑھا کرتا ہوں۔

جواب: ماشاء اللہ۔ **اَللّٰھُمَّ زِدْفَزِدْ** (مکتوب ۲۴/اگست ۱۹۳۲ء)

حال: (اب ایک نیا سب جج آیا ہے) بظاہر اخلاق کا بہت اچھا ہے اور مجھ سے مہربانی سے بھی پیش آتا ہے مگر ہر حال میں میری نظر اللہ جل شانہ پر ہے۔

جواب: بے شک ایسا ہی چاہئے۔ اور اس کی برکت ہو گی۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

(مکتوب ۶/نومبر ۱۹۳۲ء)

حال: آج کل یہ حالت ہے کہ فضول باتوں سے بہت جی گھبراتا ہے۔ کسی بات میں دلچسپی معلوم نہیں ہوتی۔ اور اللہ تعالیٰ سے اس کی رحمت کاملہ کے لئے ہر وقت دعا کرتا رہتا ہوں۔ حضور والا کی دعاؤں اور توجہ کا بہت ہی زیادہ محتاج ہوں۔ اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا رہتا ہوں کہ مجھے ایسی توفیق عطا فرمادیں کہ حضور والا سے فیوض حاصل کرنے کی مجھ میں قابلیت پیدا ہو جائے۔ بعض وقت اس تمنا کے لئے جس قدر دل بیتاب ہوتا ہے اس کیفیت کو ظاہر نہیں کر سکتا۔

جواب: یہ سب مقدمات کامیابی کے ہیں۔

حال: اس ماہ مبارک (رمضان) میں جو کچھ میرے لئے مناسب حضور والا تجویز فرمادیں اس پر عمل کر کے سعادت دارین حاصل کروں۔

جواب: تلاوت قرآن اور جب اس سے تکان ہو جائے تہلیل (لا الہ الا اللہ) سب سے افضل ہے۔ (مکتوب ۲۴/دسمبر ۱۹۳۲ء)

حال: آج مجبوراً عریضہ ذرا تفصیل کے ساتھ تحریر کرنے کی جرات کر رہا ہوں۔ اندیشہ ہے کہ عدیم الفرصتی کے سبب سے کہیں حضور والا کی طبیعت پر گرانی نہ ہو۔ اور یہ اندیشہ کچھ دنوں سے اس قدر غالب ہے کہ عریضہ ہی تحریر کرنے سے مانع ہو رہا ہے۔

جواب: در طریقت ہر چہ پیش سالک آید خیر اوست (مکتوب ۲۳/مارچ ۱۹۳۳ء)

حال: پہلے یہ حالت تھی کہ ہر پریشانی و مجبوری پر طبیعت میں اضطراب رہتا تھا' اور خواہ مخواہ ہر ایک سے اپنی پریشانی کا ذکر کر دیا کرتا تھا۔ اب کچھ دنوں سے یہ حالت ہے کہ یہ سمجھ کر کہ جو واقعات اپنے اختیار کے نہ ہوں ان پر صبر کرنا چاہئے۔ قلب میں کسی قسم کی تشویش نہیں رہتی اور نہ کسی سے اپنی پریشانی کا ذکر کرنے کو جی چاہتا ہے۔ البتہ یہ ضرور ہے کہ جس کشمکش میں مبتلا ہوں اس سے طبیعت میں ایک طرح کا انقباض ضرور ہے۔ یعنی طبیعت میں فرحت و تازگی نہیں ہے۔ مگر دل میں اندر سے ہر وقت اس کا ایک یقین سا محسوس ہوتا ہے کہ انشاءاللہ بہت جلد میری حالت اچھی ہونے والی ہے۔

جواب: مبارک حالت ہے اور علامت ہے تعلق مع اللہ کی۔ (مکتوب ۱۴/ستمبر ۱۹۳۳ء)

حال: کچھ عرصہ سے اس قدر انقباضی حالت طاری ہے کہ دل ہر وقت مضطرب سا رہتا ہے۔ طرح طرح کے خیالات اور اپنی کوتاہی عمل سے بعض وقت دماغ بالکل پریشان ہو جاتا ہے...... حضور والا سے آج کل کی اس حالت اور آئندہ حالت کی درستی کیلئے نہایت ادب کے ساتھ خاص دعاؤں و دستگیری کا محتاج ہوں۔ میری حالت ناگفتہ بہ کو اپنی توجہ خاص سے سنبھال لیجئے۔

جواب: اللہ تعالیٰ سنبھالنے والے ہیں آپ کو بھی مجھ کو بھی۔

حال: مجھے اکثر اس خیال سے تکلیف رہتی ہے کہ اپنی خرابی صحت اور طرز زندگی کی وجہ سے مجھے وہ ثمرات کیسے نصیب ہوں گے جو ریاضات و مجاہدات پر منحصر ہیں۔

جواب: منحصر کون کہتا ہے۔ اصل علت فضل پر ہے۔ وہ کسی چیز پر موقوف نہیں۔

(مکتوب ۲۷/ فروری ۱۹۳۴ء)

حال: ہر وقت یہ خیال رہتا ہے کہ کاش اس ماہ مبارک (رمضان) کی تمام برکتیں اور نعمتیں حاصل ہو جائیں جو ذخیرہ آخرت ہو سکیں۔ لیکن اپنے اعمال کی کوتاہی کو دیکھتے ہوئے معلوم ہوتا ہے کہ یہ اس وقت ہو سکتا ہے جب حضور والا کی توجہ و دعا بھی میرے شامل حال ہو۔

جواب: اپنی قدرت سے کام لیا جائے۔ اگر کوتاہی ہو جائے استغفار سے تدارک کیا جائے۔ (مکتوب ۸/ رمضان المبارک ۱۳۵۳ھ)

حال: آج کل ہر وقت دل میں ایک اضطراب سا رہتا ہے اور کسی بات میں دلچسپی محسوس نہیں ہوتی۔ ہر وقت یہ خیال رہتا ہے کہ اللہ جانے میرا انجام کار کیا ہو گا۔

جواب: بجز توکل کے کوئی اس کا علاج نہیں۔ (مکتوب ۱۴/ اپریل ۱۹۳۴ء)

حال: بعد ادب ملتجی ہوں کہ میری فلاح دین و دنیا کے واسطے حضور والا دعا فرمادیں۔ میری حالت بہت زیادہ سقیم ہے۔

جواب: انشاءاللہ اسی اعتقاد کی برکت سے سلیم ہو جائے گی۔ (مکتوب ۱۷/ اگست ۱۹۳۴ء)

حال: چونکہ آج کل محض بیکاری' فرصت ہے اس لئے میرے حسب حال جو کچھ حضور والا تجویز فرمادیں اس پر عمل کروں گا۔

جواب: معمولات سابقہ میں سے جس سے دلچسپی ہو اس کا عدد بڑھا دیا جائے۔

(مکتوب ۱۹/ ستمبر ۱۹۳۴ء)

حال: ایک عرصہ سے دل بیتاب رہتا ہے کہ کاش کچھ دن حضور والا کی خدمت میں حاضری کے نصیب ہو جاتے تو مجھے دولت یکسوئی حاصل ہو جاتی مگر چند در چند مجبوریوں

میں مبتلا ہوں اور محروم قدم بوسی ہوں۔ اللہ تعالیٰ میری مجبوریوں کو مرتفع فرمادیں۔

جواب: انتشار تعلقات کے ہوتے ہوئے یکسوئی نہیں ہوتی۔ ہاں دوسوئی میں کمی ہو جاتی ہے۔ (مکتوب ۱۹؍اگست ۱۹۳۵ء)

حال: آج کل کچھ ایسی بے حسی ہے کہ دل میں نہ طلب ہے نہ ذوق عمل ہے۔ صرف معمولات اپنے وقت پر ادا ہو جاتے ہیں۔

جواب: غیر اختیاری امور مضر نہیں۔ (مکتوب ۲۴؍اکتوبر ۱۹۳۵ء)

حال: گوریسیوری کے دوران اور اس کے بعد تک مجھے مسلسل پریشانیوں اور تکلیفوں کا سابقہ رہا جن سے میرے دل و دماغ پر بہت کافی اثر پڑا مگر میں محسوس کرتا ہوں کہ مجھے حقیقۃً بہت سے فوائد اور تجربے بھی حاصل ہوئے۔ حضور والا اور مخلصوں کی دعائیں برابر میرے شامل حال رہیں۔ توقعات اور دوسروں پر آسرے کی حقیقت واضح ہو گئی۔ معاملات میں بہت تجربہ ہوا۔ اپنی پریشانیوں پر شکوہ شکایت کی عادت رفتہ رفتہ جاتی رہی۔ صبر اور شکر پر ہر حالت میں عادۃً عمل ہونے لگا۔ بہت سے نفسانی جذبات مثلاً انتقام و غصہ وغیرہ سرد پڑگئے۔ لیکن میں سمجھتا ہوں کہ یہ سب میری پست ہمتی اور طبیعت کی کمزوری کا جو عرصہ تک پریشان رہتے رہتے پیدا ہو گئی ہے 'نتیجہ ہے' جو شاید قابل اجر نہ ہو۔

جواب: کیا یہ پریشانیاں مصیبت نہیں 'اور کیا مصیبت پر اجر ملنے میں شبہ ہے 'اور اگر نہ بھی ملتا تو اصلاح ہو جانا کیا تھوڑی بات ہے۔ (مکتوب ۲۱؍دسمبر ۱۹۳۵ء)

حال: آج کل کچھ دنوں سے اپنے تمام عیوب ہر وقت مستحضر رہنے لگے ہیں۔ اپنے تمام ظاہری اطوار و عادات و اعمال میں اور باطنی اعمال میں ہزاروں طرح کی برائیاں نظر آتی ہیں۔ سوچتا ہوں تو جی گھبرا جاتا ہے کہ آخر کس طرح ان کی اصلاح ہو گی۔ امور اختیاری میں حتی الامکان اہتمام رکھتا ہوں مگر کچھ بنائے نہیں بنتا۔ بڑا خوف معلوم ہوتا ہے کہ حقیقۃً میری تو یہ حالت ہے اور لوگ مجھ سے حسن ظن رکھتے ہیں۔ اکثر اوقات اپنی

تعریف بھی لوگوں کی زبانی سنتا ہوں جس سے بڑی وحشت ہوتی ہے کہ یا اللہ میرا انجام کیا ہوگا۔ یہ تو بڑا دھوکا ہے اور خالص ریاکاری ہے۔ لوگ میری طرف سے کس قدر دھوکے میں رہتے ہیں۔ حضور والا مجھے اپنی اس حالت پر طرح طرح کے وساوس پیدا ہوتے ہیں کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ نفس و شیطان کی آمیزش سے میں بالکل تباہ ہو جاؤں۔ میں لوگوں سے حتی الامکان بہت ہی کم ملتا ہوں اور نہ کسی سے ملنے کو جی چاہتا ہے۔ مجھے کسی بات میں کوئی دلچسپی ہی معلوم نہیں ہوتی۔ زندگی بالکل بے کیف سی معلوم ہوتی ہے۔ جب کسی تردد خاطر وغیرہ سے معمولات بھی ترک ہو جاتے ہیں تو دل گھبراتا ہے کہ کہیں ایسا تو نہیں ہوگا کہ میں خسر الدنیا والآخرۃ کا مصداق ہو جاؤں۔ حالانکہ عقلاً یہ سب امور قابل توجہ معلوم نہیں ہوتے مگر چونکہ آج کل طبیعت پر ان اثرات کا غلبہ ہے اس لئے حضور والا سے عرض حال کر کے نہایت مودبانہ التماس ہے کہ تسکین قلب واصلاح کے لئے دعا فرمادیں۔

جواب: دعا بھی کرتا ہوں اور بشارت بھی دیتا ہوں کہ یہ سب آثار فنا کے ہیں۔

(مکتوب ۱۸ فروری ۱۹۳۶ء)

حال: حضور والا سے بصد ادب ملتجی ہوں کہ میرے واسطے دعا فرمادیں کہ اللہ تعالیٰ میری صحت درست فرمادیں اور توانائی عطا فرمادیں کیونکہ بہت سے عمل جو مجھے کرنے چاہئیں اور جس کے کرنے کو جی چاہتا ہے کمزوری صحت ہی کے سبب سے بن نہیں پڑتے اور نیز اس کیلئے کہ اللہ تعالیٰ میری مجبوریوں کو رفع فرمادیں اور میری آمدنی میں توسیع عطا فرمادیں کیونکہ اس کے سبب بہت سی تمنائیں ہیں کہ دل ہی دل میں گھٹ کر رہ جاتی ہیں۔ اور سب سے بڑی بات جس کی حاجت ہے وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھے اپنی رضا وقدر پر راضی رہنے کی توفیق مرحمت فرمادیں۔

جواب: کیا اللہ تعالیٰ کی جو نعمتیں ظاہری وباطنی عطا ہوئی ہیں وہ استحقاق سے زیادہ نہیں ہیں؟ کیا ان کا شکر واجب نہیں ہے جس کے متعلق خط میں ایک حرف بھی نہیں۔ کیا وہ

(اللہ تعالیٰ) ان کے سلب پر قادر نہیں؟ اور کیا وہ سلب مصیبت نہیں؟ اور کیا اس مصیبت سے صرف اللہ تعالیٰ ہی بچائے ہوئے نہیں۔ (مکتوب ۱۱ر مئی ۱۹۳۶ء)

(حضرت عارفیؒ فرماتے ہیں یہ تنبیہ فرما کر حضرت حکیم الامتؒ نے زندگی کا رخ ہی بدل دیا اور ہلاکت باطنی سے بچالیا۔ مایوسیوں کا خاتمہ فرمادیا اور مقامات صبر و شکر کے حجابات کو مرتفع فرما کر تعلق مع اللہ کی طرف متوجہ فرمادیا)۔

حال: میں ایک عرصہ سے اپنے معمولات پر کاربند ہوں مگر مجھے حضور قلب، خشوع و خضوع کی کیفیت بہت ہی کم نصیب ہوئی۔

جواب: خشوع و خضوع و حضور قلب کا کونسا درجہ۔ اختیاری یا غیر اختیاری۔

حال: اور میں سمجھتا ہوں کہ یہی وجہ ہے کہ میں کسی قسم کی کوئی باطنی ترقی محسوس نہیں کرتا۔

جواب: کونسی ترقی ماموربہ یا غیر ماموربہ۔

حال: میں خوب جانتا ہوں کہ یہ سب غیر اختیاری امور ہیں اور قطعاً نا قابل التفات مگر طبعاً ایک خلش اس خیال کی اکثر پیدا ہو جاتی ہے۔

جواب: پھر ضرر کیا۔

حال: ہر وقت آستانہ اقدس سے دوری اور محرومی پر سخت قلق رہتا ہے۔

جواب: پھر ضرر کیا۔

حال: اور اپنے آپ کو بہت ہی ناکام متصور کرتا ہوں۔

جواب: آ بیل مجھے مار کا علاج کیا۔

حال: آج کل طبیعت پر ان (مذکورہ بالا خیالات کا) بہت زیادہ غلبہ ہے اس لئے نہایت عاجزانہ طور پر ملتجی ہوں۔ اس کے لئے علاج و دعا فرمائی جائے۔

جواب: علاج تو بتلادیا۔ دعا کرتا ہوں۔ (مکتوب ۱۱ر ستمبر ۱۹۳۶ء)

حال: اللہ تعالیٰ نے اگر توفیق عطا فرمائی تو اس ماہ کسی وقت دولت قدم بوسی سے

مشرف ہونے کا ارادہ ہے۔

جواب: بہ شرط عدم قرضہ و عدم حرج۔ (مکتوب ۱۶ر دسمبر ۱۹۳۶ء)

حال: حضور والا کے مواعظ اور تربیت السالک میں اکثر و بیشتر سالکین کے احوال میں مختلف قسم کے مجاہدات مثلاً پاس انفاس، سلطان الاذکار وغیرہ اور مختلف قسم کے مراقبات اور ان کی تعلیمات کا ذکر ہے۔ مگر میں نے آج تک کبھی حضور والا سے ان کے متعلق کچھ دریافت نہیں کیا۔ میں ہمیشہ یہ خیال کرتا رہا کہ میں دنیا کے مشاغل میں پھنسا ہوا ہوں، دن رات مجھے مختلف قسم کی سرگردانی رہتی ہے۔ مجھے ان چیزوں کے اختیار کرنے کی نہ فرصت ہے اور نہ اہلیت و قابلیت۔ اور کبھی کچھ خیال بھی ہوا تو حضور والا سے عرض کرنے کی جرأت نہ ہوئی۔ اب خیال ہوتا ہے کہ شاید اب تک میں نفس و شیطان کے فریب و کید میں مبتلا رہا۔

جواب: بالکل غلط خیال۔

حال: اور قرب حق اور رضائے حق کے حصول کے جو ذرائع تھے وہ میں نے اپنی کم ہمتی سے اختیار نہ کئے۔ اور نہ حضور والا سے اپنی طلب کا اظہار کیا۔ مجھے اپنی اس محرومی پر سخت افسوس و قلق محسوس ہوتا ہے۔

جواب: مقصود حاصل ہو تو خاص طرق کا نہ جاننا یا حاصل نہ ہونا مضر نہیں۔

حال: اس کے علاوہ میں بہت سے اصطلاحات تصوف سے بھی بالکل ناواقف ہوں اور بہت سی ایسی باتیں جن کو میں اپنی فہم و ادراک سے بھی بالاتر پاتا ہوں۔ تو خیال ہوتا ہے کہ آیا ان کا جاننا اور سمجھنا میرے لئے ضروری نہیں ہیں یا مفید نہیں ہیں۔

جواب: اصطلاحات بھی مقصود نہیں اس طرح وہ بھی قابل اہتمام نہیں۔ جس طرح مریض کو صحت مقصود ہے اور طبیب کو علاج کا طریقہ خواہ وہ طریق کو صحبت سے جانتا ہوں یا کتاب سے، خواہ اردو میں یا فارسی میں۔ (مکتوب ۲۳ر جولائی ۱۹۳۷ء)

حال: اللہ جانے یہ کیا بات ہے کہ میرے قلب پر اب خوشی و رنج کا بہت کم اثر ہوتا

ہے۔ حالانکہ میں اپنے آپ کو بہت رقیق القلب محسوس کرتا ہوں۔ میں خیال کیا کرتا ہوں کہ شاید میری مسلسل تفکر اور پریشانیوں کی زندگی کے اثر سے دل میں کوئی ذوق و شوق باقی نہیں رہا اور کسی چیز اور کسی بات میں دلچسپی نہیں رہی مگر ابھی حال میں میری دو شفیق ترین ہستیوں کا سایہ سر سے اٹھ جانا یعنی میری دادی صاحبہ اور والد صاحب قبلہ کا انتقال ہو جانے کا صدمہ جیسا کہ متوقع تھا میرے قلب پر نہیں ہوا۔ ادھر ابتداء میں ضرور ایک خفیف سی رقت دو ایک بار طاری ہوئی مگر پھر بعد میں کچھ بھی نہیں۔ اس کا ایک سبب یا تو یہ ہے کہ اللہ جل شانہ نے اپنے فضل و کرم سے مجھے دولت صبر جمیل عطا فرمائی ہے جو ہر حال میں قابل تشکر و امتنان ہے۔ یا یہ میرے قلب کی بے پروائی اور بے حسی ہے جو کسی ظلمت باطنی کی وجہ سے مجھ پر طاری ہے' یا یہ ہے کہ میرے قلب میں یکسوئی نہ ہونے کی وجہ سے خوشی و رنج کے اثرات زیادہ دیر تک نہیں رہنے پاتے اور قلب ادھر ادھر کے خیالات میں جلد جلد مشغول ہو جاتا ہے۔

جواب: مجھ کو تعجب ہے کہ امور غیر اختیاریہ کی فکر میں کیوں پڑا جاتا ہے۔ باقی دعا کرتا ہوں۔ (مکتوب ۲۸ / جون ۱۹۳۷ء)

حال: اکثر سمجھ میں نہیں آتا کہ حضور والا کو اپنے کن حالات کی اطلاع دوں۔ جہاں تک اعمال کا تعلق ہے سراپا کوتاہی ہی کوتاہی ہے اور جہاں تک اپنے باطن پر نظر کرتا ہوں عیب ہی عیب نظر آتے ہیں۔

جواب: جب کوتاہی اور عیب کا احساس ہے پھر اس سوال کے کیا معنی کہ کن حالات کی اطلاع کی جائے۔ البتہ جس عیب کی نسبت پہلے جواب دیا گیا ہو وہ نہ لکھا جائے بلکہ تعلیم سابق پر عمل کیا جائے۔ (مکتوب ۱۰ / نومبر ۱۹۳۷ء)

حال: ایک بات کا مجھے اکثر تاسف رہتا ہے کہ مجھے حضور والا کی خدمت میں حاضری کا بہت کم موقع ملتا ہے اور حاضری کے موقع پر بہت ہی قلیل قیام کی نوبت آتی ہے۔ اپنی اس محرومی پر بعض وقت بہت ہی قلق ہوتا ہے اور مجبوریاں سوہان روح معلوم ہوتی

ہیں۔ اصل زندگی اور مقصود زندگی حضور والا کی خدمت بابرکت ہی میں حاضر رہنے میں معلوم ہوتی ہے۔ اس کے بغیر اکثر اپنی زندگی بے کیف سی معلوم ہوتی ہے۔ حالانکہ ابتداء سے اب تک حضور والا کی شفقت و محبت خاص اس ناکارہ پر اس قدر زیادہ ہے جس کا میں اپنے آپ کو ہرگز اہل نہ خیال کر سکتا تھا اور بعض وقت یہ معلوم ہوتا ہے گویا میں نے اب تک حضور والا کے فیوض و برکات سے خاطر خواہ کچھ حاصل ہی نہیں کیا۔

جواب: یہی سمجھ میں نہیں آیا کہ جس چیز کی تمنا ہے وہ حاصل ہے یا نہیں۔ اگر حاصل ہے تو تمنا کیسی۔ اگر حاصل نہیں تو کیا وہ چیز مقصود ہے جس کے حاصل نہ ہونے پر تاسف اور حاصل ہونے کی تمنا ہے۔ (مکتوب ۱۹/ دسمبر ۱۹۳۷ء)

حال: بعض وقت وہم ہوتا ہے کہ شاید لوگ مجھ سے بد ظن ہو گئے ہیں یا میری بڑھتی ہوئی ترقی دیکھ کر لوگوں کو حسد ہو اور ان کی نظر لگ گئی۔

جواب: مہمل خیالات۔ رزق کی کمی بیشی تقدیر سے ہے۔ (مکتوب ۴/ مارچ ۱۹۳۸ء)

حال: آج کل میرے مطب میں مرجوعہ بہت کم ہے اور آمدنی بھی بہت کم ہے۔ میرے دماغ میں ہمیشہ یہ بات رہتی ہے کہ میرے مطب میں سب سے زیادہ مرجوعہ رہے اور جو میرے زیر علاج آئے وہ ضرور صحتیاب ہو جائے۔ اگر کوئی مریض کچھ افاقہ نہ دیکھ کر علاج چھوڑ دیتا ہے تو مجھے بہت ناگوار ہوتا ہے اور برابر اس کا خیال لگا رہتا ہے۔ میں اللہ تعالیٰ سے دعا بھی ہر پنجگانہ کے بعد کیا کرتا ہوں کہ میں جس کو دوا دے دوں وہ اچھا ہو جائے اور میرے مطب سے کوئی مریض ناکامیاب واپس نہ جائے۔ اپنی اس حالت پر شبہ ہوتا ہے کہ کہیں جاہ پسندی یا حرص کا شائبہ تو نہیں ہے یا اور کوئی روحانی مرض تو نہیں۔

جواب: طبیعت کا ضعف ہے، نہ جاہ ہے نہ حرص اور اگر ہے تو غیر اختیاری اور غیر اختیاری پر مواخذہ نہ ہونا، ہمارے طریق کی اول تعلیم ہے پھر کیا تردد۔

(مکتوب ۴ جنوری ۱۹۳۹ء)

حال: اختیاری یا غیر اختیاری کا مسئلہ اللہ کے فضل سے ایسا شمع ہدایت ہے کہ اس کے استحضار سے بعون اللہ تعالیٰ بہت سے خطرات اور وساوس خود بخود رفع ہو جاتے ہیں۔

جواب: بے شک۔ (مکتوب ۱۳/ جنوری ۱۹۳۹ء)

حال: جن لوگوں کو یہ علم ہوتا ہے کہ مجھے شرف و نسبت خادمیت حضور والا کے ساتھ حاصل ہے تو ان کی طرف سے حسن ظن اور عزت افزائی کا اظہار ہوتا ہے۔ اس پر اپنی باطنی و ظاہری حالت دیکھ کر مجھے بے انتہا خجالت و شرمندگی محسوس ہوتی ہے اور اپنی حالت بالکل منافقانہ معلوم ہونے لگتی ہے۔

جواب: جو شرمندگی پیدا ہوتی ہے یہی مقدمہ ہے اصلاح حال کا۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

(مکتوب یکم اپریل ۱۹۴۰ء)

حال: اس طرف کلکتہ کے قرب کی وجہ سے آج کل جنگ کی وحشتناک خبریں اس قدر پھیل رہی ہیں کہ عوام میں بے حد پریشانی ہے اور لوگ حفظ ماتقدم کے طور پر دیہاتوں میں یا ایسے مقامات پر منتقل ہونے کا انتظار کر رہے ہیں جن کا بظاہر شورش و فساد سے محفوظ رہنے کا امکان ہے اور فتنہ و ہنگامہ کے وقت کے لئے غلہ وغیرہ کا بقدر امکان ذخیرہ جمع کر رہے ہیں۔ مگر میری موجودہ حالت ایسی ہے کہ نہ تو کہیں منتقل ہونے میں آسانی نظر آتی ہے اور نہ ذخیرہ جمع کرنے ہی کے لئے سرمایہ ہے۔

جواب: جونپور اور خارج (از) جونپور میں ایک ہی خدا ہے۔ (مکتوب ۱۸/ مارچ ۱۹۴۲ء)

حال: اپنی ظاہری و باطنی حالات میں سراسر حضور والا ہی کے فیوض و برکات محسوس کرتا ہوں۔ جو بھی اشکال باطنی و ظاہری درپیش ہوتا ہے، حضور والا کے تصور کے ساتھ اس پر غور کرتا ہوں۔ الحمد للہ خود بخود رفع ہو جاتا ہے اور دل کو سکون ہو جاتا ہے۔

جواب: ہمچناں می رو کہ زیبا می روی (مکتوب یکم/ دسمبر ۱۹۴۲ء)

حال: بہت لوگوں نے تو اپنی قابلیت اور علمیت کی وجہ سے حضور والا سے فیوض حاصل کئے۔ بہت لوگوں نے مجاہدات اور ریاضات سے حضور والا سے باطنی ترقیاں حاصل

کیں۔ بہت لوگوں نے حضور والا کی خدمت بابرکت میں حاضری اور خدمت سے سعادت وبرکات حاصل کئے۔ اور میں تو ان تینوں باتوں سے محروم ہی رہا۔ کیونکہ میں نے تو جو کچھ بھی حاصل کیا وہ حضور والا کی دعاؤں اور توجہات سے حاصل کیا۔ میرے پاس اس کے علاوہ اور کوئی سرمایہ ہے ہی نہیں۔ اس لئے میری دلی تمنا اور آرزو ہے کہ حضور والا اس ناکارہ اور نادار کو اپنی دعاؤں اور توجہات اور نسبت روحانی سے اس قدر بہرہ اندوز فرمادیں کہ مجھ کو مقصود زندگی اور مقصود آخرہ دونوں باتمام وکمال نصیب ہو جائیں۔ اور اللہ جل شانہ کے ساتھ تعلق قوی پیدا ہو جائے۔ (آمین)

جواب: یہی اعتقادات علامات ہیں حصور مقصود کی امید کی۔ دعا بھی کرتا ہوں۔

(یکم رجنوری ۱۹۴۳ء)

ملفوظاتِ حضرت حکیم الامتؒ

حضرت عارفیؒ نے روح وریحان' کے زیر عنوان اپنے شیخ حضرت حکیم الامتؒ کے ارشادات 'واقعات' معاملات وغیرہ اپنی بیاض میں تحریر کر کے محفوظ کرلیا۔ غایت تحریر کے متعلق آپ رقم طراز ہیں:

مدتوں تک عہد رنگین یاد تھا
لیکن اب وہ بھی فسانہ ہوگیا

دل میں ہمیشہ یہ خیال رہا کہ حضرت مرشدی و سیدی مولانا شاہ محمد اشرف علی صاحبؒ کے وہ حالات وارشادات و معاملات و ذوقیات خاص جو خود تقریباً سترہ سالہ تعلق بیعت کے زمانہ میں مشاہدہ کئے ہیں یا دوسرے لوگوں سے سنے ہیں ان کو جمع کرتا رہوں۔ بہت سی ایسی باتیں ہیں جو ملفوظات یا کسی اور مجموعہ حالات میں شائع نہیں ہوئی ہیں۔ مگر مجھے فرصت اور اطمینان کا انتظار رہا اور یہی امر اس قدر فریب ثابت ہوا اور اس سے اس قدر نقصان ہوا جس کی تلافی اب ناممکن ہے۔ جو واقعات یاد تھے 'رفتہ رفتہ یاد سے محو ہوگئے اور جن حضرات خصوصی سے تعلق تھا رفتہ رفتہ ان سب کا ساتھ چھوٹ گیا۔ حالات بدل گئے۔ ماحول بدل گیا۔ انقلاب پر انقلاب آئے دیکھتے دیکھتے ہر چیز خواب اور ہر بات افسانہ ہوگئی۔

اس عمر اور اس زمانہ میں پھر وہی تقاضا پیدا ہوا' اس لئے جو بھی ممکن ہوگا انشاءاللہ تعالیٰ جمع کرتا رہوں گا' وَمَاتَوْفِیْقِی اِلا بِاللہِ الْعَظِیْم۔

(۳/ذی الحجہ ۱۳۸۰ھ۔۱۹/ مئی ۱۹۶۱ء)

حضرت والا نے ان ارشادات وغیرہ میں سے اکثر کو اپنی تالیفات "مآثر حکیم الامتؒ" میں شامل کیا ہے۔ آپ کی بیاضوں سے حکیم الامتؒ کے چند ارشادات ذیل میں درج ہیں۔

فرمایا: کہ جتنا تعلق حق تعالیٰ سے بڑھتا جاتا ہے اتنا ہی مخلوق سے طمع اور خوف گھٹتا جاتا ہے، ہاں کبھی طبعی ضعف سبب ہو جاتا ہے مخلوق سے خوف کا، وہ اس سے مستثنیٰ ہے۔

فرمایا: ادب اور چیز ہے تکلف اور چیز ہے اور اصل ادب نام ہے راحت رسانی کا۔ ادب کہتے ہیں حفظ حدود کو اور یہ بڑوں ہی کے لئے نہیں بلکہ چھوٹوں کے لئے بھی، چھوٹوں کے حدود اور حقوق ہیں بڑوں کے ذمے اور چھوٹوں کے ذمے بڑوں کے حقوق، ان حقوق کے ادا کرنے کا نام ادب ہے۔ یہاں پر ادب سے مراد حقوق کا ادا کرنا ہے، اور راحت رسانی ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ کسی کو ایذا نہ پہنچادیں۔ یہ ہے صحیح تفسیر ادب کی۔ یعنی حفظ حدود جس کا خلاصہ یہ ہے کہ سب کو راحت پہنچادیں۔

فرمایا: یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ نفس کو کبھی ایسا موقع نہ دے اور ایسے اسباب پیدا نہ ہونے دے کہ جس سے اسکو شرارت کا موقع ملے۔ یہ نہایت کام کی بات ہے جس کو میں اس وقت بیان کر رہا ہوں۔ یہ نفس ہی وہ بلا ہے کہ جس نے بڑوں بڑوں کے زہد و تقویٰ اور تقدس کو ذرا سی دیر میں خاک میں ملادیا۔ اس کو کبھی مردہ مت سمجھو۔ بعض اوقات یہ اسباب نہ ہونے کی وجہ سے دبا رہتا ہے مگر واقع اور اسباب کا منتظر رہتا ہے۔

فرمایا: خیال بھی تو ان ہی کی دولت و نعمت ہے، اس کو بھی فضول اور عبث میں صرف کرنا باعث مواخذہ ہے۔

فرمایا: اگر خلوص ہو اور نیت اچھی ہو تو دوستوں سے ملنا، ان سے باتیں کرنا بھی عبادت ہے۔

فرمایا: دو چیزیں قلب کا ستیاناس کرنے والی ہیں اور نورانیت کو برباد کرنے والی۔ ایک غیبت اور ایک بد نگاہی۔ مگر یہی دونوں چیزیں آجکل لوگوں میں شیر و شکر بنی ہوئی ہیں۔

فرمایا: ایک بات سن کر آپ کو تعجب ہوگا مگر چونکہ وہ اللہ کی ایک نعمت ہے اس لئے ذکر کرتا ہوں۔ وہ یہ کہ میں اپنے اوپر بھی احتساب کرتا ہوں جیسے دوسروں کا کرتا ہوں بلکہ یہ کہنا بھی سچ ہوگا کہ اوروں سے زیادہ اپنے احتساب کرتا ہوں۔ یہ اللہ کا بڑا فضل

ہے۔ جو مصداق ہے اس کا۔ ذَالِكَ فَضْلُ اللهِ يُوْتِيْهِ مَنْ يَّشَاءُ وَاللهُ ذُوالْفَضْلِ الْعَظِيْمِ اور الحمد للہ اپنی کوتاہیاں سمجھ میں آجاتی ہیں۔ شیخ کے بعد کسی سے پوچھنے کی ضرورت نہیں ہوتی۔

فرمایا: کسی معاملہ میں کسی کو واسطہ بنانے سے اس کو مقرب ہونے کا خیال ہونے لگتا ہے۔ آنے والوں کی بیہودہ حرکات سے متاذی ہونا گوارہ کرتا ہوں مگر الحمد للہ کسی کو واسطہ و مخصوص بناکر ایک کی روایت کو دوسرے پر حجت اور اس کے محاسبہ میں موثر نہیں بناتا۔ یہ عدل ہے۔ اس پر حق تعالیٰ کا شکر ادا کرتا ہوں اور ان کا فضل سمجھتا ہوں۔

ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا اگر سارا عالم بھی ایک طرف ہو جائے، مجھ کو بفضل الٰہی اس کی پروا نہیں۔ پروا کی تو صرف ایک ہی چیز ہے، وہ رضائے حق ہے۔ اگر یہ حاصل ہو جائے تو پھر سارا عالم اس کے سامنے گرد ہے۔ مسلمان کے لئے صرف یہی ایک چیز ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کی سعی میں لگا رہے، اگر وہ راضی ہیں تو اس نے سب کچھ پالیا اور حاصل کر لیا اور اگر یہ نہیں تو تمام دنیا و مافیہا بھی اس کو مل جائے تو ایک مچھر کے پر کے برابر بھی وقعت نہیں رکھتی۔

فرمایا: کہ تعلقات اور مشاغل غیر ضروری کو قطع کر دیا، البتہ جو ضروری ہیں وہ مستثنیٰ ہیں ...... یہ وجدانی اور ذوقی بات ہے۔ فرمایا میں تو سب کاموں سے تقاضے کے ساتھ فارغ ہو جاتا ہوں۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ میں چاہتا ہوں کہ قلب غیر اللہ کے ساتھ مشغول نہ ہو تاکہ اگر کبھی اللہ کی یاد کی توفیق ہو جائے تو موانع تو مرتفع رہیں۔

فرمایا: رجاء و خوف میں رجاء مقصود بالذات ہے اور خوف عمل کا ذریعہ ہونے کی وجہ سے مقصود ہے۔ حیات میں خوف کا غلبہ بہتر ہے اور موت کے قریب رجاء افضل ہے۔

فرمایا: ماضی میں جو ہو چکا ہے ہو چکا۔ آدمی اس کے خیال میں نہ پڑے اور مستقبل کے احتمالات بھی نہ سوچے، بلکہ اہتمام مستقبل کا کرے اور عمل کے حدود کا ہمیشہ خیال رکھے۔ اگر غلطی ہو جائے تو فوراً توبہ کرے۔

ایک صاحب کی زبانی معلوم ہوا کہ

حضرتؒ نے فرمایا کہ مشیت پر راضی رہنا حق اللہ ہے اور دعا کرنا امر اللہ ہے۔

ایک صاحب نے حضرتؒ سے عرض کیا کہ آپ حکیم الامتؒ ہیں کوئی اکسیری نسخہ عطا فرمادیں۔ حضرتؒ نے فرمایا کہ نسخہ دینا میرا کام ہے اور عمل کرنا آپ کا کام ہے۔ نسخہ یہ ہے کہ "ہر کام میں اور ہر وقت یہ مراقبہ رکھئے کہ اللہ تعالیٰ حاکم اور حکیم ہیں اور پریشانی کو دل سے دور کرنے کا اہتمام کرے۔

فرمایا: آداب تلاوت تو بہت ہیں مگر میں ایک ہی ادب بیان کرتا ہوں جس میں سب آجائیں وہ یہ ہے کہ یوں خیال کرے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ سے فرمائش فرمائی ہے کہ تم پڑھو ہم سنتے ہیں تو جس طرح کسی کو سنانے کے وقت خاص اہتمام سے سنوار سنوار کر پڑھتا ہے ویسا پڑھنا چاہیے۔ تلاوت قرآن عزیز کا یہ ادب مجھ کو بہت عرصہ کے بعد معلوم ہوا۔

پھر اس پر یہ شبہ ہو سکتا ہے کہ اس طرح سنوار کے پڑھنے سے پھر جلدی تلاوت نہ ہو سکے گی تو تلاوت کی مقدار کم ہو گی۔ اس کا جواب یہ ہے کہ پڑھنے والا یوں خیال کرے کہ اللہ تعالیٰ ہی نے یوں فرمایا ہے کہ جلدی جلدی نہ پڑھو یعنی بدون ترتیل کے خواہ ترتیلاً یا حدراً۔

مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ایک روز حضرت والاؒ کے ہمراہ خانقاہ سے مکان کی طرف تشریف لے جا رہے تھے۔ راہ میں ایک جگہ ٹھہر کر حضرت والاؒ نے ایک پرچہ کاغذ کا جیب سے نکالا اور پینسل سے اس پر کچھ تحریر فرمایا۔ پھر بعد میں مجھ سے پوچھا کہ مولوی شفیع یہ میں نے کیا کیا۔ انہوں نے عرض کیا کہ حضرت ارشاد فرمادیں۔ فرمایا کہ دل کا بوجھ کاغذ پر ڈال دیا۔ ایک بات خانقاہ کے متعلق ذہن میں آئی تھی اب وہ برابر خیال میں رہتی اور کھانے پینے اور تمام وقت تک اس کا بار رہتا۔ اب طبیعت یکسو ہو گئی۔ فرمایا کہ قلب تو ذاکر نہیں ہے مگر اس کو فارغ ہی رکھتا ہوں۔ قلب اگر ذاکر نہ ہو تو دل کو ماسوا سے ہمہ وقت خالی ہی رکھنا چاہئے۔ شاید کسی وقت توفیق ذکر ہو جائے۔

حضرت حکیم الامتؒ کو حضرت عارفیؒ کا صہبائے سخن میں نذرانہ عقیدت

حضرت عارفیؒ کا اپنے شیخ حضرت حکیم الامتؒ سے کتنا گہرا تعلق تھا اور آپ کی تعلیم و تربیت میں ان کا کتنا دخل تھا اس کا اندازہ لگانا ایک مشکل ترین امر ہے۔ محبوب کی محبت کا اندازہ ایک محبّ ہی لگا سکتا ہے۔ حضرت عارفیؒ کے مندرجہ ذیل اشعار جو "صہبائے سخن" سے منتخب کئے گئے ہیں اس بات کو ظاہر کرتے ہیں کہ حضرت عارفیؒ اپنے مرشد حکیم الامتؒ سے بے حد محبت فرماتے تھے' ان کی ہر ادا اپنے لئے سرمایہ حیات سمجھتے تھے اور ان کی نوازشیں اپنے لئے نعمت غیر مترقبہ۔

اس انجمن ناز سے اس طرح اٹھا ہوں
کچھ نشہ دل اور ہے کچھ کیف نظر اور
پڑتی ہے جو ساقی کی نگاہ غلط انداز
بڑھ جاتی ہے کچھ تشنگی قلب و جگر اور

....

پارہا ہوں بے خودی میں لطف معراج حیات
میں ہوں اور سنگِ درِ پیر مغاں ہے آج کل
پوچھئے مجھ سے عارفی لطف حیات میکدہ
پیر مغاں کے در پہ ہوں عمر بسر کئے ہوئے

....

پیر مغاں کے فیض سے راز حیات یہ کھلا
بے خودی اصل زندگی ہوش تمام درد سر

....

میں نے دیکھی تھی کبھی ساقی کی چشم مست ناز
آج تک آنکھوں میں میری کیف صد میخانہ ہے

....

میرے اک اک قدم پر منزل مقصود قربان ہے
ملا ہے خوبی قسمت سے ایسا رہنما مجھ کو

....

اے وفور شوق ان محرومیوں کا کیا علاج
ہے تو منزل پاس لیکن دور ہیں منزل سے ہم
ہے قدم راہ طلب میں گو وہ ناقص ہی سہی
کچھ تو حاصل کررہے ہیں سعی لاحاصل سے ہم

....

عارفیؔ تھا میرے دل میں کبھی اک راز نہاں
اب وہی روح رواں ہے مرے افسانے میں

....

کتنے دلکش ہیں ان کے نقش قدم
جو تیری رہ گزر سے گزرے ہیں
عارفیؔ ہم کو بھی ہے اس پہ ناز
ہم بھی ان کی نظر سے گزرے ہیں

....

نظر آنے لگا ہر سو وہی وجد آفریں عالم
کچھ ایسے وجد کے عالم میں اس محفل سے ہم نکلے

وہی کررہے ہیں میرے دل سے باتیں
انہیں کا زباں پر کلام آرہا ہے

....

یکایک کھل گئے دل پر تمام اسرار میخانہ
میری آنکھوں میں جب ساقی کی آنکھوں کا خمار آیا

....

رہنما شوق حریم ناز دوست
اے شہ اشرف خدارا ساتھ دے

....

عارفی پیر مغانم بادہ غم سوز داد
یافتم از کیف آں روح دگر جاں دگر

....

ناز ہا دارم بضبط اضطراب
جلوہ افروز و تمکینم شکن

....

کیا جنون جبہ سائی روکنے سے رک سکا
عارفی در پر تیرے دیوانہ وار آہی گیا

....

ساقی نگہ مست کے اعجاز کا صدقہ
پیمانہ مرا حاصل میخانہ بنا دے

....

کھل جاتے ہیں اسرار محبت کے خمستاں
ملتی ہے نظر جب نگہ پیر مغاں سے
تاثیر نگاہ غلط انداز کے صدقے
پہنچادیا مجھ کو یہ کہاں آج کہاں سے

....

نہ جانے کس ادا سے میری جانب اس نے دیکھا تھا
ابھی تک دل میں تاثیر نظر محسوس ہوتی ہے

....

عارفی جب مل گیا ہے رہبر کامل مجھے
اس کی پھر کیا فکر منزل پاس ہے یا دور ہے

....

کار فرما ہے ابھی تک جذبۂ پیر مغاں
مستی رنداں وہی ہے گرمئ محفل وہی

....

چشم مست ناز ساقی کی ادائے خاص نے
میکشوں کو بے نیاز جام و صہبا کردیا

....

دنیا میں سکون اور کہیں مل نہیں سکتا
بس ایک در پیر مغاں میرے لئے ہے
محسوس یہ ہوتا ہے تیری حسن ادا سے
جو کچھ ہے تیرا سحر بیاں میرے لئے ہے

....

کھلا کرتا ہے اس میکدہ میں راز مے نوشی
نگاہ مست ساقی سے جو دل سرشار ہوجائے

بہار حسن کو یوں جذب کرلوں دیدہ و دل میں
محبت میں میرا ذوق نظر معیار ہوجائے

میری آنکھوں میں چشم مست ساقی کا ہے وہ عالم
نظر بھر کے جسے بھی دیکھ لوں میخوار ہوجائے

....

ہوجاتی ہے رہ رہ کے جو یہ بیخودی دل
آجاتی ہے اک جلوہ گہ ہوش ربا یاد

حضرت عارفیؒ کی چھوٹی پیرانی صاحبہؒ سے عقیدت

حضرت حکیم الامتؒ کے وصال کے بعد حضرت عارفیؒ اپنے شیخ سے والہانہ محبت کو برقرار رکھتے ہوئے حضرت حکیم الامتؒ کی دوسری اہلیہ محترمہ چھوٹی پیرانی صاحبہؒ کی خدمت میں ہر ماہ اہتماماً ایک عریضہ ارسال فرمایا کرتے تھے۔

آپ نہ صرف حکیم الامتؒ کی دوسری اہلیہ ہیں بلکہ حضرت سید علی سجاد صاحبؒ (حضرت عارفی کے خسر) کی رشتہ میں ہمشیرہ نسبتی ہیں (جن کا تذکرہ حضرت عارفیؒ کے مکاتیب بنام حضرت حکیم الامتؒ میں کہیں کہیں والدہ رشیدہ صاحبہ کے نام سے ملتا ہے اور آپ ہی چھوٹی پیرانی صاحبہ کے نام سے موسوم ہیں) اس طرح حضرت چھوٹی پیرانی صاحبہ، حضرت عارفیؒ کی رشتہ میں خوشدامن بھی ہوتی ہیں۔

حضرت چھوٹی پیرانی صاحبہ کراچی آئیں تو حضرت عارفیؒ کے دولت خانہ پر بھی ۲۱ فروری ۱۹۸۰ء کو تشریف لائیں۔ اس آمد کے متعلق حضرتؒ نے اپنی بیاض میں بعنوان

"معراج مسرت" رقمطراز ہیں۔

"آج اللہ تعالیٰ کا احسان عظیم و فضل عظیم ہے ' اَللّٰھُمَّ لَکَ الْحَمْدُ وَلَکَ الشُّکْرُ۔ حضرت چھوٹی پیرانی صاحبہ معظمہ مدظلہا کراچی تشریف لائی ہوئی ہیں۔ ازراہ شفقت و محبت خود میرے گھر پر تشریف لائیں 'ان کی تشریف آوری ہی ہمارے لئے سرمایہ صدناز و مسرت ہے۔ پھر مجھے موقع مل گیا کہ میں نے اپنی تالیفات (۱) اسوہ رسول اکرم ﷺ (۲) بصائر حکیم الامتؒ اور (۳) مآثر حکیم الامتؒ ان کے دست مبارک میں رکھ دیں اور ان سے دل کی گہرائیوں کے ساتھ استدعا کی آپ ان کتابوں کی مقبولیت کے لئے دعا فرمادیں۔ میں نے عرض کیا کہ اس وقت حضرت سے تعلق رکھنے والوں میں سوائے آپ کے میرے لئے کوئی نہیں ہے۔ میں کس کو یہ سرمایہ جواہرات دکھاؤں 'کوئی اہل نظر 'اہل دل مجھے نظر نہیں آتا۔ آپ ہی ان جواہرات اشرفیہ کی قدردان ہیں۔ اس لئے ایسی دعا فرمادیں کہ اللہ تعالیٰ ان کتابوں کو شرف قبولیت عطا فرمادیں اور ہمارے حضرتؒ کی روح مبارک خوش ہو جائے۔ حضرت پیرانی صاحبہ نے تینوں کتابوں کو اپنے دست مبارک میں لے کر آبدیدہ ہو کر دعائیں فرمائیں۔ اللہ تعالیٰ شرف قبولیت عطا فرمادیں۔ آمین"

حضرت حکیم الامتؒ کے خلفاء کے ساتھ تعلق

اللہ تعالیٰ نے حضرت عارفیؒ کو شریعت و طریقت میں ایک خاص مقام عطا فرمایا اور ان کے شیخ الطریقت مجدد الملت حکیم الامتؒ نے جس مسند ارشاد و خلافت پر بٹھایا الحمدللہ تاحیات آپ نے اس کو نبھایا۔ آپ تارک الدنیا تو نہ تھے مگر بقول حضرت خواجہ صاحب مجذوب "خاک نشین ضرور ہوگئے" اس خاک نشینی کی بدولت صدہا تخت نشینوں اور سجادہ نشینوں کو اپنا مطیع و گرویدہ بنالیا۔ آپ کے مداحوں 'محبین و معتقدین کی تعداد روز بروز بڑھتی ہی رہی۔

میں تو تنہا ہی چلا تھا جانب منزل مگر
لوگ ساتھ آتے گئے اور کارواں بنتا رہا

حضرت عارفیؒ کو حضرت حکیم الامتؒ کے تمام مجازین سے انتہائی اخلاص اور محبت کا تعلق تھا لیکن جن مجازین سے خصوصی تعلق کا حال معلوم ہو سکا ان میں (۱) حضرت خواجہ عزیزالحسن صاحب غوری مجذوبؒ (۲) حضرت مولانا عبدالغنی صاحب پھولپوریؒ (۳) حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ (۴) حضرت علامہ سید سلیمان ندوی صاحبؒ اور (۵) حضرت نجم احسن نگرامی صاحبؒ قابل ذکر ہیں۔

حضرت عارفیؒ نے اپنی بیاضوں میں ان حضرات کا بڑے والہانہ انداز میں تذکرہ فرمایا ہے۔ ان حضرات کے ساتھ مدت مدید تک خط و کتابت کا سلسلہ بھی رہا ہے۔ آپ کی یاد داشتوں، خطوط اور دیگر نگارشات وغیرہ پر مشتمل ان حضرات رحمہم اللہ سے خصوصی تعلقات کے متعلق جو جائزہ مرتب کیا گیا وہ حسب ذیل ہے:

حضرت خواجہ عزیزالحسن غوری مجذوبؒ

حضرت خواجہ صاحبؒ، حضرت حکیم الامتؒ کے اجل خلفاء میں سے تھے۔ جون ۱۸۸۴ء میں پیدا ہوئے۔ ایم اے او کالج علیگڑھ میں تعلیم حاصل کرنے کے بعد ڈپٹی کلکٹر کے عہدہ پر فائز ہوئے، سات سال بعد نصف تنخواہ پر محکمہ تعلیم میں اپنی خدمات منتقل کروالیں اور بعد ازاں انسپکٹر آف اسکولز کے عہدہ پر ترقی پائی۔ حضرت حکیم الامتؒ سے آپ کا تعلق ۱۳۲۶ھ (۱۹۰۸ء) میں ہوا حضرت حکیم الامتؒ سے آپ کا خاص تعلق تھا۔ مختصر وقت کی ملاقات کے لئے گھنٹوں سفر فرمایا، طویل چھٹیاں لے کر آپ کی خدمت میں اکثر حاضر باش رہے۔ "اشرف السوانح" اور حضرت تھانویؒ کے ملفوظات حسن العزیز، آپ ہی کے مرتب کردہ ہیں۔

حضرت عارفیؒ آپ کے متعلق اپنی یادداشتوں میں تحریر فرماتے ہیں:

"خواجہ صاحبؒ کے والد صاحب مرحوم کا تعلق حضرت مولانا رشید احمد صاحبؒ اور حضرت مولانا شاہ محمد اشرف علی رحمہ اللہ کے ساتھ تھا، اس لئے خواجہ صاحب ابتداء عمر ہی سے حضرت مولانا شاہ محمد اشرف علی صاحب رحمہ اللہ کے متعلقین اور منتسبین میں سے تھے اور بہت ہی والہانہ تعلق تھا۔ حضرت خواجہ صاحبؒ فطری شاعر اور بہت پر گو اور بہت ہی پر جوش اور سادہ طبع اور شریف المزاج مگر بڑے مستقل مزاج اور زبردست متقی تھے۔ حضرت مولانا شاہ اشرف علی صاحب رحمہ اللہ کی بڑی مخصوص نظر ان سے وابستہ تھی بلکہ درجہ محبوبیت کا سا حاصل تھا اور خواجہ صاحبؒ بھی بہت ہی والہانہ تعلق حضرتؒ کے ساتھ رکھتے تھے۔ رات دن صرف حضرتؒ ہی کا ذکر اور یاد ان کا شغف تھا۔"

حضرت عارفیؒ کو حضرت خواجہ صاحبؒ سے والہانہ تعلق تھا اور آپ سے مکاتبت کا سلسلہ بھی تھا۔ جب کبھی حضرت خواجہ صاحبؒ حضرت حکیم الامتؒ کے پاس حاضر باش ہوتے تھے تو حضرت عارفیؒ کے اصلاحی خطوط بنام حضرت حکیم الامتؒ میں اپنی طرف سے بھی کچھ نہ کچھ تحریر فرمایا کرتے تھے۔ حضرت عارفیؒ کے ذخیرہ خطوط میں سے خواجہ صاحبؒ کے جو خطوط دستیاب ہوئے ان میں سے چند کے اقتباسات حسب ذیل ہیں:

"آپ کی خوشحالی ظاہری و باطنی کے حالات سنتا رہتا ہوں اور مسرور ہوتا ہوں اللھم زد فزد۔ اللہ تعالیٰ آپ کو دونوں جہاں کی نعمتوں سے مالامال اور دونوں جہاں میں خوشحال و خوش اقبال رکھے۔ آمین ثم آمین۔ بہت ہی مسرت ہے کہ آپ بفضلہٖ تعالیٰ حضرت اقدس مدت فیوضہم کی دعاؤں کی برکت سے بہ نسبت وکالت کے دینی و دنیوی دونوں لحاظ سے بہتر حالت میں ہیں۔ اللہ روز افزوں برکات عطا فرمائے۔ مجھ بدکار کی اصلاح عقیدہ و عمل کے لئے بھی للہ دعا فرمائیں۔

اے صاحب کرامت شکرانہ سلامت
روزے تفقد کن درویش بے نوارا

آپ ہی جیسے حضرات کے لئے میں نے یہ شعر کہا ہے۔" (مکتوب ۲۶/ اپریل ۱۹۴۳ء)

"آپ کی محبت اور آپ کے خلوص کا کس زبان سے شکریہ ادا کروں، میری طرف سے اتنی کوتاہ قلمی کے باوجود آپ اکثر از خود ہی یاد فرماتے ہیں۔ تجربہ سے معلوم ہوا کہ اتنا مجذوب ہونا بھی ٹھیک نہیں...... اللہ تعالیٰ سے دعا کیجئے کہ حق تعالیٰ مجھ کو اطاعت اور راحت کی زندگی نصیب فرمائیں...... میں نے آپ کے ہر محبت نامہ کو نہایت مزے لے کر پڑھا ہے آپ کا وہ والہانہ کارڈ جو اشرف السوانح کو پڑھنے کے بعد صادر ہوا تھا "شذرات السوانح" میں بھی نقل کرادیا گیا اور عنقریب شائع ہوگا۔ اس سے اندازہ فرمالیجئے کہ میں نے اس والا نامہ کو کتنا محفوظ رکھا اور کتنی اس کی قدر کی، آپ سمجھتے ہوں گے کہ میرا لکھنا بیکار ہی گیا۔ غرض کہ میں مجذوب تو ہوں لیکن الحمد للہ احباب سے غافل نہیں ہوں ۔

مطلب کا ہوشار ہے دیوانہ آپ کا
درپردہ خوب لوٹ رہا ہے بہار دل

جی بہت دن سے ترستا ہے کہ لطف صحبت و شعر و شاعری رہے لیکن نہ آپ فارغ نہ میں فارغ، اجی میں تو دل کو اور احباب کو یہ کہہ کر سمجھا لیا کرتا ہوں کہ اصل ملاقات اور لطف کی جگہ تو انشاء اللہ تعالیٰ جنت ہوگی اللہ تعالیٰ وہاں ہم سب کو مجتمع فرمائیں اور ابدی لطف و راحت نصیب فرمائیں۔ آمین!" (مکتوب مورخہ ۱۴/ مارچ)

حضرت حکیم الامتؒ کے وصال کے بعد حضرت عارفیؒ بہت مغموم اور مضطرب تھے، اس وقت حضرت خواجہ صاحبؒ نے حضرت عارفیؒ کی ان الفاظ میں تسکین خاطر فرمائی اور ہمت کی تلقین کی:

محبت نامے نے ممنون ومسرور یاد آوری فرمایا

کوئے نومیدی مرد امید ہاست
سوئے تاریکی مرد خورشید ہاست

یہ (شعر) حضرت (حکیم الامت) اقدس رحمۃ اللہ علیہ اکثر پڑھا بھی کرتے تھے اور جواباً تحریر بھی فرمایا کرتے تھے 'حضرت اقدس کے فیوض کو پائندہ سمجھئے اور جو فرما گئے ہیں ان پر پہلے سے زیادہ کاربند رہئے انشاء اللہ تعالیٰ وہی برکات حاصل ہوں گے۔ ہمت' اذن' عمل واستقامت ہی درکار ہے۔ حضرت نے ایک ملفوظ میں فرمایا ہے کہ سارے طریق کا خلاصہ صرف دو چیزیں ہیں۔ خلوص اور ہمت بلکہ ان میں بھی ہمت اصل ہے۔ کیونکہ خلوص کے لئے بھی ہمت ہی کی ضرورت ہو گی۔ تو گویا ہمت ہی پر سارادارومدار ہے اور فضل خداوندی تو بہر حال درکار ہے۔

تجھ کو جو چلنا طریق عشق میں دشوار ہے
تو ہی ہمت ہار ہے ہاں تو ہی ہمت ہار ہے
ہر قدم پر تو جو رہرو کھارہا ہے ٹھوکریں
لنگ خود تجھ میں ہے ورنہ راستہ ہموار ہے

اللہ تعالیٰ ہمیں ہمت کی توفیق عطا فرمائے۔ بس اللہ سے لو لگائے رکھئے اور اسی کی تعلیم حضرت دے گئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ تو حیؔ اور قیوم ہیں وہ تو موجود ہیں اور حضرت اقدس کی نسبت موجود ہے پھر کیوں ہم لوگ مایوس ہوں۔ ان سب تخیلات کو چھوڑ کر کام میں لگئے وہی مقصود ہے اور وہی ان فضول کی پریشانیوں کا دافع بھی ہے۔ انشاء اللہ تعالیٰ بعضوں کو تو حیات سے زیادہ برکات کا اب مشاہدہ ہو رہا ہے اور اس کو احقر نے یوں نظم کیا ہے۔

شام شب فرقت میں بھی انوار سحر ہیں
اے نور مجسم یہ تیری یاد کا عالم

دل نور جگر نور سخن نور نظر نور
یہ کیا ہے میری خاطر ناشاد کا عالم

میں نے حسب ارشاد مدعا کی ہے اللہ تعالیٰ قبول فرمائے۔ آپ میرے لئے (دعا) کر دیجئے میں تو نالائق ترین خادم ہوں اور یہ واقعہ ہے تکلف یا تواضع نہیں۔ اللہ تعالیٰ مجھ کو اب توفیق دے۔ (مکتوب ۲۸؍ ستمبر ۱۹۴۳ء)

حضرت حکیم الامتؒ کے وصال کے بعد حضرت عارفیؒ اپنی زندگی میں ایک بڑا خلا محسوس فرما رہے تھے۔ اور کسی سے دستگیری کی تمنا آپ کے دل میں موجزن تھی۔ حضرت تھانویؒ کے اجل خلفاء کی تعداد اچھی خاصی تھی اور خود حضرت عارفیؒ بھی ان میں شامل تھے مگر اس کے باوجود اپنی اصلاح کے لئے آپ نے حضرت خواجہ صاحبؒ سے رجوع فرمایا اور اس طرح درخواست کی۔

"سمجھ میں نہیں آتا کہ اس تعلق کو کیسے برقرار رکھوں۔ صبح سے شام تک تو دنیا ہی کے معاملات وانہماک میں ختم ہو جاتے ہیں۔ بڑا خسران محسوس کرتا ہوں۔ آپ نے جو تحریر فرمایا کہ بعض حضرات تو حیات سے زیادہ اب برکات محسوس کر رہے ہیں اس سے اور بھی زیادہ اضطراب اور تحیر طبیعت میں پیدا ہو گیا ہے۔ اب میں کیا کروں۔ میں کس طرح اب حضرت اقدس کی روحانیت سے فائدہ حاصل کروں۔ سوائے اس کے آپ ہی میری مشکل آسان فرما دیں۔ میری نظر میں تو اندھیرا ہی اندھیرا ہے۔

آپ کو اللہ تعالیٰ نے واقف اسرار اور حضرت اقدسؒ کے فیوض و تعلیمات کا حامل بنایا ہے اب آپ ہی مجھ پر نظر مخصوص فرما دیں اور میرے خواب کی تعبیر کو پورا فرما دیں۔ میں ۱۹۲۷ء میں حضرت اقدس سے بیعت ہوا تھا جب سے برابر ان سترہ برس میں ہر مہینہ تین چار عریضے التزاماً لکھا کرتا تھا۔ اب ان تین مہینوں میں جو خط بند رہے، دل ہی جانتا ہے جو حالت ہے، کسی طرح تسکین نہیں ہوتی۔ دل کی بھڑاس نہیں نکلتی۔ کس کو حال لکھوں اور کیا لکھوں آپ سے زیادہ مجھ سے محبت کرنے والا اس وقت کوئی

موجود نہیں ہے اس لئے آپ ہی کو لکھ رہا ہوں۔"

اس مکتوب پر جواباً حضرت خواجہ صاحبؒ نے تحریر فرمایا۔

"میں تو واللہ اپنا نفع اس میں دیکھتا ہوں کہ آپ جیسے صلحاء سے خط و کتابت رہے۔ ضرور ایسا کیجئے اجازت نہیں بلکہ درخواست ہے۔"

اس کے بعد خطوط کا سلسلہ حضرت خواجہ صاحبؒ کے انتقال تک جاری رہا۔ حضرت خواجہ صاحب کا آخری خط جو دستیاب ہوا اس میں آپ نے حصول نسبت کے لئے اس طرح رہنمائی فرمائی۔

"آپ کی خوشحالی ظاہری و باطنی کے لئے دل سے دعاگو ہوں۔ مگر اس کی تدابیر بھی ضرور جاری رکھی جائیں۔ مجھے یہی تجربہ ہوا کہ جب تک ملکہ یادداشت بجد و جہد اور بکثرت ذکر و فکر نہ حاصل کی جائے' فارغ نہ سمجھے کیوں کہ پھر اس پر انجذاب غیبی ہوتا ہے جو اصل دولت ہے اللہ تعالیٰ سہل فرمائے اور اس کی تحصیل میں منہمک رکھے۔ سرسری توجہ حق تعالیٰ کی طرف ہمہ وقت رکھنے کی بالخصوص ذکر و عبادت کے وقت اپنے اوپر لازم کر لیجئے اسی سے رفتہ رفتہ بفضلہٖ تعالیٰ ملکہ یادداشت پیدا ہو جاتا ہے پھر انجذاب غیبی ہوتا ہے اس کو معمولی بات اور سرسری چیز نہ سمجھیں۔ قوی اور صحیح نسبت مع اللہ پیدا کرنے کا موثر ذریعہ ہے مع اجتناب معاصی کے' جو اس پر بھی مقدم ہے۔

میں تو آپ ہی کو نہیں ہر ایک کو اس سہل الحصول دولت سرمدی کی سعی تحصیل کیلئے آمادہ کرتا رہتا ہوں جس سے ہم لوگ محض کم ہمتی یا بے فکری کی وجہ سے محروم ہیں یعنی ذکر مع الفکر۔ آپ کے لئے دعا برابر' جب یاد آجاتے ہیں' کر لیتا ہوں۔ دنیا میں بھی اللہ تعالیٰ کشائش اور عافیت دائمہ کے ساتھ رکھے اور آخرت میں بھی۔ ہم لوگوں کو تو اپنا اصل مطمح نظر دین ہی بنالینا چاہئے۔ اور دنیا بھی چونکہ ضرورت کی چیز ہے اس لئے اس سے بھی چارہ نہیں لیکن غالب دین ہی کو رکھا جائے۔ کثرت ذکر مع الفکر سارے خزائن باطنہ کی کنجی ہے اس کا التزام ضرور بالضرور کیجئے بقصد یکسوئی اللہ تعالیٰ کو حاضر

وناظر سمجھتے ہوئے اذکار واوراد وعبادات کو کیا جائے اور چلتے پھرتے تہلیل کی کثرت اور سرسری توجہ اللہ تعالیٰ کی طرف توہمہ اوقات رکھنے کی عادت ڈال لی جائے اس کے لئے ذرا خاص توجہ کی اور ہمت کی اور استحضار کی ضرورت ہوگی۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو توفیق بخشے یہی نسبت ہے۔" (مکتوب ۲۹ / جون ۱۹۴۴ء)

حضرت حکیم الامتؒ کے وصال کے بعد حضرت مجذوبؒ کی بیقراری ناقابل بیان تھی، ایک سال اور ۲۸ دن زندہ رہنے کے بعد آپ ۲۷ / اگست ۱۹۴۴ء کو داعی اجل کو لبیک کہتے ہوئے حضرت حکیم الامتؒ سے جا ملے انا للہ وانا الیہ راجعون۔ جب کبھی بزم اشرف کے شواہد گان عشق کا ذکر چھڑتا ہے تو خواجہ صاحبؒ کا نام سرفہرست ہوتا ہے۔

حضرت مولانا عبدالغنی پھولپوریؒ

حضرت مولانا عبدالغنی پھولپوریؒ ضلع اعظم گڑھ کے ایک گاؤں بہ چھاؤں میں ۱۲۹۳ھ (۱۸۷۶ء) میں پیدا ہوئے۔ چونکہ عمر کا بیشتر حصہ پھولپور میں گزارا تھا اس لئے پھولپوری کے نام سے مشہور ہوئے۔ ۱۳۳۸ھ (۱۹۲۰ء) میں حضرت حکیم الامتؒ سے بیعت ہوئے۔ حضرت حکیم الامتؒ کے مشورہ پر پھولپور میں ۱۳۴۳ھ (۱۹۲۴ء) میں مدرسہ روضۃ العلوم قائم کیا۔ حضرت پھولپوریؒ نے قصبہ سرائے میر میں ایک مدرسہ بیت العلوم بھی قائم فرمایا۔ آپ نے کبھی بھی اس مدرسہ سے کوئی تنخواہ لی اور نہ ہی وہاں کا کھانا کھایا۔

حضرت حکیم الامتؒ سے آپ کا والہانہ تعلق تھا اور اسی تعلق کی بناء پر آپ کے حکم پر چند کتب تحریر فرمائیں۔ حضرت حکیم الامتؒ بھی آپ سے بے حد محبت فرمایا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ آپ نے فرمایا:

"میں بلا تصنع کہتا ہوں کہ مجھے اعظم گڑھ والوں سے خاص محبت ہے۔ مولوی

عبدالغنی کے آنے سے میری ایک خاص کیفیت ہوتی ہے۔"

حضرت خواجہ صاحبؒ کی رحلت کے بعد حضرت عارفیؒ نے حضرت پھولپوریؒ سے رجوع کیا۔ اس سلسلہ میں اپنے مکتوب مورخہ ۲۳/ دسمبر ۱۹۴۵ء میں آپ رقمطراز ہیں۔

"میں عرصہ سے اپنا کچھ حال آپ کی خدمت میں لکھنا چاہتا تھا لیکن کچھ سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ کیا عنوان اختیار کروں۔ میری عدیم الفرصتی کا آپ کو اچھی طرح علم ہے اس لئے دل ہمہ وقت پراگندہ اور منتشر سا رہتا ہے یہی وجہ ہے کہ معمولات اور دیگر امور دینیہ محض ضابطہ کی خانہ پری کی کیفیت کے ساتھ ادا ہوتے رہتے ہیں اور اس کا اثر یہ ہے کہ آج تک فراغت قلب کی دولت یاذکر مع الفکر کی سعادت نصیب نہیں ہوئی۔ حصول ملکات حسنہ کی تو توفیق بڑی بات ہے 'رذائل نفسانی کا بھی احساس نہیں ہے 'اس لئے ان کے ازالہ کی کیا کوشش ہوتی۔ بس اسی گرداب خودی میں غوطے لیتا رہتا ہوں۔ جب کبھی سوچنے کا موقع ملتا ہے تو بڑی مایوسی ہوتی ہے کہ وقت گزرتا چلا جارہا ہے اور میں تہی دست کا تہی دست ہوں۔ آپ اس معاملہ میں میری رہنمائی فرمادیں اور میرے قلب سے اس تشویش کو رفع فرمادیں اور حصول رضاء الٰہی کا طریقہ تجویز فرمادیں۔ اس کے علاوہ نہایت ادب کے ساتھ یہ بھی استدعا ہے کہ اتنے عرصہ دراز سے جناب والا کی خدمت میں شرف تعلق حاصل ہے 'میرے اوقات 'میری عادات 'میرے اخلاق ' میرے معاملات وغیرہا کا جناب والا کو خوب اچھی طرح علم ہے اس لئے للہ مجھے وہ تمام عیوب امور مذکورہ بالا میں جو جناب نے ملاحظہ فرمائے ہوں 'ان سے مطلع فرمادیں تاکہ مجھ کو تنبیہ ہو جائے اور ان کے دور کرنے کی فکر رکھوں۔"

حضرت عارفیؒ کی درخواست رہنمائی پر حضرت پھولپوریؒ رقمطراز ہیں:

"آن عزیز کا انکسار ہے کہ مجھ جیسے سراپا بدعمل سے اپنی رہنمائی چاہتے ہیں ' محض تعمیل حکم عزیز کی بناء پر کچھ کلمات لکھے دیتا ہوں جو کہ اپنے نزدیک سچ ہیں۔ میری نگاہ

میں بفضلہٖ تعالیٰ آپ کے معاملات وعادات واخلاق وغیرہ جو کہ ایک بھلے انسان کے لئے ضروری ہیں' آپ میں موجود ہیں اور حضرتؒ نے جس جوہر کی بناء پر آپ کو اپنا خلیفہ مجاز بنایا' کیا کوئی معمولی بات ہے۔ آپ کا کسب (معاش) حلال و طیب ہے جس کے کھانے سے نور معلوم ہوتا ہے۔ آپ اس کو دنیا نہ سمجھیں جس کو آپ نے دنیا سمجھا تھا' اس کو بفضلہٖ تعالیٰ طلاق مغلظہ دیدی۔ آپ اپنی بے قدری نہ کریں' بس آپ کے ذمہ صرف یہ بات ہے کہ جب جب فرصت ملتی رہے ذکر اللہ' توبہ استغفار میں مصروف رہیں۔ بس تسبیح ہر وقت سامنے موجود رہے۔ بعد فراغت تسبیح پر ہاتھ پڑتا رہے۔"

بعد ازاں حضرت عارفیؒ کی مکاتبت اور اصلاحی تعلق حضرت مولانا عبدالغنی پھولپوریؒ کے وصال تک جاری رہا۔

حضرت پھولپوریؒ ۲۱؍دسمبر ۱۹۵۸ء کو حضرت عارفیؒ کی دعوت پر' کراچی تشریف لائے اور آپ کے پاس ایک ماہ قیام فرما کر ۱۹؍جنوری ۱۹۵۹ء کو واپس تشریف لے گئے حضرت عارفیؒ کو اس ایک ماہ کے قیام پر بھی سیری نہیں ہوئی' اس کا اظہار آپ اپنے مکتوب ۲۲؍جنوری ۱۹۵۹ء میں یوں فرماتے ہیں:

"میں کیا عرض کروں مجھے تو اپنی اس خواب بیداری سے ہوش ہی نہیں آیا ہے۔ جناب والا نے اتنی شفقت و محبت سے سفر گوارا فرمایا۔ قیام بھی کچھ وقت رہا مگر میری سیری تو نہیں ہوئی۔ اب بھی اس قدر تشنگی باطن محسوس کرتا ہوں جو پہلے تھی' دعائے خاص کا ملتجی ہوں۔ اس وقت سب سے زیادہ احساس تو اس کا ہے کہ جناب والا کی شایان شان کوئی خدمت مہمانداری نہ کر سکا۔ راحت و آسائش کا خاطر خواہ انتظام نہ بن سکا۔ بے شمار کوتاہیوں کا احساس ہوتا ہے۔ اس کا بھی احتمال محسوس کرتا ہوں کہ مزاج گرامی کے خلاف کوئی بات سرزد ہو گئی ہو اور مجھے اس کا علم بھی نہ ہوا ہو۔ بعض وقت بہت بے تکلفی سے عرض و معروضات کی بھی جسارت ہوئی ہے دعوتوں کے قبول کرنے اور بیعت کرانے کے معاملات میں جناب والا کے مزاج گرامی کی رعایت نہ

کر سکا۔ اس لئے مستدعی ہوں کہ جس قسم کی کوتاہی کا مجرم ہوں اس کو براہ شفقت بزرگانہ معاف فرمادیں۔"

اس اظہار تشنگی پر حضرت پھولپوریؒ نے اسی مکتوب پر جواباً تحریر فرمایا:

"یہ سب محبت کے پھول و پھل ہیں، میں بہت خوش رہااور دل و جان سے دعا کرتا ہوں۔"

حضرت پھولپوریؒ کو حضرت عارفیؒ سے کس طرح کا خصوصی تعلق تھااس کی ایک جھلک حضرت عارفیؒ کی یادداشتوں میں تحریر شدہ حسب ذیل واقعہ سے دیکھی جاسکتی ہے۔

کراچی ۹؍ مئی ۱۹۶۲ء۔

"میں حضرت مولانا عبدالغنی صاحب مدظلہ کی خدمت میں حاضر تھا۔ عصر اور مغرب کے درمیان حضرت ملفوظات فرمارہے تھے۔ میرا معمول ہے کہ میں بعد نماز مغرب حضرت سے اجازت لے کر رخصت ہو جاتا ہوں۔ اس روز حضرت نے نماز سے فارغ ہو کر مجھ کو رک جانے کے لئے اشارہ فرمایااور بھی چند لوگ موجود تھے۔ فرمایا کہ "درویشی سوائے تعلق مع اللہ کے اور کچھ نہیں ہے اور وہ سب منحصر ہے احکامات شرعیہ کی بجاآوری پر۔ جس قدر اہتمام کے ساتھ اس کو انجام دیا جائے اسی قدر زیادہ اس کے اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ ہم نے بھی پڑھا ہے ہم بھی عالم ہیں مگر یہ بات تو حضرت مرشدی مولانا تھانویؒ ہی کے دامن پکڑنے سے سمجھ میں آئی۔ یہ سب انہوں نے ہی سمجھایا کہ تصوف کیا ہے اور درویشی کیا ہے۔ ورنہ کتابیں پڑھ لینے اور عالم ہو جانے سے کہیں یہ باتیں سمجھ میں آتی ہیں۔؟" اس قدر فرمانے کے بعد مجھ سے فرمایا کہ اب جاسکتے ہو۔ میں نے سوچا کہ اس ملفوظ کے سنانے کے لئے مجھ کو خاص طور پر کیوں روکا۔ یہ بات کوئی نئی بات بھی نہ تھی بیسیوں بار کی سمجھی ہوئی اور ان حضرات سے سنی ہوئی ہے اور پھر خاص طور پر مجھ کو کیوں روکا اور کیوں مخاطب کیا۔

غور کرنے پر معلوم ہوا کہ اس میں بڑی اہمیت ہے یوں سمجھو کہ ایک اسی (۸۰) سال کا معمر بزرگ اپنی ساری زندگی کے علم اور عمل کا نچوڑ اور حضرت حکیم الامت مرشد اعظمؒ کی ساری تعلیم و تربیت کا حاصل بتا کر اس طرف متوجہ کرنا چاہتا ہے کہ تم خود اس ملفوظ کو سمجھو اور عمل کرو اور دوسروں کو بھی اس کی تبلیغ کرو۔ کہ بس سارا راز بندگی، معرفت اللہ کا، تعلق مع اللہ کا، نسبت مع اللہ کا اور تمام مقامات باطنہ کا حاصل اور تمام روحانیت، کیفیات و حالات باطنہ کا سرچشمہ یہی اعمال شرعیہ ہیں، یہی اوامر و نواہی پر عمل ہے، یہی محض احکامات شرعیہ اور سنت نبویہ ﷺ کی اتباع ہے اور کچھ نہیں۔"

حضرت پھولپوریؒ نے ایک طویل عمر پانے کے بعد ۲۱/ ربیع الاول ۱۳۸۳ھ (۱۲/ اگست ۱۹۶۳ء) بروز دوشنبہ کراچی میں انتقال فرمایا۔ آپ پاپوش نگر، ناظم آباد کراچی کے قبرستان میں مدفون ہیں۔ آپ کی نماز جنازہ حضرت عارفیؒ نے پڑھائی۔

حضرت مفتی اعظم پاکستان مولانا محمد شفیع صاحبؒ

حضرت مولانا محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ قصبہ دیوبند میں ۱۳۱۴ھ (۱۸۹۷ء) میں پیدا ہوئے۔ ۱۳۳۱ھ میں دارالعلوم (دیوبند) کے درجہ عربی میں باقاعدہ داخلہ لے کر ۱۳۳۵ھ تک درس نظامی کا نصاب پورا کیا۔

۱۳۳۶ھ میں حضرت مفتی شفیعؒ نے فنون کی بقیہ چند کتابیں قاضی اور میر زاہد اور امور عامہ وغیرہ پڑھنا شروع کیا تھا کہ اسی سال میں اکابر دارالعلوم نے آپ کو کچھ سبق پڑھانے کے لئے دیدیئے، اس طرح ۱۳۳۶ھ آپ کی تعلیم و تعلم کا مشترکہ سال تھا، ۱۳۳۷ھ سے باقاعدہ دارالعلوم میں تدریس کی خدمت پر لگا دیا گیا۔

دارالعلوم کی چھبیس سالہ خدمت درس و فتویٰ کے ساتھ خاص خاص موضوعات پر تصنیف کا بھی سلسلہ جاری رہا، مجدد الملت حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی

تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضری کا شرف تو طالب علمی کے زمانے میں بھی ہوتا تھا مگر ۱۳۴۶ھ میں تجدید بیعت کے ساتھ مسلسل حاضر باشی کا شرف حاصل ہوا جو تقریباً بیس سال حضرت اقدس کی وفات رجب ۱۳۶۲ھ تک جاری رہا۔ (۱۳۴۹ھ یعنی ۱۹۳۱ء میں حضرت حکیم الامتؒ نے آپ کو اپنا مجاز بیعت بنایا)

تفسیر معارف القرآن کے علاوہ آپ نے اسلامی علوم پر خصوصاً بعض اہم مسائل پر معیاری کتب کی تصنیف و تالیف فرمائی۔ آپ نے کراچی میں دارالعلوم کی بنیاد ڈالی اور تاحیات اس کے صدر رہے۔

حضرت مفتی صاحبؒ سے تعلق کے بارے میں حضرت عارفیؒ اپنے ایک مضمون میں رقمطراز ہیں۔

"حضرت مفتی صاحب سے خانقاہ تھانہ بھون میں وقتاً فوقتاً ملاقات تو ہوتی رہی لیکن کسی تفصیلی تعارف یا کثرت مجالست کی نوبت نہیں آئی۔ ہاں! تعارف خاص اور خصوصی تعلق اس وقت پیدا ہوا جب میں ۱۹۵۰ء میں پاکستان آیا اور مجھے معلوم ہوا کہ حضرت مفتی صاحب کراچی میں تشریف رکھتے ہیں۔ اس وقت پہلی بار میرے دل میں شدت کے ساتھ یہ داعیہ پیدا ہوا کہ حضرت مفتی صاحب کی ذات گرامی کو غنیمت سمجھنا چاہئے وجہ یہ تھی کہ اگرچہ مجھے بحمداللہ حضرت حکیم الامتؒ سے عرصہ دراز تک تعلق کا شرف حاصل رہا لیکن مجھے کبھی بھی اپنی حالت پر اطمینان نہیں ہوا۔ میں یہ سمجھتا تھا کہ میں نے کچھ حاصل نہ کیا اس لئے مجھ میں ایک تشنگی اور تڑپ تھی اور اپنی حالت کو معتبر اور مستند بنانے کا ہمیشہ دھیان رہتا تھا۔ اس لئے کراچی پہنچنے کے بعد میں نے حضرت مفتی صاحبؒ کی ذات کو اپنے لئے غنیمت سمجھ کر آپ سے تعلق قائم کیا۔ حضرت مفتی صاحب نے مجھ پر پہلے سے ہی کرم فرمانا شروع کر دیا تھا۔ آپ مجھ سے بے گانہ نہیں تھے اور نہ صرف رسمی تعلق تھا بلکہ ان کے دل پر بھی میرے بارے میں ایک تاثر تھا اور وہ بھی ایک بڑے عجیب و غریب واقعہ (ملاحظہ فرمایئے مضمون زیر عنوان "حضرت حکیم الامتؒ کی نظر

میں حضرت عارفی ؒ) کی بنا پر تھا جس سے حضرت مفتی صاحب کا اپنے شیخ سے مضبوط تعلق واضح ہوتا ہے۔ میں حتی الامکان اپنا کوئی اہم کام حضرت مفتی صاحب سے مشورہ کے بغیر نہیں کرتا تھا۔ میرے دل میں آنحضرت ﷺ کی وہ احادیث جمع کرنے کا داعیہ پیدا ہوا جو زندگی کے ہر شعبے سے متعلق آپ کی سنتوں پر مشتمل ہوں تاکہ ان کو یاد کرکے ان پر عمل کیا جائے۔ چنانچہ میں نے مختلف کتابوں سے احادیث کا ایک بڑا حصہ جمع کر لیا۔ میں ان کو حضرت مفتی صاحبؒ کی خدمت میں لے گیا۔ حضرت نے فرمایا کہ ''بھائی میں تو علیل ہوں البتہ میں اسے کسی عالم کو دکھادوں گا۔'' اس کے کچھ عرصہ کے بعد جب میں حاضر ہوا تو فرمانے لگے کہ میں نے اسے دکھالیا ہے۔ مجموعہ تو بڑا اچھا اور مفید تیار ہو گیا ہے اور بحیثیت مجموعی احادیث معتبر بھی ہیں لیکن بہت سی احادیث ایسی کتابوں کے حوالہ سے بھی لے لی گئی ہیں جن کے مولفین غیر معتبر ہیں۔ اس کے بعد آپ نے سیرت وحدیث کی بعض مستند کتابوں کے نام بتائے کہ اگر صرف ان کتابوں پر اکتفا کیا جاتا تو بہتر تھا۔ خدا معلوم مجھ پر کیا حالت طاری ہوئی کہ میں نے عرض کیا کہ میں اپنے اس تمام کام کو کالعدم سمجھ کر اسے ازسرنو آپ کی ہدایت کے مطابق انجام دوں گا۔ چنانچہ میں اس کے بعد ڈھائی سال مسلسل اس کام میں لگا رہا اور اس کے بعد جو مجموعہ لے کر گیا اسے دیکھ کر آپ بہت خوش ہوئے، دعائیں دیں اور اس پر میرے کچھ کہے بغیر ایک مقدمہ بھی تحریر فرمایا اور کتاب کا نام بھی خود ہی ''اسوہ رسول اکرم ﷺ'' تجویز فرمایا''

''میں نے جس مقصد کے لئے حضرت مفتی صاحب سے تعلق قائم کیا تھا الحمد للہ وہ پورا ہوا۔ میرا مقصد یہ تھا کہ میرا تعلق ان کے واسطے سے اپنے شیخ کے ساتھ قائم اور مضبوط رہے کیونکہ میں اپنے آپ کو ناقص سمجھتا تھا۔ بحمداللہ حضرت مفتی صاحب کے تعلق کے بعد وہ تعلق قوی اور مستحکم ہو گیا اور میں نے اپنا مقصد پا لیا۔ لیکن قدر مردم بعد مردن۔ حقیقت یہ ہے کہ اب میری تشنگی کا بڑا سبب یہی ہے کہ مجھے حضرت مفتی

صاحب کی کما حقہ قدر و منزلت اور مقامات باطنہ کے علوم کا صحیح عرفان حاصل نہ ہوا اور میں ان سے معتد بہ استفادہ نہ کر سکا مگر یہ حقیقت بھی میرے لئے نہایت مغتنم ہے کہ مجھے ان سے والہانہ عقیدت اور محبت تھی اور انہوں نے بھی میرے ساتھ نہایت محبت و عقیدت کا بے مثال تعلق رکھا۔ اللہ تعالیٰ کا یہ میرے اوپر عظیم احسان و انعام ہے اور انشاء اللہ میرے لئے سرمایہ آخرت ہے۔" (البلاغ، کراچی ص ۳۶)

حضرت عارفیؒ اور حضرت مفتی صاحبؒ کے باہمی تعلق کے متعلق حضرت عارفیؒ کے بڑے صاحبزادے حسن عباس صاحب نے ایک عجیب واقعہ بیان فرمایا۔

"ایک روز حضرت مفتی صاحب مکان پر تشریف لائے تو والد صاحب سے فرمایا کہ آپ کا کمرہ دیکھنا چاہتا ہوں۔ میرے چھوٹے بھائی مستحسن عباس موجود تھے وہ مفتی صاحب کو اندر کمرہ میں لے گئے۔ وہاں انہوں نے دریافت فرمایا کہ ڈاکٹر صاحب کا بستر کون سا ہے ان کو بتایا گیا تو آپ اس پر تشریف فرما ہوئے اور فرمایا کہ میں کورنگی سے محض اس پر بیٹھنے آیا تھا۔" (البلاغ، کراچی ص ۴۳)

حضرت عارفیؒ اپنی تالیفات کو جب تک حضرت مفتی صاحب بقید حیات تھے آپ کی خدمت میں پیش فرمایا کرتے تھے اور ان کی منظوری کے بعد ہی اشاعت کے لئے دیا کرتے تھے۔ حضرت مفتی صاحب نہ صرف ان کا غائر مطالعہ فرما کر اپنے مفید مشوروں سے نوازا کرتے بلکہ ان پر تقاریظ بھی تحریر فرمایا کرتے تھے۔

حضرت مفتی صاحبؒ نے حضرت عارفیؒ سے قوی تعلق کی وجہ سے اپنے دونوں چھوٹے صاحبزادگان مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب اور مولانا محمد تقی عثمانی صاحب کو حضرت عارفیؒ سے بیعت ہونے کی ترغیب دی اور ان دونوں صاحبزادگان کو اپنے ہمراہ لے کر آپ کی خدمت میں تشریف لائے اور بیعت کرایا اور تربیت باطنی کے لئے آپ کے سپرد کر دیا جبکہ حضرت مفتی صاحبؒ بذات خود حضرت حکیم الامتؒ کے مجاز بیعت تھے۔ اس سلسلہ میں مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب رقمطراز ہیں۔

حضرت والد صاحب نے فرمایا کہ "اصلاح باطن فرض عین ہے۔ لہٰذا اس میں تو تاخیر جائز ہی نہیں...... اس لئے میرا مشورہ تم بھائیوں کے حق میں یہی ہے کہ حضرت ڈاکٹر عبدالحیؒ صاحب سے بیعت ہو جاؤ۔ اس ناکارہ سے تعلق کے باعث تم پر خصوصی توجہ فرمائیں گے۔ اور انشاء اللہ تم کو ان سے بہت نفع ہوگا۔

یہ ضرور ہے کہ وہ ضابطہ کے "اصطلاحی عالم" نہیں مگر "عالم گر" ہیں۔ جو علوم ان کے پاس ہیں، ظاہر بین خشک علماء کو ان کی ہوا بھی نہیں لگی، بلکہ ضابطہ کے فارغ التحصیل علماء کو ایسے مصلح سے بیعت ہونے میں ایک مزید فائدہ یہ ہوتا ہے کہ علم کا جو "خناس" بہت سے ظاہر بین علماء کے دل میں پیدا ہو جاتا ہے، وہ ایسے مرشد کی خدمت و تربیت میں جلدی دور ہو جاتا ہے...... غرض ایک روز حضرت والد صاحب کے ساتھ احقر اور برادر عزیز مولانا محمد تقی عثمانی صاحب سلمہ حضرت ڈاکٹر صاحب کے مطب میں حاضر ہوئے۔ حضرت والد صاحب نے ہم دونوں (بھائیوں) کا مختصر حال اور مقصد بیان فرمایا، حضرت ڈاکٹر صاحب نے توقع کے عین مطابق نہایت بشاشت کے ساتھ منظوری عطا فرمادی، والد صاحب سے فرمایا کہ آپ کے اس ارشاد کے بعد میں اس معاملہ میں تواضع سے کام نہ لوں گا، اور جو خدمت بن پڑے گی اس سے دریغ نہ کروں گا۔"

(البلاغ، کراچی ص ۱۵۱، ۱۵۲)

حضرت مفتی صاحبؒ جب تک دارالعلوم کورنگی منتقل نہیں ہوئے تھے حضرت عارفیؒ آپ کی خدمت میں اکثر تشریف لے جایا کرتے تھے۔ اس سلسلہ میں مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب مزید تحریر فرماتے ہیں۔

"جب یہ تینوں بزرگ (حضرت مفتی محمد شفیع صاحب، حضرت عارفی صاحب اور بابا نجم احسن صاحبؒ) جمع ہو جاتے تو عجیب پر کیف سماں ہوتا تھا، لطیفے، بے تکلفانہ، حکیمانہ اور ادیبانہ چٹکلے، روایات و حکایات، عشق و محبت میں ڈوبے ہوئے اشعار، احکام و مسائل، امور شریعت و طریقت اور خاص طور پر حکیم الامت حضرت تھانویؒ کے

واقعات ملفوظات، ان ملاقاتوں کی جان ہوتی تھی۔" (البلاغ، کراچی ص۱۴۶)

حضرت مفتی صاحبؒ جب دارالعلوم کورنگی منتقل ہوگئے تو اس کے بعد ان دونوں بزرگوں کے درمیان خط وکتابت کا سلسلہ جاری ہوا۔ حضرت عارفیؒ کے بہت سے مکتوبات بنام حضرت مفتی صاحب میں سے تبرکاً ایک خط کا اقتباس پیش کیا جاتا ہے۔

"آپ کی ناسازی طبع کی اطلاع اجمالاً ہوچکی تھی۔ دعائے صحت وعافیت برابر جاری ہے۔ اللہ تعالیٰ قبول فرمادیں اور آپ کو قوت وصحت کے ساتھ ہم لوگوں کی اصلاح و فلاح کی ہدایت کے لئے زندہ وسلامت رکھیں۔ آمین

میرا جی خود چاہتا ہے کہ کسی وقت حاضر خدمت ہوکر شرف وطمانیت قلب حاصل کروں لیکن مختلف معذورات میں مبتلا ہوں" (البلاغ، کراچی ص۱۵۹)

حضرت عارفیؒ کا حضرت مفتی صاحبؒ اور ان کے خاندان کے افراد سے تعلق اتنا گہرا تھا جس کی مثال بہت کم ملتی ہے۔ آپؒ نے حضرت مفتی صاحبؒ کے وصال کے بعد بھی ان کے خاندان کے افراد سے ویسا ہی تعلق برقرار رکھا جیسا حضرت مفتی صاحبؒ سے تعلق رکھتے تھے۔

حضرت مفتی صاحب نے ۸۲ سال عمر پاکر ۱۱ر شوال ۱۳۹۶ھ کو داعی اجل کو لبیک کہا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون.

آپ کی جنازہ کی نماز حضرت عارفیؒ نے پڑھائی۔ آپ دارالعلوم کراچی کے قبرستان میں مدفون ہیں اور ان کے سرہانے حضرت عارفیؒ مدفون ہیں۔

حضرت علامہ سید سلیمان ندوی صاحبؒ

حضرت علامہ سید سلیمان ندوی صاحب رحمتہ اللہ علیہ ۲۲ر نومبر ۱۸۸۴ء کو دیسنہ ضلع پٹنہ (صوبہ بہار، بھارت) میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد حکیم ابوالحسن صاحب عالم دین اور نقشبندی ابوالعلائی سلسلہ کے شیخ کامل تھے۔ حضرت سلیمان ندویؒ فارغ

التحصیل ہونے کے بعد ماہنامہ "الندوہ" کے ایڈیٹر مقرر ہوئے۔ ڈھائی تین سالہ دور میں آپ نے اسلام اور جدید علوم و فنون پر مضامین تحریر فرمائے۔ اسی زمانہ میں آپ کو ندوہ میں استاد مقرر کیا گیا۔ اس کے بعد آپ پونا کالج چلے گئے جہاں تصنیف و تالیف کا کام جاری رکھا۔ ۱۹۲۹ء میں حکیم الامتؒ سے خط و کتابت کے ذریعہ تعلق پیدا ہوا جب کہ یہ دونوں حضرات ایک دوسرے کو جید عالم کی حیثیت سے جانتے تھے۔ حضرت حکیم الامتؒ سے آپ کی پہلی ملاقات ۱۹۳۵ء میں ہوئی۔ اگست ۱۹۳۸ء میں آپ بیعت ہوئے اور اکتوبر ۱۹۴۲ء میں آپ کو خلافت دی گئی۔

حضرت عارفیؒ کا حضرت سید سلیمان ندویؒ سے کب تعلق پیدا ہوا، اس کا کہیں تذکرہ نہیں ملتا۔ چونکہ ان دونوں حضرات کا حضرت حکیم الامتؒ سے تعلق تھا اور ان دونوں کی آمدورفت تھانہ بھون ہوا کرتی تھی، لہٰذا وہاں ان دونوں کا تعارف ہوا ہوگا اور خط و کتابت اور ملاقاتوں کا سلسلہ شروع ہوا ہوگا۔ بہر حال بقول حسن عباس صاحب:

جب حضرت سید سلیمان ندوی صاحب جونپور تشریف لائے تو ۳/ نومبر ۱۹۴۳ء کو حسب ذیل اشعار لکھ کر والد صاحب کو دیئے۔

تیرے روئے روشن پہ وہ نور ہے
کہ بے پردہ ہو کر بھی مستور ہے
چلا چل تو منزل بہ منزل یونہی
ٹھہرنے کی منزل ابھی دور ہے
کشش پر ہے قائم نظام وجود
یہ گھر اک محبت سے معمور ہے
نہ جانے وہ ہیں جلوہ فرما کہاں
جدھر دیکھئے نور ہی نور ہے
تراوش سے خون جگر کی نہ ڈر

کہ مرہم سراپا یہ ناسور ہے
یہ عالم ہے دل کا غم عشق میں
کہ مغموم ہوکر بھی مسرور ہے
ابھی قطع کر اور راہ طلب
مقام محبت بہت دور ہے
یہاں آج پہلی غزل یہ ہوئی
یہ آغاز فیض جونپور ہے

(البلاغ کراچی ص ۴۳، ۴۴)

چونکہ حضرت عارفیؒ اپنے شیخ حضرت حکیم الامتؒ کے رنگ میں پوری طرح رنگے ہوئے تھے اس لئے حضرت علامہ سید سلیمان ندویؒ حضرت عارفیؒ کے بڑے معتقد تھے۔ آپ سے محبت فرماتے تھے اور آپ کا بڑا احترام کرتے تھے۔ سید صاحب کی آپ سے عقیدت، محبت اور احترام کی جھلک آپ کے مندرجہ ذیل خطوط بنام حضرت عارفیؒ میں تحریر کردہ ارشادات سے دیکھی جا سکتی ہے۔

آپ اپنے مکتوب مورخہ ۱۵ر ستمبر ۱۹۴۴ء میں رقمطراز ہیں:

"بحمد اللہ اس رمضان میں سب کچھ بہتر رہا اور یہ سب اللہ تعالیٰ کے فضل سے ہوا جس کا مظہر آپ کا حسن توجہ ہے۔"

مکتوب مورخہ ۱۵ر جولائی ۱۹۴۶ء میں تحریر فرماتے ہیں:

"آپ کا یہ خادم، نیاز مند آپ سے جدا ہونے کے بعد مہینوں آوارہ گرد ...... بھوپال پہنچا۔"

مکتوب مورخہ ۷ ۲ر فروری ۱۹۴۷ء میں یوں تحریر کرتے ہیں:

"آپ سے دعا کا طالب ہوں۔ اپنے احوال میں ترقی کے بجائے تنزل پاتا ہوں اور دوسرے تیز و چابک دست دوستوں کی تیز رفتاری دیکھ کر اپنی سست رفتاری پر حسرت

ہوتی ہے۔"

مکتوب مورخہ ۸/ مارچ ۱۹۴۸ء میں رقمطراز ہیں:

"اپنے اخوان طریقت میں آپ کے عنایات سے بے حد متاثر ہوں اور یہ بھی میرے لئے ایک نعمت ہے۔"

مکتوب مورخہ ۱۲/ مئی ۱۹۴۸ء میں تحریر فرماتے ہیں:

"آپ کی ملاقات کا شوق بے پایاں ہے۔ اپنے بزرگوں اور دوستوں کے لئے ترس گیا ہوں۔"

اور مکتوب مورخہ ۲۶/ جولائی ۱۹۴۹ء میں یوں لکھتے ہیں:

"آپ کی محبت کا شکریہ، وہ میری اصلاح کا باعث ہو رہی ہے کیونکہ خیال ہوتا ہے کہ مجھ جیسے ہیچ کارسے جب آپ جیسے لوگ اپنا تعلق خاطر ظاہر کریں تو شرم آتی ہے اور یہ دعا مانگنے کو جی چاہتا ہے کہ "اے پروردگار مجھے حقیقۃً ویسا ہی بنا جیسے میرے دوست اپنی محبت اور حسن ظن سے وہ مجھے سمجھتے ہیں۔" ذٰلِكَ فَضْلُ اللهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ

حضرت عارفیؒ کے ذخیرہ خطوط میں سے ۲۸ خطوط حضرت سید سلیمان ندویؒ کے بنام حضرت عارفیؒ دستیاب ہوئے، (پہلا خط مورخہ ۱۹/ اپریل ۱۹۴۵ء کا ہے) جن میں سے دو کے اقتباسات حسب ذیل ہیں:

(۱) "والا نامہ مشتمل بر تحریر پر تاثیر بدست عزیزی سید حسین سلمہ ملا، جو آپ کے دلی جذبات کا آئینہ ہے، حقیقت یہ ہے کہ عزیز موصوف کے ذریعہ ڈاکٹر عبدالحیؔ نہیں بلکہ ایسا بھائی مجھے ملا، جس کے اخلاص اور محبت پر پورا بھروسہ تھا اور ہے اور عزیز موصوف کو ایک شفیق عزیز و شفیق مشیر میسر آیا جس کا مشورہ اور اشارہ پر ان کو اور ہم کو یعنی ہمارے سارے گھر کو بے انتہا بھروسہ تھا۔ ہم اپنی غیر حاضری سے بھی آپ کی موجودگی کے باعث پوری طمانیت رکھتے تھے۔ قرب مکانی اور سہولت تو خیر کہنے کی بات ہے، حقیقت میں آپ کا وجود ہم سب کی تسلی کا باعث تھا جس سے دونوں کو

روحانی واخلاقی وانتظامی تربیت کا موقع ملا۔

بہر حال قصد یہی ہے اور اللہ تعالیٰ سے دعا بھی ہے کہ یہ اتفاقی عقد مواخات، حقیقی وبہ تکرار عقد مواخات حاصل ہو۔ میرے گھر کے تاثرات بھی یہی ہیں اور مجھ جیسا مریض جو ہر وقت آپ کی تدابیر کا محتاج ہے دعا فرمائیے کہ ہمارے یہ تعلقات طرفین کی دینی ودنیاوی بھلائی اور خیر وفلاح کا باعث ہوں اور آپ کے فیض صحبت سے آئندہ بھی برکات حاصل ہوں۔" (مکتوب مورخہ ۳۰ راپریل ۱۹۴۵ء)

(۲) "آپ کا لفافہ (خط) پڑھ کر عہد قدیم کی پوری تصویر سامنے آگئی۔ جب کہ میں آپ کے خوان کرم کی زلہ ربائی کرتا تھا اور آپ کے فیضان محبت سے مستفید ہوا کرتا تھا۔ خدا کا شکر ہے کہ ہم دونوں کے دلوں میں ان کی یاد، محبت اور مسرت کے ساتھ قائم ہے اور یہ بڑی نعمت ہے ورنہ اکثر دیکھا گیا ہے کہ جمع واجتماع طویل کا خاتمہ افسوس ناک ہوتا رہا ہے لیکن یہ آپ کی مخلصانہ کرم فرمائی تھی کہ ہماری طویل ملاقات اور بار بار ملاقات اضافہ محبت اور حسن اعتماد باہم کا سبب بنتی رہیں اور یہ سب حضرت والاؒ کی کرامت ہے کہ جس کے باطنی سیمنٹ (تعلق) نے دو دلوں کو اس طرح جوڑ دیا۔

میرے آپ کے درمیان کی بے تکلفی، طرفین سے بحمد اللہ سوادب اور گستاخی کی حد تک کیا، اس کے قریب تک بھی کبھی نہیں پہنچی۔ ماشاء اللہ آپ کی محتاط وسنجیدہ وشریفانہ ومتحملانہ عادت وطبیعت سے یوں بھی کسی کو تکلیف نہیں پہنچ سکتی اور میرے ساتھ تو آپ نے ہمیشہ بزرگ کا رشتہ رکھا جس کا میں مستحق نہ تھا اس لئے آپ کے دل میں یہ خلش ہی کیسے پیدا ہوئی کہ آپ سے سوءادب کا ارتکاب ہوا ہے۔ لیکن چونکہ آپ کا دل تسلی کو جویا ہے وہ میری خاموشی سے حاصل نہیں ہو سکتی ہے، اس لئے عرض ہے کہ بالفرض اگر آپ سے کوئی ایسا قول وفعل سرزد ہوا جس کو سوءادب پر محمول کیا جائے تو میں نے دل سے آپ کو معاف کیا اور اسی طرح آپ بھی معاف فرمادیں اور یہ کہنے کو جی چاہتا ہے کہ اپنے نصائح وپند سے مجھے فائدہ پہنچاتے رہیں۔" (مکتوب مورخہ ۱۴؍اپریل ۱۹۴۹ء)

حضرت سید سلیمان ندویؒ اور حضرت عارفیؒ ایک دوسرے سے والہانہ محبت فرمایا کرتے تھے اور ان دونوں میں طویل رفاقت رہی۔ حضرت سلیمان ندویؒ کا انتقال ۱۵ ربیع الاول ۱۳۷۳ھ (۲۳/ نومبر ۱۹۵۳ء) بعد مغرب ہوا۔ اس وقت آپ کی عمر ۶۹ سال تھی۔

حضرت سید سلیمان ندویؒ کے سانحہ ارتحال کو اپنی یادداشتوں میں حضرت عارفیؒ نے یوں تحریر فرمایا:

"بعد نماز مغرب بمقام دارالمزمل، چمن اسٹریٹ، جہانگیر روڈ، کراچی (حضرت سید سلیمان ندویؒ نے) نماز مغرب اٹھ کر پڑھی۔ لیٹ گئے کچھ غنودگی رہی، اسی میں تشنج ہلکا سا ہوا، ایک ہلکی سی ہچکی کے ساتھ خواب ابدی میں استراحت فرمائی۔ آدھ گھنٹے کے بعد مجھ کو مطب میں اطلاع ہوئی۔ مکان پر حاضر ہوا۔ کتھئی رنگ کی اونی چادر اوڑھے متانت کے ساتھ آنکھیں بند کئے لیٹے تھے۔ میں نے باچشم نم دست مبارک کا بوسہ دیا۔

دوسرے دن صبح اول وقت میں، بعد نماز فجر مکان پر پہنچ گیا۔ غسل کے لئے تختے پر (جسم مبارک کو) اتارا جاچکا تھا۔ غلام محمد صاحب مولوی اکرم صاحب اور صوفی محمد ادریس صاحب غسل دینے کے لئے مصروف تھے۔ میں بھی اس سعادت میں شریک ہوگیا۔ میں نے پیشانی مبارک کو بوسہ دیا۔ داہنے ہاتھ کی انگلیوں کو چوم کر آنکھوں سے لگایا، سر مبارک کو کئی بار درمیان غسل ہاتھ سے اٹھایا۔ بعد غسل اپنے ہاتھ میں عطر لے کر سر اور داڑھی پر لگایا۔ غلاف کعبہ سینہ اقدس پر رکھا گیا۔ میت کے ساتھ تقریباً ۳ ہزار کا مجمع تھا۔ نیوٹاؤن کی زیر تعمیر بڑی مسجد کے احاطہ میں وسط مسجد کے دروازے کے سامنے جنازہ رکھا گیا۔ ان کی بیوی صاحبہ اور سلمان میاں (ان کے صاحبزادے) نے نماز جنازہ مجھ کو ادا کرنے کی ابدی سعادت عطا فرمائی۔ تقریباً ۵ ہزار کا مجمع نماز میں تھا۔ تقریباً تین چوتھائی حصہ تعلیم یافتہ اور معزز حضرات کا تھا۔ سب کی آنکھیں پرنم تھیں۔ مصر،

شام، عرب کے سفیر ہمراہ تھے۔ مزار شریف اسلامیہ کالج، کراچی، علامہ شبیر احمد عثمانی کے مزار شریف کے شمال جانب بنایا گیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

حضرت نجم احسن نگرامی صاحبؒ

حضرت حکیم الامتؒ کے مجاز صحبت حضرت نجم احسن نگرامی صاحبؒ جو بابا نجم احسن کے نام سے معروف ہیں "بزم اشرف کے چراغ" میں اپنے متعلق تحریر فرماتے ہیں۔ "میری پیدائش اپنے آبائی وطن قصبہ نگرام ضلع لکھنؤ میں ۱۳۱۰ھ (۱۸۹۳ء) میں ہوئی۔ میری تعلیم پہلے گھر میں اس زمانے کے دستور کے مطابق فارسی اور شدبد عربی کی صرف ونحو وغیرہ، کی ہوئی اور پھر انگریزی (تعلیم) میں لگ گیا۔ ساری تعلیم لکھنؤ میں ہوئی۔ ۱۹۱۶ء میں لکھنؤ سے بی اے اور ۱۹۱۸ء میں ایل ایل بی الہ آباد سے کیا۔ اکتوبر ۱۹۲۶ء میں بہ اجازت حضرت (حکیم الامتؒ) کی خدمت میں تھانہ بھون گیا، کچھ روز قیام بھی رہا اور مہمان بھی حضرت ہی کا رہا۔ دوسری بار حاضری میں دست بہ دست بیعت نصیب ہو گئی اور غالباً پانچویں یا چھٹے سال حضرت نے مجاز صحبت کی چپراس باندھ دی۔ ۱۹۵۳ء میں ہندوستان سے کراچی آ گیا۔ کئی اخوان طریقت نے اجازت بیعت بھی دی اور اصرار بھی کیا کہ یہ بھی کرو، مگر یہاں وہی چپراس جو حضرت (حکیم الامتؒ) نے باندھ دی تھی تاج شاہی سے زیادہ نظر آتی ہے۔ (بزم اشرف کے چراغ)

حضرت بابا نجم احسن نگرامیؒ اور حضرت عارفیؒ میں ایک خصوصی تعلق تھا جس کا اندازہ آپ کی ان تقاریظ سے ملتا ہے جو حضرت عارفیؒ کی مختلف تالیفات پر آپ نے تحریر فرمائیں۔ "افادات عارفیہ" مرتبہ مسعود احسن صاحب میں آپ نے تحریر فرمایا۔

"زمانہ ہوا کہ بلا تکلف کچھ اشعار تصور میں حضرت عارفیؒ سے مخاطبت کے طور پر ہو گئے تھے وہ ہدیۃً مسعود احسن صاحب کی خدمت میں پیش کرتا ہوں اور وہ اشعار یہ ہیں۔

ناگوارا شد گوارا عارفی
تلخ تر کن بادہ ہارا عارفی
جرعہ از بادہ شوقم بدہ
اے سرت گردم خدارا عارفی
تیز تر کن تیز تر کن تیز تر
بادہ ہا کن بادہ ہارا عارفی
نکہتے از زلف مشکینش بیار
روز کن شب ہائے مارا عارفی
نغمہ در یاد یار حق زن
زندہ ہا کن مردہ ہا را عارفی
مے بہ جام و مے بہ کام و مے بہ لب
مے فروشی مے گسارا عارفی
بوئے آں دلبر چو پراں می شود
حسن ساز و عشق ہارا عارفی
مست خواندی نغمہ ہائے اشرفی
مست کردی جان مارا عارفی
چوں ز تھانہ شمس اشرف رخ نمود
لعل گشتہ سنگ خارا عارفی
تھانہ ہم قونیہ ہم تبریز ما
رومیؒ و شمسؒ ست مارا عارفی
حرفہا از گفتہ اشرف بزن
سرّ حق گو آشکا را عارفی

عارفی راپیچ زلفش گنج خلد
شانہ آن زلف دو تا را عارفی
"یاد یار مہرباں" شد شعر او
احسن آتش نوا را عارفی

حضرت بابا نجم احسن صاحبؒ کے حضرت عارفیؒ سے خصوصی تعلق کے سلسلے میں حسن عباس صاحب، تحریر فرماتے ہیں

"ان کو (حضرت بابا نجمؒ) حضرت والد صاحبؒ کے ساتھ بڑا خصوصی تعلق تھا۔ ایک مرتبہ انہوں نے لاہور سے (مورخہ ۲۵ر دسمبر ۱۹۶۱ء کو) چند اشعار حضرت والد صاحبؒ کو لکھ کر بھیجے جن سے ان کے خصوصی تعلق کا اظہار ہوتا ہے۔

اشعار یہ ہیں۔

محبت کا یہ طرفہ انداز ہے
فغاں میری محروم آواز ہے
نہ دم ہے زباں میں نہ دل میں سکت
خموشی محبت کی آواز ہے
سلامت رہو باکرامت رہو
بہ صحت رہو بافراغت رہو
خدا نعمتیں اپنی بھرپور دے
سدا صدر بزم محبت رہو
خدا دے تمہیں عمر نوح و خضر
شفا بخشیوں کی ہو تم پر نظر
کرو کار اصلاح و تبلیغ خوب
بنو عارفی سکہ معتبر

(البلاغ، کراچی ص ۵۲)

حضرت عارفیؒ نے اپنی یادداشتوں میں آپ کے متعلق یوں تحریر فرمایا:

"محبّ صادق مولانا محمد نجم احسن...... کراچی آنے کے بعد گوشہ نشین ہو گئے تھے۔ اپنے شاگرد رشید محمد ایوب صاحب کے مکان پر تقریباً ۲۰ سال سے زائد قیام پذیر تھے۔ کراچی کے مسلمانوں کے لئے خیر و برکت کی دعاؤں کا مرکز تھے۔ ان کی ذات گرامی سے بیسیوں لوگوں کے عقائد درست ہوئے۔ اعمال صالحہ کی توفیق ہوئی۔ نوجوانوں نے داڑھیاں رکھ لیں۔ نماز کے پابند ہو گئے۔ طرز تربیت بڑا سیاستانہ (Diplomatic) تھا۔ جس سے لوگوں کو تنبہ ہوتا تھا اور وہ قدردانی سے ان کے حکم کی تعمیل کرتے تھے۔ غرضیکہ ایک مرکز تھا ان کی ذات فیض رساں کا جو اپنا کام کر کے ۸۶ سال (قمری) کی عمر میں واصل حق ہو گیا۔ نماز جنازہ پڑھانے کی سعادت مجھے نصیب ہوئی۔ اللہ تعالیٰ اس کو سرمایہ آخرت بنادے۔ (آمین)"

"حضرت بابا نجم احسن صاحبؒ کا چہار شنبہ بتاریخ ۱۹ر رمضان المبارک ۱۳۹۶ھ مطابق ۱۵ر ستمبر ۱۹۷۶ء کو صبح ۷ بجے انتقال ہوا۔ رات کو ۳ بجے سینہ پر بوجھ، تکلیف، متلی وقے، کرب و بے چینی کا عالم تھا۔ کچھ وقفہ سکون کی حالت میں کلمہ طیبہ ورد کرتے ہوئے آپ کی روح پرواز کر گئی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون. آپ قبرستان سخی حسن، شمالی ناظم آباد کراچی میں مدفون ہیں۔"

نظام الاوقات

حضرت عارفیؒ کے یہاں نظام الاوقات کی بڑی اہمیت تھی۔ جمعہ ۷ر جنوری ۱۹۸۳ ء کی مجلس میں آپ نے فرمایا۔

"یہ تمام عمر کا تجربہ ہے اور اتنی عمر کو پہنچنے کے بعد کہتا ہوں کہ ایک چیز جو بڑی قابل قدر ہے 'اور اس کی قدر جان لینا اور پہچان لینا یہی خلاصہ ہے شریعت و طریقت اور سنت کا وہ ہے "وقت" جو گرانمایہ چیز ہے 'جس نے وقت کی قدر کر لی اس نے سب کچھ حاصل کر لیا۔ ہمارے پاس جو عمر ہے وہ بہہ رہی ہے پانی کی طرح 'ہر لمحہ قیمتی سے قیمتی ہے اور یہ برق رفتاری سے گزرتی چلی جا رہی ہے۔

ہو رہی ہے عمر مثل برف کم
چپکے چپکے رفتہ رفتہ دم بدم

ان لمحات میں ' حواس باختہ زندگی میں ایک گردش اشغال ہے ' اگر ان میں کچھ لمحات سکون اور عافیت کے مل جائیں تو سمجھو کہ یہی سرمایہ حیات ہے۔ یقین رکھو سرمایہ حیات وہی لمحات ہیں جو اللہ کی یاد میں گزر جائیں 'اللہ کے ذکر میں گزر جائیں۔

دنیا کی دولت ہیچ ہے ان لمحات زندگی کے مقابلہ میں جس میں اللہ کا بندہ اللہ کے سامنے بیٹھ جائے۔ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اس کا ایک بندہ عاجز اور اس کے نبی محبوب ﷺ کا امتی چند لمحے کے لئے بھی بیٹھ جائے تو بس اس کے لئے سرمایہ ہے اور ایمان کا حاصل ہے۔ تو بھائی اس کی قدر کرو 'وقت بڑی قدر کی چیز ہے 'ہر وقت انقلاب ہے 'ہر لمحہ انقلاب ہے خدا معلوم ہمیں آج جو سکون حاصل ہے کل حاصل ہو یا نہ ہو ' شکر ادا کیا

کرو' اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے جس چیز پر شکر ادا کرو گے ہم اسے اور بڑھا دیں گے۔"[۱]

حضرت عارفیؒ کے وقت کی قدر دانی کے متعلق محمد عشرت علی قیصر صاحب رقم طراز ہیں۔

"بارہا حضرت کی زبان مبارک سے یہ سنا کہ عمر بھر کے تجربہ کی ایک بات بتاتا ہوں کہ اپنے نظم الاوقات کی پابندی کرو۔ وقت بڑا گرانقدر سرمایہ زندگی ہے۔ اگر وقت پر کام کرنے کی عادت پڑ گئی اور اس پر مداومت حاصل کر لی تو پھر وقت تمہارا خادم بن جائے گا۔ حضرت اپنے معمولات وقت پر ادا کرنے کی ایک ایسی مثال تھے کہ شاذ و نادر ہی کوئی معمول چھوٹا ہو۔ فرمایا کہ طالب علمی کے زمانہ سے جو معمولات شروع کئے وہ الحمد للہ آخر زندگی تک ہوتے رہے۔ صبح کو تلاوت قرآن پاک کا جو وقت مقرر تھا بلاناغہ اسی وقت تلاوت کرتا تھا۔ فرمایا "ایک مرتبہ کالج کے ہوسٹل میں حسب معمول صبح کو تلاوت کر رہا تھا کہ ایک ہم جماعت میرے کمرے کے سامنے کھڑے ہو کر اپنی گھڑی درست کرنے لگا۔ میں نے دریافت کیا کہ آپ یہ کیا کر رہے ہیں تو انہوں نے جواب دیا کہ گھڑی بند ہو گئی تھی وقت ملا رہا ہوں کیونکہ آپ روزانہ ٹھیک اسی وقت تلاوت کرتے ہیں۔ فرمایا کہ عمر بھر میں نے وقت پر کام کیا ہے۔ چنانچہ اس پیرانہ سالی' ضعیفی اور بیماری کے باوجود جب رات کے ۲ بجتے ہیں تو وقت خود مجھے کھڑا کر دیتا ہے۔ حالانکہ نہ جسم میں طاقت ہے اور نہ ہمت ......" حضرت عارفی کامل تھے' وہ رخصت و عزیمت سب کچھ جانتے تھے۔ اس لئے انہوں نے وقت کو اپنے کنٹرول میں کر لیا تھا۔ مداومت معمولات حضرت کی عادت ثانیہ بن گئی تھی۔ ان کی یہ استقامت فوق الکرامت ہے۔ معمولات کا ناغہ ان کی سرشت ہی میں نہ تھا۔"[۲]

حضرتؒ والا نظام الاوقات کی پابندی میں حضرت حکیم الامتؒ کا بالکل نمونہ تھے'

---

[۱] افادات عارفیؒ ص۱۶۶، ۱۶۷

[۲] ماہنامہ البلاغ کراچی۔ اشاعت خصوصی صفر تا ربیع الثانی ۱۴۰۷ھ ص ۳۸۴

صبح سے شام تک کی تمام تر زندگی ایک مضبوط اور مربوط نظام الاوقات کے تحت گزرتی تھی۔"

معمولات

حضرت نے اپنی یادداشتوں میں معمولات یومیہ کے زیر عنوان اپنے اوقات کار کی تقسیم حسب ذیل تحریر فرمائی ہے۔

(۱)اوراد ووظائف صبح گاہی

(۲)مطب، قبل از مطب ایک گھنٹہ تک تلقین و تبلیغ

(۳) قیلولہ

(۴)بعد نماز عصر مخصوص ایام میں عصر تا مغرب کی مجالس اور دیگر ایام میں مطالعہ مواعظ وملفوظات حضرت مولانا تھانویؒ۔

(۵)بعد نماز مغرب مطالعہ وغیرہ

(۶)بعد نماز عشاء اوراد ودیگر معمولات۔

مندرجہ بالا معمولات یومیہ کی تقسیم سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ حضرت والا حقوق اللہ اور حقوق النفس کو پابندی سے ادا کرنے کا کس قدر اہتمام فرمایا کرتے تھے۔

حسن عباس صاحب اپنے والد ماجد کے اواخر عمر کے معمولات زندگی کے متعلق فرماتے ہیں:

"گھریلو زندگی نہایت سادہ تھی، سنت پر عمل کا خاص اہتمام تھا۔ شب و روز، بہت مصروفیت میں گزرتے تھے۔ آرام کا وقت بہت کم ملتا تھا۔ صبح تہجد میں اٹھنے کے بعد کچھ تہجد کی نماز سے قبل دو ایک بسکٹ اور ایک پیالی چائے پینے کا معمول تھا۔ فجر کی نماز پڑھ کر کچھ دیر آرام فرماتے تھے۔ پھر اٹھ کر قرآن شریف کی تلاوت اور اشراق کی نماز کے بعد ناشتہ کرتے تھے اور تقریباً ساڑھے آٹھ بجے مستحسن سلمہ کے ساتھ مطب تشریف

لے جاتے تھے۔ مطب میں کچھ احباب تشریف لاتے تھے اس لئے وہاں بھی روحانی علاج ہوتا تھا' اس کے بعد مریضوں کو دیکھتے تھے۔ واپسی میں شمالی ناظم آباد بلاک اے کی مسجد میں نماز ظہر خالو ظفر احمد صاحب کے ساتھ ادا کرتے تھے پھر کچھ دیر کے لئے ان کے مکان پر ہوتے ہوئے تقریباً ڈھائی بجے گھر پہنچتے تھے۔ کھانا کھا کر تھوڑی دیر قیلولہ فرماتے' تقریباً ۴ بجے اٹھ جاتے تھے اور کچھ لکھنے پڑھنے کا کام کرتے تھے' عصر کے بعد اکثر لوگ ملاقات کے لئے آجاتے تھے یا پھر لکھنے پڑھنے میں مصروف رہتے تھے۔ یہ سلسلہ عشاء کے وقت تک جاری رہتا' خطوط کے جوابات بھی انہی اوقات میں لکھتے تھے۔ پیر اور جمعہ کو عصر سے مغرب تک مجلس میں وعظ فرماتے تھے' عشاء کے بعد کھانا کھاتے اور پھر یا تو آرام کرتے یا خطوط کے جوابات لکھتے' یا پھر کوئی خاص ملاقاتی احباب یا اعزہ میں سے آگیا تو ان سے گفتگو فرماتے۔ سونے سے پہلے اوراد و وظائف کا معمول تھا ...... فرمایا کرتے تھے کہ وقت کو اپنا تابع کرلو تو وقت تمہارا تابع ہوجائے گا اور کاموں میں برکت ہوجائے گی' ارادہ اور ہمت سے بڑے بڑے کام ہوجاتے ہیں۔ فرمایا کرتے تھے کہ جب آنکھ کھلتی ہے تو بغیر سوچے اٹھ بیٹھتا ہوں۔ ایک مرتبہ بخار تھا اور کافی نقاہت تھی تہجد میں حسب معمول آنکھ کھل گئی تو اٹھ کر بیٹھ گئے۔ والدہ صاحبہ نے فرمایا کہ آج تہجد ناغہ کردیجئے جو نفل ہے اور اس حالت میں ناغہ ہوسکتا ہے۔ والد صاحب نے جواب میں فرمایا کہ ٹھیک ہے تیمم کرکے بستر پر بیٹھ کر دو رکعت پڑھ لیتا ہوں تاکہ نام لکھ دیا جائے اور ناغہ نہ ہو۔ پھر خیال ہوا کہ غسل خانہ قریب ہے اس لئے استنجا کے لئے چلے گئے۔ واپس آکر فرمایا کھڑا تو ہو ہی گیا ہوں کیوں نہ نماز کھڑے ہوکر پڑھ لوں۔ چنانچہ نماز کھڑے ہوکر ادا کی۔ بیماری کے علاوہ کبھی بیٹھ کر نماز پڑھتے ہوئے نہیں دیکھا۔

رمضان المبارک میں مجلس کا سلسلہ منقطع رہتا' روزانہ عصر کی نماز مسجد میں ادا کرنے کے بعد مسجد میں مغرب تک تشریف رکھتے۔ قرآن مجید کی تلاوت کرتے رہتے یا اور کوئی وظیفہ پڑھتے' افطار سے قبل دعا مانگتے جس میں وہاں موجود حضرات بھی شریک

ہوتے۔ افطار مسجد میں احباب کے ساتھ کرتے پھر نماز مغرب سے فارغ ہو کر مکان تشریف لاتے۔ کھانا تناول فرما کر تراویح سے قبل کچھ دیر آرام کرتے۔" [۱]

حضرت عارفیؒ کے اوراد و وظائف وعبادات نافلہ

ڈاکٹر حافظ محمد الیاس صاحبؒ نے "معمولات مرشدی حضرت عارفیؒ" کے زیر عنوان حضرت والا کا قدرے تفصیلی جائزہ پیش فرمایا جو حسب ذیل ہے۔

بوقت تہجد: نصف شب تہجد کے لئے ایسے وقت اٹھتے کہ اذان فجر سے قبل تک یہ معمولات پورے ہو جائیں۔

(الف) آٹھ یا بارہ رکعت نفل برائے تہجد۔ قوت ووقت کی گنجائش کے مطابق کوئی بھی سورتیں پڑھ لیتے۔

(ب) يَاحَيُّ يَاقَيُّوْمُ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحَانَكَ اِنِّي كُنْتُ مِنَ الظَّالِمِيْنَ ۳۴ مرتبہ

(ج) دوازدہ تسبیح: (۲۰۰ مرتبہ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ، ۴۰۰ مرتبہ الا اللہ، ۶۰۰ مرتبہ اللہ اللہ (اس طرح کہ پہلے اللہ پر پیش ہو اور دوسرے پر جزم) اور ۱۰۰ مرتبہ صرف اللہ)

اگر بیماری، کسل یا کسی اور عذر کی وجہ سے دوازدہ تسبیح پوری پڑھنے کا موقعہ نہ ہوتا تو (ان مذکورہ کلمات میں سے ہر ایک کو) ۳۳ مرتبہ پڑھ لیتے مگر جہاں تک ممکن ہوتا ناغہ نہ فرماتے تھے۔

(د) حسب ذیل وظائف کی ایک ایک تسبیح پڑھتے تھے۔

(۱) اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ رَبِّي مِنْ كُلِّ ذَنْبٍ وَّاَتُوْبُ اِلَيْهِ

(۲) درود شریف

(۳) سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ.

---

[۱] ماہنامہ البلاغ کراچی۔ اشاعت خصوصی صفر تا ربیع الثانی ۱۴۰۷ھ ص ۲۲ تا ۲۴

(۴) لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ

لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ کی تسبیح ختم کر کے تین مرتبہ لَا مَلْجَا وَلَا مَنْجَا مِنَ اللّٰہِ اِلَّآ اِلَیْہِ

تہجد کے ان تمام وظائف سے فارغ ہو کر اذان فجر سے پہلے تھوڑی دیر بیٹھ جاتے اور خشوع و خضوع کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے حضور یہ معروضات پیش کرتے "اے اللہ آپ کا یہ سراپا خطاکار بندہ حاضر ہے۔ میں کس قابل ہوں۔ آپ ہی نے بغیر کسی استحقاق کے مجھے لاتعداد نعمتیں عطا فرمائیں ہیں اور آپ جس کو چاہیں اپنے فضل سے بغیر کسی استحقاق کے جو چاہیں عنایت فرمادیں۔ اے اللہ میں خشوع و خضوع سے بھی محروم ہوں۔ اے اللہ آپ تو خالق مطلق ہیں مجھ میں خشوع و خضوع پیدا فرمادیجئے۔ اے اللہ ' مجھ پر میرے اہل و عیال پر اور میرے عزیز و اقارب پر اپنی نعمتیں نازل فرمایئے۔ اے اللہ ' ہم بہت محتاج ہیں ' ہماری اعانت فرمایئے اے اللہ! میرے آباؤ اجداد اور میرے والدین پر اور میرے گزرے ہوئے عزیز و اقارب پر اپنی رحمتیں نازل فرمایئے اور اے اللہ ہمارے اہل و عیال کو ہدایت فرمایئے۔ آمین۔

فجر کی سنتوں کے بعد آپ سُبْحَانَ اللّٰہِ وَبِحَمْدِہٖ سُبْحَانَ اللّٰہِ الْعَظِیْمِ (ایک مرتبہ) ۳ مرتبہ درود شریف پڑھ کر ۴۱ مرتبہ سورہ فاتحہ مع بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ' ۳ مرتبہ درود تنجینا اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا وَ مَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِ سَیِّدِنَا وَ مَوْلَانَا مُحَمَّدٍ صَلٰوۃً تُنَجِّیْنَا بِھَا مِنْ جَمِیْعِ الْاَھْوَالِ وَالْاٰفَاتِ وَتَقْضِی لَنَا بِھَا جَمِیْعَ الْحَاجَاتِ وَ تُطَھِّرُنَا بِھَا مِنْ جَمِیْعِ السَّیِّاٰتِ وَ تَرْفَعُنَا بِھَا عِنْدَكَ اَعْلَی الدَّرَجَاتِ وَ تُبَلِّغُنَا بِھَا اَقْصَی الْغَایَاتِ مِنْ جَمِیْعِ الْخَیْرَاتِ فِی الْحَیٰوۃِ وَ بَعْدَ الْمَمَاتِ اِنَّكَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ پڑھتے تھے۔

نماز فجر کے بعد عموماً الحمد شریف ' آیت الکرسی ' سورۃ الکافرون ﴿قُلْ یٰٓاَیُّھَا الْکٰفِرُوْنَ﴾ سورۃ النصر ﴿اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰہِ﴾ سورۃ الاخلاص ﴿قُلْ ھُوَ اللّٰہُ﴾ سورۃ الفلق ﴿قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ﴾ اور سورۃ الناس ﴿قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ﴾ پڑھتے۔

اور ۳ مرتبہ وَمَنْ یَّتَّقِ اللّٰہَ یَجْعَلْ لَّہٗ مَخْرَجًا وَّیَرْزُقْہُ مِنْ حَیْثُ لَا یَحْتَسِبُ۔ ۳ مرتبہ درود تنجینا (جس کے الفاظ پہلے گزر چکے ہیں) ۳ مرتبہ اَعُوْذُ بِاللّٰہِ السَّمِیْعِ الْعَظِیْمِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ کے ساتھ ایک مرتبہ سورہ حشر کی آخری تین آیتیں ھُوَ اللّٰہُ الَّذِیْ لَا اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ سے وَھُوَ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ تک پڑھتے اور ۳ مرتبہ سورۂ توبہ کی آخری آیتیں (۱۲۷۔۱۲۸) لَقَدْ جَاءَکُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِکُمْ سے رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِیْمِ تک پڑھتے تھے۔

نماز فجر کے بعد اگر کسل نہ ہو اور روزانہ اس پر عمل ہو سکے تو اسی وقت ورنہ پھر نماز فجر کے بعد قدرے آرام فرماتے۔ اور پھر اٹھ کر تلاوت قرآن پاک فرماتے۔ ایک پارہ، نصف پارہ یا چوتھائی پارہ، ایک یا دو صفحات نشر الطیب کے وہاں سے جہاں سے حضور اکرم ﷺ کی حیات مبارکہ کا بیان شروع ہوتا ہے، پڑھتے۔ روزانہ پڑھنے کے بعد جب یہ بیان ختم ہو جاتا تو پھر اسے ہی دوبارہ شروع فرما دیتے۔

نشر الطیب کے بعد بقدر ہمت و فرصت زاد السعید کے ایک یا دو صفحے جہاں سے درود شریف کے صفحے شروع ہوتے ہیں پڑھتے۔ اس کے بعد مناجات مقبول کی ایک منزل پڑھتے۔ اگر ایک منزل پوری پڑھنے کی ہمت اور وقت نہ ہو تو نصف ہی پڑھ لی جائے۔ آہستہ آہستہ تھوڑا تھوڑا کر کے ان دعاؤں کی معانی و مطالب بھی یاد کرتے جائیں تاکہ جب یہ دعائیں پڑھی جائیں ان کا مطلب بھی ہمارے اذہان میں مستحضر ہو اور ہمیں یہ احساس رہے کہ ہم اپنے مالک سے کیا مانگ رہے ہیں۔

مناجات مقبول کی منزل کے بعد اَللّٰھُمَّ اَرِنَا الْحَقَّ حَقًّا وَّارْزُقْنَا اتِّبَاعَہٗ وَاَرِنَا الْبَاطِلَ بَاطِلًا وَّارْزُقْنَا اجْتِنَابَہٗ ...... آمین یارب العالمین پڑھ لیا جائے۔ اس کے بعد مناجات مقبول جمعہ کے روز کی بالکل آخری دعا یعنی وَ تَقَبَّلِ الدَّعَوَاتِ فِی حَقِّ مَوْلَانَا مُحَمَّدْ اَشْرَفْ عَلِی وَ عَھْدِ الْوَاسِعِ وَمُحَمَّدعَلِی وَ مُحَمَّدْ مُصْطَفٰی وَ فِی حَقِّ اٰبَائِھِمْ وَ اُمَّھَاتِھِمْ وَ جَمِیْعِ الْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ وَ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی

عَلٰی سَیِّدِالْکَائِنَاتِ وَاَکْرَمِ الْمَخْلُوْقَاتِ صَلٰوۃٌ تَسْبُقُ الْغَایَاتِ پھر درود شریف نعتیہ منظوم کے چار اشعار پڑھ لئے جائیں۔ اس کے بعد شجرہ مبارک پڑھ کر یہ دعا فرماتے۔

"یا اللہ! اپنے پیارے نبی اکرم ﷺ کے صدقہ و طفیل میں میرے پیرومرشد [1] حضرت مولانا شاہ محمد اشرف علی تھانوی علیہ الرحمہ، حضرت حاجی امداد اللہ صاحب اور تمام بزرگان چہار سلسلہ چشتیہ، قادریہ، نقشبندیہ اور سہروردیہ کے ارواح پاک کو اس کا ثواب پہنچا کر ان کو درجات رفیعہ عطا فرمایئے اور ان کے آباؤ اجداد و متعلقین پر اپنی رحمتوں کا نزول فرمایئے اور اپنے ان تمام مقبول بندوں کے طفیل میں اور اپنے نبی اکرم ﷺ کے صدقہ میں اے اللہ آپ ہمارے آباؤ اجداد پر بھی رحم فرمایئے۔ ان کی بخشش فرمایئے اور اپنے ہاں ان کے درجات بلند فرمایئے۔ اے اللہ آپ اپنے مقبول بندوں کے صدقہ و طفیل ہماری اولاد کو بھی ہدایت فرمایئے، ان کو فواحش و منکرات اور حادثات و سانحات سے محفوظ و مامون فرمایئے۔ اے اللہ آپ ہمیں اپنی رضا کے ساتھ دین و دنیا دونوں جہانوں میں ہر قسم کی عافیت فرمایئے۔ اللهم انی اسالك رضاك والعفو والعافيه فی دینی و دنیائی و اهلی ومالی اے اللہ ہمارے سارے کام، ہمارا اٹھنا بیٹھنا، چلنا پھرنا، کھانا پینا سب آپ کے لئے ہیں۔ اے اللہ ہمارے ان تمام کاموں کو اپنی مرضی کے مطابق پورا کرایئے، اے اللہ ہمارے تمام کاموں کو آسان فرما دیجئے۔

اَللّٰھُمَّ یَسِّرْلَنَا اُمُوْرَنَا مَعَ الرَّاحَةِ لِقُلُوْبِنَا وَاَبْدَانِنَا وَالسَّلَامَةِ وَالْعَافِیَةِ فِی دِیْنِنَا وَ دُنْیَانَا وَکُنْ صَاحِباً فِی سَفَرِنَا وَ خَلِیْفَةً فِی اَھْلِنَا وَاَطْمِسْ عَلٰی وُجُوْہِ اَعْدَائِنَا۔

اے اللہ آپ ہماری نصرت و حمایت فرمایئے۔ ہم آپ کے عاجز بندے ہیں ہماری

---

[1] حضرت ڈاکٹر صاحب سے جو حضرات بیعت ہیں ان کو چاہیے کہ لفظ پیر و مرشد کے بعد حضرت ڈاکٹر عبدالحئی صاحبؒ کے اسم گرامی کا اضافہ کرلیں۔

اعانت فرمایئے۔ اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَ اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ.

اے اللہ! آپ ہی ہمارے پیدا کرنے والے ہیں، آپ ہی ہماری ہر قسم کی کفالت کرتے ہیں اور آپ ہی ہمارے ولی ہیں ہماری غیب سے نصرت واعانت فرمایئے۔ اَنْتَ رَبِّی. اَنْتَ حَسْبِیَ اَنْتَ وَلِیِّ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ. اُفَوِّضُ اَمْرِیْ اِلَی اللّٰہِ وَاجْعَلْ لَنَا مِنْ لَدُنْکَ وَلِیًّا وَاجْعَلْ لَنَا مِنْ لَدُنْکَ نَصِیْرًا۔ اس کے بعد نماز اشراق دو، دو نفل کی نیت سے چار نفل ادا فرماتے۔ (مناجات مقبول اور شجرہ مبارکہ کے بعد کی دعا بعد نماز اشراق بھی اللہ کے حضور میں پیش کی جاسکتی ہے یعنی شجرہ مبارکہ کے بعد اشراق کے نفل پڑھ لئے جائیں پھر مذکورہ بالا دعا مانگی جائے۔)

قبلہ مرشدی صبح کے ان تمام اوراد ووظائف اور ناشتہ سے فارغ ہو کر تقریباً ساڑھے آٹھ بجے مطب تشریف لے جاتے۔ مکان سے روانگی کے بعد اور مطب پہنچتے پہنچتے حضرت کا یہ معمول رہتا تھا۔

۳۳ بار یَا اَللّٰہُ، یا مغنی

۳۳ بار یَا اَللّٰہُ، یَا رَحْمَانُ یَا رَحِیْمُ

۳۳ بار حَسْبُنَا اللّٰہُ وَنِعْمَ الْوَکِیْلُ

۳ بار سُبْحَانَ اللّٰہِ وَبِحَمْدِہٖ لَآ اِلٰہَ اِلاَّ اللّٰہُ

۳ بار لَآ اِلٰہَ اِلاَّ اللّٰہُ اَسْتَغْفِرُاللّٰہَ

۳ بار لَآ اِلٰہَ اِلاَّ اللّٰہُ اَلْحَمْدُلِلّٰہِ

۳ بار لَآ اِلٰہَ اِلاَّ اللّٰہُ سُبْحَانَ اللّٰہِ

۳ بار اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلِی وَلِوَالِدَیَّ وَلِلْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ وَ ارْحَمْھُمَا کَمَا رَبَّیٰنِی صَغِیْرًا

۲۷ بار اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلِلْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ وَالْمُسْلِمِیْنَ وَالْمُسْلِمَاتِ

۳۳ بار فَاللّٰہُ خَیْرٌ حَافِظًا وَّھُوَ اَرْحَمُ الرَّاحِمِیْنَ

۳۳ بار سَلَامٌ قَوْلاً مِنْ رَّبٍّ الرَّحِیْمِ

۳۳ بار مَاشَاءَ اللّٰہُ لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلاَّ بِاللّٰہِ

۳۳ بار اَسْتَغْفِرُاللّٰہَ الَّذِیْ لَا اِلٰہَ اِلاَّ ھُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِیْمُ

۳۳ بار رَبِّ اغْفِرْ وَارْحَمْ وَاَنْتَ خَیْرُالرَّاحِمِیْنَ

۳۳ بار اَسْتَغْفِرُاللّٰہَ رَبِّی مِنْ کُلِّ ذَنْبٍ وَّاَتُوْبُ اِلَیْہِ.

راستہ میں اگر کسی مسجد کے پاس سے گزر ہوتا تو آپ اس طرح دعا فرماتے تھے ” ”اے اللہ یہ آپ کا پاک گھر ہے اس میں آنے کی اور سجدہ ریز ہونے کی تو ہر مومن کو توفیق عطا فرما۔“

اسی طرح اگر کسی ہسپتال کے سامنے سے گزر ہوتا تو آپ اس طرح دعا فرماتے تھے۔

”اے اللہ اس ہسپتال میں جتنے مریض اس وقت ہیں ان سب کو اپنی رحمت بے پایاں سے صحت یاب فرمائیے اور جو بھی اس میں آئے انہیں بھی شفائے کلی عطا فرمائیے۔

اے اللہ! تکلیف و بیماری بھی آپ ہی دیتے ہیں اور اس کو دور بھی آپ ہی کرتے ہیں۔ اے اللہ! ہم کو اور ہمارے متعلقین کو ان حدود سے محفوظ رکھئے۔“

مطب میں تشریف لانے کے بعد پابندی کے ساتھ ساڑھے نو بجے تک طالبین و سالکین کے لئے درس و تدریس کا سلسلہ رہتا اس کے بعد مریضوں کے ساتھ مشغول ہو جاتے۔

ظہر کی نماز کے بعد تسبیحات مقررہ (یعنی تسبیحات فاطمی) عصر کی نماز کے بعد مقررہ تسبیحات کے بعد نبی اکرم ﷺ کے صدقہ اور طفیل سے حضرت مولانا اشرف علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے درجات کی بلندی کے لئے نہایت ادب و احترام کے ساتھ دعا فرماتے، پھر اپنی اولاد اور اپنے سے وابستہ تمام منتسبین کی عافیت، نفس و شیطان کے شر اور مکائد سے حفاظت کے لئے دعا فرماتے تھے۔

نماز مغرب اور سنتوں کے بعد چھ رکعت نماز نفل اوابین ادا فرماتے۔ پھر مقررہ تسبیحات کے بعد ۳ مرتبہ اَعُوْذُ بِاللّٰہِ السَّمِیْعِ الْعَلِیْمِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ پڑھ کر ایک مرتبہ سورۂ حشر کی آخری تین آیتیں تلاوت فرماتے۔

حضرت والا کے معمولات شب

بستر پر لیٹنے کے بعد حضرت والا سب سے پہلے سونے کے وقت کی یہ دعا پڑھتے۔ بِاسْمِكَ رَبِّیْ وَضَعْتُ جَنْبِی وَبِكَ اَرْفَعُه، اِنْ اَمْسَكْتَ نَفْسِیْ فَاغْفِرْلَهَا وَ اِنْ اَرْسَلْتَهَا فَاحْفَظْهَا بِمَا تَحْفَظُ بِهٖ عِبَادَكَ الصَّالِحِیْنَ ۔ اَللّٰهُمَّ قِنِی عَذَابَكَ یَوْمَ تَبْعَثُ عِبَادَكَ اس کے بعد ایک بار سورہ فاتحہ اور ایک بار آیت الکرسی پڑھ کر اور کلمہ کی انگلی پر دم فرما کر اپنے پورے گھر کا حصار فرماتے۔ پھر اس طرح دعا فرماتے "اے اللہ میں نے جو کلمات پڑھے ہیں، آپ کا وعدہ سچا ہے اپنے کلام پاک کی برکت سے سب کو (فی امان اللہ فی امان اللہ) چوروں، ڈاکوؤں سے اور ہر آنے والی مصیبت سے محفوظ فرمالیجئے اے اللہ آپ میرے تمام اہل معاملہ، اہل محلّہ، میرے تمام عزیز و اقارب میرے تمام بہن بھائیوں اور اعزہ و احباب جو جہاں جہاں بھی ہوں، وہ تمام اصحاب جو کراچی میں ہوں۔ وہ جو میرے پاس مطب میں آتے ہوں ان تمام کو اپنی حفاظت اور امان میں لے لیں۔ اے اللہ سب کو تندرستی کی نعمت عطا فرمائیں۔ اے اللہ اپنی اس حفاظت میں ان تمام اصحاب کو بھی شامل فرمالیجئے جو محض آپ کے لئے اور آپ کے دین سے تعلق رکھنے کے لئے، چاہے وہ کراچی میں ہوں یا پاکستان کے کسی علاقہ میں ہوں، ہندوستان میں ہوں، حجاز میں ہوں، امریکہ میں ہوں یا لندن میں ہوں یا دنیا کے کسی بھی خطہ میں ہوں مجھ سے تعلق رکھتے ہیں اور محض آپ کے دین کے لئے مجھ سے رجوع ہوتے ہیں۔

اے اللہ آپ علیم ہیں، آپ خبیر ہیں، ان سب کی ترقی دین، ترقی دنیا اور ان کی

حفاظت دین کے لئے میں دل سے دعا کرتا ہوں۔ اے اللہ میری دعاؤں کو بصدقہ نبی اکرم ﷺ، سب کے لئے شرف قبولیت عطا فرما دیجئے۔"

اس کے بعد ایک بار پھر الحمد شریف' ایک بار سورہ ملک (تبارک الذی) اور سورہ بقرہ کی آخری دو آیتیں (اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَا اُنْزِلَ سے ...... فَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ تک) سورہ آل عمران کی آخری سے پہلی آیتیں (اِنَّ فِي خَلْقِ السَّمٰوَاتِ سے ...... لَاتُخْلِفُ الْمِيْعَاد تک) پھر سورہ توبہ کی آخری دو آیتیں (لَقَدْ جَاءَ كُمْ رَسُوْلٌ مِنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ سے وَهُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ تک) تلاوت فرماتے۔

پھر تین مرتبہ درود شریف۔ اس کے بعد ایک ایک مرتبہ۔

☆ اَعُوْذُبِكَلِمَاتِ اللهِ التَّامَّاتِ مِنْ شَرِّمَا خَلَق

☆ لا اِلٰهَ اِلا اَنْتَ سُبْحَانَكَ اِنِّي كُنْتُ مِنَ الظالِمِيْن

☆ اَللّٰهُمَّ عَافِنَا وَاَعْفُ عَنَّا

☆ رَبِّ اغْفِرْوَ ارْحَمْ وَاَنْتَ خَيْرُالرَّاحِمِيْن

☆ رَبِّ اِنِّي مَغْلُوْبٌ فَانْتَصِر

☆ رَبِّ اِنِّي مَسَّنِيَ الضُّرُّوَاَنْتَ اَرْحَمُ الرَّاحِمِيْن

☆ سُبْحَانَكَ يَا حَنَّانُ يَا مَنَّانُ

☆ يَا بَدِيْعُ السَّمٰوَاتِ وَالاَرْض

☆ اَنْتَ رَبِّي اَنْتَ حَسْبِي اَنْتَ وَلِيِّ فِي الدُّنْيَا وَالآخِرَةِ. اُفَوِّضُ اَمْرِي اِلَى اللهِ اِنَّ اللهَ بَصِيْرٌبِالْعِبَادِ حَسْبُنَا اللهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْل

☆ وَاجْعَلْ لَنَا مِنْ لَّدُنْكَ وَلِيًّا وَاجْعَلْ لَنَا مِنْ لَّدُنْكَ نَصِيْرًا

☆ اَللّٰهُمَّ اَعِنَّا عَلٰى ذِكْرِكَ وَشُكْرِكَ وَحُسْنِ عِبَادَتِكَ

☆ اَللّٰهُمَّ اَذْهَبْ عَنِّي الْهَمَّ وَالْحُزْنَ

☆ اَللّٰهُمَّ اِنِّي اَعُوْذُبِكَ مِنَ الْكُفْرِ وَعَذَابِ الْقَبْرِ وَعَذَابِ النَّارِ

☆ اَللّٰهُمَّ اِنِّی اَعُوْذُبِكَ مِنْ شَرِّ فِتْنَةِ الْمَسِيْحِ الدَّجَّالِ

☆ اَللّٰهُمَّ اِنِّی اَعُوْذُبِكَ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ اَعْمَالِنَا

☆ اَللّٰهُمَّ اَكْفِنِی بِحَلَالِكَ عَنْ حَرَامِكَ وَ اَ غْنِنِی بِفَضْلِكَ عَمَّنْ سِوَاكَ

☆ اَللّٰهُمَّ اِنِّی اَعُوْذُبِكَ مِنْ جَمِيْعِ الْفِتَنِ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَابَطَنَ

☆ اَللّٰهُمَّ فَارِجَ الْهَمِ كَاشِفَ الْغَمِّ مُجِيْبَ الدَّعوَاتِ الْمُضْطَرِيْنَ رَحْمٰنَ الدُّنْيَا وَرَحِيْمَهَا اَنْتَ تَرْحَمُنِی بِرَحْمَةِ تَغْنِی بِهَا عَنْ رَحْمَةٍ مَنْ سِوَاكَ

☆اَللّٰهُمَّ اِنَّكَ قُلْتَ فِی كِتَابِكَ الْحَقِ اُدْعُوْنِی اَسْتَجِبْ لَكُمْ وَاِنَّكَ لاَ تُخْلِفُ الْمِيْعَادَ. اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ اِنَّه' كَانَ غَفَّارًا يُرْسِلِ السَّمَاءَ عَلَيْكُمْ مِدْرَارًا وَيُمْدِدْكُمْ بِاَمْوَالٍ وَ بَنِيْنٍ وَيَجْعَل لَكُمْ جَنَّاتٍ وَيَجْعَل لَكُمْ اَنْهَارًا

پھر تین مرتبہ اَسْتَغْفِرُاللهَ رَبِّی مِنْ كُلِّ ذَنْبٍ وَّاَتُوْبُ اِلَيْهِ

ایک ایک مرتبہ

اَللّٰهُمَّ مَالِكَ الْمُلْكِ تُوْتِی الْمُلْكَ مَنْ تَشَاءُ تا وَتَرْزُقُ مَنْ تَشَاءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ (آل عمران)

سُبُّوْحٌ قُدُّوْسٌ رَبُّنَا وَرَبُّ الْمَلَائِكَةِ وَالرُّوْحِ

يَا حَيُّ يَا قَيُّوْمُ بِرَحْمَتِكَ اَسْتَغِيْثُ اَصْلِحْ لِیْ شَانِی كُلَّه' وَلاَ تَكِلْنِی اِلٰی نَفْسِی طَرْفَةَ عَيْنٍ.

اَللّٰهُمَّ اِنِّی اَسْاَلُكَ مِنْ خَيْرِ مَا سَاَلَكَ مِنْهُ نَبِيُّكَ مُحَمَّدٌ صَلَّی اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَنَعُوْذُ بِكَ مِنْ شَرِّمَا اسْتَعَاذَ مِنْهُ نَبِيُّكَ مُحَمَّدٌ صَلَّی اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاَنْتَ الْمُسْتَعَانُ وَعَلَيْكَ الْبَلَاغُ وَلاحَوْلَ وَلاَ قُوَّةَ اِلاَّ بِاللهِ.

اس کے بعد یہ دعا پڑھے اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ فِی قَلْبِی نُوْرًا وَفِی بَصَرِی نُوْرًا وَفِی سَمْعِی نُوْرًا وَ عَنْ يَّمِيْنِی نُوْرًا وَ عَنْ شِمَالِی نُوْرًا وَخَلْفِی نُوْرًا وَمِنْ اَمَامِی نُوْرًا وَفِی عَصَبِی نُوْرًا وَ فِی لَحْمِی نُوْرًا وَ فِی دَمِی نُوْرًا وَفِی شَعْرِی نُوْرًا وَ فِی

بَشَرِی نُوْرًا وَ فِی لِسَانِی نُوْرًا وَاجْعَلْ فِی نَفْسِی نُوْرًا وَاعْظَم لِی نُوْرًا وَاجْعَلْنِی نُوْرًا وَاجْعَل مِن فَوْقِی نُوْرًا وَمِن تَحْتِی نُوْرًا اَللّٰهُمَّ اَعْطِنِی نُوْرًا۔

اَللّٰهُمَّ زِدْنَا وَلاَ تُنَقِّصنَا وَاَکْرِمْنَا وَلاَ تُهِنَّا وَاَعْطِنَا وَلاَ تَحْرِمْنَا وَاٰثِرْنَا وَلاَ تُؤثِرْ عَلَیْنَا وَاَرْضِنَا وَاَرْضَ عَنَّا۔

یہ تو وہ عام معمولات اور دعائیں ہیں جو حضرت والا شب کو سونے سے پہلے کیا کرتے تھے لیکن ان کے علاوہ حضرت والا کا ایک خاص عمل یہ رہا ہے کہ ”ایک مرتبہ آیت الکرسی پڑھ کر شہادت کی انگلی سے خانہ کعبہ اور روزہ اقدس ﷺ کا حصار فرماتے اور سَلاَمٌ قَوْلاً مِنْ رَّبِّ رَحِیْمٍ فَاللّٰهُ خَیْرٌ حَافِظًا وَهُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِیْنَ پڑھ کر اس طرح دعا فرماتے تھے۔

”یا اللہ! حرم کعبہ اور حرم رسول مقبول ﷺ یہ دونوں حرمین شریفین آپ کے اور آپ کے نبی ﷺ کے مقدس مقامات ہیں 'یا اللہ انہیں ارضی وسماوی آفات سے محفوظ رکھئے 'ان دونوں مقامات پر یا اللہ آپ کی تجلیات کا نزول ہو رہا ہے 'اور آپ کی نعمتوں کی بارش ہو رہی ہے یا اللہ یہاں کے رہنے والوں کو حیات طیبہ نصیب فرمائیے اور ہر طرح کی خیر و برکت انہیں عطا کیجئے۔انہیں ہر قسم کی سازشوں سے محفوظ رکھئے۔یا اللہ یہاں زائرین کو جو حج و زیارت کے لئے آتے ہیں۔ان کے تمام فرائض و واجبات اور عبادات کو ان کی مناجات کو اور ان کی دعاؤں کو قبول فرمالیجئے ان کے حج و عمرہ کو قبول فرمالیجئے۔

یا اللہ خانہ کعبہ اور روضہ اقدس نبی کریم ﷺ آپ کی تجلی گاہیں ہیں۔ان کی تجلیات انوار سے پاکستان و دیگر تمام ممالک اسلامیہ کی ظلمتوں کو دور فرمادیجئے۔ہر قسم کے فسق و فجور کو دور کر دیجئے 'رشد وہدایت عطا فرمائیے۔

اَللّٰهُمَّ اَعِزَّ الْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ

رَبَّنَا لا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً لِلْقَوْمِ الظَّالِمِیْنَ وَنَجِّنَا بِرَحْمَتِكَ مِنَ الْقَوْمِ الْكَافِرِیْنَ

اَللّٰھُمَّ اَعِزَّ الْاِسْلَامَ وَ الْمُسْلِمِیْنَ

اے اللہ صدر مملکت پاکستان اور حکومت کے صاحب اقتدار حکام کو توفیق وہدایت اور صلاحیت دیجئے کہ وہ نفاذ شریعت کر سکیں۔ اے اللہ ان کی نصرت واعانت فرمایئے۔"

اس کے بعد تین مرتبہ درود ابراہیمی پڑھتے۔ پھر چار مرتبہ سُبْحَانَ اللہِ وَبِحَمْدِہٖ عَدَدَ خَلْقِہٖ وَزِنَۃَ عَرْشِہٖ وَرِضٰی نَفْسِہٖ وَمِدَادَ کَلِمَاتِہٖ۔ پڑھتے اس کے بعد پھر ۵ مرتبہ درود ابراہیمی پڑھتے، اس کے بعد حضرت مرشدی اس طرح دعا فرماتے تھے۔

"یا اللہ تمام انبیاء و مرسلین علیہم السلام کو نبی اکرم ﷺ کی معیت میں مقامات قرب میں پیہم ترقی عطا فرمایئے۔ یا اللہ تمام صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین، اہل بیت، اعزہ، ازواج مطہرات، تابعین، تبع تابعین اور ان کی ازواج پر اپنی رحمتیں نازل فرمایئے۔ یا اللہ تمام خلفائے راشدین، عشرہ مبشرہ، مہاجرین وانصار اور ان کی ارواح پاک پر اپنی رحمتیں نازل فرمایئے۔ یا اللہ، ان سے ہمارا تعلق قوی فرمایئے۔

یا اللہ، جو کچھ میں نے اس وقت پڑھا ہے وہ اپنے ان مقبول بندوں کے صدقہ اور طفیل میرے ماں باپ، آباؤ اجداد، اعزہ واقارب اور دوست احباب کے لئے بھی قبول فرمالیجئے اور ان سب کی مغفرت فرمادیجئے۔

یا اللہ! اپنے ان مقبول بندوں کے صدقہ و طفیل میرے اہل وعیال کو عافیت عطا فرمایئے، رشد وہدایت عطا فرمایئے، شفائے کاملہ عطا فرمایئے، ہر طرح کی گمراہیوں سے انہیں بچا لیجئے۔

یا اللہ میری دعائیں میرے اہل وعیال کے حق میں، عزیز واقارب کے حق میں، میرے دوست احباب کے حق میں اور مجھ سے وابستہ اصحاب کے حق میں اور ان سب کی دعائیں میرے حق میں قبول فرمالیجئے۔

یا اللہ! آپ نے میرے سپرد جو کام کیا ہے (جتنے بھی میرے زیر علاج مریض ہیں) ان سب کو شفاء عطا فرمایئے۔

یااللہ !ان سب کو اپنے حفظ وامان میں رکھ کر عافیت کاملہ عطا فرمایئے۔

یااللہ !جو دین آپ نے مجھے عطا فرمایا ہے ' آپ ہی کی عطا ہے یہ آپ ہی کی عطا کردہ نعمت ہے کہ میں آپ سے دعا کررہا ہوں۔اے اللہ سب کو شرف قبولیت عطا فرماد یجئے اور ہماری لغزشوں کو معاف فرماتے رہئے میرے دوست واحباب کو اس سے زیادہ سے زیادہ نفع عطا فرمایئے اور سب کو اپنا مورد رحمت و مغفرت بناد یجئے اور اس کو میرے لئے اپنی رضا کا مورد بنایئے۔یارب العالمین بحق سید المرسلین۔ آمین۔"

تشکر

اللہ تعالیٰ کی ان گنت نعمتوں پر حضرت مرشدی کچھ اس طرح کلمات شکر ادا فرماتے۔"

یااللہ کہاں لیٹا ہوا ہوں ' آپ کے انعامات برحق ہیں ' آپ نے ایمان عطا فرمایا ' اسلام عطا فرمایا ہے ' آپ نے اپنے حبیب ﷺ کا امتی بنایا ہے اور اپنے مقبول بندوں کے ساتھ وابستہ فرمایا۔ اَللّٰھُمَّ لَكَ الْحَمْدُ وَلَكَ الشُّكْرُ یااللہ اس کی اہلیت عطا فرمایئے۔ان نعمتوں کو صحیح طور پر استعمال کرنے کی توفیق عطا فرمایئے۔یااللہ میں جو شکر ادا کررہا ہوں اس کو شرف قبولیت عطا فرمایئے۔"

اس کے بعد حضرت مرشدی استغفار ان الفاظ میں فرماتے :

"یااللہ ! حق تو ادا نہیں ہوا۔ نفس ہے ' شیطان ہے 'کوتاہیاں ہیں ' استغفر اللہ۔ استغفر اللہ۔

یااللہ میری صلاحیتوں کو درست فرماد یجئے۔ استغفر اللہ ' استغفر اللہ ' استغفر اللہ۔

یااللہ میری اہلیت درست فرماد یجئے۔استغفر اللہ

یااللہ میری قابلیتوں کو درست فرماد یجئے۔استغفر اللہ

یااللہ مجھے بندگی کی توفیق عطا فرماد یجئے۔"

سب سے آخر میں حضرت مرشدی آنے والے انقلابات سے پناہ مانگتے

"اے اللہ۔ آنے والا انقلاب نہ معلوم مجھ میں، میرے اہل و عیال میں کیا تبدیلی پیدا کردے۔ اے اللہ میں ایسے ہر آنے والے انقلاب سے پناہ مانگتا ہوں۔

اَللّٰهُمَّ اِنِّی اَعُوْذُبِكَ مِن شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِن سَيِّئَاتِ اَعْمَالِنَا اَللّٰهُمَّ اِنِّی اَعُوْذُبِكَ مِن جَمِيعِ الْفِتَنِ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَابَطَنَ اَعُوْذُ بِكَلِمَاتِ اللهِ التَّامَّاتِ كُلِّهَا مِن شَرِّمَا خَلَقَ اُفَوِّضُ اَمْرِی اِلَی اللهِ. اِنَّ اللهَ بَصِيْرٌ بِالْعِبَادِ

یا اللہ ہر قسم کے فتنوں سے بچا لیجئے، ہماری توبہ واستغفار کو قبول فرمالیجئے۔ آمین۔"

اَشْهَدُاَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللهِ (ﷺ) پھر معوذتین (قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ اور قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ) تین بار پڑھ کر ایک مرتبہ پھر استغفار فرماتے اور دعا فرماتے کہ "یا اللہ آپ توفیق عطا فرمائیے کہ جب تک جاگتا رہوں ذکر کرتا رہوں۔

لا الہ الا اللہ، لا الہ الا اللہ، لا الہ الا اللہ"

حضرت مرشدی کا جمعہ کا معمول

جمعہ کے روز حضرت مرشدی کا روزمرہ کے معمولات کے علاوہ نماز جمعہ سے قبل یہ معمول رہتا تھا۔ تقریباً گیارہ بجے مسجد پہنچ جاتے اور مندرجہ ذیل عبادات میں مشغول رہتے۔

۲ رکعت تحیۃ المسجد ادا کرنے کے بعد ۴ رکعت صلوۃ التسبیح ادا فرماتے اور اس کا ثواب بہ صدقہ نبی پاک ﷺ، عم محترم حضرت عباسؓ کی خدمات میں ان الفاظ کے ساتھ پیش فرمادیتے۔

"یا اللہ! حضرت عباسؓ کو معیت رسول اکرم ﷺ عطا فرمائیے اور ان کے صدقہ و طفیل میری ۴ رکعت نماز قبول فرمالیجئے۔ میں اپنی تمام روحانی اور ایمانی صلاحیتوں کے

ساتھ ' مناسب ادب واحترام کے ساتھ اس کا ہدیہ (ثواب) بارگاہ رسالت ماب ﷺ میں پیش کرتا ہوں' انہیں اس کا ثواب عطا فرمایئے۔

یااللہ حرمین شریفین کی انوار و تجلیات سے میرے ایمان کو اور میرے اہل و عیال کے ایمان کو منور و مجلّٰہ فرما دیجئے اور جتنی نفس و شیطان کی ظلمتیں ہیں ان سب کو رفع فرما دیجئے۔"

صلوۃ تسبیح کی چار رکعت اور اس کی دعا کے بعد حضرت مرشدی ۲۔۲ رکعت نفل کی نیت سے دس رکعت خصوصی طور پر حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں پیش کرنے کے لئے ادا فرماتے' اور ان نفلوں کے بعد یہ دعا فرماتے تھے کہ

"جمعہ تک جتنے نیک کام کی آپ نے توفیق عطا فرمائی ہے' یااللہ اسے شرف قبولیت عطا فرمایئے اور اس کا ثواب رسول اللہ ﷺ اور ان کے صدقہ میں میرے والدین' آباؤ اجداد' عزیز و اقارب اور دوست احباب کو عطا فرمایئے۔"[۱]

حضرت والا کے کچھ معمولات ڈاکٹر محمد حفیظ اللہ صاحبؒ نے "بعض معمولات حضرت ڈاکٹر محمد عبدالحیؒ صاحبؒ" کے زیر عنوان تحریراً محفوظ کر لئے ہیں۔ ان میں ڈاکٹر محمد الیاس صاحبؒ کے مذکورہ بالا معمولات کے علاوہ مندرجہ ذیل معمولات بھی شامل تھے۔

بعد نماز فجر

۳ مرتبہ سورہ مزمل شریف پڑھنے کے بعد بارگاہ الٰہی میں عرض کرتے تھے:

"یااللہ اس کا ثواب ہدیۃً آقائے نامدار حضور اکرم ﷺ کے لئے پیش کرتا ہوں۔ مہربانی فرما کر قبول فرمایئے اور پہنچا دیجئے۔ اَللّٰھُمَّ اٰتِ مُحَمَّدَ الْوَسِیْلَۃَ وَاجْعَلْ فِی الْمُصْطَفِیْنَ الْوَسِیْلَۃَ وَابْعَثْہُ مُحِبَّۃً وَفِی الْعِلِّیِّیْنَ دَرَجَۃً رَّفِیْعَۃً وَابْعَثْہُ مَقَامًا

---

[۱] ماہنامہ البلاغ کراچی۔ اشاعت خصوصی صفر تا ربیع الثانی ۱۴۰۷ھ ص ۵۹ تا ۷۱

مَحْمُوْدًا الَّذِیْ وَعَدتَّه' وَارْزُقْنَا شَفَاعَتَه' یَوْمَ الْقِیَامَةِ اِنَّکَ لاَ تُخْلِفُ الْمِیْعَادَ۔''

پھر درود ابراہیمی نماز والا پورا پڑھنے کے بعد دعا مانگتے:

''یا اللہ حضور ﷺ کی معیت میں تمام انبیاء علیہم السلام کے مقامات قرب میں پیہم ترقیات عطا فرما۔ یا اللہ تمام عشرہ مبشرہ شہدائے بدر شہدائے احد تمام صحابہ کرام 'اہل بیت عظام 'صدیقین 'شہداء 'تابعین 'تبع تابعین رضی اللہ عنہم اجمعین کے مقامات میں پیہم ترقیات عطا فرما۔ اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلِیْ وَلِلْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ وَالْمُسْلِمِیْنَ وَالْمُسْلِمَاتِ اَلْاَحْیَاءِ مِنْھُمْ وَالْاَمْوَاتِ۔ یا اللہ تمام مومنین 'مومنات 'مسلمین 'مسلمات کی بخشش فرما دیجئے۔ یا اللہ تمام بزرگان دین 'آئمہ شریعت و طریقت 'حضرات مفسرین 'محدثین' فقہاء' علماء' صلحاء سب پر اپنی مغفرتیں و رحمتیں نازل فرمائیے۔ یا اللہ تمام صوفیائے کرام خصوصاً بزرگان سلسلہ چشتیہ 'صابریہ 'نقشبندیہ 'سہروردیہ' قادریہ رحمہم اللہ اجمعین 'خواجہ معین الدین چشتی 'حضرت مجدد الف ثانی 'حضرت حاجی امداد اللہ مکی' حضرت مولانا اشرف علی تھانوی (رحمہم اللہ) کی ارواح پاک پر مغفرتیں اور رحمتیں نازل فرمائیے۔ نیز ان کے آباؤ اجداد پر بھی مغفرتیں اور رحمتیں نازل فرمائیے۔''

بعد نماز ظہر

دو دفعہ سورہ مزمل شریف پڑھ کر یہ دعا فرماتے ''اس کا ثواب حضور اکرم ﷺ کے وسیلہ سے والد 'والدہ 'نانا 'نانی' دادا' دادی' چچا' چچی' خالو' خالہ' ماموں' ممانی نیز ہمارے تمام آباؤ اجداد 'سب بہن بھائی اور ان کے متعلقین جو زندہ ہیں یا فوت ہو گئے ہیں یا اللہ ان سب کو پہنچا دیجئے۔''

بعد نماز عصر

دو دفعہ سورہ مزمل شریف پڑھ کر حضور اکرم ﷺ کے وسیلہ سے درخواست دعا

فرماتے ”یا اللہ اس کا ثواب میری اولاد جو زندہ ہے یا فوت ہو گئی ہے ان سب کو پہنچا دیجئے۔یا اللہ بچوں کو اس کی برکت سے نور ایمان اور ہدایت اور رفع درجات نصیب فرمایئے اور تمام ارضی و سماوی آفات و بلیات سے محفوظ فرمایئے۔“

بعد نماز مغرب

دو دفعہ سورہ مزمل شریف پڑھ کر حضور ﷺ کے وسیلہ سے درخواست فرماتے کہ ”یا اللہ اس کا ثواب تمام اعزا و اقربا' اپنے آبائی رشتہ دار یا سسرالی رشتہ دار جو زندہ ہیں یا فوت ہو گئے ہیں ان سب کو پہنچا دیجئے نیز ان کے درجات بلند فرما کر اپنا قرب نصیب فرمایئے۔“

بعد نماز عشاء

۲ دفعہ سورہ مزمل شریف پڑھ کر حضور ﷺ کے وسیلہ سے درخواست دعا فرماتے ”یا اللہ اس کا ثواب تمام دینی دوست احباب' سلسلہ کے متعلقین احیاء و اموات نیز تمام دنیاوی دوست احباب نیز دینی بزرگوں جن سے خصوصیت رہی ہے مثلاً مولانا محمد عیسیٰ صاحب' خواجہ صاحب' مفتی محمد حسن صاحب' حکیم محمد مصطفیٰ صاحب' سید سلیمان ندوی صاحب' مولوی محمود الحق صاحب' ان کے علاوہ جو مخصوص حضرات زندہ ہیں مثلاً حضرت پیرانی صاحبہ' مفتی محمد شفیع صاحب' مولوی محمد احمد صاحب پرتاب گڑھی' نجم صاحب' حکیم ابراہیم صاحب' ڈاکٹر حفیظ اللہ صاحب ان سب کو پہنچا دیجئے۔“

ماضی قریب میں جن احباب کا انتقال ہوتا تو کچھ عرصہ خاص طور پر نام لے کر دعائے مغفرت فرماتے پھر اوپر والی فہرست میں شامل کر لیتے۔ اس کے علاوہ جمعہ کی مجلس کے احباب' پشاور' راولپنڈی' فیصل آباد' اسلام آباد' سکھر' حیدر آباد' کراچی'

ہندوستان، مکہ معظمہ، مدینہ منورہ سب جگہ جو جو احباب ہیں فرداً فرداً سب کو دعائے خیر میں شامل فرمالیتے تھے۔ نیز ان سب کے اہل و عیال کو بھی شامل فرمالیتے تھے۔"[۱]

---

[۱] بعض معمولات حضرت ڈاکٹر محمد عبدالحیؒ صاحب" غیر مطبوعہ از ڈاکٹر محمد حفیظ اللہ

بعض خصوصیات

حق تعالیٰ شانہ اپنے جن بندوں سے کوئی خاص خدمت لینا چاہتے ہیں تو ان بندوں میں اسی مناسبت سے کچھ خصوصیات بھی پیدا فرمادیتے ہیں، خواہ ان خصوصیات کا تعلق ان کی طبعی افتاد سے ہو یا ان کے تعلیمی و تربیتی ماحول سے بسا اوقات ان خصوصیات کو آغاز عمر سے ہی محسوس کرلیا جاتا ہے ؎

بالائے سرش ز ہوشمندی
می تافت ستارہ سربلندی

حضرت عارفیؒ کے مجموعی حالات کو دیکھتے ہوئے یہ کہا جاسکتا ہے کہ حضرت والا سے دین کی جو خدمت لی گئی اتباع سنت اور رجوع الی اللہ کی وہ پراثر اور پرلطف تعلیم و تلقین جس سے دور حاضر کے بیشتر عوام و خواص نے استفادہ کیا۔ اس خدمت کی صلاحیت آپ میں ابتدائی عمر ہی میں ظاہر ہونے لگی تھی۔ آپ کا انداز طبیعت شروع ہی سے دین پسندی کا تھا اور دین کی سچی تڑپ اور کامل لگن سے اللہ تعالیٰ نے آپ کو نوازا تھا۔ چنانچہ اپنی دینی تعلیم اور تربیت کے لئے جب آپ نے اپنا رہبر حکیم الامت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ کو بنایا تو اس تعلق کا حق ادا کیا اور طلب صادق کا بھرپور مظاہرہ ہوا۔ طالب کو جتنا تعلق اپنے مصلح اور مربی سے ہوتا ہے اتنا ہی وہ فیضیاب ہوتا ہے اور جس قدر فیض رسانی بڑھتی ہے مصلح کی قدردانی اور محبت گہری ہوتی چلی جاتی ہے۔ (اس کا اندازہ سابقہ صفحات میں تعلق مع شیخ کے باب میں مذکورہ واقعات سے کیا جاسکتا ہے۔)

اپنے شیخ حضرت حکیم الامتؒ کی محبت کی برکت تھی کہ حضرت عارفیؒ اپنے شیخ کے مزاج شناس اور شیخ کے رنگ میں رنگے ہوئے مانے گئے۔ معاصر بزرگوں نے بھی اس

بات کا اظہار کیا۔ بقول حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ ''شیخ کا رنگ جن لوگوں میں جھلکتا ہو وہ کم ہی ہوتے ہیں' اور حضرت عارفیؒ اپنے شیخ کی یادگار ہیں۔ اپنے مربی اور شیخ سے والہانہ تعلق اور ہر طرف سے یکسو ہو کر اسی کا ہو رہنا' اصطلاحی طور پر ''فنا فی الشیخ'' بھی کہلاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس خصوصیت سے نوازا یہ ان کا کرم ہی تھا۔''

ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَاءُ

حضرت عارفیؒ اور ان کے مربی و مصلح حضرت حکیم الامتؒ کے قلبی تعلق ہی کا قدرتی اثر یہ ظاہر ہوا کہ حضرت عارفیؒ نے اپنے دور میں اپنے شیخ کے مسلک و مشرب کی ترویج و اشاعت میں نمایاں خدمات انجام دیں۔ حضرت حکیم الامتؒ کی ایک خصوصیت معاشرہ کی اصلاح تھی۔ حضرت عارفیؒ نے بھی اپنی اصلاحی کوششوں کے ذریعہ معاشرہ کی اصلاح پر پوری توجہ فرمائی۔ خلاصہ یہ کہ شیخ کیا تھے؟ اس کے لئے آپ کی تالیف مآثر حکیم الامت موجود ہے اور شیخ کی تعلیمات کیا تھیں؟ ان کے لئے آپ کی تالیفات ''اسوہ رسول اکرم ﷺ'' ''معمولات یومیہ'' ''بصائر حکیم لامت'' ''معارف حکیم الامت'' اور ''اصلاح المسلمین'' موجود ہیں۔

ایک خصوصیت حضرت عارفیؒ کی یہ بھی تھی کہ دینی علوم کے ساتھ ساتھ عصری علوم و فنون سے بھی پوری طرح آشنا تھے۔ جس کی وجہ سے عصر حاضر کے نو تعلیم یافتہ طبقے کے مزاج کو خوب سمجھتے تھے اور اپنی خیر خواہانہ فطرت کی مدد سے ان کی اصلاح حال کی نہایت موثر اور مفید تدبیریں کرتے تھے۔

حضرت والاؒ میں ایک خاص قسم کی تڑپ پائی جاتی تھی جو ہمہ وقت آپ کو بے چین رکھتی تھی وہ یہ کہ ہر آنے والے کو دین کی کوئی بات بتادی جائے اور حضرت حکیم الامتؒ کے مزاج خاص سے آشنا کر دیا جائے تاکہ وہ مجدد وقت کی تالیفات سے اور ان کی تربیت کردہ حضرات سے مستفید ہونے لگے۔

آپ لوگوں کے باہمی نزاعات میں صلح و صفائی کرواتے تھے۔ صلح و صفائی کے

معاملہ میں کسی فریق کی جانب سے آپ کو مطعون بھی کیا گیا مگر چونکہ آپ کا یہ عمل خالصۃً رضائے الٰہی کی طلب میں ہوتا تھا اس لئے لوگوں کے حسن قبول کے متمنی نہ رہتے تھے اور ان کی بد عنوانی پر صبر فرمالیا کرتے تھے۔

کسی موقع پر آپ نے فرمایا کہ

"میں نے تو اپنے لئے خادم کا منصب تجویز کر لیا ہے۔ اس منصب پر کوئی حسد نہیں کرتا اور نہ اس کو کوئی چھین سکتا ہے۔ بس جذبہ اخلاص اور ایثار سے کام لے کر اپنا کام کرنا چاہئے۔"

آج کے دور میں اخلاص کی یہ کیفیت نایاب ہے۔ ہر آدمی اپنے حسن سلوک کی پذیرائی کا طلبگار رہتا ہے۔ اگر اس کے حسن سلوک پر کوئی تعریف نہ ہو بلکہ حسن سلوک کے جواب میں بد سلوکی ہو تو اس کو برداشت کرنا مشکل ہو جاتا ہے اور آئندہ کے لئے وہ اپنے حسن عمل کا سلسلہ بند بھی کر جاتا ہے مگر اللہ تعالیٰ جن بندوں سے کام لیتے ہیں ان کا ظرف بہت کشادہ رکھتے ہیں۔ وہ حسن سلوک کے صلہ میں بدنامی پا کر بھی بددل نہیں ہوتے۔ اسی لگن اور نیت سے اپنا عمل جاری رکھتے ہیں جو بالآخر ایسا رنگ لاتا ہے جو مٹائے نہ مٹے۔

بہر حال حضرت عارفیؒ کی ذات میں اسی طرح کی بہت سی امتیازی خصوصیات تھیں جن کا احاطہ کرنا بھی مشکل ہے۔ خصوصاً عوام و خواص کے جذبہ عقیدت و محبت نے آپ کی مقبولیت اور محبوبیت کو بام عروج پر پہنچا دیا۔ اس مقبولیت اور محبوبیت کی وجہ یہ تھی کہ آپ اللہ تعالیٰ کی اطاعت، رسول اللہ ﷺ کی اتباع میں اپنے شیخ حکیم الامتؒ کے رنگ میں پوری طرح رنگے ہوئے تھے۔

حضرت عارفیؒ سے نماز جنازہ پڑھوانے کا اشتیاق

منجانب اللہ قبولیت اور عوام و خواص میں محبوبیت ہی کا ایک مظہر یہ بھی تھا کہ

حضرت عارفیؒ کا بزرگان دین کے دلوں میں بڑا مقام تھا اور وہ حضرات ' حضرت والا کو بڑی قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھا کرتے تھے۔

قدر گوہر شاہ داند یا بداند جوہری

یہی وہ قدر دانی تھی جس کی وجہ سے حضرت حکیم الامتؒ کے مجازین اور دیگر اکابرین نے خود وصیت فرمائی یا ان کے ورثاء نے خواہش ظاہر کی کہ ان اکابرین کی نماز جنازہ حضرت عارفیؒ پڑھادیں۔ ان کے علاوہ خاندان کے افراد اور دیگر احباب کی نماز جنازہ کے لئے آپ ہی کو آگے کیا جاتا تھا چنانچہ آپ نے ان اکابرین اور خاندان کے بزرگوں کی نماز پڑھائی اور ان کے لئے تاحیات دعائے مغفرت کرتے رہے۔ اپنی یادداشتوں میں "نماز جنازہ کی سعادت۔ بعض بزرگان دین" کے زیر عنوان آپ نے تحریر فرمایا:

"اگست ۱۹۴۷ء میں پاکستان بننے کے بعد ہمارے حضرت (حکیم الامت) رحمۃ اللہ علیہ سے تعلق رکھنے والے بہت سے حضرات اور بعض محترم خلفاء ہجرت کر کے (پاکستان) آگئے تھے۔ مگر سب ضعیف العمر تھے۔ رفتہ رفتہ ایک ایک کر کے اپنا دور حیات پورا فرما کر واصل الی اللہ ہوگئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون. اس ناکارہ کو حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے جن خلفاء و مجازین صحبت اور دیگر حضرات کی نماز جنازہ پڑھانے کی سعادت حاصل ہوئی وہ یہ ہیں:

(۱) حضرت سید سلیمان ندویؒ ' مجاز بیعت

(۲) مولانا محمود الغنی صاحب حیدر آبادی رحمۃ اللہ علیہ ' مجاز بیعت

(۳) مولانا عبد الغنی صاحب پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ ' مجاز بیعت

(۴) مولانا مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ ' بانی دار العلوم کراچی مجاز بیعت

(۵) عموی حضرت سید علی سجاد صاحب رحمۃ اللہ علیہ ' مجاز صحبت

(۶) جناب مولانا نجم احسن صاحب نگرامی رحمۃ اللہ علیہ ' مجاز صحبت

(۷) مولوی شبیر علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ' برادر زادہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ مہتمم خانقاہ اشرفیہ تھانہ بھون۔

(۸) مولانا محمد یوسف بنوری صاحب رحمۃ اللہ علیہ' مجاز صحبت و بانی جامعۃ العلوم الاسلامیہ بنوری ٹاؤن' کراچی

(۹) مولانا مفتی محمود صاحب رحمۃ اللہ علیہ ' صدر جمعیت علماء اسلام پاکستان۔

(۱۰) مولوی محمد حسن صاحب علوی کاکوروی رحمۃ اللہ علیہ ' مجاز صحبت۔

(۱۱) حافظ عبدالولی صاحب رحمۃ اللہ علیہ ' مجاز صحبت۔

(۱۲) عموی حضرت سید علی ساجد صاحب ہاشمی رحمۃ اللہ علیہ ' مجاز صحبت۔

(۱۳) مولوی محمد احمد صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ ' مجاز صحبت

(۱۴) برادرم ظفر احمد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ' 'مجاز صحبت حضرت حکیم الامتؒ (اور تجدید اجازت از حضرت عارفیؒ)

(۱۵) مفتی محمد محمود صاحب دیوبندی

(۱۶) چوہدری محمد علی صاحب' سابق وزیر اعظم پاکستان

(۱۷) ماسٹر سید الطاف حسین صاحب' سابق ہیڈ ماسٹر اٹاوہ۔

حضرت عارفیؒ کی چند امتیازی خصوصیات اور انفرادیت

از رفعت احمد خاں

(۱) سیرت نگاری کا نیا انداز

رسول اکرم ﷺ کی سنت مبارکہ کا اتباع ہی مسلم کی زندگی کا اصلی مقصد ہے۔ حضرتؒ کو اپنے ہر عمل میں سنت کے اتباع کی فکر رہتی تھی۔ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ میں نے اسی جذبہ کے تحت یہ کتاب "اسوہ رسول اکرم ﷺ" مرتب کی کہ زندگی کے ہر شعبہ میں سنت کے انوار و تجلیات سے مستفیض ہونے کی سعادت حاصل ہو سکے۔

اس مقصد کی تکمیل کے لئے حضرت نے صحاح ستہ اور احادیث شریفہ کی دوسری کتابوں سے انتخاب کر کے تقریباً نوسو (۹۰۰) عنوانات سے متعلق احادیث مقدسہ کا ترجمہ اردو زبان میں جمع فرمایا جن کی تعداد تقریباً ڈھائی ہزار ہے۔ یہ مجموعہ اسوہ رسول اکرم ﷺ کے نام گرامی سے موسوم ہے۔ یہ تالیف اپنی نوعیت وافادیت میں منفرد ہے اور سوانح نگاری کی تاریخ میں ایک نیا اسلوب وانداز ہے۔ رسول اکرم ﷺ کی احادیث مبارکہ ہی کو نوسو (۹۰۰) عنوانیات کے تحت اس طرح حسن ترتیب سے جمع فرمایا کہ رسول اکرم ﷺ کی سیرت مبارکہ اور تعلیمات مقدسہ واضح ہو گئیں۔ علمائے کرام اور بزرگان عظام نے اس کو مستند قرار دیا۔ اس کی مقبولیت کی ایک واضح دلیل یہ ہے کہ بغیر کسی رسمی تشہیر واشتہارات کے اب تک برصغیر ہندوپاکستان میں ایک سو سے زیادہ اس کے ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔ اس کا ترجمہ عربی، فارسی، انگریزی، گجراتی، ہندی اور بنگالی زبانوں میں ہو چکا ہے۔

حضرتؒ یہ فرمایا کرتے تھے کہ ایک مسلمان کیلئے اپنی زندگی کو سنت نبوی ﷺ کے مطابق ڈھالنے کیلئے یہ کتاب کافی ہے۔ عام طور پر لوگ اشتہارات اور دوسری تدابیر کے

ذریعہ اپنی تالیفات کو عام کرنے کیلئے کوشش کرتے ہیں لیکن یہ کتاب بغیر کسی تشہیری تدابیر کے قبولیت عام کا شرف حاصل کر رہی ہے۔ سچ ہے۔

ایں سعادت بزور بازو نیست
تانہ بخشد خدائے بخشندہ

سوانح نگاری کے اسی اسلوب پر آپ نے اپنے شیخ محترم حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانویؒ کی سوانح حیات اور ارشادات کو جمع فرمایا جو مآثر حکیم الامتؒ کے نام سے شائع ہو چکی ہے اور اس کے بھی متعدد ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔ حضرتؒ فرمایا کرتے تھے:

"مآثر حکیم الامت خود ایک بولتی ہوئی حضرت حکیم الامتؒ کی شخصیت ہے۔ ہر جگہ ہر عنوان کے تحت حضرتؒ ہی کے ارشادات ہیں۔ گویا خود حضرتؒ ہی نے ان عنوانات پر گفتگو فرمائی ہے۔

سوانح نگاری کا یہ اسلوب حضرت عارفیؒ کی امتیازی خصوصیت ہے۔

(۲) انفرادیت کا باطنی پہلو

حضرتؒ کے مزاج اور طرز معاشرت میں بہت سادگی تھی۔ تصنع و ترفع نام کو نہ تھا۔ اس کے ساتھ طبعًا خاموشی کو پسند کرتے تھے۔ فرماتے ہیں ؎

میرا مذاق عشق ہے خاموش سوز غم
میں فطرۃً ہوں شورش آہ و فغاں سے دور

جوش و غضب اور اظہار کمالات کا تو ذکر ہی کیا ہے۔ لوگوں کی ناگوار باتوں پر بھی ضبط و تحمل فرماتے تھے۔ مولانا محمد یوسف لدھیانوی صاحب (رحمۃ اللہ علیہ) حضرتؒ کی وفات پر اپنے ماہنامہ "بینات" میں حضرتؒ کے امتیازی اوصاف بیان کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں کہ "میں نے حضرتؒ کو کبھی غصہ کرتے نہیں دیکھا۔ اکثر مجمع یا مسجد میں گردن جھکائے بیٹھے رہتے تھے۔ مجلس میں گاؤ تکیہ لگا کر بیٹھنے کو حتی الوسع احتراز

کرتے تھے۔ جو لوگ ان کی زندگی کے واقعات و حالات سے اچھی طرح واقف ہیں انہیں معلوم ہے کہ تکالیف و شدائد کو وہ خود برداشت کر لیتے تھے۔ اعزاء و اقارب اور دوست احباب کو خبر تک نہ ہوتی تھی۔ کسی کو شریکِ غم کرنے کا تو سوال ہی کیا ہے۔ کبھی صبر و ضبط غم طبیعت میں بھی ان کا ہمدم و ہمراز تھا۔ اس کیفیت کا اظہار آپ اس طرح فرماتے ہیں۔

اسی سعی ضبط غم دل زار ہوگیا ہوں
کہیں آنہ جائے لب پر کوئی آہ والہانہ

....

پھونک دے دل کو بلا سے آتش سوز نہاں
نالہ ناممکن ہے مجھ سے اور سب منظور ہے

میں نے حضرتؒ کی یہ انفرادی باطنی کیفیت بیان کرنے میں ان کے اشعار کا سہارا اس لئے لیا ہے کہ ان کے اشعار ان کے دل کی آواز 'ان کی باطنی کیفیات کے آئینہ دار اور ان کی زندگی سے ہم آہنگ ہیں کیونکہ وہ رسمی شاعروں کی طرح قافیہ پیمائی نہیں کرتے تھے 'بلکہ فرماتے ہیں کہ ؎

عارفی بس یہ حقیقت ہے میرے اشعار کی
نالہ ہائے دل جب آئے لب پہ موزوں ہوگئے

....

میرا ہر ایک شعر گویا عارفی
اضطراب قلب کی آواز ہے

مزاق عشق و محبت 'طرز فکر و نظر کی انفرادیت کو یوں ظاہر فرماتے ہیں ؎

میں عارفی بیگانہ ہم ذوق سخن ہوں
فطرت نے عطا کی ہے مجھے فکر و نظر اور



ان کے اشعار سے بقول غالب ان کے "دل کا معاملہ" کھل جاتا ہے اور شخصیت کا رنگ واضح ہو جاتا۔ "سوز و گداز عشق" اور "ضبط غم پنہاں" حضرتؒ کا منفرد وصف تھا جس سے نام نہاد صوفیاء و مشائخ (جنہوں نے صرف چند مراسم و وظائف کو تصوف سمجھ رکھا ہے) بالکل عاری ہیں، حالانکہ یہی حقیقی عشق و محبت اور راہ طلب معرفت کی معراج ہے۔ اس انفرادیت میں آپ اپنے شیخ محترمؒ کے رنگ کے مظہر ہیں۔

آخر کوئی بات ہے کہ مفتی اعظم جناب مولانا محمد شفیع صاحبؒ جو خود بھی حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ کے ایک خلیفہ خاص ہیں، حضرت عارفیؒ کے لئے تحریر فرماتے ہیں:

"مجھے دیکھ آئینہ یار ہوں میں
جلا کر دہ دست دلدار ہوں میں

اللہ تعالیٰ مبالغہ اور تزکیہ من غیر حق سے محفوظ رکھے، ڈاکٹر (حضرت عارفی) صاحب کو دیکھ کر مجھے مجذوب صاحبؒ کا یہ شعر یاد آیا کرتا ہے اور جب ان کو دیکھتا ہوں تو عموماً اصغر گونڈوی کا یہ مصرع زبان پر بھی آ جاتا ہے ؎

ابھی کچھ لوگ ہیں ساقی کی محفل دیکھنے والے

اب اس زمانہ میں تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ حق تعالیٰ نے حضرت حکیم الامت قدس سرہ کے فیوض و برکات کو مسلمانوں میں عام کرنے کے لئے ہمارے محترم ڈاکٹر صاحب کو چن لیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم کو اور سب مسلمانوں کو آپ کے فیوض و برکات سے نفع عطا فرمائیں۔"

غور فرمایئے کہ ایک مفتی اعظم اور حضرت حکیم الامتؒ کے خلیفہ اعظم سے بڑھ کر حضرت عارفیؒ کو انفرادی امتیازی کی سند اور کون دے سکتا ہے۔

(۳) حق گوئی وبے باکی

حضرتؒ کی شخصیت کا ایک نمایاں وصف ان کی بے خوف وخطر حق گوئی تھی جس کی مثال اس دور میں کم ملتی ہے۔ اللہ تعالی نے انہیں وہ ہمت و جرات عطا فرمائی تھی کہ بلا خوف لومۃ لائم ہمیشہ حق کی بات بیباکی کے ساتھ بلند کرتے تھے اور بڑی سے بڑی شخصیت سے بھی مرعوب نہیں ہوتے تھے۔ جہاں دنیوی منافع اور مصالح کی بناپر بڑے علماء اور مصلحین کے قدم ڈگمگا جاتے اور زبان و قلم رک جاتے ہیں، حضرتؒ بے خوف و خطر حق کی آواز بلند کرتے تھے۔ اس معاملہ میں بھی حضرتؒ نے اپنے شیخ محترمؒ کا کامل اتباع کیا۔ حکیم الامت حضرت مولانا تھانویؒ نے اپنوں اور غیروں کی طرف سے گونا گوں مخالفتوں، حتیٰ کہ قتل تک کے منصوبوں کے باوجود کانگریسی علماء سے علیحدہ ہو کر مسلم لیگ اور قیام پاکستان کی علی الاعلان حمایت فرمائی تھی اور فرمایا تھا کہ میں نے حق کو دو ہاتھوں سے تھام لیا ہے 'خواہ اس میں میری جان ہی کیوں نہ چلی جائے اور یہ بھی اکثر فرماتے تھے کہ مصالحے تو ہمارے یہاں سِل پر پیسے جاتے ہیں یعنی ہمارے یہاں حق کو چھوڑ کر مصلحت پرستی نہیں ہوتی۔ سچ ہے۔ ع

رند عالم سوز را با مصلحت بینی چہ کار

اور ؎

آئین جوانمردوں حق گوئی و بیباکی
اللہ کے شیروں کو آتی نہیں روباہی

اپنے شیخ محترمؒ کی طرح حضرتؒ نے بھی حق بات کہنے میں کسی کی پرواہ نہیں کی۔ انہیں اسلام کے خلاف باتوں پر علماء کی خاموشی اور سرد مہری کا شدید احساس تھا۔

یہاں ضمناً اگر اس حقیقت کا بھی اظہار کر دیا جائے تو بے محل نہ ہوگا کہ بقول مولانا عبد الماجد دریا آبادی حضرت مولانا تھانویؒ تو نظریہ پاکستان اور اس کے قیام کی خواہش کا

اظہار تفصیلاً ۱۹۲۸ء میں کر چکے تھے۔اس وقت تک کسی دوسرے شخص نے ایسا خیال ظاہر نہیں کیا تھا۔

حضرت عارفیؒ بحیثیت ایک عاشق رسول اللہ ﷺ اعلاء کلمۃاللہ کے لئے کوشاں رہتے تھے۔اپنے مواعظ و ملفوظات میں آپ کھلم کھلا باطل عقائد' بدعات و رسومات' منکرات ومکروہات' فواحش اور بے حیائیوں کی شدت کے ساتھ ہمیشہ مذمت فرماتے تھے۔شاید ہی حضرتؒ کا کوئی وعظ ایسا ہو جس میں معاشرہ کی ان خامیوں کے دور کرنے کی تاکید نہ فرمائی ہو۔ان کے مواعظ کے کئی سوکیسٹ موجود ہیں ۔کچھ کتابوں کی صورت میں شائع بھی ہو چکے ہیں۔

ایک مرتبہ مرکزی حکومت پاکستان کی جانب سے سالانہ سیرت کانفرنس میں تقریر کرنے کے لئے دعوت نامہ آیا۔حضرتؒ نے اس کے جواب میں ایک مکمل کتابچہ طبع کرا کے بھجوایا۔جس کا عنوان ''سیرت کانفرنسوں کے لئے لمحہ فکریہ'' تھا۔اس کتابچہ کو عام طور پر بھی تقسیم کیا گیا۔خاص طور پر نام نہاد اور رسمی سیرت کانفرنس کی کوتاہیوں اور سیرت النبی ﷺ کے سلسلے میں جلسے جلوس اور دیگر غیر اسلامی طریقوں پر سختی سے انتباہ فرمایا۔اس معاملہ میں معاشرہ کی دوسری مروجہ خامیوں کی اصلاح سے علماء' مصلحین' اہل ثروت اور صاحب اقتدار حضرات کی غفلت اور بے حسی پر تنبیہ فرمائی اور انہیں ان کی شرعی ذمہ داریوں کا احساس دلایا۔

(۴) اپنے شیخ محترم کی تعلیمات وتحقیقات کی اشاعت کا خاص اہتمام

حضرت حکیم الامت مولانا محمد اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے علوم و معارف کو عام کرنے کا امتیازی شرف اور سعادت اللہ تعالیٰ نے آپ کو عطا فرمائی تھی۔حضرتؒ کے اس انفرادی امتیاز کی تصدیق حضرت مفتی اعظم مولانا محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ واضح الفاظ میں فرما چکے ہیں جس کا تذکرہ اوپر کیا گیا ہے۔

حضرت حکیم الامتؒ کی خواہش تھی کہ ان کی تالیفات ' مواعظ اور ملفوظات میں سے حسب ضرورت انتخابات شائع کئے جائیں۔ چنانچہ بعض منتسبین نے یہ کام انجام دیا لیکن وہ محدود پیمانہ پر تھا اور صرف چند موضوعات پر مشتمل تھا۔ دوسرے یہ کہ ہر دور کی علمی اور عملی ضروریات اور مزاج و مذاق مختلف ہوتے ہیں جن کو مد نظر رکھنا ضروری ہوتا ہے۔ حضرتؒ نے اپنے شیخ کی اس وصیت کو پایہ تکمیل کو پہنچایا اور حضرت حکیم الامتؒ کی تالیفات و مقالات کے جو انتخابات مرتب فرما کر شائع فرمائے وہ اپنی نوعیت و اہمیت میں منفرد ہیں۔ بات یہ ہے کہ بقول اصغر گونڈوی ع

ہر شخص نے دیکھا ہے تجھے اپنی نظر سے

اس کے علاوہ حضرت اپنے شیخ محترمؒ کے کمالات کا تعارف اپنی تالیف ''مآثر حکیم الامتؒ'' میں جس انداز سے کر رہے ہیں وہ بھی منفرد ہے۔ حضرت حکیم الامتؒ کی تالیفات ' مقالات اور ملفوظات کے انتخابات کو اس انداز سے ترتیب دیا کہ اپنے شیخ محترمؒ کی پوری سوانح حیات 'ان کی تعلیمات و تحقیقات اور امتیازی خصوصیات واضح ہو سکیں۔

انعامات الٰہیہ و مبشرات منامیہ

خوابوں کی کوئی شرعی حیثیت نہیں ہے لیکن بعض اوقات اچھے خواب عند اللہ کسی بندے کی مقبولیت کی علامت ہوتے ہیں بشرطیکہ دیکھنے والے علماء اور صلحاء ہوں۔ حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ اپنے متعلق مختلف افراد کے دیکھے ہوئے خوابوں کو ایک بیاض میں نقل کرالیتے تھے۔ اس بیاض کے شروع میں حسب ذیل عبارت اپنے قلم سے لکھی ہے جس سے ان خوابوں کا شرعی مقام معلوم ہوتا ہے۔

"وہ خوابیں جو مختلف اوقات خود یا دوسرے حضرات نے احقر کے متعلق دیکھے، ان کو یادداشت کے لئے یہاں لکھا گیا ہے۔ درجہ ان کا وہی ہے جو امام ابن سیرینؒ نے فرمایا۔ **الرویاتسر ولا تغر** یعنی خوابوں سے ایک طبعی مسرت حاصل ہونا درست ہے، مگر ان پر مغرور ہونا درست نہیں کہ اصل مدار مقبولیت عند اللہ کا بیداری کے اعمال و احوال ہیں۔" **رزقنا اللہ تعالی صلاحھا**" (محمد شفیع)

حضرت عارفیؒ نے اپنے متعلق جو خواب دیکھے اور جن کو اپنی یادداشتوں میں تحریر کر کے محفوظ رکھا ان میں سے کچھ حسب ذیل ہیں:

(۱) "(۱۰ر فروری ۱۹۵۴ء بروز چہار شنبہ) رات میں نے خواب دیکھا کہ حضرت سید سلیمان صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے دیر تک تنہائی میں گفتگو رہی۔ خواب اچھی طرح یاد نہیں ہے صرف آخری حصہ کچھ یاد ہے۔ میں شاید کچھ اپنے تعلقات کا ان کے ساتھ ذکر کر رہا ہوں جس کے جواب میں فرمایا کہ "بے شک بزرگوں سے تعلق رکھنا اور ان سے محبت بڑے کام کی چیز ہے۔" مجھے یہ بھی محسوس ہو رہا ہے کہ میں ان سے خواب میں باتیں کر رہا ہوں۔ شاید میں نے ان سے یہ بھی کہا کہ میں کئی بار آپ کو خواب میں دیکھ

چکا ہوں۔ پھر اس کے بعد میں ان سے رخصت ہو گیا اور ایسا معلوم ہوا جیسے اس خواب سے بیدار ہو گیا۔ اب خواب ہی میں اس طرح کا ذکر اور کسی سے کر رہا ہوں کہ حضرت سید صاحبؒ کو میں نے خواب میں ان کے ملاقات کے کمرہ کے دروازے کے قریب ہی فرش پر بیٹھا ہوا دیکھا اور یہ مذکورہ بالا خواب بیان کر رہا ہوں۔"

(۲) گزشتہ (۲۲، ۲۳/ اپریل ۱۹۵۴ء) مطابق ۱۹/ شعبان ۱۳۵۴ھ بروز جمعہ رات میں بہت عرصے کے بعد (خواب میں) حضرت مرشدیؒ کی زیارت ہوئی۔ مفصل خواب یاد نہیں۔ صرف اس قدر یاد ہے کہ میں حضرتؒ کے قریب بیٹھا ہوا ہوں۔ حضرت کچھ کتھئی رنگ کا لباس پہنے ہوئے ہیں۔ شاید کچھ داڑھی بھی کم ہے۔ حضرت نے پھوپھا علی سجاد صاحب قبلہ کے متعلق کچھ دریافت کیا۔ میں نے کسی شخص سے کہا کہ ڈپٹی صاحب کو حضرت یاد فرما رہے ہیں۔ حضرت نے منع فرمایا کہ نہیں اب میں بہت گھبرایا اور ڈر رہا ہوں کہ حضرت خفا ہوں گے۔ میں نے حضرت سے معذرت کی کہ حضرت میں بالکل نہیں سمجھا کہ حضرت کا منشاء کیا ہے۔ میں نے بغیر سمجھے عجلت میں ایسا کہہ دیا۔ مجھ کو ایسا نہ کہنا چاہیے تھا۔ حضرتؒ نے فرمایا "میں نے صرف ان کے متعلق دریافت کیا تھا، بلانے کو تھوڑا ہی کہا تھا۔" حضرت مگر مسکرا رہے ہیں اور خوش ہیں۔ فرمایا کہ "میرا تو یہ معمول ہے کہ جو لوگ مجھ سے محبت کرتے ہیں اور میرا خیال رکھتے ہیں میں بھی ان کا بہت خیال رکھتا ہوں۔ اور اگر کبھی ان کو بلانا ہوتا ہے تو خط لکھ کر بھیجتا ہوں۔ میں نے عرض کیا کہ حضرت کا تو ایسا معاملہ ہے جیسا کہ حضور مقبول ﷺ کے متعلق صحابہ کرام (رضی اللہ عنھم) کا تھا۔ بس میں اتنا ہی کہنے پایا تھا کہ آنکھ کھل گئی اور صبح کی اذان ہو رہی تھی۔

حضرت سے میں خواب میں کہنا چاہتا تھا کہ جس طرح صحابہ کرامؓ فرماتے ہیں کہ ہم چاہتے ہیں کہ حضور مقبول ﷺ کی اتباع ہر امر میں کریں مگر نہیں کر پاتے حالانکہ حضور ﷺ بہت ہی سادہ اور بے تکلف زندگی بسر فرماتے تھے۔

اللہ تعالیٰ اس خواب کو میرے لئے مبارک فرما دیں۔ "آمین"

(۳) آج (جمعرات۔ ۲۷/جون ۱۹۵۴ء) صبح جب میں اوّل وقت مطب میں بیٹھا ہوا تھا کہ مرزا اختر حسن صاحب وکیل آئے۔ انھوں نے میری مزاج پرسی کی۔ مجھے کئی روز سے نزلہ 'سردی' بخار آنے کے بعد انتہائی نقاہت محسوس ہو رہی ہے۔ طبیعت بہت بے کیف ہے اور ہر وقت ایک اضطرابی کیفیت سی رہا کرتی ہے۔ مجھے ان لوگوں سے کچھ شکایت بھی پیدا ہو رہی ہے جنہوں نے اس حالت میں میری مزاج پرسی نہیں کی۔ خیر چنانچہ مرزا اختر صاحب سے میں یہ کہہ رہا تھا کہ بہت زیادہ اضمحلال اور نقاہت محسوس ہو رہی ہے ویسے طبیعت ٹھیک ہے۔ انہوں نے کہا کہ آپ صبح کی نماز کیا کالونی کی مسجد میں پڑھتے ہیں۔ میں نے کہا۔ جی ہاں وہیں پڑھتا ہوں۔ انہوں نے کہا کہ ؎

بات منہ کی جو تیرے آن کے دہرائی ہے
یوں میرے قاصد کو بھی دعویٰ مسیحائی ہے

رات میں نے عجیب خواب دیکھا ہے وہ یہ ہے کہ میں آپ کی مزاج پرسی کے لئے کالونی گیا ہوں تو آپ نے کہا کہ اب میں اچھا ہوں۔ مجھے حضرت (حکیم الامتؒ) نے خواب میں ایک نسخہ تحریر فرمادیا ہے۔ اس کی وجہ سے مجھے اب بالکل آرام ہے۔ حضرتؒ نے فرمایا ہے کہ نماز فجر کے بعد مسجد سے کچھ دیر کے لئے ٹہلنے چلے جایا کرو اور راستہ میں یہ وظیفہ پڑھ لیا کرو۔ جو ہم نے تم کو بتلایا ہے (میرے خیال میں معمولات فجر کے متعلق ارشاد ہے) اور چند بادام کھالیا کرو۔ انشاء اللہ تعالیٰ فائدہ ہوگا۔ مرزا اختر صاحب نے جب یہ خواب بیان کیا تو فوراً مجھے حسب ذیل شعر یاد آیا ؎

وہ غافل نہیں اپنے مہجور غم سے
تسلی کا پیہم پیام آرہا ہے

اپنے حسب حال معلوم ہوا۔ الحمد للہ ثم الحمد للہ واقعی اس خواب کے بعد طبیعت میں انشراح محسوس ہوتا ہے۔

(۴) حضرت سید سلیمان ندویؒ کے وصال کے تین چار روز بعد میں نے خواب میں دیکھا

کہ ایک مضمون (سید صاحبؒ) پڑھ رہے ہیں۔ مجھے خیال ہوتا ہے کہ گویا یہ مضمون میرا لکھا ہوا ہے۔ طالب علمی کے زمانے کا ہے۔ میں سر مبارک کے قریب جا کر دیکھا کہ اس مضمون کا عنوان کیا ہے۔ سرخی میں لکھا ہے کہ "صحیح طریقہ مولود شریف" یا اسی مفہوم کی کوئی عبارت تھی۔ مضمون میں نے دیکھا کہ حضرت سید صاحبؒ کا اسم گرامی بھی گویا حوالہ کے طور پر لکھا ہوا ہے۔ مجھے خوشی ہوئی کہ سید صاحبؒ ملاحظہ فرما کر مسرور ہوں گے۔ (بعد میں) جو کچھ فرمایا مجھے یاد نہیں رہا۔ پانچ چھ روز کے بعد کل پھر خواب میں دیکھا جو صاف اور اچھی طرح یاد نہیں ہے۔ لیٹے ہوئے ہیں اور اپنے پاؤں کو دوسرے پاؤں کے پنجہ پر رکھ کر دبا رہے ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ درد وغیرہ ہے۔ میں نے پاؤں دبانا شروع کیا۔ فرمایا کہ تم اپنے وقت کے بڑے لوگوں میں ہو گے۔ اس کے علاوہ اور کچھ یاد نہیں"

حضرت عارفیؒ کے انعام و اکرام کے مورد تھے۔ اللہ تعالیٰ کے ان انعامات کو آپ کے متعلقین اور محبین نے اپنے اپنے خوابوں میں بارہا دیکھا ہے۔ ان خوابوں کے چند اقتباسات حسب ذیل ہیں:

ا...... حضرت سید علی سجاد صاحب نے ایک خواب دیکھا جس کو آپ نے اپنے خط مورخہ ۲۷ر جنوری ۱۹۵۷ء بنام حضرت عارفیؒ میں یوں تحریر فرمایا:

"آج شب کو خواب میں تمہاری حالت بہت ہی بلند نظر آئی جو اس شعر کے مصداق سمجھ میں آئی ؎

چوں فقر اندر قبائے شاہی آمد
ز تدبیر عبید اللہی آمد

تمہارے وسیع محل کا زینہ یشب کے پتھر کا اور اس پر فنائیت کا یہ غلبہ کہ میرے پاس فرش پر لیٹے ہوئے عجیب سوز و گداز کے ساتھ بوستان یا کسی معرفت کی کتاب کے اشعار رقت کی حالت میں پڑھ رہے تھے پھر مجھ سے مخاطب ہوئے اور میں نے تم کو اپنا خواب'

خواب میں ہی سنانا شروع کیا۔ اللہ تعالیٰ تمہاری ظاہری وباطنی حالت میں ترقی فرمادیں“

۲...... مختار احمد خان صاحب (از گیسوپور، ضلع بلند شہر، یوپی، ہندوستان) نے اپنے خط مورخہ ۲۷/ جنوری ۱۹۵۵ء بنام حضرت عارفیؒ میں تحریر فرمایا: ”آج رات میں نے دو خواب دیکھے جس میں سے ایک یہ ہے۔

میں حضرت مولانا تھانویؒ کی خدمت میں حاضر ہوں۔ اتنے میں ایک بزرگ آپ کو ہمراہ لئے ہوئے تشریف لائے اور حضرت مولانا قدس سرہ العزیز سے (مجھے ایسا معلوم ہوا شکایۃً) فرمانے لگے کہ دیکھئے آپ کے یہی شخص ہیں جنہوں نے میری کتاب کو ملخص کیا ہے۔ کچھ چیزیں اس میں سے حذف کردی ہیں جو فلسفہ اور کلام سے متعلق ہیں اور باقی رہنے دی ہیں۔ حضرت مولانا قدس سرہ العزیز (مجھے خواب میں معلوم ہوا کہ گویا حضرت آپ کی حمایت میں جواب دے رہے ہیں) فرمایا کہ ہاں میں جانتا ہوں یہی وہ شخص ہیں جن پر رسول اللہ ﷺ کی روح مبارک نے درود فرمایا اور انہوں نے آپ کی کتاب کو ملخص کیا۔ اس کے بعد ان بزرگ نے کچھ نہ فرمایا اور میری آنکھ کھل گئی۔“

حضرت عارفیؒ نے یہ خط اپنی بیاض میں تحریر کرکے آگے یہ جملہ بھی لکھا ہے۔

اللہ تعالیٰ مجھ کو اس کا صحیح مصداق بنادیں۔ آمین

۳...... سرگزشت بلاکشاں کے زیر عنوان حضرت بابا نجم احسن صاحبؒ نے تحریر فرمایا:

”رات کے ڈھائی تین کے درمیان کا عمل ہے۔ سجدہ میں سر ہے اور عارفی کے لئے بے الفاظ دعائیں دل کے اضطراب اور آنکھوں کی نمی کے ساتھ ...... پھر ...... پہلے اللہ اللہ اور پھر الا اللہ کے نغمے زبان پر ہیں نظر کے سامنے کائنات محو ہے اور اسوہ رسول ﷺ پیکری تجلیات مختلفہ کے ساتھ برق تاباں کے انداز میں ...... اب درود زبان پر ہے۔ رسول ﷺ اور اسوہ رسول ﷺ دھیان میں آن کی آن محسوس ہوا گمان ہوا حسین ترین اور شیریں ترین دھوکا کہ خود سرکار دو عالم (فداہ شوم) ﷺ موجود ہیں ۔لرزہ طاری ہوگیا پھر کیا ہوا اللہ جانے یہ البتہ حافظے میں دو قراتوں سے محفوظ ہے

...... (لکھتے لکھتے ذہن سے غائب) اب سوچ رہا ہوں......

این اسوہ رسول ﷺ کہ شد ناز عاشقی
خوش حسن گستری است بہ انداز عاشقی
یہ "اسوہ رسول ﷺ" کے ہے ناز عاشقی
کیا حسن گستری ہے بہ انداز عاشقی
این "اسوہ رسول ﷺ" پے احسن عارفی
خوش خس گسترہ است بہ انداز عاشقی

والسلام
بنام احسن ودر عمل انجم



سلامے چوبوئے خوش آشنائی
بہ آن مردم دیں روشنائی
خوشا حسیں کہ حسن اوست ناز حسن و دلبری
گزید حسن گسترش برائے حسن گستری
بہار کائنات ازو حیات ازو نجات ازو
محمد است وما دشمن چہ داور وچہ داوری
سلام احسن حزیں بہ آن شفیع روز دیں
کہ اوج اوست بے مثل بہ شان مہر گستری"

۴...... حکیم سید محمد ابراہیم صاحب نے تحریر فرمایا:

"حضرت والاؒ کی حج کے لئے روانگی کے بعد میں ایک روز عصر کی نماز پڑھ رہا تھا کہ اچانک نظروں کے سامنے منظر آگیا' دیکھا کہ سب بزرگ حرمین شریفین پہنچ گئے ہیں؛

حضرت والا کے چچا جو کہ نیم مجذوب کی حالت کے تھے وہ جالی مبارک پکڑے رو رہے ہیں۔ اور چچا ہادی صاحب میزاب رحمت کے نیچے غلاف کعبہ کو پکڑے رو رہے ہیں۔ حضرت نجم صاحب بے خود ہیں مگر ہمارے حضرت والا مکہ مدینے کے درمیان ایک مقام رابغ ہے وہاں کھڑے ہیں میں نے دیکھا کہ ان کے سر پر ایک ترازو رکھی ہے اس ترازو کی ڈنڈی پر لکھا ہے ۔

بر کف جام شریعت بر کف سندان عشق

ہر ہوس نا کے نداند جام و سندان باختن

آواز آئی ڈاکٹر عبدالحیؒ کو لسان شیخ عطا کی گئی ہے۔

جب حضرت والاؒ حج سے واپس تشریف لائے تو میں حاضر خدمت ہوا۔ موجودہ کمرہ جو مطب کا تھا وہاں پر اپنی جگہ پر بیٹھ گیا۔ مفتی اعظم پاکستان حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت ڈپٹی علی سجاد صاحب وہاں پر موجود تھے۔ میں خاموش بیٹھا تھا کہ میں نے یہ منظر دیکھا اور دس یا پندرہ منٹ تک مسلسل دیکھتا رہا۔ دیکھا کہ روضہ مبارک میرے سامنے آ گیا ہے اور ستون توبہ 'اسطوانہ ابولبابہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے کمرے میں جالی کے پیچھے حضور ﷺ کالا چغہ مبارک پہنے تشریف فرما ہیں۔ اب حضور ﷺ کے دست مبارک میں ایک بادامی رنگ کا گتے کا ٹکڑا ہے۔ اس پر کالی روشنائی سے لکھا ہے "ڈاکٹر عبدالحیؒ قطب الارشاد "حضور ﷺ یہ گتے کا ٹکڑا دکھا رہے ہیں۔ میں دس یا پندرہ منٹ تک یہ منظر دیکھتا رہا' میرے سارے جسم پر لرزش کپکپاہٹ اور تھرتھراہٹ طاری تھی' سارا جسم ہل رہا تھا' آواز بند ہو گئی تھی۔ حضرت والا "جب میری طرف متوجہ ہوئے تو میری حالت دیکھ کر گھبرا گئے' جلدی سے میرے اوپر شال ڈال دیا' سب احباب متوجہ ہو گئے' میں نے حضرت والاؒ سے پوچھا' قطب الارشاد کی علامات کیا ہیں اور حضرت ڈپٹی علی سجاد صاحب اور حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ انتہائی مسرت سے اس کشف کے متعلق ارشاد فرما رہے تھے اور حضرت والا

"بالکل خاموش تھے۔ دوسرے روز صبح میں پھر حضرت کے مطب میں حاضر ہوا۔ اس وقت حضرت والاؒ بالکل تنہا تھے مجھ سے فرمایا کہ ابراہیم جو کچھ تم نے دیکھا وہ بھی صحیح ہے اور جو کچھ تم نے سنا وہ بھی صحیح ہے۔ ہمارے لئے اور تمہارے لئے جملہ حالات مبارک و مسعود ہیں۔

ایں سعادت بزور بازو نیست

تا نہ بخشد خدائے بخشندہ"

۵...... محمد قاسم صاحب نے اپنے خط مورخہ ۲۵؍ محرم ۱۴۰۱ھ بنام حضرت عارفیؒ میں تحریر فرمایا:

"احقر نے ۲۵؍ محرم ۱۴۰۱ھ کو ایک خواب دیکھا کہ بہت سے علماء صلحاء آپ (حضرت عارفیؒ) کے مکان پر تشریف لارہے ہیں...... اور ان کے علاوہ دوسرے لوگ بھی کثیر تعداد میں جمع ہوگئے...... کچھ دیر خاموشی کے بعد جناب امام الانبیاء محمد ﷺ خلفاء اربعہ اور دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ تشریف لائے۔

حضور اکرم ﷺ آپ کے مکان کے احاطہ میں گھاس کے میدان میں اس جگہ تشریف فرما تھے جہاں جمعہ کے دن آپ کی مجلس ہوتی ہے۔ ہر چند کہ کوئی اسٹیج یا تخت نہ تھا لیکن آنحضرت ﷺ کا معجزہ تھا کہ آپ ایسی بلندی پر نظر آرہے تھے کہ پورا مجمع آپ کے دیدار پر انوار سے سیراب ہورہا تھا کوئی لاؤڈ اسپیکر بھی نہیں تھا لیکن آواز سب کو پہنچ رہی تھی۔ حضور اکرم ﷺ نے عربی میں بیان فرمایا...... حکیم الامت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ اردو میں اس کا ترجمہ اور تشریح کرتے جاتے تھے۔ اس وقت حضور ﷺ نے آپ سے ارشاد فرمایا "محمد عبدالحی کتبتم ھذا للناس و ھدی و موعظة للمتقین" چنانچہ آپ نے لکھنا شروع کردیا جو ایک کتابچہ بن گیا...... آیات کی تلاوت اور تشریح کے بعد رسول کریم ﷺ نے دو حدیثیں ارشاد فرمائیں اور عربی میں ان کی تشریح فرمائی جس کا حکیم الامتؒ نے اردو میں ترجمہ کیا۔ آپ اس کو

تحریر کر رہے تھے ...... آپ نے جو تحریر کیا تھا وہ آپ نے حضور ﷺ کی خدمت میں پیش کر دیا۔ حضور ﷺ نے اسے ملاحظہ فرمانے کے بعد حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے حوالہ کر دیا۔ انہوں نے باقی خلفاء و صحابہ کو دکھلا کر حکیم الامت کو دے دیا۔ حضور ﷺ نے بھی حکیم الامتؒ سے کچھ ارشاد فرمایا جو میں نہیں سمجھ سکا۔ پھر حضرت حکیم الامتؒ نے مجمع سے مخاطب ہو کر آپ کے تحریر کردہ مسودہ کے متعلق فرمایا کہ یہ حضور ﷺ کے فرمان گرامی کا ترجمہ اور تشریح ہے۔ اس کی اشاعت ہماری طرف سے ڈاکٹر محمد عبدالحیؒ صاحب فرمائیں گے۔ اس کے ساتھ آثار و علامات قیامت سے متعلق چند جملے فرمائے اور یہ بھی فرمایا کہ بھائیو! وقت بہت کم رہ گیا ہے۔ ہر فرد کو اپنی اصلاح کی فکر اور پوری کوشش کرنی چاہیئے اور اجتماعی اصلاح کی طرف بھی توجہ اور کوشش کی ضرورت ہے۔ پھر حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے فرمانے پر آپ کا تحریر کردہ مسودہ حکیم الامتؒ نے سب کو پڑھکر سنایا اور یہ فرماتے ہوئے کہ یہ کام آپ کو کرنا ہوگا آپ کے حوالہ کر دیا۔ آپ نے تبسم فرماتے ہوئے انشاءاللہ فرمایا۔"

۶...... حضرت نصرت علی صاحب صدیقی نے حسب ذیل بشارت نامہ حضرت عارفی کو مدینہ طیبہ سے تحریر فرمایا۔

"۲۱رر مضان المبارک ۱۳۹۶ھ کو احقر نے حضور والا کی کتاب "اسوہ رسول ﷺ" دربار رسالت مآب ﷺ مواجہہ شریف میں پیش کی۔ احقر نے دیکھا کہ آنقبلہ خود بہ نفس نفیس اپنی کتاب پیش کر رہے ہیں۔ آنقبلہ اس وقت سراپا نور نظر آرہے تھے۔ چہرہ انور پر بشاشت تھی، سکون و اطمینان تھا، قدرے مسکراہٹ تھی، جیسی کہ آنقبلہ کے چہرہ انور پر رہتی ہے۔ ہر طرف نور ہی نور تھا، عجیب منظر تھا۔ صرف آنقبلہ خوب اچھی طرح دکھائی دے رہے تھے۔ احقر کو محسوس ہوتا تھا کہ حضور پر نور ﷺ شفقت فرما رہے ہیں اور آنقبلہ پوری طرح متوجہ ہیں۔"

۷...... ریاض علی صاحب اپنے مکتوب مورخہ یکم شوال ۱۳۹۶ھ بنام حضرت عارفیؒ تحریر

فرماتے ہیں:

"بحالت اعتکاف مورخہ ۲۹ رر مضان المبارک کو بعد اشراق حسب معمول جب سورہا تھا تو خواب دیکھا کہ آنجناب اپنے مطب میں معمول کے مطابق تشریف فرما ہیں اور نہایت کیف و سرور کے عالم میں ایک نظم تحریر فرمارہے ہیں یعنی خود شاعر کی حیثیت سے نظم تیار فرمارہے ہیں جس کے ہر شعر کی ردیف ساقی ہے۔ احقر نے اس کیف میں دیکھ کر حضرت والا سے دریافت کرنے کی جرأت کی کہ حضرت کیا کررہے ہیں تو آنجناب نے ارشاد فرمایا کہ باری تعالی نے مجھ کو سلام بھیجا ہے لہذا اس کا جواب تحریر کررہاہوں۔"

جناب ریاض علی صاحب نے مزید تحریر فرمایا کہ احقر نے زبانی خواب عرض کرنے پر......(حضرت) نے فرمایا کہ میری ایک غزل بھی ساقی کی ردیف پر ہے:

کیا نشہ صہبا سے مجھے کام ہے ساقی
بس اب تو مرے لب پہ ترا نام ہے ساقی
شاید ہے یہی حاصل مے خانہ کونین
ساغر میں مرے جو مئے بے نام ہے ساقی
بس ایک نگاہ لطف ذرا جلد ادھر بھی
مشکل ہے یہاں فرصت یک جام ہے ساقی
مئے دے کہ نہ دے در پہ پڑا رہنے دے اپنے
یہ رند ترا بندہ بے دام ہے ساقی
تیری نگاہ مست کی ایک ایک ادا میں
میرے لئے کیفیت صد جام ہے ساقی
ہوجائے عطا عارفی تشنہ جگر کو
مس کردو لب تیرا جو یہ جام ہے ساقی

حصہ سوئم

مآثرِ علمیہ

یہ مرے اشعار یہ ضربات قلب بے قرار
ہیں مرے وجدان حسن و عشق کے آئینہ دار
شاعری ہے میری تنہائی کا اک شغل لطیف
اپنی بزم دل کا خود ساقی ہوں خود ہوں میگسار
جب ہوا کچھ کیف دل میں کہہ لئے دو چار شعر
پھر بقدر ذوق ان کو پڑھ لیا دوچار بار
عمر بھر میں نے چھپایا ان کو مثل راز دل
کیا سر محفل سنتا ماجرائے ناگوار
یہ نوائے تلخ و شیریں یہ فغاں گرم و سرد
کیوں کسی اہل نظر کی طبع نازک پر ہو بار
میں ہوں جس عالم میں رہنے دیں مجھے اے عارفی
محفل اہل ہنر سے دور اور بیگانہ وار

کلام عارفیؒ

حضرت بابا نجم احسن نگرامیؒ نے "صہبائے سخن" میں تعارف کے زیر عنوان حضرت عارفیؒ کی شعر گوئی کے متعلق تحریر فرمایا:

"بقول ایک عارفی داں کے "عارفی کو ابتدائی عمر ہی سے علمی و ادبی ماحول نصیب ہوا۔ چونکہ اکثر افرادِ خاندان کو شعر و سخن سے مناسبت تھی اس لئے عارفیؒ نے بھی اپنے جد امجد کے باطنی سوز و گداز کا تاثر لئے ہوئے اور علوم فارسیہ سے مناسبت رکھتے ہوئے شعر کہنے شروع کئے مگر نہ کبھی کسی کو بغرض اصلاح دکھائے اور نہ تحسین طلبی کے لئے عام طور پر مجمع یا مشاعرہ میں سنائے۔"

حضرت عارفیؒ نے اپنی شعر گوئی کے متعلق تحریر فرمایا:

"میرے شعر کہنے کی بھی حالت عجیب ہے۔ بعض وقت بے انتہا کوشش کرتا ہوں کہ ایک مصرع ہی موزوں ہو جائے مگر نہیں ہوتا۔ ایک طرح پر ہفتوں دماغ سوزی کرتا ہوں لیکن بیکار۔ بعض اوقات جیسا کہ لوگ کہتے ہیں خوش گوار موسم میں اطمینان اور سکون حاصل ہو تو خوب شعر نکلتے ہیں لیکن مجھے ایسے وقت میں بھی محرومی رہتی ہے۔ میں نے موسم برسات میں یا کسی اور خوشگوار موسم میں دریا کے کنارے یا چاندنی راتوں میں جب کہ ہر طرح کا سکون حاصل تھا بارہا ایک ایک مصرع موزوں کرنے کے لئے سر مارا ہے مگر کچھ حاصل نہ ہوا اور بعض وقت یہ حالت ہوتی ہے کہ طبیعت پریشان ہے جی الجھ رہا ہے اور طبیعت موزوں ہو گئی خود بخود شعر ڈھلنے لگے۔ اس وقت یہ بھی نہیں ہو سکتا کہ طبیعت کو روک لیا جائے اور شعر نہ کہا جائے۔ بعض وقت ساری رات کروٹیں بدلی ہیں کہ ایک شعر بھی ہو جائے نہ ہوا۔ اور بعض وقت ساری رات طبع موزوں کے ساتھ گزر گئی ہے ہزار کوشش کی کہ سو رہوں اور جو شعر ہو گئے وہ ہو گئے

مگر نیند نہیں آئی اور غزل کے جتنے شعر ہونا تھے وہ پورے ہو کر رہے۔ اس لئے بعض وقت بڑی شرمندگی ہوتی ہے اور طبیعت الجھتی ہے۔ جب کوئی صاحب غزل کہنے کی فرمائش کر دیتے ہیں کیوں کہ شعر کہنا تو میرے اختیار میں ہے ہی نہیں اور لوگ خیال کرتے ہیں کہ میں بنتا ہوں۔ مشاعروں میں بھی یہی کیفیت رہتی ہے۔ بعض دفعہ قافیہ پیمائی کی کوشش کرتا ہوں لیکن اس میں بھی ناکامیاب رہتا ہوں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا مصرع موزوں کبھی آج تک کیا ہی نہیں۔ بالکل اناڑی سا معلوم ہوتا ہوں اور اگر کبھی طبیعت موزوں ہو گئی تو ایسے شعر نکل جاتے ہیں کہ خود حیرت ہوتی ہے کہ کیسے نکل گئے لیکن اب شوق کا قریب قریب خاتمہ سا ہے طبیعت شاعری سے اب متنفر سی ہو گئی ہے۔ بات یہ ہے کہ پامال مضامین کو بار بار باندھنا اور خواہ مخواہ کی بک بک سے کیا فائدہ۔

شعر ہو تو ایسے ہو کہ جو دل میں اتر جائیں' واقعات اور جذبات کی سچی تصویر ہوں۔

چونکہ بے مشقی سے اور لیاقت کے کم ہونے سے یہ بات میسر نہیں اس لئے اب یہ شغل نہایت لغو اور بیہودہ معلوم ہونے لگا ہے اور اب تو ارادہ کر لیا ہے کہ اس قسم کی شاعری ہرگز نہ کروں...... ہر چند میرے جتنے شعر ہیں ان میں بے ہودہ مبالغات ہرگز نہیں پھر بھی کچھ شاعری' شاعری نہیں ہے یہی سبب ہے کہ آج تک میں نے اپنے شعر بغرض اصلاح یا مشورہ کسی کو نہیں دکھلائے گو مواقع اس کے اکثر ملے اور آج کل کے باکمال شاعروں سے شرف ملاقات رہا لیکن کچھ تو طبیعت بھی نہ چاہی اور کچھ اس خیال سے کہ باقاعدہ اس کی مشق کرنا سخت لغویت ہے۔ کبھی ان لوگوں سے اس قسم کا شوق ظاہر نہیں کیا۔ ایک خود رو شاعر ہوں' میری شاعری کا رنگ کچھ اختیار کیا ہوا نہیں ہے بلکہ فطرتاً میری طبیعت ہی کچھ اس رنگ پر واقع ہے۔ کسی کو مجھ پر اعتراض کرنے کا کوئی حق نہ ہوگا کہ میں اصول شاعری سے کس قدر جاہل ہوں۔ مجھے یاد ہے کہ مجھے لڑکپن سے کچھ شعر و شاعری کا شوق ہے لیکن یہ یاد نہیں کہ یہ شوق فطری تھا یا محض صحبت کا اثر تھا کیونکہ میرے ہم عمروں کو جب کہ اکثر چھوٹی عمر میں ایسے شوق پیدا ہو جایا کرتے ہیں' شاعری کا

شوق تھا کہنے کا نہیں بلکہ پڑھنے کا۔ چنانچہ مجھے بھی ایک عمر تک یہی شوق تھا کہ استادوں کے دیوان میں سے شعر کا انتخاب کر کے اپنی بیاض میں لکھا کرتا تھا چنانچہ کئی بیاضیں بنائیں۔ رفتہ رفتہ یہ شوق خود شعر کہنے میں تبدیل ہو گیا۔ میں انگریزی اسکول کی شاید ساتویں جماعت میں تھا جب کچھ تک بندی کرنا شروع کی تھی لیکن مجھے یاد ہے کہ میں کسی کو سناتا نہ تھا۔ بس خود بک لیا جو کچھ بک لیا۔ شاید یہ ۱۹۱۴ء سے سلسلہ شروع ہوا ہے۔ مگر کبھی مستقل طور پر جاری نہ رکھا گیا اور نہ جاری رہا۔ جب جی میں آیا کہہ لیا ورنہ مدتوں تک کچھ نہیں۔ پھر چچا علی شاکر صاحب (خان بہادر رضا حسین کے صاحبزادے جو رشتہ میں چچا تھے) کے ساتھ کچھ دنوں اس کا چرچا رہا۔ وہ بھی خوب شعر کہتے تھے ' چنانچہ ان کی مشق اب تک جاری ہے اور ماشاء اللہ خوب کہتے ہیں۔ جب تک میں اسکول میں رہا یوں ہی بے تکی شاعری ہوتی رہی۔ کبھی ایک آدھ غزل خود بخود بغیر ارادہ ہوئی اور کبھی غور و فکر کے ساتھ قافیہ پیمائی کی گئی۔ اسکول کی زندگی میں صرف دو دفعہ مشاعرہ میں شریک ہو کر پڑھنے کا اتفاق ہوا۔ وہ بھی اللہ جانے کس خیال سے۔ مجھے اپنی طبیعت سے خود تعجب ہے۔ جب میں کالج پہنچا تو وہاں کچھ اور ہی طبیعت نے رنگ اختیار کیا۔ کچھ نظر میں وسعت ہوئی کچھ علی گڑھ کالج کی زندگی کا اثر پڑا۔ کچھ شاعری پر دقیق اور لطیف نظر پڑنے لگی۔ غرض یہ کہ یہاں کی شاعری اور اسکول کی زندگی کی شاعری میں ایک فرق نمایاں ہے مگر میری کالج میں بھی شاعری بالکل بے تکی رہی۔ اول تو کالج میں بھی اس کا چرچا قریب قریب بالکل مفقود تھا۔ دوسرے کچھ ایسی بے اصول زندگی شروع میں رہی کہ شاعری کی طرف بہت ہی کم التفات رہا۔

۱۹۱۸ء سے لے کر ۱۹۲۳ء تک صرف تین مشاعروں میں شرکت ہوئی جن میں ' میں نے غزلیں پڑھیں۔ مگر یہ غزلیں محض قافیہ پیمائی کا نمونہ ہیں۔ اس زمانہ میں ایک آدھ جگہ اور باہر بھی مشاعرہ میں شریک ہونے کا اتفاق ہوا۔ ان غزلوں کا بھی وہی رنگ ہے۔

عمر کے ساتھ ساتھ خیالات تو البتہ بلند ہوتے گئے مگر مشق شعر گوئی، سو وہ قطعی نہیں رہی جب جی میں آیا بلکہ جب خوبخود طبیعت موزوں ہو گئی تو ایک آدھ غزل ہو گئی ورنہ مہینوں تک کچھ بھی نہیں ہوا۔ چنانچہ آج تک میرے شعروں سے پتہ چلتا ہے کہ مشق قطعی نہیں، ورنہ یوں کہنے کو شاعری کرتے برسوں ہو گئے۔

حضرت عارفیؒ کے بقول ان کے ذوق شعر گوئی کی ابتداء ۱۹۱۴ء سے ہوئی۔ ابتدائی زمانہ کی بیاضوں میں ''سب سے پہلی غزل'' کے عنوان کے تحت آپ نے مندرجہ ذیل غزل تحریر فرمائی ہے۔

کس کے آگے جا کے روئیں کس سے چاہیں مدعا
ہو کے نا امید آئے جب تمہارے در سے ہم
اللہ اللہ فرط وحشت واہ رے جوش جنوں
پہروں ٹکرایا کئے سر آستاں سے ان کے ہم
سن کے شوق آرزو وہ بھی نہ بن جائے رقیب
حال دل کہتے ہوئے ڈرتے ہیں نامہ بر سے ہم

گو حضرت عارفیؒ اپنے کلام کی تشہیر کے بالکل خواہاں نہیں تھے مگر اپنے خصوصی احباب کی مجلسوں میں کبھی کبھی اپنے اشعار سنایا کرتے تھے اور اکثر اپنے ہی اشعار سے لطف اندوز ہوا کرتے تھے۔ آپ کے اس راز کو حضرت خواجہ عزیز الحسن صاحب مجذوبؒ اس طرح افشاء کرتے ہیں:

ارے کچھ تو مجذوب یاروں کا حق بھی
یہ چھپ چھپ کے پینا 'اکیلے اکیلے

حضرت عارفیؒ کی عمر جب ۸ سال کی تھی والدہ محترمہ کا انتقال ہو گیا اور محبت و شفقت مادری سے محروم ہو گئے۔ والدہ محترمہ کے انتقال کے بعد آپ نے اپنے جد امجد اور دادی مکرمہ کی آغوش شفقت میں پرورش پائی اور غالباً یہ جد امجد ہی کا فیضان تھا کہ

آپ کی فطرتا میں چھپے ہوئے شاعری کے جوہر کو نہایت خوبصورت انداز میں اظہار و نمو کا موقع ملا۔ آپ نے اپنا تخلص اپنے جدامجد کاظم حسین صاحب کی مناسبت سے کاظمی رکھا بعد میں آپ نے تخلص بدل کر عارفی رکھ لیا۔

حضرت عارفی کا کلام ایک طویل عرصہ تک منظر عام پر نہیں آیا مگر راز، بھی راز نہ رہا۔ آخر کار حضرت عارفیؒ کے عزیز ترین دوست حضرت بابا نجم احسن، احسن نگرامیؒ کے اصرار پر حضرت عارفیؒ اپنے کلام کی اشاعت کے لئے تیار ہوگئے جو ''صہبائے سخن'' کے نام سے ۱۹۶۴ء میں شائع ہوا اس میں ''التماس احسن'' کے زیر عنوان حضرت بابا نجم نگرامی رقم طراز ہیں:

''عارفیؒ کے دل میں شعریت اور سوز و گداز کی مثال بالکل ایسی ہے جیسے سبزہ و برف سے ڈھکی ہوئی پہاڑ کی چوٹیوں کے بطن اور تہہ میں آتش فشاں مادہ...... میں ہمیشہ عارفی کا کلام سنتا رہا اور اس قدر محظوظ و مسرور ہوتا رہا جس کی حد نہیں...... میرے اس مذاق پسندی میں دوسرے احباب کی شرکت نے اور بھی ہمت افزائی کی۔ میں نے چاہا، تجویز کی اور سب احباب نے اس کی تائید کی کہ مرتب ہو کر کلام حلیہ طبع سے آراستہ ہو جائے...... میرے پیہم اصرار سے وہ یاروں کا حق دینے کے لئے تیار ہوگئے۔''

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ ''صہبائے سخن''میں تقریظ کے زیر عنوان حضرت عارفیؒ کے کلام کے متعلق رقم طراز ہیں:

''یہ بات ابھی کچھ عرصہ پہلے معلوم ہوئی کہ ماشاء اللہ شعر و سخن میں بھی آپ کو اللہ تعالی نے خاص کمال عطا فرمایا ہے۔ آپ کا کلام اگرچہ تغزل کے رنگ میں ہے مگر حافظ شیرازی کے طرز پر معرفت و محبت میں ڈوبا ہوا ہے۔ قلب میں حب الٰہی کا ایک خاص کیف پیدا کرنے میں بہت موثر ہے جس کا تھوڑے سے مطالعہ میں مجھے خود تجربہ ہوا۔ آپ کا تخلص عارفی ہے مگر کلام پڑھ کر یقین ہوتا ہے کہ آپ شیخ کی نسبت سے عارفی ہیں تو اپنی حیثیت سے عارف بھی ہیں۔''

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی صاحب رحمۃ اللہ علیہ صہبائے سخن میں "کلام عارفی کا تعارف" کے زیر عنوان تحریر فرماتے ہیں:

"حضرت تھانویؒ کے اہل ذوق خلفاء میں مخدوم و محترم و مشفق مکرم حضرت ڈاکٹر عبدالحیؒ عارفی زید مجد ہم (رحمۃ اللہ) کی ذات گرامی ہے جو انگریزی تعلیم یافتہ اور ایک صاحب مطب ڈاکٹر ہونے کے ساتھ ساتھ ایک صاحب وجد و حال صوفی، ایک مخلص درد مند انسان اور ایک خوش فکر خوش گو شاعر بھی ہیں اور ایسے دور میں (جس میں شعر و شاعر کے معنی ہی بدل گئے ہیں اور شعر و سخن میں رفعت و طہارت کی جگہ ابتذال و پست مذاقی، حقیقت طلبی و حق پسندی کے بجائے مجاز پسندی اور شاہد پرستی، اخلاقی گراوٹ، سوقیت و لایعنیت اور ہر طرح کی بد مذاقی اور تفصل نے لے لی ہے) خوش مذاقی و بلند فطرتی، عالی ظرفی اور بلند نگاہی، حق طلبی و حقیقت سنجی، اخلاص و للّٰہیت، سوز و گداز اور درد و محبت کی پاکیزہ روایات قائم رکھے ہوئے ہیں اور بڑھاپے میں بھی ان کی عرفانی شاعری، جوان، پر کیف، روح پرور اور دل افروز ہے اور صالح خیالات و جذبات، سنجیدہ و چیدہ مضامین، عارفانہ حقائق اور عشق حقیقی کی تجلیات کے لئے بہت ممتاز، قابل قدر و تحسین اور لائق تقلید و استفادہ ہے۔ اور اس دور میں معرفت روحانی و وجدان اور شعری فیضان کا ایک منفرد نمونہ اور اعلیٰ مثال ہے۔ بیشتر غزلوں میں پختہ کار اور مشہور اساتذہ کا رنگ جھلکتا ہے۔ مگر بہ نظر غائر دیکھا جائے تو حضرت عارفی کا کلام اساتذہ کی غزلوں سے کہیں آگے اور معنویت میں بڑھا ہوا ہے جس کا سبب ان کے وہ قلبی احساسات اور پاکیزہ جذبات ہیں جو ان کی شخصیت کا حصہ ہیں۔"

حضرت عارفیؒ اپنے کلام کی اشاعت پر بہ عنوان "معذرت" ارشاد فرماتے ہیں:

عارفی لب پر اگر آ بھی گئی آہ تو کیا
کتنے ہوں گے جو حریف غم پنہاں ہوں گے

"میرے اس مجموعہ اشعار کو شائع نہ ہونا چاہیئے تھا اور حقیقۃً یہ چیز قابل اشاعت ہے

بھی نہیں۔ مجھے اپنے جذبات کی خامیوں اور فن و ادب اور خصوصیات محاسن شاعری سے بے مائیگی کا خود پورا احساس و اعتراف ہے۔ اس لئے میں نے ہمیشہ اپنی موزونیت طبع کو اپنے ہی دل کے کیف تک محدود رکھا لیکن یہ عجیب اتفاق ہے کہ میرے اس آخری دور زندگی میں میرے کلام کی تشہیر کا باعث میرے محبّ محترم حضرت مولوی محمد نجم احسن صاحب دامت برکاتہ ہو گئے اور اس کی اشاعت کے محرک میرے عزیز کرم فرما جناب محمد یاسین صاحب تسکین میرٹھی ہیں۔ ان حضرات اہل ذوق سخن فہم کے پیہم اصرار مخلصانہ کا یہ کرشمہ ہے کہ یہ چیز منظر عام پر آ رہی ہے۔

جو بات ہمیشہ مجھ کو طبعاً ناگوار تھی وہ میں نے ان حضرات کی محبت و خلوص کی خاطر گوارا کر لی، ممکن ہے کہ ادب و فن کے اعتبار سے ان اشعار کا کوئی خاص درجہ نہ ہو اس لئے کسی صاحب نظر کو اس کے ظاہری و باطنی نقائص پر مطلع ہونے سے مکدر نہ ہونا چاہیئے۔ ہاں کسی اہل دل صاحب وجدان کو دو، چار شعر پسند آ جائیں اور انبساط خاطر کا باعث ہوں تو مقصود حاصل ہے۔"

حضرت عارفیؒ کا مجموعہ کلام "صہبائے سخن" شائع ہوا۔ اہل دل اور اہل نظر نے شاندار پذیرائی کی۔ مختلف رسائل و کتب میں آپ کے کلام پر تبصرے شائع ہوئے۔ اختصار کے مد نظر صرف نیاز فتحپوری صاحب کا جامع تبصرہ بہ عنوان "باب انتقاد" جو رسالہ نگار پاکستان ماہ اکتوبر ۱۹۶۵ء میں شائع ہوا، اور رفعت احمد خان صاحب کا تبصرہ جو مقالات عارفی میں شائع ہوا، ان دونوں حضرات کی نگارشات کے کچھ اقتباسات سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ شاعری میں حضرت عارفیؒ کا کیا مقام تھا۔

باب انتقاد از نیاز فتح پوری

"صہبائے سخن" مجموعہ ہے جناب محمد عبدالحیؒ عارفیؒ کی غزلوں کا جو پچھلی نصف صدی میں یعنی (۱۹۱۴ء سے ۱۹۶۴ء تک) بے اختیارانہ ان کے قلم سے نکل گئی ہیں اور یہ

بے اختیاری والی بات میں نے اس لئے کہی کہ اگر خود جناب عارفی بھی مجھ سے یہ کہیں کہ ان کی غزلیں کسی قصد وارادہ کا نتیجہ ہیں تو میں قیامت تک اس بات کو تسلیم نہ کروں گا۔ کیونکہ ان کے "ازدل خیزد" ہونے کا علم مجھے خود "بردل ریزد" سے ہوا ہے جس سے میں انکار کروں بھی تو دل کیوں مانے گا۔

یہ بات سب جانتے ہیں اور کہتے بھی ہیں کہ غزل خالص دنیائے محبت کی چیز ہے لیکن اس عمومیت میں جب تک کسی تنزیہی کیفیت و لطافت کی خصوصیت شامل نہ ہو صحیح معنی میں غزل وجود میں نہیں آتی اور یہ وہ بات ہے جس کا تعلق نہ تنہا دل سے ہے نہ تنہا روح سے بلکہ ان دونوں کی ہم آہنگی کا جس میں انہوں نے خدا جانے کتنے نئے آہنگ پیدا کئے ہیں۔

تغزل نام ہے صرف جذبات عاشقانہ کے اظہار کا، لیکن صرف عاشقانہ کہہ دینے سے بات واضح نہیں ہوتی جب تک کیفیات عشقیہ کے تعبیر اصلیہ کو سامنے نہ رکھا جائے اور یہیں سے تغزل کی دوراہیں الگ الگ ہو جاتی ہیں۔ ایک وہ جسے عرف عام میں مجاز کہتے ہیں اور دوسری وہ جسے حقیقت سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ میں اسے تصوف اس لئے نہیں کہتا کہ وہ بھی میرے نزدیک ایک تشنہ تعبیر ہے اس دنیائے احساسات و تاثرات کی جہاں ؎

جولانکدہ پر تو ماہ اند کتانہا

اور اسی جولانکدہ پر تو ماہ کا دوسرا نام "صہبائے سخن" ہے۔

اس مجموعہ کو تین ادوار میں تقسیم کیا گیا ہے ایک میں جناب عارفی صاحب کے زمانہ طالب علمی (۱۹۱۴ء سے ۱۹۲۵ء) کا کلام درج ہے اور اسی کے ساتھ اس کا انتخاب۔ دوسرا حصہ (۱۹۲۵ء سے ۱۹۳۵ء) تک کی غزلوں پر مشتمل ہے اور اس کا انتخاب بھی دے دیا گیا ہے تیسرے حصے میں (۱۹۳۶ء سے ۱۹۶۳ء) تک کی غزلیں درج ہیں اور پھر انہی کا انتخاب۔ لیکن عجیب تر بات یہ ہے کہ ان مختلف زمانوں کے رنگ تغزل میں کوئی

خاص فرق محسوس نہیں ہوتا۔ مثلاً عنفوان شباب کا کلام ملاحظہ فرمایئے:

عارفی ہو تو گئے خوگر تسلیم و رضا
عشق سے گر نہ ہوا کچھ ہمیں حاصل نہ سہی
کچھ تو ہو جس سے امید دل مایوس بندھے
میں نے مانا وہ مرے حال سے غافل نہ سہی

اب اس کے بعد ۱۹۶۳ء کی ایک غزل ملاحظہ فرمایئے:

جب کبھی وہ ادھر سے گزرے ہیں
کتنے عالم نظر سے گزرے ہیں
بس گئی ہے فضا میں نکہت حسن
وہ جہاں بھی جدھر سے گزرے ہیں
کتنے دلکش ہیں ان کے نقش قدم
جو تری رہ گزر سے گزرے ہیں
نت نئے حسن یار کے جلوے
میری شام و سحر سے گزرے ہیں
دل پہ اک تازہ چوٹ کھائی ہے
جب بھی ہم ان کے در سے گزرے ہیں

اس غزل کا مطلع تو خیر ملہمات سے تعلق رکھتا ہے لیکن باقی اشعار کو دیکھئے تو بھی آپ کو کوئی خاص فرق ان کے ابتدائی و انتہائی رنگ میں نظر نہ آئے گا اور غالباً یہی وہ فطری خصوصیت ہے جسے دنیائے تصوف میں "اولی ما آخر ہر منتہی" کہا جاتا ہے۔

یوں تو عارفی کے مختلف زمانوں کا رنگ تغزل اپنے جذبات کی پاکیزگی و تاثرات کی گہرائی، اسلوب بیان کے ترنم اور حلاوت زبان کے لحاظ سے یکساں نظر آتا ہے۔ لیکن بہت غور سے دیکھنے کے بعد یہ ضرور محسوس ہوتا ہے کہ وہی چیز جو پہلے ان میں صرف ربودگی و

وار فتگی تھی بعد میں اس کی لذت کا احساس تیز تر ہوتا گیا اور اس نے یہ رنگ اختیار کر لیا۔

کچھ یہی محسوس ہوتا ہے و فورِ شوق میں
ہر ادائے دوست جیسے میرے دل کا راز ہے

غالب تو صرف تقریر کی لذت میں کھو گئے اور محبوب کی بات ان کو اپنے دل کی بات معلوم ہونے لگی لیکن عارفی نے ہر ادائے دوست کو اپنے دل کا راز کہہ کر اس خیال کو خدا جانے کہاں سے کہاں پہنچا دیا۔

عارفیؒ کے کلام کی وہ خصوصیت جس سے ان کا کوئی شعر خالی نہیں اس کا والہانہ لب و لہجہ ہے جو اس وقت تک پیدا ہی نہیں ہو سکتا جب تک ''وہاں زخم نہ پیدا کرے کوئی'' اور یہ زخم عارفیؒ کے دل میں مجھے بہت گہرا نظر آتا ہے۔ گویا ''ایں سینہ ہمہ بد و ختن رفت''

عارفی کی شاعری کوئی اکتسابی چیز نہیں بلکہ وہبی یا عطیہ فطرت ہے اور بقول غالب ؎

شعر خود خواہش ایں کرد کہ گردد فن ما

لیکن یہ بات بھی ہم عارفی کے صرف ابتدائی دور شاعری سے متعلق کہہ سکتے ہیں ورنہ بعد میں جب انہوں نے حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی طرف دست ارادت بڑھایا تو ان کی توجہ کے فیضان سے رنگ کچھ اور نکھر گیا اور ایسا ہونا چاہیئے تھا کیونکہ اب تو صورت یہ تھی ؎

یوسفے ہست دریں گوشہ زنداں مارا

اور ان کی وجدانی شاعری نے عجیب و غریب روحانی پاکیزگی حاصل کر لی۔ گویا ''چو بوئے گل نبود گرد کاروان مرا'' چنانچہ آپ عارفی کا سارا کلام پڑھ جایئے کوئی ایک مثال بھی پستی ذوق کی نہ ملے گی۔

نہ وہاں ''شوق وصل و شکوہ ہجراں'' ہے نہ رقیب و اغیار کا ذکر' نہ وہاں ہنگامہ آہ وزاری ہے نہ طوفان اشکباری بلکہ تفسیر ہے محض اس جذبہ کی جسے بیدل نے یوں

ظاہر کیا ہے ۔

می سوزم واز سوختن خود خبرم نیست

اور خود عارفیؒ نے اس کی یوں تعبیر کی ہے ۔

آشفتہ دلی ہے نہ وہ شوریدہ سری ہے

پھر بھی مگر اک آگ سی سینہ میں لگی ہے

محبت کی وہ منزل جب اس کا احساس ظاہری، صرف باطنی کیفیات میں تبدیل ہو جاتا ہے بڑی عجیب و غریب منزل ہے جہاں پہنچ کر شاعر کی زبان اور اس کا لب و لہجہ یکسر الہامی ہو جاتا ہے۔ مثلاً ان کی ایک غزل کے چند اشعار سنئے ۔

نہ کریں آپ میرے دل کا مداوا نہ کریں

پرسش غم سے مگر حشر تو برپا نہ کریں

وجہ آشوب دل و جاں ہے محبت میں یہی

ہو سکے ہم سے تو ہم کوئی تمنا نہ کریں

اب تو کچھ پاس محبت کا تقاضا ہے یہی

ان سے ہم پاس محبت کا تقاضا نہ کریں

پاس پیمان وفا شرط مروت ہے ضرور

میری خاطر مگر آپ اس کا ارادہ نہ کریں

یہ تغزل کا وہ رنگ جس کا تعلق جذبات محبت سے زیادہ دراصل آداب محبت سے ہے۔ میر کہتا ہے "عشق بن یہ ادب نہیں آتا" اور یہ ادب کیا ہے۔ اسی کی صراحت عارفیؒ نے اپنے اشعار میں کی ہے جسے اصطلاحات صوفیا میں "جیب تمنا تہی" کہتے ہیں۔ تمناؤں کا اظہار تو سب ہی کرتے ہیں لیکن ترک تمنا کو عین تمنا قرار دینا عاشقانہ جذبات کی نزہت و پاکیزگی کا وہ درجہ بلند ہے جو مشکل ہی سے کسی کو حاصل ہوتا ہے اور عارفیؒ کی شاعری تمام تر اسی جذبہ بلند پر قائم ہے جسے دوسرے الفاظ میں انہوں نے اس

طرح ظاہر کیا ہے۔

جس جگہ معراج ہوتی ہے جنون شوق کی
ہے مقامات محبت میں مری منزل وہی
اب یہ عالم ہے ذرا بھی جب کبھی خلوت ہوئی
پھر وہی جان تصور پھر حدیث دل وہی
عارفی اب تک وہی میرا مزاج عشق ہے
پاس ضبط غم وہی سوز و گداز دل وہی

عارفی کے کلام کی سب سے زیادہ نمایاں خصوصیت اس کا وہ خوشدلانہ جذبہ تسلیم و رضا اور شعار ضبط و تحمل ہے جو دنیائے محبت میں بہت کم کسی کو حاصل ہوتا ہے اور کسی شاعر کا اپنی شاعری کی تمام بنیاد اسی جذبہ بلند پر قائم کرنا اور اس سے نہ ہٹنا بڑی نادرالوقوع بات ہے چند اشعار ملاحظہ ہوں۔

سوز نہاں سے پھونک دوں قلب و جگر مگر نہیں
اپنے مقام ضبط کی کیا مجھے کچھ خبر نہیں

....

جو کچھ بھی ہو انجام گداز غم پنہاں
فی الحال تو کچھ باعث تسکین یہی ہے

....

نہ ممکن ہو سکی تکمیل شرح مدعا مجھ سے
بہت عنوان بدلے لاکھ انداز بیاں بدلا

....

میرا مذاق عشق ہے خموش سوز غم
میں قطرۂ ہوں شورش آہ و فغاں سے دور

....

محبت میں یہ امید وفا اچھی نہیں اے دل
کہیں ایسا نہ ہو بڑھ کر خود اک آزاد ہو جائے

....

اسی سعی ضبط و غم سے دل زار ہو گیا خوں
کہیں آ نہ جائے لب پر کوئی آہ والہانہ

....

بہت یاد آتا ہے عہد تمنا
مگر بھول جانے کو جی چاہتا ہے

....

نا شناس چشم و لب 'بیگانہ شرح و بیاں
مضطرب سا اک تقاضائے محبت دل میں ہے

ہر شعر اپنی جگہ ایک مستقل درس ہے! نہیں آداب محبت کا ایسے موثر و پاکیزہ لب و لہجہ میں کہ "ایں جا از نم یک جرمی ریزند کو ثرہا۔"

"عارفی کے کلام کی دوسری خصوصیت یہ ہے کہ وہ شورش و ہنگامہ سے بالکل پاک ہے۔ ان کا تغزل فراز کوہ سے گرنے والی آبشار نہیں بلکہ ایک سطح زمین پر بہنے والی جوئبار ہے جو ایک ہی رفتار سے جاری و ساری ہے اور اس کے ترنم سے فضا معمور ہو رہی ہے۔"

"عارفی کا کلام پڑھنے کے بعد ایک نقاد کے لئے بڑی مشکل یہ پیش آتی ہے کہ وہ اس کے مدارج و مراتب کیونکر متعین کرے اس لیے میں نے جو کچھ لکھا ہے وہ نقد و تبصرہ تو ہو ہی نہیں سکتا کیونکہ جناب عارفی نے اس کی کوئی گنجائش ہی نہیں چھوڑی بلکہ محض اعتراف ہے ایک ایسی حقیقت کا جس کو تسلیم کیے بغیر کوئی چارہ نہیں اور اس بات پر مجھے

تھوڑا سا فخر بھی حاصل ہے کیونکہ عارفی میرے ایک عزیز ترین مرحوم دوست کے فرزند ہیں اور خوش قسمتی سے آج میں اور وہ دونوں ایک ہی سرزمین میں سانس لے رہے ہیں۔ خدا انہیں تادیر سلامت رکھے۔

عارفی کے جد امجد مولوی کاظم حسین صاحب فارسی کے بڑے جید شاعر تھے اور تاریخ گوئی میں تو ان کی کوئی نظیر نہ تھی۔ مجھے بھی ان کا فخر نیاز مندی حاصل تھا اور ان کے فارسی مجموعہ کلام نشید کاظم سے میں نے بہت کچھ حاصل کیا۔

جناب عارفی کی اردو شاعری تو خود ان کا ذاتی ذوق ہے لیکن مجھے بڑی خوشی یہ دیکھ کر ہوئی کہ وہ اپنے دادا کے فارسی ذوق کے بھی حامل ہیں اور چند غزلیں فارسی کی بھی اس مجموعہ میں شامل کر دی گئی ہیں۔"

حضرتؒ کی شاعری از رفعت احمد خان

"حضرت کا کلام ان کے عرفان کا آئینہ دار ہے' ان کی شاعری ان کی زندگی سے ہم آہنگ تھی جو دل میں تھا وہی زبان پر۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے اشعار سننے والوں کے دلوں پر اثر انداز ہوتے تھے۔

از دل خیزد و بر دل ریزد

ان کا کلام و محبت کی کیفیات اور سوز و گداز سے لبریز ہے۔ در حقیقت اسی شعر کو شعر کہنا چاہیے جس میں شاعر کے محسوسات و جذبات اور خیالات و تصورات کی صحیح اور سچی ترجمانی ہو' ورنہ صرف ایک منظوم کلام کہا جا سکتا ہے۔ جگر مرحوم کا مشہور قول کہ شعر کہا نہیں جاتا' ہو جاتا ہے' اسی حقیقت کا ترجمان ہے۔ اگر شاعری جذبات و خیالات کے سچے اظہار کا نام ہے تو اس کی مثال "صہبائے سخن" سے بہتر بہت کم ملے گی۔ حضرت عارفیؒ اس حقیقت کا اظہار و انکشاف اس طرح کرتے ہیں۔

عارفی بس یہ حقیقت ہے مرے اشعار کی
نالہ ہائے دل جب آئے لب پہ موزوں ہوگئے

میرا ہر ایک شعر گویا عارفی
اضطراب قلب کی آواز ہے

اور اپنی اس انفرادیت کو یوں ظاہر فرماتے ہیں۔

میں عارفی بیگانہ ہم ذوق سخن ہوں
فطرت نے عطا کی ہے مجھے فکر و نظر اور

"البتہ حضرت کے جذبات کی رفعت و ندرت اور راہ طلب میں ان کے مذاق عشق و محبت کی انفرادیت کے چند شواہد انہیں کے کلام سے پیش نظر ہیں جن سے ان کی والہانہ کیفیات اور عارفانہ مقامات عشق کا اندازہ ہو سکتا ہے جہاں پہنچ کر لذت درد دل مضطر، کیف غم عشق، سوز و گداز محبت، جنون آرزو اور رموز بے خودی ان کے پورے کلام میں نمایاں طور پر نظر آتے ہیں۔ راہ طلب میں مخلصانہ اور والہانہ سعی و کاوش ہی ان کی منزل اور مقصد حیات ہے۔ اسی جد و جہد میں اپنی ہستی کو فنا کر دینے میں انہیں لطف روحانی اور سکون جاودانی حاصل ہوتا ہے۔ فرماتے ہیں۔

یہ انداز سخن اے عارفی یہ سوز و ساز و غم
طبیعت فطرتاً درد آشنا معلوم ہوتی ہے

ان کے شیخ حضرت حکیم الامت بھی اکثر یہ رباعی پڑھا کرتے تھے۔

زندہ کنی عطائے تو
ور بکشی فدائے تو
دل شدہ مبتلائے تو
ہرچہ کنی رضائے تو

کسی نے عاشقی کی یہی تعریف لکھی ہے

ناز پرورد و تنعم نہ برد راہ بہ دوست
عاشقی شیوہ رندان بلاکش باشد

اس پر حضرت کے شیخؒ کے شیخ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا شعر یاد آگیا جو اس مذاق عشق کی معراج کا مصداق ہے۔

یابم او را یا نہ یابم آرزوئے می کنم
حاصل آید یا نہ آید جستجوئے می کنم

اس وقت یہ حالت ہو جاتی ہے کہ جس کی نقلی ترجمانی کبھی راقم نے اس طرح کی تھی کہ ؎

ان کی رضا کو زیست کا حاصل بنالیا
ہر ہر قدم کو راہ میں منزل بنا لیا

سوز و گداز عشق اور ضبط غم پنہاں حضرت عارفیؒ کا اصلی مذاق ہے۔ فرماتے ہیں۔

عارفی اب تک وہی میرا مزاج عشق ہے
پاس ضبط غم وہی سوز و گداز دل وہی

....

میرا مذاق عشق ہے خاموش سوز غم
میں فطرۃً ہوں شورش آہ و فغاں سے دور

....

جو کچھ بھی ہو جس کے لیے فیضان محبت
پیہم تپش سوز نہاں میرے لئے ہے

وہ اسی لذت پنہاں کو شعریت سے تعبیر کرتے ہیں۔

وہ شعر ہی نہیں ہے نہ ہو جس میں عارفی
سوز و گداز عشق کی لذت بھری ہوئی

یہی نہیں بلکہ اس سوز و گداز غم کے اظہار میں آہ و فغاں اور نالہ و فریاد کو بھی طریق عشق کے خلاف سمجھتے ہیں۔

بن کر آہ آتشیں لب پر نہ آجائے کہیں
وہ گداز غم جو اک مدت سے پنہاں دل میں ہے
پھونک دے دل کو بلا سے آتش سوز نہاں
نالہ ناممکن ہے مجھ سے اور سب منظور ہے

....

لہو ہو کے دل بہہ گیا ضبط غم سے
نہ آئی مگر لب پہ آہ محبت

....

اسی سعی ضبط غم میں دل زار ہو گیا خون
کہیں آنہ جائے لب پر کوئی آہ والہانہ

اس مستقل مذاق طبیعت کا یہ نتیجہ ہوتا ہے کہ مشکل حالات میں بھی ان کا کیف محبت کم نہیں ہوتا۔

بہت ہے عارفی بے کیفی دل
مگر کیف محبت کم نہیں ہے

اور محبت کا مذاق صبر آشوبی ہمیشہ قائم رہتا ہے۔

اس محبت کا مذاق صبر آشوبی نہ پوچھ
جو قیامت تک نہ ہو پوری وہ حسرت دل میں ہے

....

انہیں کو عارفی لذت کش درد نہاں پایا
محبت میں جو دل آسودہ آشوب غم نکلے

وارفتگی و بے خودی کے عالم میں افکار و آزار کا احساس تک نہیں ہوتا اور یہ کیفیت ہو جاتی ہے کہ ؎

نالے ہیں نہ آہیں ہیں نہ خلش ہے نہ تپش ہے
کچھ بھی نہ رہا محویت دل کے سوا یاد

اس راہ طلب میں رضائے دوست ہی مقصد حیات ہے جس کے حصول کے لئے سعی پیہم، سوز غم اور اضطراب مسلسل ہی سرمایہ لطف و تسکین بن جاتے ہیں۔ رضائے دوست کے علاوہ کسی کیف و لذت کی تمنا کو بھی طریق عشق کے خلاف تصور کرتے ہیں۔

ترا دل ناشناس لذت درد محبت ہے
تجھے کیا معلوم ہمدم کہ لطف زندگی کیا ہے

....

عارفی کشتہ بیداد محبت ہی سہی
سب گوارا ہے جو یہ تیری رضا ہے اے دوست

مشاہدہ جمال محبوب کے علاوہ کسی اور کیفیت کی تمنا اخلاص کے منافی محسوس ہوتی ہے اسی کو حضرت خواجہ عزیز الحسن صاحب مجذوبؒ فرماتے ہیں ؎

ہر تمنا دل سے رخصت ہو گئی
اب تو آجا اب تو خلوت ہو گئی

اسی عالم میں حضرت عارفی فرماتے ہیں۔

ہیں ہم آغوش تصور جلوہ ہائے حسن دوست
ایک اک لمحہ حیات جاوداں ہے آج کل

جیسا کہ میں پہلے عرض کر چکا ہوں اگر شعر دراصل حقیقی جذبات و خیالات کی ترجمانی کا نام ہے تو آپ خود اندازہ لگا سکتے ہیں کہ کتنے شاعر ایسے نکلیں گے کہ جن کا کلام

تمام و کمال ان کے دلی یقینیات و تاثرات اور افکار و نظریات کے مطابق ہے اور محض قافیہ پیمائی، رسمی روش اور روایتی انداز کی بناء پر انہوں نے اپنے حقیقی خیالات و نظریات سے جابجا انحراف نہیں کیا اور انحراف بھی اس قدر کہ باہم متضاد ہوگئے۔ اشعار کا یہ تضاد و تخالف ان کے اشعار کو شعر کی متذکرہ بالا تعریف و حقیقت سے بالکل جدا کر دیتا ہے۔"

(حضرت عارفی ؒ) کے ہاں بندش الفاظ اور تراکیب کے استعمال میں بھی عجیب ندرت ہے۔ اس حسن و خوبی کے ساتھ طرز اداء میں تصنع و تکلف نہیں پایا جاتا۔ غیر مناسب رعایت لفظی غیر فطری تشبیہات و استعارات اور صنائع و بدائع نہیں ملیں گے ۔مذاق عشق و محبت کے ساتھ حضرت عارفی کے انداز بیان اور طرز ادا میں جو دلکشی اور اثر پذیری ہے وہ ان کے ادبی ذوق کی آئینہ دار ہے۔

پڑھ کر تو کوئی دیکھے اشعار محبت کے
ہو جائیں گے خود پیدا آثار محبت کے
صہبائے سخن کیا ہے سر چشمہ عرفان ہے
ہر شعر میں پنہاں ہیں اسرار محبت کے"

تالیفات

حضرت عارفیؒ کو علمی ذوق اور دینی شغف ابتداء عمر ہی سے تھا اور لکھنا پڑھنا آپ کا ہمیشہ سے روز مرہ کا معمول تھا۔ چنانچہ اوائل عمر ہی سے آپ نے اپنی یادداشتیں مرتب کرنا شروع کر دی تھیں۔ ۱۹۳۶ء تا ۱۹۷۰ء کے دوران ہومیو پیتھک پر آپ نے ۱۸ بیش بہا کتابیں تصنیف فرمائیں۔ حضرت حکیم الامت قدس سرہ سے بیعت ہونے کے بعد ۱۷ سال کے دوران اس ذوق و شغف میں اضافہ ہوتا گیا۔ مجاز بیعت بننے کے بعد آپ نے تبلیغ دین کا کام شروع کر دیا اور شریعت مطہرہ کی تعلیمات کو حالات حاضرہ کی ضروریات اور تقاضوں کہ مد نظر رکھتے ہوئے عوام الناس تک پہنچانے میں مصروف ہو گئے۔ تبلیغ دین کے لئے آپ نے تقریر اور تحریر کا ذریعہ اپنایا۔ تقاریر کا سلسلہ تو عرصہ دراز سے جاری تھا مگر ۱۹۷۵ء سے آپ نے باقاعدہ تالیف و تصنیف کی طرف متوجہ ہوئے۔ اتباع رسول اللہ ﷺ کے حصول کے لئے آپ نے صحاح ستہ اور مستند کتابوں سے احادیث جمع کرنا شروع کیں۔ افادہ عام کے لیے اس مجموعہ کو ''اسوہ رسول اکرم ﷺ'' سے موسوم کتاب مرتب فرمائی نیز اپنے شیخ حکیم الامتؒ کی تعلیمات کو عام کرنے کے لیے حضرت والا کی مختلف تالیفات' تصنیفات سے مواد جمع کر کے تصوف اور دیگر دینی علوم پر کتابیں مرتب فرمائیں۔ حضرت حکیم الامتؒ کی تالیفات' مواعظ اور ملفوظات وغیرہ کی ایک فہرست (کتابی صورت میں) مرتب فرمائی۔ اس طرح آپ نے ۱۹۷۵ء سے ۱۹۸۶ء تک آٹھ کتابیں تصنیف' تالیف یا مرتب فرمائیں جو حسب ذیل ہیں۔

تبلیغی و اصلاحی تالیفات

۱۔ اسوہ رسول اکرم ﷺ

۲۔ مآثر حکیم الامتؒ

۳۔ بصائر حکیم الامتؒ

۴۔ معارف حکیم الامتؒ

۵۔ اصلاح المسلمین (ارشادات حکیم الامتؒ)

۶۔ فہرست تالیفات حکیم الامتؒ

۷۔ احکام میت

۸۔ معمولات یومیہ

۹۔ جواہر حکیم الامتؒ

۱۰۔ سیرت کانفرنسوں کے لیے لمحہ فکریہ

۱۱۔ انتباہ خصوصی

حضرت عارفیؒ کے انتخاب شدہ حضرت حکیم الامتؒ کے ملفوظات کے تراشوں پر مبنی ایک کتاب "جواہر حکیم الامتؒ" کے نام سے ۱۹۹۸ء میں شائع ہوئی۔ اس طرح آپ کی تالیفات کی تعداد گیارہ ہو جاتی ہے۔

یوں تو گنتی میں آپ کی تالیفات اور تصنیفات بہت مختصر ہیں لیکن افادیت کے لحاظ سے بیسیوں کتابوں پر بھاری ہیں اور اسلوب نگاری بالکل منفرد ہے۔ ان تالیفات کے متعلق حضرت والا نے اپنی خصوصی مجلس منعقدہ پیر ۹؍ جولائی ۱۹۸۵ء میں ایک جائزہ پیش کرتے ہوئے فرمایا:

"دعویٰ کرنا تو اچھی چیز نہیں ہے۔ خیر تحدیث نعمت کے طور پر لافخری کے ساتھ جو چاہو سو کہہ لو۔ "اسوہ رسول اکرم ﷺ" بے مثال کتاب ہے۔ الحمد للہ مقبول ہو چکی

ہے۔ عربی میں ' فارسی میں اور دیگر کئی زبانوں میں ترجمہ ہو کر بھی شائع ہوچکی ہے۔ ""معمولات یومیہ ""معمولات یومیہ 'انرجی ہے 'قوت ہے 'غذا ہے 'روحانی غذا 'اس کو حاصل کرو اور عمل کیا کرو۔ ""اسوہ رسول اکرم ﷺ ""کو اپنا رہبر بناؤ۔

تعلق تو حضرت (حکیم الامتؒ قدس سرہ) سے بڑے بڑے عالموں کو بھی تھا۔ بڑے بڑے عابدوں کو اور تجارت پیشہ کو بھی تھا، لیکن اس ناکارہ نے جو حق ادا کیا ہے اپنے رہبر و مرشد کا شاید ہی کسی سے ہوا ہو۔ یہ انفرادیت کا درجہ رکھتا ہے۔ حکیم الامت تھے 'حضرت محی السنّت تھے 'مجدد الملت تھے۔ ""مآثر"" پڑھو۔ معلوم ہو گا کہ (حضرت) محی السنّت تھے۔ مآثر حکیم الامت خود ایک بولتی ہوئی حضرت کی شخصیت ہے۔ چھوٹے چھوٹے عنوانات ہیں۔ ہر جگہ عنوان کے تحت حضرت ہی کے ارشادات ہیں 'جیسے خود حضرتؒ ہی نے ان عنوانات پر گفتگو فرمائی ہو۔ یہ ترتیب منجانب اللہ ہے۔ بڑی قابل قدر کتاب ہے۔ مختصر سوانح حیات میں نے اس میں شامل کی ہے۔ میں تو سمجھتا ہوں صرف میں ہی لکھ سکتا ہوں۔ اس میں جامعیت ہے 'بلاغت ہے اور فصاحت ہے۔ چند صفحوں کے اندر حضرت والا کا شاید اس انداز سے تعارف دوسرا نہ لکھ سکے۔

کہا جاتا کہ تصوف فن ہے۔ اس تصوف پر بڑے بڑے دفاتر ہیں 'مولانا رومؒ کے ہوں 'مجدد الف ثانیؒ کے ہوں 'امام غزالیؒ کے ہوں۔ تمام دفاتر کے دفاتر بھرے پڑے ہیں۔ سب کہتے ہیں کہ یہ فن ہے۔ ایک فن ہوتا ہے 'ایک علم۔ علم تو آتا ہے درسگاہ سے اور فن آتا ہے تربیت سے۔ اشرف السوانح کے دیباچہ میں حضرت لکھتے ہیں ""میں نے اس کو اس لئے گوارا کرلیا کیونکہ اس میں تصوف کا فن آگیا۔ ""تو میں نے جتنا تصوف چھانا 'عطر لے لیا اس کا ""بصائر حکیم الامت ""میں۔ یہ چیز تھی فن کی صورت میں ۔الحمد للہ وہ سب اس میں آگیا۔ حضرت کا آخری وقت ہے 'آنکھیں بند کئے ہوئے لیٹے ہوئے ہیں۔ خواجہ صاحب سے فرماتے ہیں۔ ""آپ نے مجھے پہچانا نہیں۔ خواجہ صاحب آپ نے میری قدر نہ کی۔

ہر کسے از ظن خود شد یارِ من
از درون من نجست اسرار من

میں نے محسوس کیا یہ حسرت فرما رہے ہیں۔ چونکہ اللہ تعالیٰ کو مجھ سے کام لینا تھا۔ کتنی بڑی حسرت لئے جا رہے ہیں۔ دوسرا شعر وارد ہوا۔ انشراح ہو گیا۔

سرّ من از نالۂ من دور نیست
لیک چشم گوش را آں نور نیست

اللہ تعالیٰ نے نور عطا فرمایا، اس کی ایک جھلک "بصائر" کی شکل میں آ گئی۔ فن کی صورت میں آج تک دوسری کتاب آپ کو اس شکل میں نہ ملے گی۔ یہ حضرت کا فیض ہے۔ حضرت کی یہ حسرت پوری ہو رہی ہے۔ اہل نظر کہتے ہیں کہ کمال اس میں یہ ہے کہ چھ سو صفحے کی یہ کتاب ہے اور اس میں کوئی بات اپنی نہیں "توضیح اور تشریح" کہیں نہیں ہے۔ انتخاب مضامین اور ترتیب مضامین، عنوانات مضامین القا ہوئے ہیں۔ جو کچھ ہے سب حضرتؒ ہی کے حوالے سے ہے۔ معمولی چیز نہیں ہے۔ دیکھنے میں "بصائر" ایک کتاب معلوم ہو گی آپ کو، لیکن فن کی کتاب آج تک اس صورت سے مرتب نہیں ہوئی تھی اور کمال یہ ہے کہ خود مولف کا ایک حرف نہیں ہے۔ سب میں حوالے دے دیئے ہیں اور پھر ترتیب مضامین اس طور پر ہے کہ پڑھتے جایئے تدریجاً معلوم ہوتا جائے گا کہ فن کیا ہے؟ لا الہ الا اللہ۔

یہ "بصائر" قابل قدر چیز ہے۔ انشاءاللہ آئندہ نسلیں سند لیں گی اس سے، حجت سمجھیں گی اسے، کہا جاسکتا ہے کہ آج کل کے لوگوں نے حضرت کے ملفوظات کو حضرت کی سوانح کو اپنی تشریحات کے ساتھ لیا ہے۔ میں نے تشریحات نہیں کی، ادب کے خلاف سمجھا اسے، اس طرح مرتب کیا اسے تشنہ بھی نہیں کہہ سکتے۔ تشنگی کہیں نہیں، وہاں تو ہر چیز اپنی جگہ پر کامل ہے۔ مقبولیت عنداللہ کی علامت یہ ہے کہ میری زندگی میں ان کتابوں کے کئی کئی ایڈیشن چھپ چکے ہیں۔ "اسوہ رسول

اکرم ﷺ'' کے چونسٹھ ایڈیشن چھپ چکے ہیں۔اور اس کے تراجم ہو چکے ہیں اور ''بصائر'' کے بھی چار پانچ ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔''مآثر'' کا اب چھٹا ایڈیشن چھپنے جارہا ہے۔''معمولات یومیہ'' بھی نہ جانے کتنی مرتبہ چھپ چکی ہے۔یہ سب منجانب اللہ ہے۔یہ سب حضرت کی برکت ہے۔

ایک کتاب اور جمع کردی ہے میں نے ''اصلاح المسلمین''۔اسے مسعود احسن مرحوم نے جمع کیا تھا۔میں نے اپنی طرف منسوب نہیں کیا ہے اس کو' ورنہ ترتیب میں نے دی ہے۔اضافے میں نے کئے ہیں اور پانچوں شعبوں میں تقسیم کردیا ہے اور اس میں بھی صرف حضرت کے ملفوظات ہی جمع کئے ہیں۔عام لوگوں کے لئے ایک نعمت غیر مترقبہ ہے۔پانچوں شعبوں کے اندر حضرتؒ ہی کے ملفوظات سے مضامین منتخب کئے گئے ہیں۔یہ بھی حضرتؒ ہی کا ایک تعارف ہے۔

تصوف میں بڑے شکوک و اوہام ہوتے ہیں' اس کے لیے ترتیب دی ہے ''معارف حکیم الامتؒ'' معارف کے اندر آپ دیکھیں گے کہ تمام اوہام و شکوک ختم کردیئے گئے ہیں۔یہ عام لوگوں کی سمجھ میں بھی نہیں آئیں گے۔عام لوگوں کے لئے تو ''اصلاح المسلمین'' ہے اور جو شکوک و اوہام میں مبتلا ہیں ان کے لئے ''معارف'' ہے۔''معارف'' بھی الحمد للہ بہت بڑی چیز ہے۔جب ''معارف'' جمع کررہا تھا تو گل چینی کی تھی بہت سی چیزوں سے۔اور کیا کیا انتخاب کروں۔اس کا انتخاب ''معارف'' میں آگیا۔اب جواہرات جو حکیم الامتؒ سے بچ رہا تو ارادہ ہے کہ ان کو ''جواہرات حکیم الامتؒ'' کے نام سے موسوم کردوں اور اسے ترتیب نہ دوں بلکہ جیسے ''بوادر النوادر'' بے ترتیب ہے' اسی طرح اسے بھی رہنے دوں اور چھپوادوں۔'' (الحمد للہ جواہر حکیم الامتؒ کے نام سے یہ کتاب ۱۹۹۸ء میں شائع ہوگئی)

مذکورہ بالا تالیفات کے متعلق حضرت عارفیؒ کے تاثرات کا یہ اجمالی جائزہ تھا۔

ہر تالیف کے بارے میں حضرت عارفی کی نگارشات اور دیگر اہل علم و فضل کے تاثرات پر مبنی جائزہ حسب ذیل ہے۔

(۱) اسوہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

مسلمانوں کی زندگی کا مقصد اتباع رسول اللہ ﷺ ہے۔اس مقصد کے حصول کے لئے حضرت عارفیؒ نے صحاح ستہ اور احادیث کی دیگر معتبر کتابوں سے احادیث مقدسہ انتخاب کر کے ایک مجموعہ تیار کیا جو ''اسوہ رسول اکرم ﷺ'' سے موسوم ہے۔یہ سیرت نگاری کا منفرد طرز تھا۔جس میں مختلف عنوانات کے تحت احادیث وغیرہ جمع کردی گئی ہیں۔یہ مجموعہ پہلی بار دسمبر ۱۹۷۶ء میں شائع ہوا۔اس تالیف کی محرکات اور غائت کے متعلق حضرت عارفیؒ نے ''عرض مولف'' کے زیر عنوان تصریح فرمائی جس کے کچھ اقتباسات حسب ذیل ہیں۔

''موجودہ دور میں جبکہ سرور کونین حضرت محمد ﷺ کی سنتوں سے مغائرت بڑھتی جارہی ہے'مسلمان اپنے دین کی تعلیمات کو چھوڑ کر غیروں کے طور طریقے اختیار کررہے ہیں۔اس بات کی شدید ضرورت ہے کہ مسلمانوں کو بار بار اسلامی تعلیمات اور سرکار دو عالم ﷺ کی سنتوں کی طرف دعوت دی جائے۔کیونکہ مسلمانوں کی دنیوی اور اخروی ہر طرح کی صالح و فلاح اتباع سنت ہی میں مضمر ہے۔اس غرض کے لئے عرصہ دراز سے دل میں آرزو تھی کہ ایک ایسی آسان اور مختصر کتاب مرتب کی جائے جس کا مطالعہ عام مسلمانوں کو اتباع سنت کی دلکش زندگی سے روشناس کراسکے اور جس سے وہ آسانی کے ساتھ سنت کے مطابق زندگی کے بنیادی تقاضے معلوم کر سکیں۔یہی وہ داعیہ تھا جس نے مجھے اس کتاب کی ترتیب پر آمادہ کیا۔''

''چنانچہ احقر نے خود اپنے لئے اور عام مسلمانوں کے لئے بمشورہ علماء کرام حدیث و شمائل نبویہ ﷺ کی مستند کتابوں سے رسول ﷺ کی سنتیں و تعلیمات کا انتخاب کر کے اردو زبان میں آسان عنوانات کے ساتھ ایک مفید اور معتد بہ ذخیرہ جمع کرلیا...... یہ فقہ کی کوئی باقاعدہ کتاب نہیں ہے جس میں موضوع سے متعلق تمام تفصیلی جزئیات موجود

ہوں یا مسئلہ کے ہر پہلو کا پورا احاطہ کیا گیا ہو ...... اسی طرح یہ علم حدیث کی بھی کوئی باقاعدہ کتاب نہیں ہے جس میں اصول حدیث کی تمام فنی باریکیوں کی رعایت ہو۔"

حضرت مفتی اعظم پاکستان محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ اسوہ رسول اکرم ﷺ کے "تقدمہ" میں رقمطراز ہیں:

"حال میں ہمارے بزرگ محترم عارف باللہ ڈاکٹر محمد عبدالحیؒ صاحب عارفی نے عام لوگوں کو اطاعت رسول اور اتباع سنت کا صحیح مفہوم سمجھانے کے لئے شمائل و خصائل کی مستند کتابوں سے ہر شعبہ زندگی کے متعلق ہدایات کو واضح اور نمایاں کر کے جمع فرمادیا ہے ...... جو کتب شمائل کا اصل مقصد ہے ...... الحمدللہ شمائل نبویہ ﷺ کا یہ بہت اچھا مجموعہ عام فہم اور سلیس زبان میں جمع ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ حضرت مصنف کو جزائے خیر عطا فرمادیں اور کتاب کو مقبول و مفید بنادیں۔ واللہ المستعان۔"

حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا رحمۃ اللہ علیہ نے "تاثرات" کے زیر عنوان اسوہ رسول اکرم ﷺ کے متعلق تحریر فرمایا:

"اس ناکارہ نے "اسوہ رسول اکرم ﷺ" کو بہت شوق سے بڑے مجمع میں حج و عمرہ کے لئے تشریف لائے ہوئے تھے' سنا۔ رسالہ بہت ہی مفید اور آسان ہے اور چونکہ حضور اقدس ﷺ کے حالات پر مشتمل ہے اس لئے انشاءاللہ تعالیٰ بہت ہی مفید ہے۔۔ آپ کی مبارک کتاب بہت ہی برکات کی حامل ہے اللہ تعالیٰ قبول فرمائے اور لوگوں کو زیادہ سے زیادہ منتفع فرمائے اور جناب کو دارین کی ترقیات سے نوازے۔ آپ کی کتاب بہت پسند آئی۔ اللہ تعالیٰ جل شانہ اپنے فضل و کرم سے لوگوں کو اس سے زیادہ سے زیادہ انتفاع و تمتع نصیب فرمائے اور حضرت مولف دام مجدہم کے لئے اس کو صدقہ جاریہ بنائے۔"

"اسوہ رسول اکرم ﷺ" جب پہلی مرتبہ شائع ہو کر آئی تو چند ہی دنوں میں فروخت ہو گئی اور اس کی طلب میں اضافہ ہو تا گیا۔ اس طلب کو مد نظر رکھتے ہوئے اس

کے متعدد ایڈیشن شائع ہونے لگے۔اس کتاب کی افادیت کو مدنظر رکھتے ہوئے اس کا ترجمہ مختلف زبانوں میں کیا گیا۔اس کا ترجمہ عربی' فارسی' بنگلہ' سندھی' ہندی اور انگریزی میں ہوا اور ان زبانوں میں شائع ہو کر اس کے طلب گاروں کے پاس پہنچتا گیا۔پاکستان کے علاوہ اردو میں اس کی اشاعت دہلی (بھارت) میں جنوری ۱۹۸۷ء میں ہوئی۔ حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی صاحب رحمۃ اللہ علیہ دہلی (بھارت) سے اشاعت شدہ "اسوہ رسول اکرم ﷺ" کے دیباچہ میں رقمطراز ہیں:

"ہمارے ملک ہندوستان میں (جو اصلاح و تربیت اور علوم دینیہ کا صدیوں سے مرکز چلا آرہا ہے) تین کتابوں کا خصوصیت سے نام لیا جاسکتا ہے۔حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی ؒ کی "مالا بدمنہ" حضرت سید احمد شہیدؒ کی "صراط مستقیم" اور حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ کی "بہشتی زیور"۔اسی سلسلہ طلائی کی ایک مبارک کڑی حضرت ڈاکٹر محمد عبدالحیؒ صاحب عارفی رحمۃ اللہ علیہ ...... کی کتاب "اسوہ رسول اکرم ﷺ" ہے جو ایک طالب حق اور معتقد سنت و شریعت مسلمان کے لئے زندگی کا پورا دستور العمل اور رہبر کامل کا کام کر سکتی ہے۔یہ کتاب ایمانیات' عبادات' معاملات' معاشرت' اخلاقیات' حیات طیبہ کے شب و روز' ازدواجی و اجتماعی زندگی اور زندگی کے طبعی مراحل و منازل میں چراغ راہ اور رہنمائے طریق کا کام کر سکتی ہے۔اس کتاب کو اللہ تعالی نے ایسی مقبولیت بھی عطا فرمائی کہ زمانہ حال کی دینی کتابوں میں کم کسی کتاب کو حاصل ہوئی ہوگی۔ مختلف زبانوں میں کثیر التعداد پے در پے ایڈیشن شائع ہو کر مقبول ہوئے۔"

(۲) مآثر حکیم الامتؒ

حضرت عارفیؒ کے ایک عقیدت مند مسعود احسن علوی صاحب نے حضرت والا

ہی کی زبان سے حضرت حکیم الامت قدس سرہ کے ارشادات وملفوظات سن کر قلم بند کیا اور ان کی افادات کو مد نظر رکھ کر "افادات عارفیہ" کے نام سے شائع کیا۔ بعد ازاں حضرت عارفیؒ نے اس مجموعہ پر نظر ثانی فرمائی اور معتد بہ اضافہ کے ساتھ اس کو دوبارہ مرتب فرمایا۔ یہ کتاب "مآثر حکیم الامت" کے نام سے ۱۹۷۶ء میں شائع ہوئی۔ بعد ازاں حضرت عارفیؒ نے اس میں مزید اضافہ اور ردوبدل کر کے اس کو از سر نو مرتب کیا اور اس کا چھٹا ایڈیشن ۱۹۸۶ء میں شائع ہوا۔ اس ایڈیشن میں حضرت والا نے "خصوصیات تالیف" کے زیر عنوان تحریر فرمایا:

"پیش نظر کتاب "مآثر حکیم الامتؒ" مولائی ومرشدی وسیدی حضرت محمد اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہ العزیز کی سوانح حیات پر مشتمل ہے جس کو احقر نے اپنے ذوق کے مطابق بالکل جدید اور منفرد اسلوب نگارش کے ساتھ مرتب کیا ہے۔ اس میں حضرت کی خانقاہ شریف کا ایک مفصل خاکہ ہے۔ مختصر ابتدائی حالات ہیں۔ حضرت کے ذاتی و نجی حالات و مشاغل زندگی اور معمولات یومیہ کی تفصیل ہے۔ مزاجی کیفیت اور انداز زندگانی کی تفصیل ہے۔ تعلقات و معاملات زندگی کے ضابطے ہیں۔ علوم ظاہرہ کے مراتب و کمالات ہیں۔ معارف و حقائق باطنی کی کیفیات و مدارج کی وضاحت و تشریحات ہیں۔ طالبان حق و سالکین طریق کے لیے تعلیم و تربیت کے مجددانہ انداز ہیں۔ اشاعت و تبلیغ دین مبین کے لئے مواعظ وملفوظات و تالیفات و تصنیفات کا مختصر تعارف ہے اور حضرتؒ کے آخری ایام زندگی اور سانحہ ارتحال کے واقعات بھی ہیں۔ امور متذکرہ بالا کی وضاحت کے لئے جو مضامین جمع کئے گئے ہیں وہ زیادہ تر حضرتؒ کی ہی مطبوعہ تالیفات و مواعظ و ملفوظات سے اخذ کئے گئے ہیں۔ اس مجموعہ کے مضامین کی ایک خصوصیت بدرجہ انفرادیت یہ بھی ہے کہ زیادہ تر عنوانات کے تحت خود حضرت ہی کے ملفوظات درج کئے گئے ہیں جن کی اہمیت اور خصوصیت یہ ہے کہ مجالس نبویہ ﷺ کی متابعت میں حضرت نے بھی ایسا ہی انداز اختیار کیا تھا جس میں امت مسلمہ کی

اصلاح اور دین مبین کی تبلیغ واشاعت کی شان نمایاں تھی۔"

اس کتاب کے چھٹے ایڈیشن میں حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب، شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب، سید علی سجاد صاحب اور بابا نجم احسن صاحب رحمۃ اللہ علیہم کے تاثرات (جو پہلے ایڈیشن کے متعلق تھے) کے علاوہ مولانا محمد تقی عثمانی صاحب کا تبصرہ (جو چھٹے ایڈیشن کے متعلق ہے) شامل کیا گیا ہے۔ مولانا محمد تقی عثمانی صاحب "تاثرات" کے زیر عنوان رقم طراز ہیں۔

"اس میں آپ حضرت ڈاکٹر صاحب مد ظلہ کی ان دل آویز مجلسوں کی ایک جھلک دیکھ سکیں گے جو یاد شیخ سے سدابہار رہتی ہیں۔ اس مجموعہ کی نمایاں ترین خصوصیت یہ ہے کہ یہ دوسری سوانح کی طرح حکیم الامت حضرت تھانویؒ کے تاریخی حالات پر نہیں بلکہ آپ کے مزاج و مذاق کی جھلکیوں پر مشتمل ہے۔ اس میں آپ کے انداز زندگی، آپ کی نشست و برخاست، آپ کے طرز تربیت، آپ کے عارفانہ افادات اور آپ کے ان معاملات زیست کا تذکرہ ہے جو ہر ہر قدم پر انسان کی رہنمائی کرتے ہیں۔ اور بیان ہے ان کے عاشق صادق ڈاکٹر عبدالحیؒ صاحب عارفی مد ظلہ "العالی کا۔"

(۳) بصائر حکیم الامتؒ

بصائر حکیم الامتؒ کی غائت تالیف کے متعلق حضرت عارفیؒ رقمطراز ہیں:

"پیش نظر کتاب "بصائر حکیم الامتؒ" تصوف و سلوک کے موضوع پر حضرت حکیم الامت شاہ محمد اشرف علی تھانوی قدس سرہ کے محققانہ و مجددانہ منتخب مضامین پر مشتمل ہے۔ مطالعہ سے معلوم ہوگا کہ حضرتؒ نے کس طرح مسائل تصوف و سلوک کو اپنی مصلحانہ جد وجہد و توجہات خصوصیت کا مرکز بنالیا تھا اور اپنی متعدد تصانیف اور اکثر و بیشتر مواعظ و ملفوظات کے ذریعے سے کس طرح اس کی حقیقت و غائت اور اہمیت و

ضرورت کو واضح کیا ہے اور اس طرح طریقت کو دین مبین کا ایک اہم شعبہ ثابت کرتے ہوئے اس طریق کے اختیار کرنے والوں کے لئے جن شرائط کا لازم ہونا اور حصول مقاصد کے لئے جن ہدایات پر عمل کرنا ضروری ہے، اس کی وضاحت فرمائی ہے۔ اصطلاحات طریق کی کس طرح عام فہم تشریح کی ہے اور باطنی احوال و کیفیات رموز و اسرار و معارف و حقائق کی کس بصیرت افروز انداز سے عقدہ کشائی کی ہے، اخلاق حمیدہ و رذیلہ کے محرکات پر کیسی حکیمانہ و عارفانہ نظر ڈالی ہے اور ان کے اکتساب و اجتناب کے لئے کیسے سہل الحصول و سہل العمل مجربات و معالجات پیش کئے ہیں۔ اس کے علاوہ طالبین و سالکین طریق کی تعلیم و تربیت اور ان کی تہذیب اخلاق و تزکیہ نفس کے لئے کیسا معیاری نصاب مقرر و متعین فرمایا ہے جو خالصۃً کتاب و سنت کے اصول کے مطابق منضبط کیا گیا ہے۔ مندرجہ بالا امور پر نظر ڈالنے سے بعض اکابر اہل نظر کا خیال ہے کہ ایسے اصول و ضوابط کے ساتھ علوم باطنی یعنی تصوف و سلوک کی تدوین و اشاعت عام کبھی نہیں ہوئی تھی۔ اس حقیقت مذکورہ کو خاص طور پر نمایاں اور متعارف کرانے کے لئے اور نفع خواص و عوام کے خیال سے اس کتاب میں چند اہم مناسب عنوانات کے تحت حضرتؒ کی مختلف تصانیف، مواعظ و ملفوظات سے خاص مضامین تصوف و سلوک کو منتخب و جمع کر کے باقاعدہ فن کی حیثیت سے مرتب کیا گیا ہے۔"

مولانا محمد تقی عثمانی صاحب نے تصوف کے موضوع پر اس منفرد کتاب کی خصوصیات کو اس طرح بیان فرمایا:

"بصائر حکیم الامتؒ" کا منفرد امتیاز یہ ہے کہ وہ تمام تر حضرت حکیم الامتؒ کی تالیفات یا مواعظ و ملفوظات کے اقتباسات پر مشتمل ہے۔ یہ اقتباسات کسی ایک کتاب سے نہیں بلکہ دسیوں مختلف کتابوں سے لئے گئے ہیں جن میں التکشف، التشرف، تربیت السالک، تعلیم الدین، قصد السبیل، کلید مثنوی، عرفان حافظ اور نہ جانے کتنے مواعظ، ملفوظات شامل ہیں۔ لیکن ان متفرق اقتباسات کو حضرت نے اس ترتیب کے

ساتھ یکجا فرمادیا ہے کہ وہ ایک مسلسل کتاب بن گئی ہے جس میں تصوف کا پورا علم مدون اور مرتب صورت میں سامنے آگیا ہے۔ایک مبتدی شخص بھی اس کتاب کی مدد سے مرتب طریقے پر علم تصوف سے آگاہی حاصل کر سکتا ہے۔اس کتاب کی قدر اس وقت معلوم ہوتی ہے جب انسان تصوف کے موضوع پر لکھی ہوئی مفصل اور طویل کتابیں کھنگالنے کے بعد اس کی طرف رجوع کرے' اس وقت پتہ چلتا ہے کہ ہزاروں اوراق کا مغز کس طرح ایک کتاب میں جمع ہو گیا ہے۔" (البلاغ ص ۲۵۱)

(۴) معارف حکیم الامتؒ

معارف حکیم الامتؒ' تجدیدی واصلاحی مضامین کے خاص واہم اقتباسات۔

حضرت عارفیؒ اس کتاب میں "عرض مولف" کے زیر عنوان رقمطراز ہیں:

"پیش نظر کتاب "معارف حکیم الامتؒ "مرشدی و مولائی حضرت مولانا محمد اشرف علی صاحب تھانویؒ کی مصلحانہ مجددانہ تصنیفات و تالیفات کے بعض خاص اور اہم منتخب مضامین کا ایک مختصر گلدستہ ہے جو دور حاضر کے ایمانی و اسلامی تقاضوں کے اعتبار سے نہایت نافع اور بصیرت افروز ہے۔"

"اس دور حاضر میں بحیثیت مبلغ دین متین حضرتؒ کا مقام انفرادیت اس حقیقت سے بھی واضح ہوتا ہے کہ ایمان و اسلام کے متعلق اکثر مدعیان فہم و دانش کے دماغوں میں جس قدر بھی اعتراضات' اوہام و شکوک وارد ہو سکتے ہیں اور ہو چکے ہیں حضرتؒ نے ان کو منزہ اور رفع کرنے کے لئے نہایت دلنشین انداز میں مسکت اور مثبت توضیحات و تشریحات قرآن مجید و حدیث کی روشنی میں پیش کی ہیں اور اتمام حجت فرمادیا ہے۔یہ ایسا کارنامہ ہے جو فی نفسہٖ حضرتؒ کے حکیم الامت مجدد الملت و محی السنّت کا شاہد ناطق ہے۔ذلک فضل اللہ۔

"کتاب کو سہولت افادیت کے لئے دین کے پانچوں شعبوں میں تقسیم کر دیا ہے۔ انشاءاللہ تعالیٰ کتاب پیش نظر کا سیر حاصل مطالعہ طالبان حق و سالکین معرفت کے لئے نہایت بصیرت افروز اور تشفی بخش ثابت ہوگا۔ اللہ تعالیٰ محض اپنے فضل و کرم سے اس ہدیہ اخلاص کو شرف قبولیت عطا فرمائیں اور اس کی اشاعت کثیرہ سے خواص و عوام کو فہم سلیم و توفیق عمل عطا فرمائیں۔ آمین۔"

(۵) اصلاح المسلمین (ارشادات حکیم الامتؒ)

حضرت عارفیؒ زیر عنوان "تعارف" اس کتاب کے متعلق تحریر فرماتے ہیں:

"حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کی اکثر تصانیف حضرتؒ کی زندگی میں متعدد بار اشاعت پذیر ہوتی رہیں اور ان کے انتخاب و اقتباسات کے مجموعے بھی شائع ہوتے رہے اور الحمدللہ اب بھی برابر ان تالیفات کی تجدید اشاعت ہوتی رہتی ہے۔

ذالك فضل الله يوتيه من يشاء"

"کتاب پیش نظر اصلاح المسلمین بھی اسی نوعیت کی ایک تالیف ہے جس کو مسعود احسن علوی مرحوم نے مرتب کیا ہے۔ اس کتاب کے مطالعہ سے انشاءاللہ تعالیٰ قارئین کو دین کے بہت ضروری امور میں بصیرت حاصل ہوگی اور بہت سی دینی مشکلات اور پیچیدگیوں کے حل کرنے میں آسانی ہوگی۔ خصوصاً اس دور حاضر اور مغربی ذہنیت کے تعلیم یافتہ حضرات کو دین مبین اور شریعت و طریقت کے متعلق علم نہ ہونے کی وجہ سے پیدا ہو رہے ہیں۔ ان کے ازالہ کے لئے بڑی وضاحت کے ساتھ نہایت تشفی بخش ہدایتیں حاصل ہوں گی، شرح صدر ہوگا اور داعیہ عمل پیدا ہوگا اور انشاءاللہ طالبان حق کے لئے یہ کتاب مشعل راہ ثابت ہوگی۔ واللہ المستعان وما توفیقی الا باللہ العلی العظیم"

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہ نے بعنوان "تقریظ" اس کتاب کے متعلق تحریر فرمایا:

"حضرت حکیم الامتؒ کی تصانیف اور مواعظ و ملفوظات جو شائع ہو کر منظر عام پر آچکے ہیں ان کی تعداد ایک ہزار سے زائد ہے۔ ان سب کو خرید کر جمع کرنا پھر ان کو پڑھنا ہر کسی کے لئے آسان نہیں۔ بڑے خوش نصیب ہیں وہ لوگ جنہوں نے حضرت والا کی مجددانہ تعلیمات و ارشادات میں سے زیادہ اہم چیزوں کو منتخب کر کے عوام کے لئے آسان زبان میں شائع کیا ہے۔ اس وقت کراچی میں حضرت کے خلیفہ خاص اور اصلاح و تربیت میں حضرت کے نقش قدم پر کام کرنے والے محترم بزرگ اخی فی اللہ حاجی محمد عبدالحیؒ صاحب (ڈاکٹر ہومیو پیتھ) بحمد اللہ افادہ خلق میں موثر کام کر رہے ہیں۔ ان کی تحریک اور کوشش سے ایک نوجوان صالح مسعود احسن صاحب علوی ایم اے علیگ نے ایک بڑی خدمت پورے سلیقہ کے ساتھ یہ انجام دی کہ حضرت کی تصانیف و مواعظ اور ملفوظات میں سے ایسے خاص خاص مضامین کا انتخاب کیا جن کی آج کل ضرورت زیادہ ہے۔ پھر ان کو ابواب و فصول پر مرتب فرمایا تاکہ ہر موضوع اور ہر مضمون سے متعلق حضرت کے ارشادات آسانی سے مل سکیں۔ ان ابواب و فصول کی مفصل فہرست احقر نے دیکھی ہے۔ ماشاء اللہ انسان کی زندگی سے متعلق ہر شعبہ اور ہر حالت کے متعلق آسان عنوانات کے ساتھ ترتیب دی گئی ہے۔"

اصلاح المسلمین بعد ازاں "ارشادات حکیم الامتؒ" کے نام سے شائع ہوئی ہے۔

(٦) فہرست تالیفات حکیم الامتؒ

حضرت حکیم الامتؒ کے تقریباً ۴۴۰ مواعظ اور دیگر تصانیف و تالیفات وغیرہ جن کی کل تعداد کم و بیش ایک ہزار ہے۔ مختلف افراد اور اداروں کی جانب سے کوشش کے باوجود اس کی فہرست مرتب نہ ہو سکی۔ اس فہرست کے علاوہ حضرت حکیم الامتؒ کے تمام مواعظ جو تبلیغ دین کے اہم اجزاء ہیں وہ بھی شائع نہ ہو سکے۔ اس امر پر اپنی

افسردگی کا اظہار کرتے ہوئے حضرت عارفیؒ اس ''فہرست تالیفات حکیم الامتؒ'' میں ''تمہید وتعارف'' کے زیر عنوان فرماتے ہیں۔

''بڑا افسوس اس احقر کو اس بات کا ہے کہ آج پورے مواعظ کی اشاعت تو درکنار ان کے ناموں کی بھی کوئی فہرست موجود نہیں ہے۔ یقیناً حضرت حکیم الامتؒ کے منتسبین میں بڑی کوتاہی ہوئی ہے۔ جب اس قسم کی فہرست اگرچہ نامکمل ہے لیکن کچھ نہ ہونے سے بہر حال بہتر ہے۔ تکمیل کے انتظار میں اس کی اشاعت میں تاخیر مناسب نہیں معلوم ہوتی۔ اس کے بعد جو مواعظ دستیاب ہوں گے وہ اس کے دوسرے ایڈیشن میں شامل کردیئے جائیں گے۔ اسی لئے اس کا نام مکمل مراۃ المواعظ (مرتبہ بلحاظ اجزاء دین) رکھتا ہوں اور اس کے نافع ہونے کی دعا کرتا ہوں۔''

فہرست کو مرتب کرنے کے لئے حضرت حکیم الامت کے مواعظ کی فہرست اور ''مراۃ المواعظ'' (جو حضرت حکیم الامتؒ کے حیات میں یعنی ۱۳۵۱ء میں مولانا ظہور الحسن صاحب نے مرتب کر کے شائع فرمائی اور اس میں ۳۰۰ مواعظ کی فہرست تھی) کو بنیاد بنایا گیا۔ ابتداء میں محمد اکرام حسین صاحب اور بعد میں کریم الدین صاحب نے حضرت عارفیؒ کی منشاء کے مطابق اس فہرست کو مرتب کیا۔ جن تصانیف اور مواعظ کا ذکر اس میں نہ آسکا ان کی مزید تکمیل حضرتؒ کے زیر ہدایت مولانا عبداللہ میمن صاحب نے کی۔ حضرتؒ کی حیات میں اس کتاب کی کتابت شروع ہوچکی تھی مگر آپ کی حیات میں یہ اشاعت پذیر نہ ہوسکی اور ۱۹۸۷ء میں یہ شائع ہوگئی۔

اس فہرست میں حضرت حکیم الامت کے تمام مطبوعہ مواعظ و ملفوظات اور تمام خاص و عام تصانیف کی علیحدہ علیحدہ فہرستیں درج کی گئی ہیں۔ اس طرح اس کو بنیادی طور پر چار حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ پہلے حصے یعنی ''مواعظ اشرفیہ'' میں ۳۷۵ مواعظ کی تفصیلات کا اندراج ہے۔ دوسرے حصے یعنی ''تالیفات اشرفیہ'' میں ۳۸۱ تالیفات کا ذکر ہے۔ تیسرے حصے ''ملفوظات اشرفیہ'' میں ۱۷ کتابوں کی فہرست ہے اور چوتھے حصے میں

''مضامین اشرفیہ'' کے تحت ۲۴ کتابوں کا اندراج ہے۔ انکے علاوہ ضمیمہ میں (ا) تالیفات کے دیگر زبانوں میں تراجم کے تحت ۴۶ کتب کا ذکر ہے۔ (ب) تالیفات کے دیگر زبانوں میں تراجم کے تحت ۱۸۹ اندراجات ہیں۔ (ج) تالیفات حکیم الامتؒ کی تسہیل کے تحت ۶۱ اندراجات ہے۔ (د) حضرتؒ کی زیر نگرانی ترتیب و تالیف کی جانے والی کتابوں کے زیر عنوان ۹ اندراجات ہیں اور (ہ) تالیفات متعلقہ سوانح حکیم الامت' کے تحت ۱۶ اندراجات ہیں۔ اس طرح اس فہرست میں کل ۱۰۷۲ اندراجات ہیں۔

مندرجہ بالا حکیم الامت کے ملفوظات وغیرہ پر مبنی تالیفات اور فہرست تالیفات کے علاوہ حضرت عارفیؒ نے اپنی کتاب ''احکام میت'' جو ۱۹۵۵ء میں شائع ہو چکی تھی اسکو دوبارہ مرتب فرمایا نیز سالکین کے افادہ کے لئے ''معمولات یومیہ'' بھی تصنیف فرمائی۔

(۷) احکام میت

حضرت عارفیؒ نے جس طرح دنیاوی زندگی کو ایک معیاری زندگی بنانے کے لئے اسوہ رسول اکرم ﷺ تالیف فرمائی' اسی طرح دنیا سے رخصت ہوتے وقت کے ضروری مسائل پر احکام میت مرتب فرمائی۔ یہ حضرت عارفیؒ کی سب سے پہلی تالیف ہے جس کی اشاعت پہلی بار ۱۹۵۵ء میں ہوئی اور کچھ اضافہ کے ساتھ اس کا تیسرا ایڈیشن ۱۹۸۳ء میں شائع ہوا۔ آپ اس اشاعت میں ''پیش لفظ'' کے زیر عنوان تحریر فرماتے ہیں۔

''قبل الموت' عند الموت اور بعد الموت جو امور پیش آیا کرتے ہیں ان کے متعلق اکثر خواص و عوام ناواقف ہونے کے باعث صحیح طریقہ عمل سے جو عنداللہ موجب ثواب ہوں محروم رہتے ہیں۔ اس ایڈیشن میں الحمدللہ تمام ایسے ضروری مسائل، احادیث و فقہ حنفی کی سند کے ساتھ درج کردیئے گئے ہیں اور بعض مفتی صاحبان نے اس کو بالاستیعاب نظر غائر سے ملاحظہ بھی فرمالیا ہے۔

عزیزم مولوی محمد رفیع صاحب عثمانی سلمہ اللہ تعالی نے کتاب کے تمام مسائل پر ازابتداء تاانتہا نہایت محققانہ نظر کی ہے اور ہر عنوان کے تحت ہر مسئلہ کی فقہی تحقیق و تصدیق کی ہے۔ خصوصاً مسائل و احکام متعلق شہید، عدت، وراثت و ترکہ، وصیت، رسومات بدعت کو نہایت وضاحت و تشریحات کے ساتھ دور حاضر کی ضروریات کے پیش نظر تحریر کیا اور دیگر ابواب میں بھی جگہ جگہ نہایت اہم اور مخصوص مسائل کا اضافہ کیا ہے۔"

(۸) معمولات یومیہ و مختصر نصاب اصلاح نفس

حضرت عارفیؒ نے معمولات یومیہ کی ضرورت وافادیت کے متعلق اسی رسالہ کی ابتدامیں تحریر فرمایا:

"ہر زمانے کے مشائخ نے طالبین طریقت کی تہذیب اخلاق واصلاح نفس کے لئے ان کے حال ومزاج کے مطابق تدابیر مقرر فرمائی ہیں۔ دور حاضر میں ہماری زندگی بہت پیچیدہ ہو گئی ہے اور مصروفیات زندگی بہت بڑھ گئی ہیں۔ چنانچہ فی زمانہ سالکین کے لئے آسان اور قوی الاثر تدابیر کی ضرورت ہے جن کو معمولی توجہ اور اہتمام کے ساتھ اختیار کیا جاسکتا ہے۔ چنانچہ میں اپنے احباب کے مشاغل زندگی کا اندازہ کرتے ہوئے اپنے بزرگوں، خصوصاً اپنے شیخ و مرشدؒ سے حاصل کردہ بہت مختصر لیکن جامع اور نافع دستور العمل تجویز کر رہا ہوں جو انشاء اللہ تعالی حصول مقصود کے لئے بہت کافی وشافی ثابت ہوگا۔"

یہ چھوٹے سائز کا ۴۸ صفحات پر مشتمل ایک مختصر رسالہ ہے جو اپنے موضوع پر دریا بکوزہ کا مصداق ہے۔ اس میں حضرتؒ نے اعمال باطنہ جو طریق، تصوف و سلوک کے بنیادی اجزاء ہیں ان کا احاطہ کرتے ہوئے ایک جامع اور نافع دستور العمل تجویز فرمایا ہے۔

اگر سالک اپنی مصروف زندگی میں بھی اس دستور العمل پر عمل پیرا ہو جائے تو انشاء اللہ تعالیٰ وہ اپنے حصول مقصد میں کامیاب ہو سکتا ہے۔ الحمد للہ اس رسالہ کی اتنی مقبولیت ہوئی کہ اب تک لاکھوں کی تعداد میں چھپ چکا ہے اور سالکین کی اصلاح میں ممد و معاون ثابت ہو رہا ہے۔

(۹) جواہر حکیم الامتؒ

حضرت عارفیؒ نے اپنی خصوصی مجلس منعقدہ پیر ۹؍ جولائی ۱۹۸۵ء میں اپنی تالیفات کے متعلق ایک جائزہ پیش کرتے ہوئے فرمایا: ''جب 'معارف' جمع کر رہا تھا تو گل چینی کی تھی بہت سی چیزوں سے۔۔۔ اس کا انتخاب 'معارف' میں آ گیا۔ اب جواہرات جو حکیم الامتؒ سے بچے رہے تو ارادہ ہے کہ ان کو جواہرات حکیم الامتؒ کے نام سے موسوم کر دوں اور اسے ترتیب نہ دوں بلکہ جیسے ''بوادر النوادر'' بے ترتیب ہے' اسی طرح اسے بھی رہنے دوں اور چھپوا دوں۔''

حضرت عارفیؒ نے ان باقی ماندہ حضرت حکیم الامتؒ کے مختلف تالیفات سے منتخب شدہ تراشوں کو حضرت سید حماد رضاؒ کو حوالے کرتے ہوئے خواہش ظاہر کی کہ ان تراشوں پر مبنی ایک کتاب 'جواہرات حکیم الامتؒ' کے نام سے مرتب کر دیں۔ مگر ''جواہرات حکیم الامتؒ'' حضرت عارفیؒ کی حیات میں مرتب نہ ہو سکی اور نہ ہی حضرت سید حماد رضاؒ کی زندگی میں۔ بہر حال حضرت عارفیؒ کے وصال کے دس سال بعد یعنی ۱۹۹۶ء میں ان تراشوں سے انتخاب کر کے حضرت حکیم الامتؒ کے ملفوظات پر مبنی ایک کتاب ''جواہر حکیم الامتؒ'' کے نام سے مرتب کی گئی جس کو ادارۃ القرآن' کراچی نے ۱۹۹۸ء میں شائع کیا۔

(۱۰) سیرت کانفرنسوں کے لیے لمحہ فکریہ

حضرت عارفیؒ نے ''سیرت کانفرنس کے لیے لمحہ فکریہ'' کے زیر عنوان ایک رسالہ مرتب فرمایا۔اس رسالہ کی ابتداء میں آپ رقم طراز ہیں:

''کافی عرصے سے ہمارے ملک میں سیرت کانفرنسیں اور سیرت طیبہ کے نام پر جلسے اور اجتماعات منعقد کرنے کا سلسلہ شروع ہوا ہے' خاص طور پر ربیع الاول کے مہینے میں ان کانفرنسوں اور اجتماعات کا زیادہ اہتمام کیا جاتا ہے۔۔۔ کچھ عرصہ سے سیرت طیبہ کے نام پر ان تقریبات کا اہتمام سرکاری پیمانے پر بھی ہونے لگا ہے۔اس غرض کے لئے حکومت کی سطح پر جلسے کانفرنسیں اور تقریبات منعقد کی جاتی ہیں اور بعض جگہ جلوس بھی نکالے جاتے ہیں۔۔۔ لیکن ہماری عملی زندگی میں ان اجتماعات کا ادنیٰ سا اثر بھی ظاہر نہیں ہوتا۔۔۔ان سیرت کانفرنسوں اور سیرت کے جلسوں' جلوسوں میں طرح طرح کی غلطیاں عام ہو چکی ہیں جو نہ صرف سیرت طیبہ کے مقصد کو حاصل کرنے میں رکاوٹ بنی ہوئی ہیں بلکہ ان کی موجودگی میں (اللہ بچائے) الٹے وبال کا اندیشہ ہے۔''

(۱۱) انتباہ خصوصی

حضرت عارفیؒ کے مخلص احباب میں ایک صاحب مولوی محمد قاسم صاحبؒ جو رویائے صادقہ دیکھتے تھے اور اس کے ایک ایک جزو کو بغیر کسی سہو ونسیان کے قلمبند کر لیا کرتے تھے۔ چنانچہ ایک طویل خواب جو انہوں نے تحریر کر کے حضرت عارفیؒ کو ارسال کیا جس میں رسول اللہ ﷺ نے چار آیات قرآنی کی تلاوت فرمائی اور ان کی تشریح فرمائی۔ ان آیات قرآنی میں دین اسلام کی اہمیت کو ظاہر کرتے ہوئے تنبیہ کی گئی کہ اگر دین اسلام سے روگردانی کی جائے تو مسلمان خسارے میں ہونگے۔ان آیات اور اس کے متعلقہ احادیث پر مبنی حضرت عارفیؒ نے ''انتباہ خصوصی'' کے زیر عنوان ۵۶ صفحات پر

مشتمل ایک کتابچہ مرتب فرمایا جس کو اولاً مکتبہ زکریا' کراچی نے اور بعدہ دیگر اداروں نے ہزاروں کی تعداد میں شایع کیا۔

مطبوعہ مواعظ کا مجموعہ وانتخاب

حضرت جمعہ اور دوشنبہ (پیر) کو اپنی رہائش گاہ پر دین اسلام کے مختلف موضوعات پر خطاب فرماتے تھے۔ بعض خدام آپ کے ارشادات کو کیسٹوں میں محفوظ کرلیا کرتے تھے۔ ان میں سے بعض کو قلمبند کرکے آپ کی خدمت میں تصحیح کے لئے پیش کرتے تھے۔ حضرتؒ ان کی تصحیح فرمادیتے اور ان موضوعات پر آپ کے ارشادات کتابچوں کی شکل میں شائع ہوجاتے تھے۔ اس طرح آپ کے درجنوں مواعظ کتابچوں کی شکل میں شائع ہوچکے ہیں۔ صدیقی ٹرسٹ' کراچی نے ان مواعظ کا ایک سیٹ بھی شائع کیا۔ بعد ازاں ادارہ تالیفات اشرفیہ' ملتان نے ان مواعظ کا انتخاب کرکے ''افادات عارفی'' کے نام سے ۱۹۸۶ء میں اور ۱۹۹۷ء میں ''خطبات عارفی'' کے نام سے اور تعلیمات اسلامیہ ٹرسٹ' کراچی نے ''مقالات عارفی'' کے نام سے شائع کیا۔

افادات عارفیؒ

''افادات عارفیؒ'' ''حضرت عارفیؒ کے مواعظ کا مجموعہ ہے۔ ادارہ تالیفات اشرفیہ' ملتان نے اس کو جمادی الثانی ۱۴۰۶ھ (فروری ۱۹۸۶ء) میں شائع کیا۔ حضرت عارفی ''استحسان'' کے زیر عنوان ''افادات عارفی'' کے متعلق فرماتے ہیں۔

''الحمد للہ! احقر کے بعض تقریری مضامین کیسٹ کے ذریعے سے معرض تحریر میں لائے گئے ہیں۔ عزیزم مولوی محمد اسحاق صاحب سلمہ نے ان کی افادیت کا خیال کرتے ہوئے ارادہ کیا کہ نافعیت عام کے لئے ان مضامین کا مجموعہ کتاب کی صورت میں مرتب کرکے شائع کیا جائے۔ اللہ تعالیٰ ان کے اس جذبہ تبلیغ دین کا اجر موفور عطا فرمائے۔

پڑھنے والوں کو ایمانی تقاضوں کے مطابق توفیق عمل اور اس عاجز کے لئے ذخیرہ آخرت نصیب فرمائیں۔ ’’آمین‘‘

اس کتاب میں حضرتؒ کا کتابچہ ’’معمولات یومیہ‘‘ کے علاوہ حضرتؒ کے سترہ مواعظ و کتابچے شامل کئے گئے ہیں۔

مقالات عارفیؒ

’’مقالات عارفیؒ‘‘ بھی حضرتؒ کے سترہ مواعظ کا مجموعہ ہے۔ اس کو تعلیمات اسلامیہ ٹرسٹ کراچی نے ۱۹۸۹ء میں شائع کیا۔ گو مقالات عارفی حضرتؒ کے انتقال کے بعد شائع ہوئی مگر یہ سب مواعظ حضرتؒ کے نظر کردہ ہیں۔ ان میں وہ مواعظ بھی شامل ہیں جن کو تعلیمات اسلامیہ ٹرسٹ یا دوسرے اداروں نے پہلے شائع کیا تھا۔ کتاب کی ابتداء میں حضرتؒ کی مختصر سوانح حیات 'ان کا طرز معاشرت 'انداز اصلاح و تبلیغ ' تالیفات اور ان کی شاعری پر مشتمل رفعت احمد خان صاحب کا تحریر کردہ مضمون ہے۔

خطبات عارفیؒ

مذکورہ بالا کتاب ’’افادات عارفیؒ‘‘ کی اشاعت اول کے بعد غالباً اشاعت ثانی نہ ہو سکی۔ اس کتاب کی طلب کو مد نظر رکھتے ہوئے ادارۂ تالیفات اشرفیہ ' ملتان نے ’’افادات عارفیؒ‘‘ میں حضرتؒ کا کتابچہ ’’معمولات یومیہ‘‘ کو حذف کرتے ہوئے مزید سات خطبات و کتابچے اور ایک خط ’’تسکین القلوب‘‘ کو ’’زندگی سے بیزاری کیوں‘‘ کے زیر عنوان شامل کر کے ’’خطبات عارفیؒ‘‘ کے نام سے ربیع الاول ۱۴۱۸ھ (اگست ۱۹۹۷ء) میں شایع کیا۔ اس طرح اس کتاب میں پچیس (۲۵) خطبات وغیرہ اور ’’افادات عارفیؒ‘‘ شامل ہیں۔

دیگر تالیفات

حسب ذیل کتابیں جن کو حضرت عارفی نے پسند فرما کر تقاریظ تحریر فرمائی یا حضرتؒ

کے زیر ہدایت مرتب ہوئیں۔

(۱) مومن کے شب و روز (مرتب ڈاکٹر محمود صاحب)

یہ کتاب ۱۹۸۴ء میں شائع ہوئی۔ اس کتاب کے متعلق حضرت عارفی "تاثرات" کے زیر عنوان فرماتے ہیں۔

"کتاب کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ مولف (ڈاکٹر محمود) سلمہ نے حقیقۃً ایک مومن کے تمام لوازمات زندگی کی جو عین شریعت و سنت ہیں' ایک مکمل اور واضح تصویر کھینچ دی ہے۔ اس دور حاضر میں اول تو لوگ دین کے بہت ضروری مطالبات سے علم نہ ہونے کی وجہ سے یونہی بے خبر ہیں پھر عملی زندگی کا اہتمام تو الا ماشاء اللہ بہت ہی کم لوگوں کو میسر ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کتاب کو شرف قبولیت عطا فرما کر خواص و عوام کے لئے مشعل راہ بنادیں اور گھر گھر یہ کتاب پہنچ جائے اور ہر مسلمان مرد اور عورت اس کے مطابق اپنی زندگی میں آسانی سے عمل کر کے صحیح معنوں میں مومن بن جائے۔"

(۲) طریق المحسنین (مرتب سید دبیر علی صاحب)

یہ کتاب ۱۴۰۶ھ میں شائع ہوئی۔ "تعارف" کے زیر عنوان حضرت عارفیؒ نے اس کتاب کے متعلق بطور تعارف تحریر فرمایا:

"الحمد للہ! کتاب پیش نظر "طریق المحسنین" نہایت مبارک ہے اور ایمان و روحانی تجلیات کا خزینہ ہے۔ اس مختصر سی کتاب میں آخرت و دنیا کی تمام صلاح و فلاح اور حسنات دارین جمع کر دیئے ہیں' جن کا ماخذ قرآن اور حدیث ہے اور یہ خلاصہ ہے تمام اعمال صالحہ کا۔ یہ کتاب اس مرتبہ کی ہے کہ ہر مسلمان اس کو اپنے معمولات یومیہ میں شامل کرے۔ انشاء اللہ تعالیٰ اس کے مستقل مطالعہ سے ایمان میں ترقی اور اعمال صالحہ کی توفیق روز افزوں ہوگی۔"

(۳) ذکر النبی ﷺ (مرتبہ بیگم ظریف احمد تھانوی صاحبہ)

اس کتاب کے متعلق حضرت عارفیؒ فرماتے ہیں:

"اس کتاب کے مطالعہ سے محسوس ہوتا ہے کہ مولفہ کے دل میں محبت رسول کریم ﷺ اور احیاء سنت رسول مقبول ﷺ کا ایک خاص جذبہ کار فرما ہے۔ اور اس کے تقاضہ سے متاثر ہو کر سیرت کی مستند کتابوں سے بقدر کفایت خصوصی مضامین اخذ کر کے یہ مختصر رسالہ مرتب کیا گیا ہے۔ جس سے ایک جذبہ تبلیغ بھی نمایاں ہے۔ انشاء اللہ تعالیٰ نفع تام اور مقبولیت عام کا باعث ہو گی۔"

(۴) خواتین کے شرعی احکام (مرتبہ بیگم ظریف احمد تھانوی صاحبہ)

اس کتاب کی اشاعت حضرت عارفیؒ کے انتقال کے دو سال بعد یعنی اپریل ۱۹۸۸ء میں ہوئی۔ اس کتاب کی اساس محمد عاشق الٰہی صاحب کے وہ مضامین ہیں جو دارالعلوم کراچی کے ماہنامہ البلاغ میں چھپ چکے تھے اور ان مضامین کا مجموعہ کتابی شکل میں "تحفہ خواتین" کے نام سے شائع ہو چکا تھا۔ جب یہ کتاب اشاعت پذیر ہوئی تو حضرت عارفیؒ نے اس کو بہت پسند فرمایا لیکن ساتھ ہی یہ ضرورت محسوس فرمائی کہ اس کتاب کو ایمان کے تمام شعبوں یعنی عقائد، عبادات، معاملات، معاشرت اور اخلاق کی ترتیب پر مرتب کیا جائے اور اس کی تلخیص بھی کی جائے تاکہ مختصر وقت میں بھی اس سے استفادہ کیا جا سکے۔ اس مقصد کے لئے حضرتؒ نے تحفہ خواتین کے مضامین کا انتخاب فرمایا اور کچھ مضامین حکیم الامتؒ کی کتاب "اصلاح انقلاب امت" سے بھی منتخب فرمائے۔ حضرتؒ کے زیر ہدایت و نگرانی بیگم ظریف احمد تھانوی صاحبہ بڑی محنت سے ان مضامین کو مرتب فرمایا۔ اس طرح مسلم خواتین کے لئے یہ نہایت جامع اور مفید کتاب تیار ہو گئی۔

چند مطبوعہ مواعظ

حضرت عارفیؒ کے مواعظ جو کتابچوں کی شکل میں شائع ہوئے ان میں سے چند حسب ذیل ہیں:

۱۔ اصلاح معاشرہ

۲۔ تازیانہ عبرت

۳۔ درس بصیرت

۴۔ سیلاب فنا اور سفینہ نوح

۵۔ انوار و انعامات رمضان

۶۔ ہدایات و تنبیہا رمضان المبارک

۷۔ اسلام کے تقاضے اور ہماری زندگی

۸۔ فکر آخرت

۹۔ نماز کی حقیقت اور مصائب

۱۰۔ مسلمانوں کے لئے ایک اہم انتباہ

۱۱۔ اپنے ایمان کا جائزہ لیجئے

۱۲۔ افتتاح بخاری پر اساتذہ و طلباء سے خطاب

۱۳۔ نشان راہ

۱۴۔ سبل السلام

۱۵۔ دین علم و عمل چاہتا ہے۔ اتباع سنت ہی دین ہے

۱۶۔ چار بیش بہا محاسن

۱۷۔ سلامتی کا راستہ

۱۸۔ نماز میں دل کیوں نہیں لگتا

۱۹۔اصلاح اعمال اور رجوع الی اللہ کا طریقہ

۲۰۔ایمان سب سے بڑی دولت ہے

۲۱۔ نماز ہی معراج المومنین ہے

۲۲۔ایاك نعبد و ایاك نستعین اور دعا کی اہمیت

۲۳۔اعمال حسنہ کا بیان اور علما کرام کا احترام واجب ہے

۲۴۔روحانی ترقی اور اسلام

۲۵۔ حل مہمات

۲۶۔ موجب قرب کیفیات نہیں بلکہ اعمال ہیں

۲۷۔ مجالس عارفیہ مجلس نمبر۱

۲۸۔ مجالس عارفیہ مجلس نمبر ۲

۲۹۔ مجالس عارفیہ مجلس نمبر ۳

حضرت عارفی ؒ نے محض خدمت دین سمجھ کر مذکورہ بالا کتب تصنیف یا تالیف فرمائیں۔اپنی کسی تصنیف یا تالیف کی نہ تو رجسٹری کروائی اور نہ ہی حق تصنیف یا تالیف حاصل کیا بلکہ اپنی تصنیفات یا تالیفات کی اشاعت میں ناشرین کی مالی اعانت بھی فرمائی، چنانچہ حضرت عارفیؒ کی کتابوں کی قیمت عام طور پر اتنی ہی مقرر کی جاتی تھی جو ان کی اشاعت پر خرچ ہوتی تھی۔ حضرتؒ کتابوں کی قیمت میں اضافہ کر کے فروخت کرنے کو بھی اچھا نہیں سمجھتے تھے جس کا ثبوت مندرجہ ذیل ایک مرید کے خط اور حضرتؒ کے جواب سے ملتا ہے۔

خط: ”کچھ عرصہ سے ایسا خیال بار بار دل میں آتا ہے کہ جو لوگ مجھ سے حضرت کی کتابیں یا دینی کتابیں منگواتے ہیں میں کچھ رقم اس میں بڑھا کر ان کو دیا کروں، لیکن میں نے آج تک ایسا نہیں کیا کیونکہ میں حضور والا کے زیر تربیت ہوں اور دوسرے حضور والا نے کبھی اپنی ذاتی افادیت کے لئے کوئی کام ایسا نہیں کیا تو میں کیوں کروں مگر اپنے

سابقہ خیال پڑ ڈتا ہوا ہوں۔"

حضرت کا جواب: اسی کو دین کی خدمت سمجھیں کہ کتابیں لوگوں تک پہنچانے کا ذریعہ حاصل ہے۔ قیمت بڑھانا مناسب نہیں۔

تالیفات ہومیوپیتھی

حضرت عارفیؒ نے ہومیوپیتھی کے اہم مضامین پر (۱۸) کتابیں تصنیف فرمائیں۔ اس سلسلہ میں آپ نے فرمایا:

"میں نے ۱۹۳۶ء سے ۱۹۵۰ء تک ہومیوپیتھی کی (۱۸) کتابیں تصنیف کی ہیں۔ ان کتابوں کے نام یہ ہیں۔

(۱) جلدی امراض	(۲) علاج النساء	(۳) بچوں کے امراض
(۴) مردوں کے امراض	(۵) عام کمزوری	(۷) امراض سر
(۸) امراض چشم	(۹) امراض شکم	(۱۰) مبرز کے امراض
(۱۱) قبض	(۱۲) اسہال و پیچش	(۱۳) کینسر
(۱۴) دوا کی موزونیت	(۱۵) پیشاب کے امراض	(۱۶) امراض معدہ
(۱۷) دمہ اور	(۱۸) انفلوئنزا	

"میری پہلی کتاب ملیریا جو میں نے ہندستان میں لکھی اور ڈاکٹر مسعود کو لاہور بھیج دی۔ انہوں نے اس کتاب کو شائع کر دیا۔ پھر پاکستان آنے کے بعد میں لاہور گیا اور باقی ماندہ تمام کتب بھی لے گیا۔ لاہور میں ڈاکٹر الیاس مسعود سے ملاقات ہوئی اور ان سے کہا کہ یہ تمام کتابیں میں آپ کے ٹرسٹ کو پیش کرتا ہوں۔ کیوں کہ ان کو شائع کرنا میرے بس کی بات نہیں ہے لیکن انہوں نے صرف ملیریا کا دوسرا ایڈیشن شائع کیا اور باقی کتب مجھے واپس کر دیں۔ میں نے اس کی واپسی کا سبب بھی پوچھا مگر انہوں نے کوئی

جواب نہیں دیا۔ یقیناً کوئی مصلحت ہوگی اس طرح یہ کتب شائع نہیں ہو سکیں۔ صرف ملیریا ہی چھپ سکی جس پر انہوں نے نوٹ لکھا ہے کہ یہ لاجواب کتاب ہے' کلاسک ہے' بے نظیر ہے اور آج تک اردو یا انگریزی میں ایسی کتاب نہیں چھپی ہے۔" (معالج محولہ بالا)

(نوٹ: ملیریا کے علاوہ انفلوئنزا کی کتاب بھی شائع ہوئی ہے۔)

حصہ چہارم

سفرِ آخرت

حضرت عارفی ؒ کی صحت خصوصاً ۱۹۸۴ء اور ۱۹۸۵ء کے دوران بگڑتی جارہی تھی۔ قریبی رشتہ دار اور دوست احباب داغ مفارقت دے رہے تھے۔ گویہ تمام حالات صحت پر اثرانداز تھے، مگر اللہ تعالیٰ کا کرم عظیم تھا کہ ان حالات کے باوجود آپ کی ہمت متزلزل نہ ہوسکی۔ معمولات کی پابندی جاری تھی۔ مطب اور مطب کی مجالس میں کوئی فرق نہ آیا۔ جمعہ اور پیر کی مجالس جاری وساری تھیں۔

صحت کی خرابی کی وجہ سے حضرت والا جمعہ کی مجلس کو ختم کرنا چاہتے تھے، مگر آپ کے خدام اور محبین کی استدعا پر آخری وقت تک آپ نے اس مجلس کو جاری رکھا، مگر اس مجلس کا رنگ ہی الگ تھا۔ مقربین نے یہ محسوس کرلیا تھا کہ یہ رشد و ہدایات کی مجالس دیرپا نہیں ہوں گی۔ آپ کو اپنے حقوق کی ادائیگی کی فکر (خواہ وہ حقوق اللہ ہوں یا حقوق العباد) ہر وقت رہا کرتی تھی اور کسی سعادت سے محروم نہیں رہنا چاہتے تھے۔ اسی فکر نے صحت کی خرابی کے باوجود آپ کو دارالعلوم کراچی (کورنگی) جس کے آپ صدر بھی تھے وہاں ختم بخاریؒ شریف کے جلسے میں شرکت پر مجبور کیا۔ اس سلسلہ میں حسن عباس صاحب فرماتے ہیں:

"۲۳ مارچ ۱۹۸۶ء بروز اتوار حسب معمول والد صاحب صبح کے ناشتے کے بعد مطب تشریف لے گئے۔ راستہ میں پیٹ میں کچھ تکلیف کا ذکر کیا۔ اسی روز دارالعلوم (کورنگی) میں بسلسلہ تقریب ختم بخاریؒ شریف جانا تھا۔ اول تو پیٹ کی تکلیف کی وجہ سے ارادہ ملتوی کردیا، لیکن پھر اس خیال سے کہ اس سعادت سے کیوں محروم رہا جائے

اس تکلیف کی حالت میں دار العلوم تشریف لے گئے۔" (البلاغ ص ۱۳)

حضرت والا ایک صاحب کے ہمراہ دار لعلوم (کورنگی) طے شدہ وقت کے مطابق ٹھیک بارہ بجے دن پہنچ گئے۔ حضرت کی اس کے بعد کی کیفیت مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب یوں بیان کرتے ہیں:

"حضرتؒ" گاڑی سے اترے تو سفید کپڑے اور ہلکے بادامی رنگ کی صدری زیب تن کئے ہوئے تھے' بدن سے حسب سابق عطر کی ہلکی خوشبو پھوٹ رہی تھی اور چہرے پر حسب عادت تبسم تھا۔ لیکن تکلیف کی شدت سے پیٹ پر ہاتھ رکھے ہوئے' قدرے جھک کر چل رہے تھے' چہرے کی رنگت سفید پڑ گئی تھی' اور آنکھوں میں نقاہت نمایاں تھی' احقر کے دفتر میں داخل ہوتے ہی درودیوار پر نظر پڑی تو فرمایا کہ "ماشاءاللہ اب یہ دفتر بہت اچھا ہو گیا ہے' بھائی ہمارے پیٹ میں صبح سے بہت تکلیف ہے' طاقت و توانائی بالکل نہ تھی' مگر ختم بخاریؒ کی سعادت سے محرومی کو دل نہ مانا" بیٹھتے ہی دریافت فرمایا کہ "مولوی تقی سفر سے کب آئیں گے؟ (وہ بیرون ملک سفر میں تھے) میں نے عرض کیا کہ انشاء اللہ بدھ تک آجائیں گے۔ آپ حسب معمول باتیں کرنا چاہتے تھے' گفتگو شروع بھی فرماتے تھے مگر ہاتھ بار بار پیٹ پر جاتا اور فرماتے۔ "بھائی یہ عجیب قسم کی تکلیف ہے۔" حضرت کے معدے میں شدید تکلیف تھی' جس کی لہریں بار بار اٹھتی تھیں' حضرت کے لئے بیٹھنا مشکل ہو رہا تھا' ہم لوگوں نے عرض کیا کہ "حضرت تھوڑی دیر آرام فرمالیں" لیکن حضرت والا نے ٹال دیا۔ مجھے معلوم تھا کہ حضرت قیلولہ کے وقت سے قبل ہرگز نہ لیٹیں گے' خود ہی فرمایا کرتے تھے کہ "مجھے قسطوں میں لیٹنے کی عادت نہیں" لیکن تکلیف حد سے بڑھتی دیکھی تو ہم سب کے اصرار پر آرام فرمانے کے لئے تیار ہو گئے' کھانا کھانے سے انکار پہلے ہی فرما چکے تھے اور قیلولہ کا وقت بھی ہو ہی گیا تھا۔ احقر کے غریب خانے پر تشریف لائے اور مردانہ کمرے میں لیٹ گئے' کسی کروٹ چین نہ تھا' ہر ممکن تدبیر و علاج کے باوجود تکلیف میں اضافہ ہو رہا تھا۔ مجھ سے

فرمایا کہ ”تم جاکر مہمانوں کے ساتھ کھانے میں شریک ہو جاؤ“میں نے عرض کیا کہ ”مہمانوں کے ساتھ شریک ہونے کے لئے ابھی حضرت مولانا سبحان (سحبان) محمود صاحب مد ظلہم تشریف لے گئے ہیں اور مجھے حضرت والا کے پاس چھوڑ گئے ہیں۔اب وہاں میرا جانا ضروری نہیں‘ میں حضرت ہی کے پاس رہنا چاہتا ہوں۔“خاموش ہو گئے پھر نماز ظہر کے وقت فرمایا”تم نماز مسجد میں پڑھ آؤ۔“میں نے عرض کیا کہ ”حضرت آپ ہی کے ساتھ پڑھ لوں گا۔“ اجازت دے دی پھر ظہر کی نماز باجماعت کھڑے ہو کر ادا کی‘ سنتیں‘ نوافل اور نماز کے بعد تمام معمولات پورے فرما کر لیٹ گئے۔پیٹ پر تیل کی مالش کرائی مگر تکلیف اور بڑھ گئی تھی۔ ختم بخاریؒ کا وقت پوچھا‘احقر نے عرض کیا کہ ”تین بجے کا وقت طے ہے‘ لیکن وقت میں ردو بدل آسانی سے ہو سکتا ہے۔ “حضرت والا نے ردو بدل سے منع فرمادیا۔جب تین بجے تک بھی تکلیف میں اضافے کا یہی عالم رہا تو فرمایا”ایسا معلوم ہوتا ہے ختم بخاریؒ میں شرکت نہ ہو سکے گی۔“پھر فرمایا ”اب ہمیں گھر واپس جانا چاہئے‘ کبھی واپسی کی بھی قدرت نہ رہے‘ گھر والے پریشان ہوں گے“اس عرصے میں جناب حافظ عتیق الرحمٰن صاحب‘ محترم زبیری صاحب اور حضرت کے بہت سے پروانے شہر سے یہاں پہنچ چکے تھے۔سب کے ساتھ گاڑیاں تھیں اور ہر ایک کی خواہش تھی کہ حضرت کو اپنی گاڑی میں لے جائے۔ لیکن حضرت والا نے سب سے فرمادیا کہ ”آپ حضرات ختم بخاریؒ میں شریک ہوں‘ میں انوار کی گاڑی میں چلا جاؤں گا“غرض آپ عزیزم انوار صاحب کی گاڑی میں دعائیں دیتے ہوئے رخصت ہو گئے۔“(البلاغ ص ۳۰۶ تا ۳۰۸)

گھر پہنچنے کے بعد کی کیفیت حسن عباس صاحب یوں بیان کرتے ہیں۔

”جس وقت گھر میں داخل ہوئے میں اندر برآمدہ میں بیٹھا ہوا تھا‘ مجھ سے مخاطب ہو کر کہنے لگے کہ پیٹ میں بہت تکلیف ہے۔فوراً لیٹ گئے۔ہاضمہ کی دوائیں دی گئیں‘ کچھ افاقہ نہیں ہوا تو (ڈاکٹروں کی تجویز کردہ دوائی دی گئیں پھر بھی افاقہ نہیں ہوا تو

رات کے گیارہ بجے ایک انجکشن دیا گیا) جس سے درد میں کمی ہوئی اور سوگئے۔ صبح سے متلی اور قے شروع ہوگئی اور بے چینی بڑھ گئی۔ غذا اور پانی بالکل نہیں لے رہے تھے' اس لئے گلوکوز کی DRIP لگائی گئی۔ گزشتہ ہفتہ مسلسل پانچ روزے رکھے تھے اس لئے کمزوری اور پانی کی کمی ہوگئی تھی۔ ڈاکٹر محمد الیاس صاحب جو کہ والد صاحب کے خلفاء میں سے ہیں' شروع سے تیمارداری میں مصروف تھے اور انہیں کے مشورہ سے ڈاکٹروں سے رجوع کیا جارہا تھا۔ وہ خود بھی ڈاکٹروں سے مشورہ کررہے تھے۔ خون کا معائنہ ہوا تو معلوم ہوا کہ Blood Urea بڑھ گیا ہے۔ اس کے لیے کافی دوائیں دی گئیں لیکن کوئی افاقہ نہیں ہوا۔ تکلیف بڑھتی گئی' پیشاب پاخانہ بھی برائے نام ہورہا تھا۔ ۲۶/ مارچ ۱۹۸۶ء کو صبح سب ڈاکٹروں کا مشورہ ہوا کہ ہسپتال میں داخل کیا جائے لیکن والد صاحب نے نصیحت فرمائی تھی کہ خواہ کیسی ہی حالت ہوجائے' ہرگز ہسپتال میں داخل نہ کرنا لیکن بدرجہ اشد ضرورت اور مجبوری ہسپتال لے گئے۔ ناظم آباد نمبر ۲ میں المرتضیٰ ہسپتال میں ڈاکٹر حافظ محمد الیاس صاحب کے مشورہ سے داخل کیا گیا' کیونکہ وہاں کے ڈاکٹر قمر سے خصوصی تعلقات ہیں اور ہر طرح کی سہولتیں مہیا ہوسکتی تھیں۔ ہم لوگ و دیگر اعزہ واحباب برابر ہسپتال آتے جاتے رہے۔ والد صاحب کے اصرار پر والدہ صاحبہ کی تقویت کے لئے ہم لوگوں کو گھر پر رہنا پڑا۔ ہسپتال میں لوگوں کا ہجوم رہا لیکن کمرے میں جانے کی اجازت نہ تھی۔ والد صاحب سے تعلق رکھنے والے سید ممتاز علی خدمت کے لئے رہ گئے اور بضد تھے کہ وہ ہر وقت خدمت میں لگے رہیں گے۔ ان کو بہت منع کیا لیکن وہ نہ مانے' ہم لوگوں کو ٹھہرنے ہی نہ دیتے تھے۔ بلا کسی تکان کے مسلسل خدمت میں لگے رہے۔ اللہ تعالیٰ ان کو جزائے خیر دے اور درجات بلند کرے۔ انہوں نے حق محبت ادا کردیا۔ چوں کہ سید ممتاز علی وہاں موجود رہے اور انہوں نے آخری لمحات کے حالات بڑی محبت سے قلم بند کئے ہیں اس لئے میں انہی کی تحریر پیش کررہا ہوں۔"

(البلاغ ۱۳' ۱۴)

سید ممتاز علی صاحب تحریر فرماتے ہیں:

''ہسپتال جاتے ہی ڈاکٹر حضرات نے 'حضرت کو آکسیجن دینا شروع کردی۔ صبح کے تقریباً دس بجے تھے اس وقت کمرے میں ڈاکٹر الیاس صاحب اور ڈاکٹر حبیب الحق صاحب موجود تھے۔ حضرت والا مجھ سے بار بار فرماتے تھے کہ ''تم آرام کرلو''۔ اللہ اکبر! اتنی بیماری میں بھی اپنے خدام کا اس قدر خیال تھا۔ میں نے کہا کہ حضرت میں بالکل آرام سے ہوں آپ کچھ خیال نہ فرمائیں۔ تھوڑی دیر بعد حضرت نے فرمایا ''یہ ہسپتال کہاں واقع ہے''میں نے کہا''حضرت ناظم آباد میں ڈاکٹر جمیل صاحب کے گھر کے پیچھے ۔''فرمانے لگے ''اچھا جامع مسجد کے پیچھے''میں نے کہا''بالکل درست''پھر فرمانے لگے ''کیا بارہ بجے ہیں۔''میرے پاس گھڑی نہ تھی 'ڈاکٹر الیاس صاحب نے دیکھا تو واقعی پورے بارہ ہی بجے تھے۔ الحمد اللہ! حضرت والا چہرے سے بالکل مطمئن نظر آتے تھے اور ہوش وحواس کا یہ عالم تھا کہ تمام کی تمام دوائیوں کی تفصیل خود ڈاکٹر حضرات سے فرمادیا کرتے تھے کہ ''ہمیں یہ دوائی دی گئی 'اسکا رنگ یہ تھا 'نام یہ تھا 'پھر یہ انجکشن دیا۔ اس کا نام یہ تھا 'وغیرہ وغیرہ ''حضرت بڑے ہی پیارے اور معصومانہ انداز میں بار بار فرماتے تھے ''میرے اللہ!'' اسکے بعد پھر غنودگی کے عالم میں ہو جاتے۔ حضرت والا کو سردی بھی محسوس ہو رہی تھی 'فرمانے لگے ''ہمیں کمبل اڑھادو''میں نے نرس سے کہا کہ کمبل لادو۔ حضرت فرمانے لگے۔ ''ہم ہسپتال کے کمبل نہیں لیں گے گھر کا چاہیے''میں نے نرس سے کہا بھئی فی الوقت تو لادو بہت ہلکی آواز سے کہا تھا مگر حضرت نے سن لیا اور فرمایا ''فی الوقت ہرگز نہیں''خیر کچھ دیر بعد گھر سے کمبل آگیا۔ حضرت نے چاروں نمازیں یعنی ظہر 'عصر 'مغرب 'عشاء اول وقت میں ادا کیں۔ میں نے کہا حضرت کچھ دیر بعد پڑھ لیں۔ فرمانے لگے ''نہیں نماز اول وقت ہی پڑھنا افضل ہے۔''دوائی 'انجکشن اور جوس وغیرہ کا سلسلہ چلتا رہا۔ اس دوران حضرت نے کئی مرتبہ فرمایا کہ ''ہم حاجت کے لئے بیت الخلاء ہو آئیں۔''حضرت والا اس قدر باہمت تھے کہ اتنی کمزوری کے

باوجود بھی کھڑے ہونے کی کوشش فرمارہے تھے۔ تقریباً چار بجے شام میں نے حضرت سے کہا حدیث شریف میں ہے کہ اگر کوئی مریض اپنے لئے دعا کرے تو فرشتے آمین کہتے ہیں۔اس پر حضرت نے فرمایا۔

"ماشاء اللہ "اور پھر اس قدر دعائیں فرمائیں کہ ڈاکٹر حضرات بھی کہنے لگے کہ حضرت خاموش رہیں۔ لیکن تھوڑے وقفے کے بعد پھر دعائیں فرمائیں۔

یااللہ! مجھے شفاء عطا فرمایئے۔یااللہ! میرے تمام دوست احباب 'عزیز واقارب پر رحمتیں نازل فرمایئے۔انہیں عافیت کامل عطا فرمایئے۔رزق حلال عطا فرمایئے۔ طیب روزی عطا فرمایئے۔ان کے رزق میں برکت عطا فرمایئے۔یااللہ اپنے نبی کریم ﷺ کے صدقے و طفیل سے ان کو تمام برائیوں سے محفوظ فرمایئے۔

رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا مَالَا طَاقَةَ لَنَا بِهٖ وَاعْفُ عَنَّا وَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا اَنْتَ مَوْلَانَا فَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكَافِرِيْنَ.

"یااللہ دوامیں تاثیر عطا فرمایئے۔"

اور یہ دعاؤں کا سلسلہ آخر دم تک جاری رہا:

عصر کی نماز کے بعد حضرت والا کے خدام بہت زیادہ تعداد میں آرہے تھے۔ ہر ایک اپنے پیرومرشد اور نہایت شفیق اور محبت کرنے والے شیخ کے لئے بے قرار تھا۔ ہسپتال کے کمرے کی کھڑکی جو باہر لان کی جانب تھی 'تمام خدام اس کھڑکی سے حضرت والا کی زیارت کررہے تھے۔میں نے کہا حضرت تمام لوگ آپ کے لئے دعائیں کررہے ہیں اور ڈاکٹر حضرات بھی کہہ رہے ہیں کہ انشاء اللہ تعالیٰ کل صبح تک تمہارے شیخ اپنے پیروں پر چل کر جائیں گے اس لئے تمام لوگ اور بھی مطمئن ہیں۔اس پر حضرت نے فرمایا "انشاء اللہ تعالیٰ "حضرت والا نے جب سنا کہ بہت سے حضرات کھڑے ہوئے ہیں تو فرمانے لگے کہ "انہیں بٹھادیا جائے "پھر حضرت والا نے ایک ایک کا نام دریافت فرمایا۔میں نے تمام حضرات جو وہاں موجود تھے ان کا نام بتایا اور سب کے لئے نام لے کر

بے انتہادعائیں فرماتے رہے۔ حضرت نے معمولی جنبش کے ساتھ اپنے چہرے کوان تمام حضرات کی جانب کر دیااور فرمانے لگے "کہ یہ لوگ بیٹھ جائیں' اتنی زحمت نہ کریں 'اپنے اپنے کام میں لگیں' وقت ضائع نہ کریں' وقت بہت قیمتی ہے اور ان تمام حضرات کا ہماری طرف سے شکریہ ادا کر دینااور اور تمام ڈاکٹر حضرات کا بھی۔" کچھ دیر بعد مغرب کا وقت ہو گیا۔ حضرت نے فرمایا "لاؤ پتھر دے دو تاکہ ہم تیمّم کر لیں۔" اس وقت پتھریا کوئی بھی چیز موجود نہ تھی۔ میں بالکل حواس باختہ ہو گیا۔ کبھی ادھر جاتا کبھی ادھر۔ حضرت کی ذہانت کا یہ عالم تھا کہ فرمانے لگے۔ "پریشان نہ ہوں' ہمارا بستر تھوڑا آگے کر دو' دیوار سے تیمّم کر لیں گے۔" خیر اس وقت تک پتھر آچکا تھا' حضرت والا نے تیمّم فرمایا' بالکل صحیح تمام ارکان تیمّم کے ادا کئے' ہاتھ کو گھمانا' وغیرہ جبکہ ہاتھ میں ڈرپ لگی ہوئی تھی اور مجھے ڈر لگ رہا تھا کہ کہیں تکلیف نہ ہو۔ بہر حال نماز پوری ادا کی یہاں تک کہ نوافل بھی۔ اس کے بعد حضرت فرمانے لگے "ممتاز پڑھو لَااِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ اِنِّی كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ. اَشْهَدُ اَنْ لَّآاِلٰهَ اِلَّااللّٰه وَ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَسُوْلُ اللّٰهِ" اس دوران جناب ڈاکٹر الیاس صاحب تشریف لے آئے وہ سورۃ واقعہ 'سورۃ یٰس 'سورۃ ملک' حضرت والا کے کان میں سناتے رہے۔ حضرت آنکھ بند کئے بڑے ہی اطمینان کے ساتھ سنتے رہے اور "ماشاء اللہ" فرماتے رہے پھر اس کے بعد عزیز و اقارب باری باری ملنے آتے رہے۔ تھوڑی دیر بعد حضرت فرمانے لگے "آج کونسا دن ہے؟ اس وقت آدم پٹیل صاحب بھی تشریف فرما تھے۔ انہوں نے فرمایا حضرت آج بدھ ہے اس پر حضرت نے فرمایا "ماشاء اللہ" حضرت والاؒ کے تینوں صاحبزادے جناب حسن عباس صاحب' جناب احسن عباس صاحب' جناب مستحسن عباس صاحب اور حارث میاں (حضرت کے پوتے) موجود تھے' مجھ سے بار بار فرماتے رہے کہ "تم آرام کر لو ہم اباجی کے پاس بیٹھ جاتے ہیں' لیکن میں نہ مانا اور ان حضرات نے جذبہ ایثار سے کام لیا اور اس ناکارہ کو آخر وقت تک بیٹھے رہنے دیا اور یہ حضرات باہر بیٹھے رہے۔ میں

ظہر کی نماز کے بعد سے یہ دیکھ رہا تھا کہ حضرت والا اپنی شہادت کی انگلی کو بار بار اپنے لبوں پر رکھتے تھے جیسے کوئی حیرت ناک منظر دیکھ رہے ہوں اور حضرت والا کی طبیعت کچھ بہتر بھی ہو رہی تھی۔ خیر عشاء کی نماز کے بعد کیا دیکھتا ہوں کہ حضرت کے سینے میں گھڑ گھڑ کی آواز آ رہی ہے جس کی وجہ سے حضرت والا کی طبیعت بگڑنے لگی۔ اس پر میں گھبرا گیا کہ یا اللہ ابھی تو طبیعت ٹھیک تھی اب کیا ہو گیا۔ پھر حضرت خود بھی بڑے اطمینان سے فرمانے لگے "دیکھو یہ نئی علت اور لگ گئی شاید بلغم جمع ہو گیا ہے۔" فوراً ڈاکٹر حضرات کو بلایا۔ حضرت نے ڈاکٹروں سے فرمایا "اب یہ کیا ہو رہا ہے اور دیکھو ہمارے جلن بھی ہو رہی ہے۔" ڈاکٹر قمر نے کہا "حضرت آپ فکر نہ کریں۔"

حضرت مسکرائے اور فرمانے لگے "ماشاءاللہ ہم فکر نہ کریں تو پھر کون کرے۔"

لیکن حضرت کی طبیعت بگڑنے لگی اور قے ہونے لگی۔ میں نے کہا حضرت آپ قے میرے ہاتھوں میں کر دیں۔ حضرت نے فرمایا "ہرگز نہیں، برتن لاؤ۔" خیر فوراً برتن منگوایا، پھر حضرت نے اس میں بلغم تھوکا۔ صفائی کا بہت ہی زیادہ خیال تھا۔ بار بار روئی یا رومال طلب فرماتے تھے۔ پھر حالت بگڑ گئی۔ حضرت نے فرمایا "سانس لینے میں بڑی دشواری ہو رہی ہے۔" ڈاکٹروں نے آکسیجن لگا دیا لیکن اس سے بھی کوئی فرق نہیں ہوا۔ پھر اس کے بعد بلغم صاف کرنے کی مشین سے سارا بلغم صاف کر دیا گیا۔ بہت سارا پانی نکلا...... میں نے تمام کپڑے سے صاف کر دیا...... اس کے بعد پھر حضرت فرمانے لگے۔ "پڑھو لَا اِلٰہَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَکَ اِنِّی کُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ" اب سانس میں کچھ آرام تھا۔ حضرت نے فرمایا (بڑی جلدی میں) "حسن، احسن، مستحسن اور خورشید کو بلاؤ، جلدی بلاؤ۔" یہ تینوں بھائی فوراً آ گئے۔ حضرت والا نے ان سے فرمایا "جاؤ آرام کرو، فی امان اللہ...... اور دیکھو اپنی آپا کا خیال رکھنا۔" اس کے بعد تمام حضرات تشریف لے گئے اور ڈاکٹر صاحب دل کی مشین لگا کر چلے گئے۔ اس وقت شاید رات کے دو یا تین بجے ہوں گے۔ اس وقت ڈاکٹر طلحہ رضا اور عارف صاحب موجود تھے جو حضرت والا کے

قریبی عزیز ہوتے ہیں۔ میں حضرت کے سرہانے کھڑا حضرت کو غور سے دیکھ رہا تھا اور دعائیہ کلمات اور سورتیں پڑھتا بھی جارہا تھا۔ خیر! حضرت والا کی طبعیت میں کچھ سکون دیکھ کر میں تھوڑی دیر لیٹ گیا اور میری آنکھ لگ گئی، تھوڑی دیر بعد آنکھ کھلی تو دیکھا کہ ماشاء اللہ حضرت آرام فرمارہے ہیں اور سانس بھی حسب معمول ٹھیک چل رہا ہے ۔کچھ دیر بعد فجر کی اذان ہوئی۔ دیکھا حضرت والا کے لب اذان کی آواز پر جنبش کر رہے ہیں۔ میں رفع حاجت کے لئے بیت الخلا چلا گیا جب نکلا تو حضرت والا کے بھانجے شکیل گھبرائے ہوئے آئے اور کہنے لگے ممتاز بھائی ماموں کی طبعیت بہت زیادہ بگڑ رہی ہے ۔"میں فوراً بھاگا ہوا کمرے میں داخل ہوا، دیکھا ڈاکٹر حضرات، حضرت والا کو آکسیجن دے رہے اور دل سہلا رہے ہیں۔" (البلاغ ۱۵ تا ۱۸)

اسی سلسلہ میں حسن عباس صاحب فرماتے ہیں:

"ڈاکٹر مسلسل کوشش میں لگے ہوئے تھے لیکن افسوس کہ والد صاحب محترم فجر کی اذان کے ساتھ ہی اس عالم فانی سے اپنے تمام فرائض اور ذمہ داریوں سے بطریق احسن سبکدوش ہو کر رفیق الاعلی سے جا ملے اور اپنے پس ماندگان اور خدام تشنہ گام کو ہمیشہ کے لئے جمال جہاں آراء سے محروم کر گئے۔ (البلاغ ۱۹)

انا للہ وانا الیہ راجعون

حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ حضرت مولانا محمد زبیر صاحبؒ نے فرمایا کہ ایک مرتبہ عمرہ پر جانے سے قبل حضرت عارفیؒ سے ملنے گیا تو حضرت عارفیؒ نے فرمایا کہ مواجہ شریف پر حاضری کے وقت حسب ذیل شعر میری طرف سے پیش کر دیجئے گا۔ ؎

تمنا ہے درختوں پر تیرے روضے پے جا بیٹھے
قفس جس وقت ٹوٹے طائر روح مقید کا

مولانا زبیر صاحبؒ کا فرمانا تھا کہ جس وقت انہوں نے یہ شعر مواجہ شریف پر پہنچ

کر پڑھا وہی وقت تھا جس وقت حضرت عارفیؒ کا انتقال ہوا۔

وصال کے بعد تجہیز و تدفین کے متعلق حسن عباس صاحب رقم طراز ہیں:

"انتقال کے بعد والد صاحب کی میت کو تقریباً سات بجے صبح مکان پر لایا گیا۔ تجہیز و تکفین کے انتظامات جناب برادرم محمد کلیم صاحب نے اپنے ذمہ لئے۔ اعزہ واحباب کو فون کے ذریعہ مطلع کرنے کا اہتمام کیا گیا۔ ریڈیو پاکستان نے ۸ بجے صبح سے اپنی نشریات میں اعلان شروع کر دیا۔ جلدی ہی لوگوں کی آمد کا تانتا لگ گیا۔ تقریبا ۹ بجے جنرل ضیاالحق صاحب، صدر پاکستان کا فون آیا، انہوں نے مجھ سے دریافت کیا کہ کس وقت نماز جنازہ اور تدفین ہوگی۔ میں نے کہا کہ ۴ بجے شام کا وقت مقرر ہوا ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ وہ اپنے پروگرام منسوخ کر کے ساڑھے چار بجے تک کراچی پہنچیں گے۔

والد صاحب کا وصیت نامہ تلاش کیا گیا جس میں انہوں نے تفصیلی وصیت فرمائی تھی کہ غسل کیسے دیا جائے، کفن میں کیا اہتمام کئے جائیں۔ مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب، مولانا مفتی محمد تقی عثمانی کی معیت میں محمد کلیم صاحب، محمد ہارون صاحب اور بعض دیگر خدام نے بڑے اہتمام کے ساتھ غسل دیا اور کفن پہنایا۔" (البلاغ ص ۲۰)

حضرت عارفیؒ کے جسم خاکی کو غسل دینے کے متعلق مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب رقم طراز ہیں۔

"صبح گیارہ بجے کے قریب حضرت والا کو جناب کلیم صاحب اور ان کے بڑے بھائی جناب محمد ہارون صاحب غسل دے رہے تھے اور ایک خادم (احمد حسین ساحب) غسل کا سامان اٹھا اٹھا کر دے رہے تھے۔

احقر حضرت والا کی کتاب احکام میت کھولے اس میں لکھی ہوئی ہدایات کلیم صاحب کو بتا رہا تھا تاکہ کوئی بات حضرت کی ہدایات کے خلاف نہ ہو جائے۔ برادرم عزیز مولانا محمد تقی صاحب سلمہ احقر کے ساتھ تھے۔"

حضرت عارفیؒ کی نماز جنازہ اور تدفین کے متعلق حسن عباس صاحب فرماتے ہیں۔

”نماز جنازہ پڑھانے اور دفنانے سے متعلق (حضرت والد صاحب کی) کوئی وصیت نہ تھی۔ ہم سب بھائیوں اور بزرگوں کے مشورہ سے یہ طے پایا کہ نماز جنازہ مولانا (محمد) رفیع (عثمانی) صاحب یا مولانا (محمد) تقی (عثمانی) صاحب پڑھائیں اور دارالعلوم کراچی کے قبرستان میں حضرت مفتی اعظم محمد شفیع صاحب (رحمۃ اللہ علیہ) کے قریب ہی آخری آرام گاہ ہو۔ شام کے ۴ بجے نماز جنازہ بھی وہیں پڑھائی جائے۔ گوریڈیو سے برابر اعلان ہو رہا تھا پھر بھی بہت سے حضرات کو اطلاع نہ مل سکی۔

ٹھیک تین بجے سہ پہر جنازہ اٹھا۔ کندھوں پر حیدری مارکیٹ کے قریب تک لے گئے جہاں آٹھ بسوں کا انتظام تھا۔ بسوں کے علاوہ تقریباً سوڈیڑھ سو کاریں بھی تھیں۔ کندھا دینا مشکل ہو گیا۔ لوگ والہانہ ٹوٹ رہے تھے۔ ہر شخص کندھا دینے کی کوشش میں تھا اور جو وہاں تک پہنچ جاتا چھوڑنا نہیں چاہتا تھا۔ جب جنازہ کا قافلہ روانہ ہوا تو ٹریفک پولیس کا معقول انتظام تھا تاکہ راستہ میں کوئی رکاوٹ نہ ہو۔ ایک ٹریفک انسپکٹر موٹر سائیکل پر میت بس کے آگے راستہ کو صاف کرتا ہوا جا رہا تھا۔ ہر چوراہے پر ٹریفک کو پہلے سے ہی روک دیا جاتا۔ ہمارا قافلہ بغیر کہیں رکے ہوئے نہایت آرام سے چار بجے کورنگی کے دارالعلوم پہنچ گیا۔ وہاں لوگوں کا ایک ہجوم پہلے سے موجود تھا۔ وہاں کندھا دینے کے لئے بانس باندھ دیئے گئے تھے، پھر بھی اکثر لوگوں کو موقع نہ مل سکا۔ ساڑھے چار بجے صدر ضیاء الحق صاحب اور ان کے ساتھ گورنر سندھ جنرل جہانداد بھی تشریف لائے۔“ (البلاغ ص ۲۰، ۲۱)

نماز جنازہ مولانا محمد تقی عثمانی صاحب نے پڑھائی۔ (نماز جنازہ اسی میدان میں ادا کی گئی جہاں حضرت عارفی رحمہ اللہ نے اپنی وفات سے تقریباً دس سال قبل حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ کی نماز جنازہ پڑھائی تھی)۔ تدفین تقریباً ۵ بجے ہوئی۔

حسن عباس صاحب مزید فرماتے ہیں:

”حدیث شریف میں ہے کہ اَلْمَبْطُوْنُ شَهِيْدٌ یعنی جو پیٹ کی بیماری میں وفات

پائے شہید ہوتا ہے۔ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی، حضرت حکیم الامت مولانا تھانوی اور حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہم اللہ کا انتقال بھی اسی عارضہ اسہال میں ہوا تھا۔ (البلاغ ص۲۱)

مولانا خلیل احمد تھانوی اور سید حماد رضا صاحبؒ نے حضرت عارفیؒ کی تاریخ وفات یوں تحریر فرمائی۔

وقد	قال	الله	عزوجل	ارجعي	الي	ربک	راضية
۱۱۰	۱۳۱	۶۶	۱۱۶	۲۸۴	۴۱	۲۲۲	۱۰۱۶

۱۹۸۶

والله	نبشره	بمغفره
۷۲	۵۸۷	۱۳۲۷

۱۹۸۶

قطب الارشاد	عارف باللہ	عبدالحیؒ صدیقی
۶۴۸	۴۱۹	۳۳۹

۱۴۰۶

وصایا، نصائح وترکہ

بزرگانِ دین اور حاملین شریعت کا طریقہ کار رہا ہے کہ وہ اپنی زندگی میں بھی حقوق العباد کی بجاآوری کے سلسلے میں اپنے متعلقین کو نصیحتوں سے نوازا کرتے تھے اور مرنے کے بعد ان کے لئے وصیتیں تحریر کر کے محفوظ فرمالیا کرتے تھے۔ حضرت عارفیؒ بھی ہر لمحہ اس بات کا خیال فرمایا کرتے تھے کہ حقوق اللہ کما حقہ ادا ہوتے رہیں اور اتباع رسول ﷺ میں کوئی کسر باقی نہ رہے۔ بزرگانِ دین کے نقش قدم پر چلتے ہوئے حضرت عارفیؒ بھی اپنی زندگی میں متعلقین کو نصیحتوں سے نوازتے رہے اور وصیت کو تحریر فرما کر محفوظ رکھا۔ حضرت عارفیؒ اس سلسلہ میں رقم طراز ہیں:

۱۔ ''حضور سرورِ عالم، رحمت دوعالم، ہادی اعظم رسول اللہ ﷺ نے تاکید فرمائی ہے کہ جس مسلمان کو اپنی کسی چیز کے متعلق وصیت کرنا ہو تو دو رات بھی اس حالت میں نہ گزارے کہ وہ وصیت اس کے پاس لکھی ہوئی رکھی نہ ہو۔

۲۔ حضرت حکیم الامت مجدد ملت مرشدی و مولائی محمد اشرف علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے وصیت نامہ تحریر کرنے کی عملی تعلیم دی ہے اور ہمیشہ اس کے لئے تاکید فرماتے رہے ہیں۔ چنانچہ اشرف السوانح حصہ سوم میں اس کا نمونہ درج فرمایا ہے۔

۳۔ انہیں ارشادات کی تعمیل میں چند سطور میں نے بھی تحریر کی ہیں۔ اس کی اہمیت اس کے مطالعہ کرنے اور بار بار مطالعہ کرنے سے معلوم ہوگی۔

۴۔ زندگی کے دوران میں مختلف لوگوں کے ساتھ مختلف معاملات کا سابقہ رہتا ہے۔ اعزہ کے ساتھ اور احباب کے ساتھ بھی اور دوسرے لوگوں کے ساتھ بھی، اس لئے فطری امر ہے کہ کسی نہ کسی عنوان سے ضرور کوئی بات ایسی ہو جاتی ہے جو خلاف

طبع ہو یا جس میں کسی قسم کے حق کا اتلاف ہو مثلاً عزت 'آبرو 'مال وغیرہ کا۔ اس لئے پیش نظر اس امر کے حقوق العباد بڑا سنگین مسئلہ ہے اور آخرت میں اس کا بہت سخت مواخذہ ہے۔ اللہ تعالیٰ محفوظ رکھیں اور معاف فرمادیں۔ آمین۔ میں اس بات کی کوشش کرتا ہوں کہ سب اہل معاملہ سے معافی مانگتا رہوں پھر بھی میرے مرنے کے بعد میرے وارث اگر میرے اعزہ اور اقربا اور احباب سے عند الملاقات میری طرف سے معافی مانگ لیں تو بہت بہتر ہے تاکہ مجھ سے کسی قسم کا مواخذہ آخرت میں نہ ہو جو بہت ہی شدید بات ہے۔

میں دل و جان سے سب کو معاف کرتا ہوں جن کی وجہ سے میرا کسی قسم کا کوئی بھی حق تلف ہوا ہو۔ اللہ تعالیٰ بھی ان کو معاف فرمادیں۔ آمین۔

چند وصیتیں اور نصیحتیں

اس کا اہتمام رکھنا چاہیے کہ شرافت نسبی قائم رہے۔ اپنے عادات و خصائل 'اپنی معاشرت 'لوگوں سے معاملت اور طرز عمل ہمیشہ شریفانہ اور متحملانہ ہونا چاہئے۔ لباس و پوشاک میں بھی دیندار اور وضعدار لوگوں کی سی حالت رکھنا چاہیے۔ اپنی وضع و اپنے اخلاق ضرور عوام سے ممتاز رکھنے چاہیے۔ شرافت نسبی بہت بڑی نعمت ہے اس کی حفاظت کرنا چاہیے۔

ہم لوگ صدیقی النسب ہیں۔ اس لئے کچھ تو خصوصیات صدیقیت پیدا کرنا چاہیے۔ حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کی سیرت کا مطالعہ کرنا لازمی ہے۔ محض نام کے آگے لفظ صدیقی بڑھانا اور صورت و شکل ویسی نہ ہونا سخت بے ادبی اور گستاخی ہے اور محض یہود و نصاریٰ کی اتباع ہے جو حد درجہ مذموم ہے۔ اپنی معاشرت کو دینی اور اسلامی معاشرت بناؤ۔ اسی زندگی میں لذت ہے اور اسی زندگی میں عافیت ہے۔ مغربی تہذیب کی ہر بات بہت دلکش اور آسان اور صاف ستھری معلوم ہوتی ہے لیکن آخر میں وبال جان بن کر

رہ جاتی ہے۔ میں اپنے ذاتی تجربہ سے کہتا ہوں کہ مغربی تہذیب پناہ مانگنے کی چیز ہے۔

پردہ بہت ضروری ہے جو خدا اور اس کے رسول ﷺ کا حکم ہے۔ اس کے خلاف کرنے والوں کو بڑی شرمناک اور عبرتناک سزائیں ملا کرتی ہیں۔ بے حیائی' بے غیرتی سے پیدا ہوتی ہے۔ خانگی زندگی بے کیف ہو جاتی ہے۔ آپس میں بدظنی اور بدگمانی پیدا ہونے لگتی ہے۔ طبیعت میں کمینہ پن پیدا ہو جاتا ہے۔ غور کرو اور دیکھو دنیا میں کیا ہو رہا ہے۔ اپنے متعلقین کو اس کے انجام کار کی تباہی اور بربادی سے بچاؤ ورنہ یہ ایسا نقصان ہوگا جس کی تلافی ناممکن ہے۔

اپنے متعلقین کے ساتھ بہترین سلوک کرو۔ حدیث شریف میں ہے کہ بہترین شخص وہ ہے جو اپنے اہل و عیال کے ساتھ اچھا سلوک کرتا ہے۔

اپنے اعزہ و اقربا کے ساتھ ہمیشہ حسن سلوک کرنا چاہیے' ان سے اگر تکلیف پہنچے' صبر کرے بدلہ نہ لے' معاف کر دے اور جب ان کو کسی مدد اور اعانت کی ضرورت ہو تو گریز نہ کرے۔ یہ بڑی شرافت اور بڑے حوصلہ کی بات ہے۔ حدیث شریف میں اسکی بڑی تاکید ہے۔

والدین کی اطاعت بہت بڑا سرمایہ وسعادت ہے' ایمان و اسلام کے بعد اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کی محبت کے اور ادائے حقوق کے بعد جو درجہ اہمیت حقوق کا ہے وہ والدین کا ہے۔ زندگی میں ان کی خدمت کر کے ان کو راضی رکھنا اور ان کی خوشنودی حاصل کرنا اور ان کے مرنے کے بعد ان کے لئے دعائے مغفرت اور ایصال ثواب کرتے رہنا واجب ہے' ایصال ثواب مالی بھی ضرور ہونا چاہیے۔

آپس میں بھائیوں میں محبت رکھنا بڑی تقویت کا سبب ہے۔ ایک دوسرے کی رواداری و لحاظ' عزت و محبت کرتے رہنا چاہیے۔ ایک دوسرے کی کوتاہیوں پر چشم پوشی کرنا چاہئے۔ بیویوں کی وجہ سے بھائی سے بگاڑ کر لینا بڑی جہالت اور حماقت ہے۔ بھائی سے تعلق محبت کے مقابلہ میں ہر دوسرے جذبات کا ایثار کرنا بہت ضروری ہے ورنہ

عافیت خراب ہو جاتی ہے۔ کوئی معاملہ ہو فوراً اس کی غیر جانبدارانہ تحقیق کر لینا چاہیے۔ محض کسی ایک کی روایت پر بدگمانی اور بد ظنی نہ کرنا چاہیے۔

اپنی بیوی کے ساتھ بھی نہایت حسن سلوک اور مراعات کی ضرورت ہے وہ ایک مجبور ہستی ہے۔ اس کی تمام مسرتوں، راحتوں اور نصرت و حمایت کا انحصار تمہاری محبت اور توجہات پر ہے۔ تمام عمر اور تمام زندگی کے ہر شعبہ کی عافیت اس کے ساتھ یکجہتی پر منحصر ہے۔"

مزید بر آں آپ نے "میراث پدر خواہی علم پدر آموز" کے زیر عنوان اپنی یاد داشتوں میں تحریر فرمایا:

"میں نے جو کچھ اپنے باپ اور دادا کی میراث پائی وہ علم دین اور علم دنیا ہے۔ الحمد للہ جس قدر بھی اپنی صلاحیت و استعداد تھی اس سے نفع بھی اٹھایا۔ دوران زمانہ وکالت میرا تعلق حضرت مرشدی و مولائی شاہ محمد اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ سے ہو گیا اور یہ تعلق اگست ۱۹۲۷ء سے جولائی ۱۹۴۳ء تک حضرت کی حیات تک رہا اور الحمد للہ اب بھی روحانی تعلق قوی سے قوی ہے۔

حضرت نے مجھے مجاز بیعت ۱۹۳۶ء جنوری میں بنایا۔ ذَالِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَاءُ یہ بات قابل ذکر ہے کہ میں انگریزی تعلیم یافتہ ہوں اور میں نے عربی یا دین کی کتابیں نجی طور پر تو ضرور پڑھی ہیں لیکن باقاعدہ نصاب تعلیم حاصل نہیں کی ہے۔ باایں ہمہ دینی کتب کے مطالعہ کا شوق ابتداء ہی سے رہا اور میں نے کثرت سے حضرت کے مواعظ کا مطالعہ کیا ہے، ملفوظات اور تربیت السالک کا مطالعہ کیا ہے اور مزید براں خود حضرت کے مواعظ اور ملفوظات سنے ہیں۔ ان تمام باتوں میں الحمد للہ ایسی تاثیر تھی کہ دین کے متعلق تمام ضروری باتیں ذہن نشین ہو گئیں، عقائد صحیح اور مضبوط ہو گئے، اعمال میں اہتمام پیدا ہو گیا، حسنات کے حاصل کرنے کا تقاضا پیدا ہوا اور معاصی سے نفرت اور مغائرت ہو گئی اور یہی مقصود شریعت اور طریقت کا۔ نہ کوئی مجاہدے کئے نہ

ریاضتیں کیں نہ زیادہ اوراد و وظائف کی مقدار ہوئی' نہ ذکر وغیرہ کی تعداد بڑھی' البتہ نماز کی بہت زیادہ پابندی اور مسجد میں نماز ادا کرنے کی بہت زیادہ فکر واہتمام ابتدائی سن ہی سے رہا۔ کلام پاک کی تلاوت محض ناظرہ بھی زیادہ سے زیادہ ایک پارہ روزانہ معمول رہا' تسبیحات بھی صبح وشام ایک ایک تسبیح اور استغفار اور درود شریف ایک ایک تسبیح پڑھنے کا معمول رہا۔ ویسے چلتے پھرتے کلمہ طیبہ کاورد بھی ہوتا رہا۔ وما توفیقی الا باللہ.

الحمدللہ ان مختصر سے معمولات کا نتیجہ یہ ہوا کہ دینی فہم اور اہتمام عمل اور معاصی سے اجتناب کی توفیق برابر حاصل رہی۔

ایک مشغول شخص کیلئے اسی قدر علم دین اور یہی مختصر سے معمولات انشاءاللہ بہت کافی ہیں۔

دین کی فہم اور صحت ایمانی اور اعمال میں اتباع سنت کی توفیق بزرگان دین ہی کی صحبت بابرکت سے میسر ہوتی ہے' ورنہ پھر دینی کتب کے مطالعہ سے ہوتی ہے' اس کیلئے حضرت مولانا شاہ محمد اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے مواعظ اور ملفوظات بہت ہی زیادہ مفید اور بالکل کافی شافی ہیں' زیادہ سے زیادہ ان کا مطالعہ کیا جائے۔ کتاب اسوہ رسول اکرم ﷺ' بصائر حکیم الامتؒ' معمولات یومیہ' کتاب مآثر حکیم الامتؒ' ضرور مطالعہ میں رکھی جائیں' انشاءاللہ پھر دوسری تصانیف پڑھنے کی ضرورت نہیں ہے۔ دنیا کے شر وفتن سے بچنے اور انقلاب معاشرہ کی لعنتوں سے محفوظ رہنے کیلئے بہت ضروری ہے کہ دین کا زیادہ سے زیادہ اہتمام کیا جائے اور اللہ تعالیٰ سے برابر روزانہ پناہ مانگی جائے۔ اپنے لئے اور اپنے اعزہ واحباب کیلئے دعا مانگنا بھی لازمی ہے۔ اس وقت ایک مومن و مسلمان کیلئے سخت آزمائش کا وقت ہے۔

عقائد بھی عموماً خراب ہو رہے ہیں خالصتاً توحید پر ایمان کمزور ہو چکا ہے۔ آخرت کا خوف دلوں سے ختم ہو چکا ہے۔

عبادات میں بھی سنگین کوتاہیاں ہو رہی ہیں۔ نماز جو عبادات میں سب سے اہم ترین فریضہ ہے اس کی طرف سے بہت بے رغبتی اور بے حسی پیدا ہو رہی ہے اور یہ ایک مسلمان کیلئے یقیناً ہلاکت کا باعث ہے۔ اس کا خمیازہ دنیا میں بھی بھگتنا پڑتا ہے اور آخرت میں یقیناً دردناک عذاب ہے۔ جہاں تک ہو سکے زیادہ سے زیادہ کوشش اور اہتمام کیا جائے کہ گھر کے سب لوگ نماز پڑھیں۔ خصوصاً عورتوں اور لڑکوں اور لڑکیوں کو بہت تاکید کے ساتھ نماز پڑھائی جائے ورنہ ہر طبقہ کی تباہی اور بربادی یقینی امر ہے' اللہ تعالی محفوظ رکھیں۔ یہ بات بڑی تاکید کے ساتھ ہے کہ میرے لئے عالم برزخ میں میری اولاد کی کوتاہیوں کی وجہ سے ممکن ہے سخت مواخذہ ہو۔ اللہ تعالیٰ سے اپنے لئے اور اپنی اولاد کے لئے بڑی خصوصیت کے ساتھ پناہ مانگتا رہتا ہوں۔

بغیر ہمارے کسی استحقاق کے اللہ جل شانہ نے ہم کو سب سے بڑی نعمت "ایمان" کی عطا فرمائی ہے۔ ایمان' کی حفاظت سوائے اعمال صالحہ کی پابندی کے ناممکن ہے۔ ایمان کی حقیقت اور اعمال صالحہ کا علم بغیر دینی کتب کے مطالعہ کے کسی اور طرح ممکن نہیں اس مقصد کے لئے حضرت مرشدو مولائی مولانا محمد اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی تصانیف کا مطالعہ بہت ضروری ہے۔ خصوصاً بہشتی زیور' حیات المسلمین، قصدالسبیل' مواعظ وملفوظات وغیرہ۔ خصوصاً مواعظ بیحد نافع ہوں گے۔ ان میں تمام تر دینی معلومات بیک وقت حاصل ہو جاتی ہیں۔ دوسری ضروری کتابیں برائے مطالعہ تعلیم الدین' جزاءالاعمال' تبلیغ دین' حقوق الاسلام' فروغ الایمان ہیں۔

اس کے علاوہ میں تاکیداً وصیت کرتا ہوں کہ دیندار اور اللہ والوں کی صحبت کا ضرور ضرور اہتمام رکھا جائے۔ زندگی کی حقیقت' زندگی کی صلاحیت' زندگی کی عافیت ان حضرات کے فیوض وبرکات صحبت سے نصیب ہوتی ہے۔"

حضرت عارفیؒ نے "وصایا خاص واہم" کے زیر عنوان مزید تحریر فرمایا:

میری اولاد پر میرا یہ بھی حق ہے کہ وہ روزانہ یاد کر کے ایک بار سورہ یٰس شریف یا

کم از کم تین بار سورہ اخلاص پڑھ کر ایصال ثواب کر دیا کریں۔

عالم برزخ میں ہر ہفتہ اولاد کے اعمال ان کے والدین کے سامنے پیش ہوتے ہیں' اس لئے مجھ کو وہاں کی اذیت سے محفوظ رکھیں۔

اتباع شریعت اور سنت میں آخرت اور دین کی عزت تو یقینی ہے لیکن دنیا میں بھی ساری عزت اور عافیت بھی انہی میں منحصر ہے۔ اس لئے ہرگز ہرگز غفلت نہ کریں ورنہ بڑی محرومی ہوگی۔

قرآن شریف کی تلاوت بہت ضروری ہے۔ روزانہ کوئی مقدار کم از کم ایک پارہ مقرر کر کے ضرور پڑھنا چاہیے۔ اگر صرف قرآن شریف کا ترجمہ پڑھا جائے تو اس کے مطالب میں ہرگز غور نہ کیا جائے' اس سے بہت گمراہی پیدا ہو جاتی ہے۔ قرآن شریف کے مضامین بہت نازک ہیں کسی سمجھدار دیندار عالم سے پڑھنا چاہیے۔ جو اشکال ہوں وہ بھی کسی عالم سے حل کرنا چاہیے خود عقل نہ لگانا چاہیے۔ حدیث شریف کا ضرور مطالعہ کرنا چاہیے مثلاً بخاری شریف' مشکوٰۃ شریف' شمائل ترمذی وغیرہ۔ سیرت النبی ﷺ کا ضرور مطالعہ کرنا چاہئے۔ اسی طرح سیرت صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا مطالعہ ضرور کرنا چاہیے۔ دینی کتب کا مطالعہ روزانہ کرنا چاہیے۔ مثلاً بہشتی زیور' حیات المسلمین' تبلیغ دین' قصد السبیل اس کے علاوہ حکیم الامت مجدد الملت مولانا محمد اشرف علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے مواعظ و ملفوظات بہت ضروری ہیں۔ حضرت مرشدیؒ سے جو میری خط و کتابت ہوئی ہے وہ مکتوبات اشرفیہ میں جمع ہے۔ اس کا مطالعہ بھی بہت ہی نافع ہے۔"

حضرت عارفیؒ اتباع سنت میں دیگر امور کے علاوہ اپنی زندگی کے آخری لمحات' انتقال کے بعد کے امور' غسل' کفن' دفن اور ایصال ثواب کے مسنون طریقوں پر عمل کرنے کے بھی خواہش مند تھے اس لئے ان امور پر بھی آپ نے "اہم ہدایات و نصائح" کے زیر عنوان تحریر فرمایا:

"کتاب احکام میت سامنے رکھ لی جائے اور اس کے مطابق ہر عمل کیا جائے۔

آخری لمحات

...... سورہ یٰس شریف مریض کے قریب بیٹھ کر پڑھی جائے۔

...... کلمہ طیبہ کا ورد ہلکی آواز سے کیا جائے۔

...... بستر کا رخ قبلہ کی طرف کر دیا جائے۔

...... آب زم زم تھوڑا تھوڑا پلایا جائے۔

جب حیات ختم ہو جائے

...... آنکھیں بند کر دی جائیں' پٹی باندھ دی جائے' تاکہ منہ کھلا نہ رہے۔

...... بدن سیدھا اور قبلہ رخ کر دیا جائے۔

...... اوپر چادر سے بدن ڈھانک دیا جائے۔

...... ایسے وقت میت کے قریب برہنہ سر عورت نہ ہونی چاہئے' رحمت کے فرشتے نہیں آتے۔

غسل و کفن

غسل دینے کا حق تو قریب ترین اعزہ اور اولاد کا ہے ورنہ غسال کو ضروری مسائل بتاتے رہنا چاہیے۔

...... غسل میں عجلت کی جائے۔

...... غسل میں ایک ایک بات کتاب احکام میت کے مطابق ہونا چاہیے۔

...... کفن کیلئے آب زم زم میں تر کیا ہوا تھان محفوظ ہے' کفن اس میں دیا جائے۔

...... میت کا چہرہ دکھانے کی رسم صحیح نہیں ہے' خلافِ سنت ہے خصوصاً نا محرم عورتوں کو اس وقت قریب نہ آنا چاہیے' اسی طرح قبر میں چہرہ دکھانا بالکل نامناسب ہے۔

...... شرکت کیلئے زیادہ مجمع کا انتظار بھی مکروہ ہے' کسی خاص شخصیت کا انتظار بھی نامناسب ہے۔

...... میت کو گھر سے لے جاتے وقت مستورات کو دروازہ تک نہ آنا چاہیئے مبادا باہر نامحرم لوگوں سے سامنا ہو جائے۔

...... جہاں انتقال ہوا اسی مقام کے قبرستان میں دفن کیا جائے' دوسری جگہ منتقل نہ کیا جائے۔

...... مسلمانوں کے عام قبرستان میں دفن کیا جائے' کہیں الگ نہ دفن کیا جائے۔

...... میت اٹھاتے وقت اور جنازہ کے ساتھ کلمہ طیبہ زور زور سے نہ پڑھنا چاہیے۔

...... جنازہ نہ زیادہ تیز رفتاری سے لے جانا چاہیے اور نہ بہت آہستہ۔

...... دفن میں جہاں تک ہو سکے جلدی کرنا چاہیے۔

...... نماز محلہ کی مسجد میں زیادہ بہتر ہے۔

...... دفن کرتے وقت بھی "احکام میت" پیش نظر رکھنا چاہیے۔

...... قبر کشادہ ہونی چاہئے اور پختہ نہ بنانا چاہیے۔

...... میت کو قبر میں اتارتے وقت احتیاط رکھنا چاہیے کہ جسم پر اثر نہ ہو۔

...... میت کو پورے طور پر داہنی کروٹ دیوار کے سہارے سے لگانا چاہیے۔

...... قبر میں کیوڑہ وغیرہ نہ چھڑکا جائے۔

...... کفن کے سب بند کھولنا چاہیے۔

...... قبر میں میت کے تمام جسم کو قبلہ رخ ہونا چاہیے۔

...... قبر کی مٹی اگر کمزور اور نرم ہو تو خام اینٹوں سے دیواروں کو مضبوط کر دینا چاہیے۔

...... قبر پاٹنے کیلئے سیمنٹ کی سلیں استعمال کی جائیں۔

...... قبر زیادہ اونچی نہ ہونا چاہیے۔

......قبر پر نشان کیلئے کوئی پتھر وغیرہ نصب کر دیا جائے 'کتبہ نہ لگایا جائے۔

......قبر کے سرہانے سورہ بقرہ کی ابتدائی آیات اور پائنتی (قدم کی طرف) سورہ بقرہ کی آخری آیات پڑھنی چاہیے۔

......مذکورہ بالا آیات پڑھتے وقت قبر پر انگلی رکھ کر پڑھنا فقہ سے ثابت نہیں۔

......قبر پر ہاتھ اٹھا کر فاتحہ پڑھنا مکروہ ہے۔

......فرداً فرداً سورہ فاتحہ اور سورہ اخلاص ۱۲ مرتبہ پڑھ کر یا سورہ الملک پڑھ کر یا اور دوسری آیات پڑھ کر ایصال ثواب کرنا مسنون ہے (بغیر ہاتھ اٹھائے)

......اولاد اور قریبی اعزہ کو لوگوں کے رخصت ہو جانے کے بعد بھی مختصر وقت کے لئے قبر کے پاس ٹھہرنا چاہیے اور تلقین ایمان کرنا چاہیے۔

......دفن کے بعد اجتماعی دعا کرنا جائز نہیں 'جس کا جی چاہے اور جس قدر چاہے پڑھ کر فرداً فرداً ایصال ثواب کر دے۔

......اولاد کو دو تین روز ضرور قبر پر جانا چاہیے اور ویسے بھی ہر جمعرات کو جانا مسنون بھی ہے۔

......ایصال ثوب کے لئے چند سورتیں مسنون ہیں 'یٰسین شریف 'سورہ ملک 'سورہ التکاثر 'سورہ اخلاص (۱۲ مرتبہ) 'سورہ فاتحہ 'اس کے علاوہ قرآن شریف جس قدر بھی ہو 'مالی صدقات سے بھی ایصال ثواب بہت ضروری ہے۔

......سوئم یا قرآن خوانی کیلئے اعلان بالکل غیر مسنون ہے اور بالکل بے معنی ہے 'اعزہ یا احباب جو حق محبت ادا کرنا چاہے از خود کریں۔

......جلد از جلد جس قدر ایصال ثواب کیا جائے تو زیادہ قرین عقل اور ضروری ہے۔

......گھر کے لوگ اگر ایصال ثواب کیلئے بطور خود عمل کریں تو زیادہ مفید ہے 'مسئلہ وہی ہے کہ گھر کے لوگ بھی کسی ایک جگہ مل کر نہ پڑھیں بلکہ متفرق طور پر بیٹھ کر تلاوت یا کلمہ طیبہ کا ورد کر کے ایصال ثواب کریں 'اگر عزیز و اقارب

جمع ہو جائیں یا دوست احباب تو ایصال ثواب کرنا حق بنتا ہے، ضرور کریں، مگر ایک جگہ یا ایک وقت یا مل کر تلاوت یہ سب غیر مسنون ہیں۔

...... عورتوں کیلئے بھی یہی مسئلہ ہے، جمع ہو کر نہ بیٹھیں، متفرق طور پر جس قدر چاہیں پڑھیں۔

...... ایسے اجتماعات میں دنیا کی باتیں نہ کریں۔

...... کلمہ طیبہ کی تسبیحات پڑھیں اور بطور خود اس کا ثواب بخش دیں۔

...... کسی حالت میں بھی قرآن شریف کی تلاوت کے بعد اجتماعی طور پر دعائے مغفرت کرنا اور ایصال ثواب کرنا غیر مسنون ہے۔

...... تلاوت وغیرہ کے ایصال ثواب کے علاوہ اولاد کو مالی صدقہ و خیرات بھی ضرور کرنا چاہئے اور صدقہ جاریہ کے لئے مناسب اور مسنون طریقہ اختیار کرنا چاہیے۔

...... تین دن تعزیت کے اندر اگر اپنے قریبی عزیزوں یا پڑوسی کے یہاں سے گھر والوں کیلئے کھانا آئے تو قبول کر لینا چاہیے، مسنون ہے، مگر کھانے کے لئے صرف میت کے گھر والوں کا حق ہے یا وہ لوگ شریک ہو سکتے ہیں جو تجہیز و تکفین میں شریک ہوئے ہوں۔ تعزیت میں آنے والوں کو کھانا کھلانا ممنوع اور "مکروہ ہے۔"

مندرجہ بالا نصائح و وصایا کے علاوہ آپ نے ترکہ اور دیگر مالی امور کے متعلق بھی وصیت فرمائی ہے۔

وصیت نامہ برائے ترکہ ومالی امور

حضرت عارفیؒ نے وصیت نامہ برائے ترکہ ومالی امور کو آخری شکل دینے سے قبل ترکہ اور دیگر مالی امور کے متعلق اہل فتویٰ علماء سے بھی رجوع فرمایا تاکہ کوئی وصیت خلاف شرع نہ ہو اور وارثوں کے لئے کسی الجھن کا باعث نہ بنے۔ اس مقصد کو مد نظر

رکھتے ہوئے آپ نے وصیت نامے کے مسودہ کو مولانا محمد رفیع عثمانی صاحب کو دیا تاکہ وہ شرعی نکتہ نظر سے اس کا بغور جائزہ لے کر اس کو دوبارہ مرتب کریں۔ مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب نے اس حکم کی تعمیل کرتے ہوئے وصیت نامے کو شریعت کے مطابق مرتب کیا جس کو پڑھ کر حضرت عارفی ؒ بہت مسرور اور مطمئن ہوئے۔ وہ وصیت نامہ حسب ذیل ہے۔

امانتیں

میرے پاس کچھ رقوم وغیرہ بطور امانت رہتی ہیں، جن کی تفصیل یہاں درج کی جارہی ہے۔ یہ رقوم اور اشیاء میرے ترکہ میں شامل نہیں 'لہذا ان میں میرے وارثوں کا بہ حیثیت وارث کوئی حصہ نہیں 'ان میں صرف وہی تصرفات کئے جائیں جو ہر مد کے لئے یہاں تحریر کئے جارہے ہیں۔

ا۔ بہ مد زکوٰۃ

مد زکوٰۃ کی جو رقمیں مستحقین میں تقسیم کرنے کے لئے میرے پاس رہتی ہیں، وہ ایک لفافے میں رہتی ہیں، جس پر "رقوم زکوٰۃ" لکھا ہوا ہے، میرے بعد اس لفافے میں جتنی رقم ہو وہ مستحقین زکوٰۃ کو دیدی جائے۔

۲۔ بہ مد کار خیر

بسا اوقات میرے پاس کچھ رقمیں "بہ مد کار خیر" جمع رہتی ہیں یہ زکوٰۃ یا صدقہ واجبہ کی رقمیں نہیں ہیں 'لہذا کسی بھی کار خیر میں خرچ کردی جائیں۔ یہ رقمیں جس لفافے میں رکھتا ہوں اس پر "بہ مد کار خیر" لکھا ہوا ہے۔

۳۔ بہ مد اشاعت

کچھ رقمیں اہل خیر حضرات دینی کتابوں کی مفت تقسیم کرنے کیلئے میرے پاس بطور

عطیہ جمع کرادیتے ہیں' یہ رقمیں الگ لفافے میں رہتی ہیں' جس پر ''بہ مد اشاعت'' لکھ دیاہے' یہ بھی میرے پاس امانت ہے۔ نیز بعض ناشرین کتب (مثلاً ایچ ایم سعید کمپنی' ایجوکیشنل پریس والے) اپنی بعض مطبوعات (میری تالیفات) میرے پاس برائے فروخت رکھوادیتے ہیں' جو میری ذاتی کتابوں سے الگ رکھی ہیں' یہ بھی میرے پاس امانت ہیں' ان کتابوں کی فروخت سے جو قیمت وصول ہوتی ہے وہ بھی ''مداشاعت'' کے لفافے میں رکھ دی جاتی ہے اور وقتاً فوقتاً وہ قیمت ان ناشرین کو دیدی جاتی ہے۔ مد اشاعت کا حساب آمد و خرچ کی بیاض میں درج کردیا جاتا ہے۔

بسا اوقات ''مداشاعت'' کے عطیات سے میں بعض مذکورہ بالا کتب ہی کو برائے مفت تقسیم خرید لیتا ہوں اور وقتاً فوقتاً تقسیم کرتا رہتا ہوں۔ چونکہ دونوں طرف کی رقمیں (یعنی فروخت شدہ کتابوں کی قیمت اور اہل خیر کے عطیات برائے تقسیم کتب) ایک ہی لفافے میں رہتی ہیں' اس لئے عطیات کی جس رقم سے وہ کتابیں برائے تقسیم خریدلی گئی ہیں وہ رقم اسی لفافے میں رہنے دیتا ہوں' اسی طرح یہ برائے تقسیم خریدی ہوئی کتابیں بھی ''کتب برائے فروخت'' ہی کے ساتھ ملی جلی رکھی رہتی ہیں۔

اب خلاصہ یہ ہوا کہ ''مداشاعت'' کے لفافے میں دو طرح کی رقمیں ہیں (۱) فروخت شدہ کتابوں کی قیمت جو ناشرین کو دی جائے گی (۲) اہل خیر کے عطیات جن سے دینی کتابیں خرید کر مفت تقسیم کی جائیں گی۔ اسی طرح ناشرین کی جو کتابیں میرے پاس رکھی ہیں وہ بھی دو طرح کی ہیں (۱) برائے فروخت (۲) برائے مفت تقسیم۔

میرے بعد ان رقوم اور کتابوں کا حساب اس طرح بے باق کیا جائے کہ ان دونوں طرح کی کتابوں میں سے جن کتابوں کی قیمت ناشرین کو نہ ملی ہو' ان کی قیمت مد اشاعت کے لفافے میں سے ناشرین کو دیدی جائے' اس طرح یہ سب کی سب کتابیں برائے مفت ہوجائیں گی' لہٰذا ان سب کتابوں کو ایسے لوگوں یا دینی اداروں میں تقسیم کردیا جائے جو ان کتابوں کے حاجت مند ہوں اور مد اشاعت کے لفافے میں ناشرین کو سب

کتابوں کی قیمت ادا کرنے کے بعد جو رقم بچے اس رقم سے مزید دینی کتابیں خرید کر مفت تقسیم کردی جائیں اور اگر اس لفافے میں میرے بعد اتنی رقم نہ ملے کہ ان سے موجود سب کتابیں (جن کی قیمت ناشرین کو نہیں ملی) خریدلی جاسکیں تو اس رقم سے جتنی موجودہ کتابیں خریدنا ممکن ہو خرید کر تقسیم کردی جائیں' باقی کتابیں ناشرین کو واپس کردی جائیں۔

۴۔ میری تالیفات

میں نے اپنی کسی تالیف و تصنیف کا حق نہ اپنے لئے محفوظ کیا ہے نہ میرے کسی وارث کے لئے محفوظ ہوگا اور نہ کسی ناشر کے لئے محفوظ ہوگا۔ میری طرف سے کسی کو میری کسی تالیف یا تصنیف کا حق محفوظ کرنے کی اجازت نہیں' بلکہ ان کی طباعت و اشاعت کی ہر شخص کو میری طرف سے عام اجازت ہے'جس کا جی چاہے شائع کرے مگر شرط یہ ہے کہ ان میں کسی قسم کا اضافہ یا ترمیم و تبدیلی خواہ ایک حرف کی ہو' ہرگز نہ کی جائے۔

اگر کوئی اہل علم' میری کسی تالیف یا تصنیف کی کسی عبارت پر حاشیہ لکھیں تو ساتھ ہی اپنا نام بھی حاشیہ پر ضرور تحریر کردیں تاکہ کوئی اس حاشیہ کو میری عبارت نہ سمجھے۔

۵۔ میرے مطب کا فرنیچر' دوائیں اور کتابیں

میرے مطب میں جو فرنیچر (علاوہ چوکی کے) رکھا ہے' یا جو دوائیں اور کتابیں وہاں ہیں وہ سب برخوردار عزیز احسن سلمہ کے تصرف میں ہیں اور انہیں کی ملکیت ہیں' یہ میرے ترکہ میں شامل نہیں ہوں گی' میرے کسی وارث کا بہ حیثیت وارث ان اشیاء میں کوئی حق نہیں۔ البتہ مطب میں کچھ دوسری اشیاء جو میری ذاتی استعمالی چیزیں ہیں اور میری ملکیت ہیں وہ میرے ترکہ میں شامل ہوں گی ان کی فہرست اور ان کے متعلق

مشورہ اسی وصیت نامے میں میری املاک کے بڑے عنوان کے تحت "مطب میں میری ذاتی اشیاء" کے ذیلی عنوان میں تحریر کیا جائے گا۔

۶۔ میری رہائش گاہ

ناظم آباد کے جس مکان میں میری رہائش ہے، یہ میری ملکیت نہیں، نہ اس مکان کی زمین یا عمارت میں میرا کوئی مالکانہ حصہ ہے، یہ پورا مکان، زمین اور عمارت سمیت، برخوردار عزیز حسن سلمہ کی ملکیت ہے۔ لہٰذا اس مکان کا کوئی حصہ میرے ترکہ میں شامل نہ ہوگا اور میرے کسی وارث کا بہ حیثیت میرے وارث کے اس مکان میں کوئی حصہ نہیں۔

۷۔ میری ذاتی املاک

میری ملکیت میں صرف مندرجہ ذیل اشیاء ہیں:

(۱) نقد رقوم۔

(۲) این آئی ٹی یونٹس میں لگی ہوئی رقوم۔[۱]

(۳) بینک میں رکھی ہوئی رقوم۔

(۴) ہوٹل جو ماہوار کرایہ پر دیا ہوا ہے۔

(۵) میری متفرق استعمالی اشیاء جو میری رہائش گاہ میں رکھی ہیں۔ ان کی اجمالی فہرست آگے درج کی جائے گی۔

---

[۱] پاکستان میں قائم تمام مالی ادارے اور ان میں سرمایہ کاری کی اسکیمیں سود پر مبنی ہیں۔ حضرت عارفی کے حیات میں این۔ آئی۔ ٹی یونٹس سود سے مبرا تھیں۔ اس میں سرمایہ کاری کرنے کی علماء کرام کی طرف سے اجازت تھی اس لئے حضرت عارفی کی ملکیت میں این۔ آئی۔ ٹی یونٹس تھیں۔ اب چونکہ این۔ آئی۔ ٹی یونٹس میں سودی اور غیر سودی مدات مثلاً انشورنس وغیرہ کا اشتراک ہو چکا ہے لہٰذا اس میں سرمایہ کاری کرنا شرعاً درست نہیں۔

(۶) میری ذاتی متفرق استعمالی اشیاء جو مطب میں رکھی ہیں اور میرے تصرف میں ہیں ان کی اجمالی فہرست بھی آگے بیان کی جائے گی۔

(۷) مطالعہ کی میری ذاتی کتابیں اور ان کی الماریاں' آئندہ میری املاک میں اضافہ ہوا' یا کمی ہوئی تو اسی وصیت نامہ میں اس کا اندراج کردیا جائے گا۔ اگر کوئی اندراج کمی بیشی کا نہ ہوا تو بس انہی املاک کو میرا ''ترکہ'' سمجھا جائے اور وصیت نامے کی روشنی میں کسی معتبر و مستند دارالافتاء سے فتویٰ لے کر میرے ترکہ میں شرعی ضابطہ کے مطابق عمل کیا جائے۔

اوپر اپنی ذاتی املاک جو میں نے نمبر ایک تا ۷ درج کی ہیں ان میں سے نمبر ا تا ۳ کی تقسیم میں تو کوئی دشواری نہیں بس شرعی ضابطے کے مطابق تقسیم کردی جائیں۔ نمبر ۴ یعنی ہوٹل جو کرایہ پر دیا ہوا ہے' جب تک اس کا کرایہ آتا رہے وہ کرایہ میرے سب وارثوں میں شرعی حصوں کے مطابق تقسیم کیا جائے' جب کبھی اس کو فروخت کیا جائے اس کی حاصل شدہ قیمت میرے سب وارثوں میں شرعی حصوں کے مطابق تقسیم کردی جائے۔ کوئی وارث صرف اپنا حصہ فروخت کرے تو شرعی ضابطہ کے مطابق اس کے حصہ کی قیمت اس کو دیدی جائے۔

نمبر (۵) یعنی میری متفرق استعمالی اشیاء جو میری رہائش گاہ میں رکھی ہیں ان کی اجمالی فہرست یہ ہے:

۱۔ ملبوسات	۲۔ بستر مع لوازمات
۳۔ جاءِ نمازیں	۴۔ گھڑیاں
۵۔ چرمی بیگ	۶۔ متعدد قلم اور بال پین
۷۔ عطریات و تبرکات۔ متفرق	۸۔ متفرق سادی ڈائریاں
۹۔ متفرق داوؤں کی شیشیاں	۱۰۔ ٹیپ ریکارڈز مع لوازمات
۱۱۔ کیسٹ اور ان کی الماریاں	۱۲۔ متفرق چھوٹی چھوٹی استعمالی چیزیں۔

۱۳۔ بڑے شیشے والی الماری اور اس میں مختلف اشیاء شہد، زم زم روغنیات وغیرہ۔

نمبر (۶) یعنی میری ذاتی متفرق استعمالی اشیاء جو مطب میں رکھی ہیں، ان کی اجمالی فہرست یہ ہے۔

۱۔ چوکی اور اس کے اوپر گدے وغیرہ۔

۲۔ مقفل الماری کی متفرق چیزیں۔

۳۔ الماری کے نیچے کے حصہ میں متفرق فائلیں۔

۴۔ دیوار کی الماری کی متفرق چیزیں (یہ الماری میری نہیں احسن سلمہ کی ہے)

گھر اور مطب میں رکھی ہوئی یہ سب متفرق چیزیں بھی میری ملکیت ہیں، آئندہ اگر ان میں کمی نہ ہوئی تو یہ بھی میرے ترکہ میں شامل ہوں گی۔ وارثوں میں ان کی تقسیم آسان کرنے کے لئے مندرجہ ذیل دو صورتوں میں سے کوئی صورت میرے تمام وارث باہمی رضامندی سے اختیار کرلیں تو بہتر ہے (۱) یا تو یہ تمام اشیاء سب وارث اپنی خوشی سے کسی ایک وارث کو ہبہ کردیں، پھر وہ وارث جس کو چاہے کوئی چیز از خود دیدے۔ (۲) یا ان تمام اشیاء کو فروخت کرکے ان کی حاصل شدہ قیمت کو میرے ترکہ میں باقی رقوم کے ساتھ ملاکر سب وارثوں میں شرعی حصوں کے مطابق تقسیم کردیں۔

یاد رہے کہ یہ میرا صرف مشورہ ہے حکم یا وصیت نہیں، اگر تقسیم کی کوئی اور صورت میرے وارثوں کو زیادہ آسان محسوس ہو تو اس کو اختیار کرلیا جائے۔

۸۔ مطالعہ کی میری ذاتی کتابیں اور ان کی الماریاں

میری ذاتی کتابیں جو دین کے ہر شعبے سے متعلق علم دین کا عظیم خزانہ ہیں، میری خواہش ہے کہ ان سے میری اولاد اور اولاد کی اولاد اور ان کے متعلقین استفادہ کرتے رہیں، لہذا ان کتابوں کے متعلق میری وصیت ہے کہ یا تو ان کو مطالعہ کیلئے اس طرح محفوظ رکھا جائے کہ میرے سب وارث مل کر اپنے میں سے کسی کو ان کتابوں کا ناظم

مقرر کردیں، وہ ان کتابوں کی حفاظت کرے، ان کی فہرست اپنے پاس رکھے اور ایک الگ رجسٹر رکھے جس میں یہ اندراج کیا کرے کہ کونسی کتاب کس کو، کس تاریخ میں مستعار دی گئی۔ پھر اس کتاب کی واپسی کا اہتمام کرے اور واپس آنے پر وصولیابی کا اندراج مع تاریخ کیا کرے۔ اگر ایسا انتظام ہو جائے تو اسی کے مطابق جب تک بآسانی ممکن ہو عمل کیا جائے اور جن الماریوں میں یہ کتابیں اس وقت رکھی ہیں، وہ بھی اسی ناظم کی تحویل میں دیدی جائیں۔ کسی وقت نیا ناظم خاندان ہی میں سے مقرر کرنے کی ضرورت ہو تو اس وقت میرے جو وارث یا وارثوں کے وارث مرد کراچی میں موجود ہوں وہ باہمی مشورے سے کسی اور قابل اعتماد شخص کو ناظم مقرر کردیں جو خاندان میں سے ہونا ضروری ہے۔

اگر میرے وارث اس انتظام کیلئے کسی وجہ سے تیار نہ ہوں، یا انتظام نہ ہو سکے، یا انتظام کرنے کے بعد کسی وقت یہ انتظام باقی نہ رہ سکے، یا باقی رکھنا دشوار ہو جائے تو ان کتابوں میں سے جو کتابیں یا جو الماریاں میرے پوتے، یا پوتیاں لینا چاہیں وہ ان میں اس طرح تقسیم کردی جائیں کہ ان کے حصوں میں اتنا تفاوت نہ ہو کہ نزاع یا رنجش کی نوبت آنے لگے، اگر ان میں تقسیم کرنے سے نزاع یا باہمی رنجش کا خطرہ ہو تو ان میں تقسیم نہ کی جائیں۔ تقسیم کرنے کی صورت میں اگر کچھ کتابیں یا الماریاں تقسیم سے بچ جائیں تو ان باقی ماندہ کتابوں اور الماریوں کو اور تقسیم نہ کرنے کی صورت میں ساری کتابوں اور الماریوں کو کسی معتبر دینی مدرسہ میں وقف کردیا جائے۔"

حضرت عارفی رحمۃ اللہ علیہ کی مندرجہ بالا وصیت اس بات کو ظاہر کرتی ہے کہ آپ نے وصیت کے معاملہ میں بھی اللہ تعالیٰ کے احکامات، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات اور اپنے شیخ حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ کی اتباع کو کماحقہ مد نظر رکھا۔

گلہائے عقیدت

افسوس کہ ہم سب یتیم ہوگئے

انا للّٰہ وانا الیہ راجعون

۲۷/ مارچ ۱۹۸۶ء کی صبح حضرت عارفی رحمۃ اللہ علیہ کے انتقال کی خبر جنگل کی آگ کی طرح سارے کراچی شہر میں پھیل گئی۔ ریڈیو پاکستان اس خبر کو بار بار نشر کرتا رہا، شام اور رات ٹی وی پر بھی یہ خبر نشر ہوئی۔ ۲۸/ مارچ کے اخبارات میں جلی حروف میں صفحہ اول پر یہ خبر اشاعت پذیر ہوئی۔ پورے ملک سے تعزیتی قرار دادیں اور بیانات اخبارات کی زینت بنے۔ اس وقت صدر محمد ضیاء الحق شہید نے کراچی آکر نماز جنازہ و تدفین میں شرکت فرمائی۔ پاکستان کے وزیر اعظم محمد خان جونیجو نے (جو حضرت والا کی نماز جنازہ میں اپنی مصروفیات کی وجہ سے شریک نہ ہو سکے تھے) نے دوسرے دن حضرت والا کے مکان پر تشریف لاکر تعزیت فرمائی۔ جو محبین و معتقدین نماز جنازہ میں عدم اطلاع کی وجہ سے شرکت نہ کر سکے تھے گھر پر تعزیت کیلئے جوق در جوق آنے لگے۔ شہر کراچی کے اکثر لوگ یہ محسوس کرنے لگے کہ ان کے سروں پر سے سایہ اٹھ گیا ہے۔ معتقدین اور محبین اپنے آپ کو یتیم محسوس کرنے لگے۔

بہر حال ملک بھر میں حضرت عارفی ؒ کے انتقال کو شدت سے محسوس کیا گیا۔ اجتماعی اور انفرادی طور پر تعزیتی پیغامات اور ادارتی نوٹ اخباروں اور رسائل میں شائع ہوئے۔ اخباروں میں شائع شدہ تمام تعزیتی خبروں کا احاطہ کرنا ایک مشکل امر ہے اس لئے چند اخباروں اور رسائل میں شائع شدہ ادارتی تعزیتی نوٹ کے اقتباسات پیش کئے جارہے ہیں۔

۱) روزنامہ جسارت کراچی ۲۹/ مارچ ۱۹۸۶ء

"ڈاکٹر محمد عبدالحیؒ" کی شخصیت اس قحط الرجال کے دور میں بڑی غنیمت تھی اور وہ

تمام گروہی اختلافات سے الگ رہ کر دین کی خدمت کر رہے تھے ...... انہوں نے اپنے پیرو مرشد حضرت مولانا تھانویؒ کے نقش قدم پر چلتے ہوئے تصنیف و تالیف کا سلسلہ بھی جاری رکھا اور اس مغربیت اور مادیت کے دور میں قوم کو قرآن و سنت کی راہ پر گامزن کرنے کے لئے جدوجہد کرتے رہے۔ انہوں نے ایک مصنف و اہل قلم کی حیثیت سے بھی نہ کبھی مالی منفعت حاصل کرنا چاہی اور نہ نام و نمود کی خواہش کی۔ ایسی عظیم و مثالی دینی شخصیت کا اٹھ جانا قوم کیلئے بلاشبہ ایک بڑا دینی و علمی نقصان ہے"

۲) روزنامہ نوائے وقت کراچی ۲۹؍مارچ ۱۹۸۶ء

"ڈاکٹر عبدالحیؒ عالم باعمل تھے۔ زہد و تقویٰ میں اپنی مثال آپ تھے۔ انہوں نے اپنی پوری زندگی کو اسلام، مسلمان اور پاکستان کی خدمت کیلئے وقف کر دیا تھا۔ ان کی رحلت سے نہ صرف پاکستان بلکہ پورے عالم اسلام کو نقصان پہنچا ہے۔"

۳) روزنامہ حریت کراچی ۳۰؍مارچ ۱۹۸۶ء

"ڈاکٹر عبدالحیؒ کے نزدیک دنیاوی جاہ و حشمت اور دولت و ثروت کوئی حیثیت نہ رکھتی تھی۔ وہ صرف خدا کی خوشنودی کو پیش نظر رکھتے تھے۔ اس پر آشوب دور میں ڈاکٹر عبدالحیؒ مرحوم کی شخصیت یقیناً منفرد حیثیت کی حامل تھی۔ وہ تمام گروہی اختلافات سے الگ رہتے ہوئے دین کی خدمت کا فریضہ انتہائی پامردی اور مستقل مزاجی سے انجام دے رہے تھے ...... ان کا انتقال یقیناً ایک بڑا قومی نقصان ہے اور علمی و دینی حلقوں میں آپ کی کمی تادیر شدت کے ساتھ محسوس کی جائے گی۔"

۴) البلاغ کراچی شوال المکرم ۱۴۰۶ھ جون ۱۹۸۶ء

"حضرت والا (ڈاکٹر محمد عبدالحیؒ) کی وفات پوری ملت کیلئے بالعموم اور حضرتؒ کے متعلقین اور اہل دارالعلوم کیلئے بالخصوص ایسا عظیم سانحہ ہے جس پر شدت غم کے اظہار کیلئے تمام الفاظ ناکافی معلوم ہوتے ہیں ...... وہ رحمت و رافت اور شفقت کا پیکر مجسم تھے۔ جس کسی کا آپ سے تعلق ہوا خواہ مختصر وقت کیلئے ہی کیوں نہ ہو وہ آپ کے اس وصف

جمیل کا گہرا نقش لئے بغیر نہ رہ سکا۔ آپ اپنے سے ادنیٰ تعلق رکھنے والوں کی نجی زندگی کی تفصیلات تک میں اس قدر دخیل تھے کہ آج ان میں سے ہر شخص یہ محسوس کر رہا ہے کہ دنیا میں اس کی سب سے گراں قدر پونجی لٹ گئی یا عزیز ترین متاع گم ہو گئی اور زندگی کا محبوب ترین سہارا ٹوٹ گیا۔"

۵) ماہنامہ اقراء ڈائجسٹ کراچی رجب ۱۴۰۶ھ جلد ۲ شمارہ ۳

"اقراء ڈائجسٹ کی مجلس مشاورت کے سرپرست اعلیٰ عارف باللہ حضرت قبلہ ڈاکٹر عبدالحیؒ صاحب عارفیؒ ...... کی وفات مسلمانان پاکستان کیلئے ناقابل تلافی نقصان ہے۔ بقول حضرت مفتی اعظم پاکستان (مفتی ولی حسن صاحب رئیس دارالافتاء جامعہ العلوم الاسلامیہ، بنوری ٹاؤن کراچی) ڈاکٹر صاحب کی وفات سے پاکستان روحانیت سے خالی ہو گیا۔ بقول مفتی احمد الرحمٰن صاحب "آج ہم اپنے آپ کو یتیم محسوس کر رہے ہیں۔" اقراء کا مشن حضرت ڈاکٹر صاحب کی خواہش تھی اور ان کی سرپرستی ہمارے لئے حوصلہ افزائی کا باعث۔ آج ہم اس سے محروم ہو گئے۔"

۶) ہفت روزہ ختم نبوت کراچی جلد ۴ شمارہ ۴۳

"اس پرفتن دور میں آپ (حضرت عارفیؒ) کی ہستی ہمارے لئے بہت غنیمت تھی ایک خلق کثیر جن میں علماء کرام، وکلاء اور جدید تعلیم یافتہ حضرات نے آپ سے اکتساب فیض کیا۔ آپ کے اٹھ جانے سے پوری علمی دنیا میں ایک ایسا خلا ہو گیا ہے جس کو پر نہیں کیا جا سکتا۔"

۷) وصیۃ العرفان اپریل ۱۹۸۶ء (جلد ۹ شمارہ ۴۵)

"محترم جناب ڈاکٹر صاحب علیہ الرحمۃ "بزم اشرف" (حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے مجازین اور معتقدین) کی شمع ضیاء تھے جن کی ضوفشانیوں سے صرف ہندوپاک ہی نہیں بلکہ سارا عالم منور تھا، علم و فیض کا سرچشمہ تھے جس کے سوتے ایک خلق عظیم کو سیراب کر رہے تھے۔ آپ ظاہر و باطن کے وہ طبیب حاذق تھے کہ

آپ کے دست شفا اور نظر کیمیا اثر سے مریض جسمانی و روحانی شفایاب ہوا کرتے تھے۔"

۸) معالج کراچی مئی ۱۹۸۶ء

"طب کی دنیا اور مذہبی حلقوں میں ان کی خدمات ہمیشہ یاد رکھی جائیں گی...... (آپ نے) دوران پریکٹس پاکستان کی ممتاز ترین شخصیات کا علاج کیا اور ناموری حاصل کی۔ ڈاکٹر عبدالحیؒ مرحوم کی خدا ترسی اور انسانی ہمدردی کا یہ حال تھا کہ آپ اپنی پریکٹس کے آغاز میں اپنے مریضوں سے دوا کی جو قیمت وصول کرتے تھے اپنے آخری ایام تک وہی قیمت وصول کرتے رہے۔ دکھی انسانیت کی خدمت کی ایسی اعلیٰ مثال قائم کرنا آج کے مادی دور میں یقیناً جہاد کے مترادف ہے۔"

۹) ہفت روزہ تکبیر کراچی ۱۰ اپریل ۱۹۸۶ء

"ان (حضرت عارفیؒ) کی شخصیت اس اعتبار سے نادر روزگار اور منفرد تھی کہ وہ مغربی علوم کی شناور اور ڈگری یافتہ تھے اور علوم دینیہ کے معتبر عالم بھی تھے۔ وہ ہمارے جدید اور قدیم نظام ہائے تعلیم کی جوڑنے والی کڑی تھے۔ ان کے علمی مرتبے کے ساتھ ساتھ ان کے ہزاروں اور لاکھوں معتقدین ان کے فیوض روحانی کے معترف تھے۔ ان کی وفات حسرت آیات ان کے اعزہ اور اہل خاندان کا ذاتی نقصان نہیں بلکہ یہ تمام مسلمانوں کیلئے تاسف انگیز حادثہ ہے۔"

حضرت عارفیؒ کے مداحوں نے مختلف رسائل و اخبارات میں آپ پر سیر حاصل مضامین بھی تحریر فرمائے۔ حضرت عارفیؒ کو گلہائے عقیدت پیش کرنے کیلئے البلاغ کراچی کی خصوصی اشاعت (صفر تا ربیع الثانی ۱۴۰۷ھ) کا اہتمام کیا گیا۔ اس اشاعت میں حضرت عارفیؒ کے ۳۴ محبین اور خادمین کے سیر حاصل مضامین و تاثرات شامل ہیں۔

ان میں سے چند حضرات کے گلہائے عقیدت کے اقتباسات حسب ذیل ہیں۔

"حضرت ڈاکٹر محمد عبدالحیؒ رحمۃ اللہ علیہ کا جب نام لیا تو زبان "دامت برکاتہم" کہنے

کو سبقت کر رہی تھی' اچانک خیال آیا کہ وہ تو وطن جا چکے ہیں لیکن اگر کوئی شخص خود تو چلا گیا اور اس کے فیض و برکات دنیا میں جاری رہیں اور مخلوق ان سے نفع اٹھا رہی ہے تو کیا پھر بھی اس کیلئے "دامت برکاتہم" کا دعائیہ جملہ استعمال نہیں کر سکتے؟ اللہ تعالیٰ ان اکابر کے فیوض و برکات کو قیامت تک کیلئے باقی رکھے۔ آمین۔" (مفتی رشید احمد لدھیانوی)

"احقر" نے یہ صفحات ایسے عالم میں سپرد قلم کئے ہیں کہ جذبات کا نہ الفاظ ساتھ دے سکتے ہیں نہ قوت گویائی بس حضرت والا کے اشعار ہی قدم قدم پر میرے جذبات کی ترجمانی کرتے رہے۔

کچھ یہی محسوس ہوتا ہے وفور شوق میں
ہر ادائے دوست جیسے میرے دل کا راز ہے
عارفی میرا ہی دل ہے محرم ناز و نیاز
بعد میرے راز حسن و عشق سمجھائے گا کون"

(مفتی محمد رفیع عثمانی)

"آج بظاہر حضرت والا ہمارے درمیان موجود نہیں ہیں لیکن انہوں نے سترہ سال کی محنت سے جو باتیں ہماری طلب اور استحقاق کو قطعی نظر انداز کر کے زبردستی سینے میں اتار دی ہیں ان کا فیض یہ ہے کہ ہر روز بارہا مختلف مواقع پر حضرتؒ کی آواز کانوں میں گونجتی رہتی ہے۔ جب کوئی کشمکش پیدا ہوتی ہے تو حضرتؒ ہی کی کوئی ہدایت اس دلنواز لہجے میں سنائی جاتی ہے اور اس طرح نہ جانے کتنی راہیں کھل جاتی ہیں۔"

(مفتی محمد تقی عثمانی)

"یہ حق گو' گمنامی میں زندگی گزارنے والے' طالبان حق کو سیراب کرنے والے' علوم و معارف کے خزانے لٹانے والے' ہر غم زدہ کے غم خوار' ہر ایک کے دکھ درد میں کام آنے والے' ہر ایک کے خیر خواہ' ہر ایک کے ماویٰ اور ملجا' اور ہر ایک کے لئے

رحمت خداوندی کی امید دلانے والے 'ٹوٹے ہوئے دلوں کو جوڑنے والے 'ہر وقت اللہ ورسول کی باتیں سنانے والے '...... ہر ایک کی خوشی میں برابر کے شریک 'ہر لمحہ خیر خواہی اور بھلائی کرنے والے 'ہر لمحہ خیر کی دعا کرنے والے '...... غیروں کی تقلید کرنے والوں کو متبع سنت بنانے والے 'مخلوق سے رشتہ جوڑنے والوں کا خالق سے تعلق جوڑنے والے 'ساری زندگی اعلاء کلمۃ الحق میں وقف کرنے والے 'اللہ اور رسول کے مبغوض لوگوں کو اللہ اور رسول کے محبوب بنانے والے '...... راضی بقضاء اپنے کو اللہ حی وقیوم کے سپرد فرمانے والے 'اللہ کے رحمت اور مقام رضا پانے والے ...... لاکھوں عاشقان حق کو رنجیدہ اور خاطر کبیدہ چھوڑ کر جانے والے 'اب بھی اپنے فیض سے مستفیض فرماتے رہتے ہیں۔ یا اللہ !ہمیں صبر جمیل عطا فرمایئے اور حضرت والا کی تعلیمات پر عمل کی پوری توفیق عطا فرمایئے اور آپ کی تعلیمات اور فیوض وبرکات کو عام کرنے کی ہمیشہ توفیق کامل عطا فرمایئے۔ آمین" (مولانا حافظ ابرار الحق)

"آج جبکہ حضرت والا عارف باللہ جناب ڈاکٹر محمد عبدالحیؒ صدیقی صاحبؒ دنیوی حیثیت سے ہم سے جدا ہو گئے ہیں اور اس مسئلہ پر حضرت والا نے بارہا انفرادی طور پر اس ناکارہ سے بھی فرمایا اور مجلس خصوصی میں بھی فرمایا کہ "یہ نہ سمجھا جائے کہ شیخ صرف اپنی زندگی ہی میں اپنے طالبین اور سالکین کیلئے راہ نمائی اور رہبری کا سبب بنتا ہے 'نہیں بلکہ اس عالم فنا سے عالم بقاء کو رجوع کرنے کے بعد شیخ کا تعلق اور زیادہ قوی ہو جاتا ہے اور پھر اپنے طالبین کے لئے اس کا فیض روحانی کا سلسلہ برابر جاری رہتا ہے اور یہ ناکارہ الحمد اللہ اس فیض روحانی کو قوی تر محسوس کرتا ہے۔"

(ڈاکٹر حافظ محمد الیاس)

"حضرت کو اس دنیا سے رخصت ہو جانے کے بعد بیان نہیں ہو سکتا کہ کس عظیم نعمت سے محروم ہو گئے۔ کبھی کبھی فرمایا کرتے تھے کہ میری باتیں سن لو 'میرے بعد کہیں بھی سننے کو نہیں ملیں گی۔ واقعی بات سچ تھی۔

اب انہیں ڈھونڈ گئے چراغ رخ زیبا لے کر

حضرتؒ کی محبت ایک ٹھنڈک تھی۔ روحانی ٹھنڈک ' ماں کی گود ' باپ کا سایہ ' ماں کی گود اور باپ کا سایہ اٹھ جائے تو کیا کہیں ملتا ہے۔" (ڈاکٹر جسٹس تنزیل الرحمٰن)

"قربان جایئے اس خطیب (حضرت عارفیؒ) پر جو نبی کریم ﷺ کے فرمان : "الجلیس الصالح خیر من الواحدة......" (یعنی نیک و صالح ہمنشین تنہائی سے بہتر ہے) کا مصداق تھا اور قربان جایئے اس کی خطابت پر جو آپ کے فرمان الکلمة الخیر خیر من السکوت۔ (یعنی کلمہ خیر خاموشی اور سکوت سے بہتر ہے) کا مصداق تھی۔

آج کتنے دل ہیں جو اس خطیب کی یاد میں تڑپ رہے ہیں ' کتنی نگاہیں جو اس کے دیدار کو ترس رہی ہیں ' کتنے کان ہیں جو اس کے کلمات سننے کو بیتاب ہیں ' جو اس جلوہ "جہاں آرا" سے محرومی پر خون کے آنسو رو رہی ہیں ؎

آسماں تیری لحد پر شبنم افشانی کرے
سبزہ نو رستہ اس گھر کی نگہبانی کرے

(رشید اشرف سیفی)

حضرت عارفیؒ کے انتقال پر ملال پر اندرون اور بیرون ملک کے دینی اداروں ' ارباب حل و عقد ' خادمین ' محبین ' متعلقین اور رشتہ داروں نے کثیر تعداد میں خطوط اور تار کے ذریعہ حضرت عارفیؒ کے فرزندگان کے نام تعزیتی پیغامات ارسال فرمائے جن میں سے چند تعزیتی پیغامات کے اقتباسات پیش کئے جاتے ہیں۔

(۱) "دلی رنج و ملال اور حسرتوں کے ہجوم میں آپ اور سب اہل تعلق کے حقیقی بزرگ اور مرجع عقیدت و محبت (آپ کے) والد بزرگوار حضرت قبلہ ڈاکٹر صاحب کی دائمی جدائی پر آپ حضرات کو کن الفاظ میں تعزیت پیش کروں اور اپنے دلی جذبات کا اظہار کیسے کروں کہ ہم سب اور پورے اہل سلسلہ اشرفیہ تعزیت کے مستحق ہیں کیونکہ حضرت ڈاکٹر صاحب سب کے متاع مشترکہ تھے۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں ان کا اعلیٰ مقام اور مقبولیت اور

اس زمانہ میں ان جیسی یگانہ روزگار ہستی ہزاروں قلوب کیلئے باعث طمانیت تھی۔"

محمد مسعود شمیم

ناظم دارالعلوم حرم مدرسہ صولتیہ مکہ معظمہ

(۲) "دارالعلوم کراچی کی مجلس منتظمہ کا یہ ہنگامی اجلاس عارف باللہ حضرت مولانا ڈاکٹر عبدالحیؒ صاحب عارفیؒ صدر دارالعلوم کراچی کی وفات حسرت آیات کے حادثہ عظمیٰ پر اپنے گہرے صدمے اور رنج و غم کا اظہار کرتا ہے۔

بانی دارالعلوم حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ کی وفات سے دارالعلوم کو جو شدید دھچکا لگا تھا حضرت ڈاکٹر صاحبؒ نے ایسے نازک وقت میں دارالعلوم کی صدارت اور سرپرستی قبول فرما کر ادارے کو سہارا دیا اور غیر معمولی قلبی لگن کے ساتھ ادارے کو حضرت بانی دارالعلومؒ کے مزاج و مذاق کے مطابق چلانے کے لئے جو توجہات مبذول فرمائی وہ دارالعلوم کی تاریخ میں ناقابل فراموش ہیں۔"

محمد رفیع عثمانی

صدر دارالعلوم کراچی

(۳) "حضرت مرحوم و مغفور ہندوپاکستان کے لئے ایک زبردست بابرکت شخصیت تھے۔ حضرت مرحوم کی تالیفات سے قوم کی بڑی اصلاح ہوئی ہے۔ حضرت کے انتقال سے ایک بڑا خلا پیدا ہو گیا ہے۔ دعا ہے کہ خدائے تعالیٰ اپنی شان کریمی و رحیمی کے مطابق ان کے ساتھ مغفرت و رحمت کا معاملہ فرمائے اور ان کی تالیفات کے ذریعہ ان کی دینی فیض کو جاری رکھے اور اپنے بندوں کو ان سے استفادہ کی توفیق دے۔ آمین

ہم خدام دارالعلوم اس غم میں برابر کے شریک ہیں اور اسے اپنا غم تصور کرتے ہیں۔"

مرغوب الرحمٰن

دارالعلوم دیوبند (یوپی' انڈیا)

(۴) ”حضرت کے روز و شب عصرِ حاضر کے لئے مینارہ نور تھے۔ زہد و تقویٰ، علم و عمل اور حسن سیرت کے لحاظ سے آپ کا مقام منفرد تھا۔ برصغیر کیلئے ان کا وجود باعث برکت و سعادت تھا۔ آپ کے وصال سے عالم اسلام ایک ایسی باکمال شخصیت سے محروم ہو گیا ہے۔ جس کے فیضان تربیت سے گم کردہ راہوں کے مسافر نشان منزل کی خبر پاتے تھے اور جن کی نگاہ پر تاثیر سے دلوں کے فیصلے ہوتے تھے۔“

ناظم عمومی

انجمن احیاء السنہ باغبانپورہ، لاہور

(۵) ”حضرت ڈاکٹر صاحب علیہ الرحمۃ کا وجود فیضان رحمت و برکات کا منبع تھا۔ وہ حقیقی معنوں میں حضرت اقدس تھانوی علیہ الرحمہ کے صحیح جانشین تھے۔ ان کی رحلت سے بہت بڑا خلا واقع ہوا ہے جس پر جتنا افسوس کیا جائے کم ہے۔“

محمد یار خان

ناظم مجلس صیانۃ المسلمین، نواں شہر ملتان

(۶) ”حضرت موصوفؒ کی دینی خدمات تا عمر یاد رکھی جائیں گی۔ حضرتؒ جس شفقت و محبت سے مسلمانوں کو عمل کی ترغیب دیتے تھے۔ یہ ان کی امتیازی خصوصیت تھی حضرت ڈاکٹر صاحب کی آواز اس وقت کانوں میں رس گھول رہی ہے۔ انشاءاللہ ان کی تعلیمات کا فیض قیامت تک جاری رہے گا۔“

غلام صابر صدیقی

ناظم اشاعت برائے مجلس صیانۃ المسلمین پاکستان

میر پور خاص (سندھ)

(۷) ”حضرت ڈاکٹر صاحب اس دور میں رشد و ہدایت کا منبع تھے اور مینارہ نور تھے۔ علم دین کو پھیلانے میں ان کا منفرد طریقہ کار اور خدمات ہمیشہ یاد رکھی جائیں گی۔

---

(۱) حضرت ڈاکٹر صاحب سے جو حضرات بیعت ہیں ان کو چاہیے کہ لفظ پیر و مرشد کے بعد حضرت ڈاکٹر عبدالحیؒ صاحبؒ کے اسم گرامی کا اضافہ کرلیں۔

حضرت ڈاکٹر صاحب کی رحلت نہ صرف آپ حضرات واہل خانہ بلکہ عالم اسلام کیلئے بھی عظیم نقصان ہے۔"

محمد وجیہہ
شیخ الحدیث و مفتی دار العلوم اسلامیہ ٹنڈو الہ یار'
ضلع حیدر آباد سندھ

(۸) "آہ! آج مخدومنا و مرشدنا حضرت ڈاکٹر صاحبؒ کے وصال کے بعد دل پارہ پارہ ہے۔ ہم سب ناکارگاں پر ایک خاص نظر کرم تھی۔"

احمد اللہ خان حمیدی
مہتمم مظاہر علوم لطیف آباد حیدر آباد سندھ

(۹) "افسوس کہ اہل کراچی خصوصاً اور عوام الناس عموماً آپ کے فیوضات سے محروم ہوگئے تاہم آپ کی تصنیفات جلیلہ رہنمائی و رہبری کیلئے موجود ہیں اور حضرت مرحوم کے لئے صدقہ جاریہ کا باعث بنے گی۔ افسوس کہ یادگار تھانوی اور بقیۃ السلف نہ رہے۔ ایک چراغ تھا وہ بھی خموش ہے۔"

اسماعیل حافظ احمد
خادم جامعہ حسینیہ 'راندیر' سورت (بھارت)

(۱۰) "آپ اور ہم سب ایک شفیق 'کرم فرما اور محبت کرنے والے بزرگ کی دعاؤں سے محروم ہوگئے۔ حضرت ڈاکٹر عبدالحیؒ صاحبؒ کی رحلت کی خبر سے جو ہم لوگوں کو صدمہ ہوا ہے وہ الفاظ سے باہر ہے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

نواب سعید چھتاری
راحت منزل علی گڑھ (انڈیا)

(۱۱) "آپ کو معلوم ہوگا حضرت عباسؓ کے سانحہ ارتحال پر ایک بدو نے جو تعزیت کے سلسلے میں کہا تھا وہ حضرت ابن عباسؓ کو بہت پسند آیا۔ وہ مضمون جس سے اس بدو نے تعزیت کی تھی یہ تھا۔ کہ حضرت عباسؓ کی وفات سے کسی کا کچھ نقصان نہیں

ہوا کیونکہ ان کو تو خدا مل گیا جو تم لوگوں سے بلاشبہ بہتر ہے اور تم لوگوں کو صبر کا موقع ملا جو حضرت عباسؓ سے ہر لحاظ سے بہتر ہے غرض فریقین کو ایک ایک بہتر چیز مل گئی احقر بھی اسی طرح سے تعزیت کرتا ہے۔"

کریم الدین

ریٹائرڈ انجنیئر، جدہ سعودی عربیہ

(۱۲) "حضرت ڈاکٹر صاحب آپ کیلئے مشفق والد مکرم و معظم تھے لیکن میرے جیسے ہزاروں کے بھی نہایت مشفق و مہربان روحانی والد تھے۔ اس صدمہ میں ہزارہا روحانی تعلق رکھنے والے آپ کے شریک ہیں۔

حضرت حکیم الامت مجدد الملت تھانویؒ کے بڑے بڑے خلفاء ایک ایک کر کے رخصت ہو گئے۔ آپ کی ذات گرامی خصوصاً کراچی والوں کیلئے اور عموماً پورے پاکستان کے لئے بڑی غنیمت تھی۔"

آفتاب احمد حافظ اقبال

(مترجم) الریاض سعودی عربیہ

(۱۳) "جناب ڈاکٹر صاحب ملک کے دینی رہنما اور روحانی پیشوا تھے اور ہمارے لئے خاص طور پر سرپرست مشفق کی حیثیت رکھتے تھے۔ مرحوم ہمارے ہومیوپیتھک ٹرسٹ، ہمارے کالج اور ہسپتال کے انتہائی مداح اور دعاگو تھے۔"

محبوب عالم

ہومیوپیتھک ٹرسٹ ہسپتال۔ کراچی

حضرت عارفیؒ کے صاحبزادگان حسن عباس صاحب، احسن عباس صاحب اور مستحسن عباس صاحب نے اپنے والد ماجد کے انتقال پر ملال پر تعزیتی پیغامات بھیجنے والوں کے نام فرداً فرداً حسب ذیل خط (مورخہ ۱۵/اپریل ۱۹۸۶ء) ارسال کیا۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

ہمارے والد ماجد عارف باللہ حضرت مولانا ڈاکٹر محمد عبدالحیؒ صاحب عارفیؒ کے حادثہ وفات پر آپ کا تعزیتی مکتوب باعث تقویت ہوا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ حضرت والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ کی وفات ہماری اور ہمارے اہل خاندان کی زندگی کا سب سے بڑا سانحہ ہے جس کی شدت کو الفاظ میں بیان کرنا ہمارے لئے ممکن نہیں۔ لیکن ساتھ ہی ہمیں اس بات کا پورا احساس ہے کہ حضرت والد ماجدؒ کا جو تعلق اپنی نسبی اولاد اور اہل خاندان کے ساتھ تھا ویسا ہی شاید اس سے زیادہ تعلق ان تمام حضرات کے ساتھ تھا جو روحانی طور پر آپ سے وابستہ تھے۔ اور آپ کی وفات صرف ہمارے خاندان کیلئے نہیں بلکہ ان کے تمام متوسلین اور احباب کیلئے بلکہ پوری ملت کیلئے ایک عظیم سانحہ ہے جس سے ہم سب یکساں طور پر متاثر ہوئے ہیں اور سب کے سب مستحق تعزیت ہیں۔

غم اور صدمے کی اس ناقابل بیان فضا میں جو بات سب کیلئے باعث تسکین ہے وہ یہ ہے کہ الحمدللہ حضرت والد ماجدؒ نے اپنی تعلیمات اور ارشادات کا ایک ایسا سرمایہ ہم سب کیلئے چھوڑا ہے جو انشاء اللہ ہمیشہ ہماری رہنمائی کرے گا۔ آپ نے اپنی زندگی کا ایک ایک لمحہ خدمت خلق میں صرف فرمایا اور ہم سب کیلئے ایسی دعائیں فرمائیں جو انشاء اللہ قدم قدم پر ہمارے کام آئیں گی۔ بس ہمارا کام یہ ہے کہ ہم حضرت کی تعلیمات کے مطابق اپنی زندگی کو ڈھالنے کی کوشش کریں۔ بہر کیف اس عظیم سانحے کے موقع پر آپ نے جس محبت اور ہمدردی کے ساتھ ہم سے اور ہمارے اہل خاندان سے اظہار تعزیت فرمایا ہے اس سے ہم سب کی بڑی تسلی ہوئی ہے اور اس کے لئے ہم تہ دل سے ممنون ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو دنیا و آخرت میں اس کی بہترین جزاء عطا فرمائیں۔ آمین

آپ سے دعا کی درخواست ہے کہ اللہ تعالیٰ حضرت والد ماجد کو اپنے مقامات قرب میں پیہم ترقی درجات عطا فرمائیں، ہم سب کو صبر جمیل سے نوازیں اور حضرت کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بہ نذرانہ عقیدت جناب برادر صاحب
(ڈاکٹر محمد عبدالحیؒ عارفی مرحوم)

کریں کس طرح پیش آخر عقیدت کا یہ نذرانہ
درو دیوار لیں گے سسکیاں روئے گا کاشانہ

نہ پرواہ جاہ منصب کی نہ کرو فر شاہانہ
کہ وہ شاہ شہاں تھا عارفی باللہ مستانہ !

علی عباس کا لخت جگر کاظم کا پوتا تھا
انہیں کے فیض سے اس کو ملا ادراک عرفانہ

خلیفہ خاص تھا اشرف علی شاہ محقق کا
محمدؐ کا وہ شیدائی تھا اور مرشد کا دیوانہ

نہ دولت اور ثروت تھی نہ منصب اور جاگیریں
وہ تھا اک پیر کامل زندگی اس کی فقیرانہ

عمل پیرا تھا عبدالحیؒ رسول حق کی سنت پر
تھی بیواؤں ' یتیموں پر نظر اسکی کریمانہ

محدث تھا فقیہہ و متقی ' عابد و زاہد تھا
تب ہی پیرو جواں نے باپ روحانی اسے مانا

مخیّر تھا غنی و مہرباں تھا خدا کا بندہ عاجز
سلوک اسکا ہر اک چھوٹے بڑے سے تھا شفیقانہ

وہ ایک حق گو مجاہد تھا خدا کا بندہ عاجز
وزیروں حاکموں کو پند تھی اسکی دلیرانہ

ہوئے نوے برس پورے تو عزرائیل آپہنچے
کہا رخت سفر باندھو یہ لو رخصت کا پروانہ

ستائیس مارچ انیس سوچیاسی کو ہوئی رحلت
یہ غم ایسا تھا ہر خورد و کلاں تھا خود سے بیگانہ

اٹھا اک شور ماتم لے چلے میت کو جب لانڈھی
ہوئی چہرہ نمائی رو پڑے سب صاحب خانہ

ہوا رخصت وہ دنیا سے تو پر توقیر تھا عالم
سواری چار کاندھوں پر تھی نظم و ضبط شاہانہ

عزیز و اقربا دینے کو کاندھا آگے بڑھتے تھے
ہجوم اتنا زیادہ تھا کہ دے سکتے نہ تھے شانہ

صدر جنرل ضیاء الحق نے کی تدفین خود اس کی
پس مردن دیا اللہ نے اعزاز شاہانہ

ہزاروں شمعیں ہوں روشن نہ ہوگی روشنی دل میں
وہ تھا شمع ہدایت جس سے روشن تھا یہ ویرانہ

تری آغوش رحمت میں وہ سوئے حشر تک یارب
لحد پر عارفی کی برکتیں نازل ہوں روزانہ

کر اس کی مغفرت درجات عالی سے نواز اسکو
عطا خدمت کو حوریں ہوں ملے جنت میں کاشانہ

جہاں پر بیٹھ کر پیتے تھے مئے رشد و ہدایت کی
رشید اب پیرو جمعہ کو وہ ہوگا بند مے خانہ

حسن مستحسن واحسن کو یارب صبر و ہمت دے
خداوندا عطا ہو صبر بھاوج کو ایوبانہ !

جو ہیں خدام خاص انکے انہیں بھی صبر دے یارب
اور ان کو جن کا رشتہ عارفی سے ہے مریدانہ

تسلی دو نہ دو لیکن دکھاؤ مت دکھی دل کو
ملو اس دم نہ اتنی بے رخی سے بے نیازانہ

خدا توفیق دے ہم سب کو نیکوکار بننے کی
عمل اپنا بھی ہوجائے شفیقانہ حلیمانہ

الٰہی صبر کی توفیق دے سب غم رسیدوں کو
بس اس کے ساتھ نشتر ختم کر جاں سوز افسانہ

۲۷ مارچ ۱۹۸۶ء بروز جمعرات

برادر خورد محمد عبدالرشید صدیقی نشتر کاظمی
ولد علی عباس مرحوم
اے-۱۱۱ بلاک ایل، نارتھ ناظم آباد کراچی

بر وفات حسرت آیات

عارف باللہ حضرت مولانا ڈاکٹر محمد عبدالحیؒ صاحب عارفی قدس سرہ

الٰہی خیر کس کو مل گیا رخصت کا پروانہ
دگرگوں دیکھتا ہوں آج کیوں عالم کا افسانہ

فلک پر کیوں اداسی چھا رہی ہے چار سو آخر
نظر آنے لگا کیوں دفعتہً ہر سمت ویرانہ

فضا روتی ہے ہنگام سحر کیوں سسکیاں لیکر
کلیجہ تھام کر آتا ہے سورج کیوں پشیمانہ

یہ رحلت ہے جہاں سے آج کس محبوب عالم کی
گری جاتی ہے خلقت شمع پر ہم مثل پروانہ

چلی جاتی ہے اُف کاندھوں پہ میت کس کی اے ہاتف
یہ کس شمع پہ ہے ماتم کناں ہر سمت پروانہ

الٰہی دیکھ کر حیراں ہیں سب دیر و حرم والے
ترے درویش کی میت کا یہ انداز شاہانہ

کیا رخصت شہنشاہِ قلوبِ اہل عالم کو
تو حوروں نے کہاں صد مرحبائے جانِ جانانہ

بھرے گا کون اب یوں پے بہ پے رندوں کا پیمانہ
چلا جاتا ہے کس پر چھوڑ کر ساقی یہ میخانہ

بنائے گا بلا نوشی کا عادی کون رندوں کو
تکیں گے اب کسے میخوار اور یہ جام و پیمانہ

چنا ہے پھول عزرائیل نے ایسا گلستاں سے
کہ جس سے ہو گیا سارا گلستاں دشت و ویرانہ

الٰہی اب کہاں جائیں گدایان تہی دامن
نظر آتا ہے اب سارا جہاں اغیار و بیگانہ

بلائے گا بھلا اب کون الفت کی نگاہوں سے
ملے گا اب کہاں شفقت کا انداز کریمانہ

مجدد اور فقیہ دین ' محدث پیکر سنت
وہ جس کی ہر ادا تربیت عالم حکیمانہ

وہ گل جس کو سراپا گلستاں کہنا حقیقت ہے
وہ جوہر جس پہ شیدا جوہری ہے مثل پروانہ

کہاں سے لائے گی ملت تجھے اے عارفی کھو کر
حکیم ملت بیضا کا انداز حکیمانہ

کہاں ڈھونڈیں گے پروانے چراغ جستجو لے کر
وہ شمع جو سراپا ہو غم ملت کا افسانہ

کہاں رخصت ہوئی وہ شمع اور شمع کے پروانے
سسک کر رو رہے ہیں یہ در و دیوار کاشانہ

تسلی کون دے گا اب پریشان حال ملت کو
رکھے گا کون سر پر اس کے اب دست کریمانہ

ہمیں نقش دم وہ دے گئے ہیں عارفی عارف
رہی جام محبت ہے وہی سنت کا پیمانہ

دکھائیں گے کسے اب زخم دل زخم جگر عارف
رکھے گا کون نبض دل پہ انگشت میخانہ

خادم مشرف علی تھانوی
مہتمم دار العلوم الاسلامیہ لاہور

۲۷؍مارچ ۱۹۸٦ء

بہ نذر شیخ طریقت

حضرت والا ڈاکٹر عبدالحیؒ صاحب عارفیؒ

پیر مغاں وہ جام پلا کر چلے گئے
سب میکشوں کو ہوش میں لا کر چلے گئے

تاثیر ان کی شانِ کرامت کی دیکھئے
قلب و نظر میں، شمع جلا کر چلے گئے

دیکھا ہے ہم نے ان کی توجہ کا یہ اثر
وہم و گماں کو دل سے مٹا کر چلے گئے

دنیا بسی تھی جن کے مزاجوں میں دوستو
دینی مزاج ان کا بنا کر چلے گئے

وہ اسوۂ رسولِ مکرم کے ذکر سے
بزمِ نشاطِ روح سجا کر چلے گئے

وہ سبزہ زارِ درس ہمیشہ ہو گلفشاں
جس درس گہہ میں علم سکھا کر چلے گئے

مجلس تھی ان کی باعثِ عز و شرف ہمیں
اک اشرفی مزاج بنا کر چلے گئے

محفل تھی جن کے دم سے منور وہ اب کہاں
روشن مگر وہ راہ دکھا کر چلے گئے

گلزارِ معرفت کے نگہباں رہے سدا
عرفاں کے پھول دل میں کھلا کر چلے گئے

اہلِ نظر تھے، شیخ تھے مصلح تھے عارفیؔ
راہِ نجات سب کو بتا کر چلے گئے

اظہرؔ جو تیری فکر میں ہے جذب سوز و ساز
یہ رنگِ عارفیؔ رچا کر چلے گئے

مجازین

حضرت عارفیؒ اپنے شیخ و مرشد حکیم الامت حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے نقش قدم پر چلتے ہوئے اپنے خاص احباب جو داخل سلسلہ تھے' ان میں سے بعض احباب کو ''مجاز بیعت'' اور بعض کو ''مجاز صحبت'' کے عنوان سے اجازت عطا فرمائی اور مخصوص احباب جو حضرت حکیم الامتؒ کے جلیل القدر خلفاء کے اجازت یافتہ تھے اور انہوں نے حضرت عارفیؒ سے محض اپنے ذوق و طلب کے تقاضے پر آپ کے ساتھ رابطہ محبت قائم کر رکھا تھا ان کو بھی اپنی طرف سے ''تجدید اجازت'' مرحمت فرمائی۔ ان مجازین کے بارے میں اپنی یادداشتوں میں بہ عنوان ''اجازت بیعت و تلقین کے متعلق اپنے احباب کیلئے ایک ضروری اعلان'' رقمطراز ہیں:

''آج بتاریخ ۲۲/ جمادی الاول ۱۳۹۹ھ مطابق ۲۰/ اپریل ۱۹۷۹ء بروز جمعۃ المبارک بعد نماز اشراق دوران تلاوت کلام مجید بیساختہ قلب پر تقاضا پیدا ہوا کہ اپنے خاص احباب کو جو داخل سلسلہ ہیں ان میں سے بعض کو اجازت بیعت و تلقین دے کر مجاز بیعت اور بعض کو مجاز صحبت بنا دیا جائے تاکہ اپنے بزرگان سلسلہ کے فیوض و برکات باطنی آئندہ طالبان حق کو پہنچتے رہیں۔

لہٰذا فی الحال ایسے احباب کو توکلا علی اللہ اجازت بیعت دے رہا ہوں جن میں باطنی صلاحیت و استعداد کی نشو و نما کے آثار نمایاں ہیں اور جو طالبان حق کو صحیح و معتبر معیار پر تعلیم و تربیت کر سکتے ہیں۔ بعض احباب جو داخل سلسلہ ایسے بھی ہیں جن میں ماشاء اللہ طلب صادق ہے اور جو اپنے تزکیہ نفس کا اہتمام و فکر اور اپنے موجودہ مشاغل معاش کے باوجود منکرات شرعیہ سے حتی الامکان احتراز رکھتے ہیں۔ ان میں ایسی صلاحیت و استعداد

موجود ہے کہ دین واصلاح نفس کی ضروری باتیں دوسروں کو بھی تعلیم کر سکیں۔ اس لئے توکلاً علی اللہ فی الحال ان کو مجاز صحبت بنانا مصلحت سمجھتا ہوں۔ یعنی ان کو صرف تعلیم و تلقین امور باطنی کیلئے اجازت ہے۔ بیعت لینے کے فی الحال بعض مصالح وشرائط شرعیہ کے اعتبار سے اجازت نہیں۔ آئندہ مواقع مرتفع ہو جانے پر مجازین بیعت میں شامل ہو سکیں گے۔

علاوہ ازیں بعض مخصوص احباب ایسے بھی ہیں جو حضرت اقدس رحمۃ اللہ علیہ کے جلیل القدر خلفاء کے اجازت یافتہ ہیں مگر انہوں نے ایک مدت مدید سے محض اپنے ذوق و تشنگی طلب کے تقاضے پر اس ناکارہ کے ساتھ تعلق محبت قائم کر رکھا ہے۔ اس لئے دل چاہتا ہے کہ ان کی تقویت وطمانیت خاطر کیلئے اپنی طرف سے بھی تجدید اجازت پیش کر دوں۔ مجھے اللہ تعالیٰ سے امید ہے کہ میرے یہ احباب اپنے بزرگوں کے اس سلسلہ مقدسہ کے وقار اور منصب کی ذمہ داریوں کے احساس کے ساتھ جذبہ خدمت دین اور نفع رسانی خلق کو خلوص نیت کے عزم کے ساتھ اپنا شعار زندگی بنا سکیں گے اور خود بھی عزم صمیم کے ساتھ اپنے نفس کی نگہداشت سے غافل نہ رہیں گے۔

واللہ المستعان۔

ان حضرات کے پیش نظر خود اپنے لئے بھی اور اپنے متبعین سلسلہ کیلئے بھی وہی معیاری انداز تعلیم و تلقین رہے گا جو مولائی وسیدی ومرشدی حضرت شاہ مولانا محمد اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے مجددانہ ومصلحانہ والہانہ ذوق سے قائم فرمایا تھا۔ انہی کی اتباع کامل سے انشاء اللہ تعالیٰ ہمیشہ فیوض روحانی کے حصول میں تائید الٰہی شامل رہے گی واللہ المستعان والموفق بالمومنین۔"

"عطائے نعمت" برائے مجاز بیعت

"عزیزم و محترم

السلام علیکم و رحمة الله و بر کاته

آپ کی طلب صادق و فکر تزکیہ نفس سے مطمئن ہونے پر بیساختہ قلب پر وارد ہوا کہ آپ کو بیعت و تلقین کی اجازت دی جائے لہذا توکلاً علی اللہ آپ کو اجازت دیتا ہوں کہ طالبین حق جو آپ سے رجوع کریں تو انکار نہ کریں ان کو بیعت کر لیا کریں۔ اللہ تعالیٰ نفع کو عام و تام فرمادیں اس اجازت کی اپنے خاص احباب کو بھی اطلاع کر دیں۔"

دعا گو

عطائے نعمت برائے مجاز صحبت

مذکورہ بالا اصولوں پر جن اصحاب کو "مجاز صحبت" بنایا ان کو مندرجہ ذیل خط تحریر فرمایا:

"مکرم و مشفقم

السلام علیکم ورحمة الله وبر کاته

ایک روز قلب پر بیساختہ وارد ہوا کہ بعض ایسے احباب کو جو تلقین کی کافی صلاحیت رکھتے ہیں مگر اجتماع شرائط بیعت میں بعض خاص حالات کا انتظار ہے، تلقین بلا بیعت کی اجازت دیدوں۔ ایسے حضرت کا لقب مجاز صحبت ہوگا۔ یہی یعنی جن کو صرف بواسطہ صحبت نفع پہنچانے کی اجازت دی گئی۔ لہذا میں آپ کو توکلاً علی اللہ مجاز بالصحبة ہونے کی اجازت دیتا ہوں۔ آپ طالبین کو تہذیب اخلاق کی تعلیم و تلقین کرتے رہیں۔ اللہ تعالیٰ نفع کو عام و تام فرمادیں۔ اگر میرے علم میں حالات منتظرہ رونما ہوگئے تو پھر مجاز بیعت کر لیا جائے گا مگر آپ کو اس کا منتظر رہنا خلاف اخلاص ہوگا۔ اپنے احباب کو اجازت کی اطلاع کر دیں۔"

دعا گو

تجدید اجازت

اس کے علاوہ بعض مخصوص احباب ایسے بھی ہیں جو حضرت حکیم الامت مولانا محمد اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے جلیل القدر خلفاء سے اجازت یافتہ ہیں انہیں بہ عنوان ''تجدید اجازت'' جو خط تحریر فرمایا ہے وہ درج ذیل ہے:

''محبی و مشفقی

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

الحمد للہ ایک مدت مدید سے احقر کے ساتھ آپ کا رابطہ اخلاص و محبت و حسن ارادت قائم ہے جو باعث مسرت بھی ہے اور باعث تقویت بھی۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو فراست دین اور نسبت باطنی سے نوازا ہے۔ یہ محض اللہ تعالیٰ کا فضل عظیم ہے حالانکہ آپ کے مرشد کامل کی طرف سے آپ کو شرف خلافت حاصل ہے۔ میرا جی چاہتا ہے کہ میں بھی اظہار مسرت اور آپ کو قلبی طمانیت کیلئے اپنی طرف سے بھی آپ کے تجدید اجازت کر دوں۔ اللہ تعالیٰ اس کو ظاہر و باطنی خیر و برکت کا باعث بنا دیں۔ آمین''

احقر

فہرست مجازین

حضرت عارفیؒ نے جن حضرات کو مجازین بیعت، مجازین صحبت بنایا اور ان احباب کو جنہیں تجدید اجازت مرحمت فرمائی ان کے اسماء گرامی حسب ذیل ہیں:

مجازین بیعت

۱) مولوی نذیر احمد صاحب۔ استاد حدیث، دارالعلوم، پیپلز کالونی فیصل آباد۔

۲) مولوی عبدالرزاق ہاشمی صاحبؒ۔ سابق مدرس، جامعہ اسلامیہ محمودیہ، مانسہرہ (ضلع ہزارہ)

۳) مولوی سحان (سحبان) محمود صاحبؒ۔ شیخ الحدیث 'دارالعلوم کراچی 'کورنگی کراچی۔

۴) مولوی مشرف علی صاحب مہتمم۔ 'دارالعلوم اسلامیہ 'کامران بلاک 'اقبال ٹاؤن' لاہور۔

۵) مولوی محمد رفیع صاحب عثمانی۔ صدر دارالعلوم کراچی 'کورنگی کراچی۔

۶) مولوی محمد تقی صاحب عثمانی۔ نائب صدر دارالعلوم کراچی 'کورنگی کراچی۔

۷) مولانا حافظ ابرارالحق کلیانوی صاحب۔ امام و خطیب' جامع مسجد قبا' کلیانہ ٹاؤن' سیکٹر نمبر ۱۰' نارتھ کراچی' بیت الابرار ۶۰ سیکٹر نمبر ۱۰۔ نارتھ کراچی۔

۸) (ڈاکٹر) حافظ محمد الیاسؒ۔ ۱۲۔ ڈی / ۴' چاندنی چوک 'اسٹیڈیم روڈ کراچی۔

۹) حافظ عتیق الرحمان صاحبؒ۔ سابق ڈائریکٹر فنانس ہمدرد دواخانہ بیت الخلیل، سی۔ ۱۰ بلاک ایچ شمالی ناظم آباد' کراچی۔

۱۰) آدم بھائی پٹیل صاحبؒ۔ فاطمہ منزل ۷۔ ۱۷ / ۲۲ ناظم آباد ۲' کراچی۔

۱۱) محمد کلیم صاحب۔ دارالعلوم کراچی 'کورنگی کراچی۔

۱۲) رفعت احمد خان صاحب۔ سابق ناظم نشرواشاعت' عائشہ باوانی وقف' مکان نمبر ۴۹ بلاک ۲' پی ای سی ایچ ایس۔ کراچی

۱۳) ڈاکٹر نعیم اللہ صاحب۔ اناج بازار' سکھر۔

۱۴) سید علی حماد رضا صاحبؒ۔ ۱۰۵ء بی بلاک این' شمالی ناظم آباد' کراچی۔

۱۵) مولوی عبدالرزاق صاحب بالمقابل مسلم کمرشل بنک' کوہاٹ سٹی۔

۱۶) مولوی عبدالرحمان افغانی صاحب۔ عرشی مسجد سیٹلائٹ ٹاؤن' راولپنڈی۔

مجازین صحبت

۱) مظفر احمد اشرف صاحب۔ سابق چیئرمین' نیشنل انویسٹمنٹ ٹرسٹ' کراچی

۔سی ۱۵۰' کے۔ڈی۔اے۔اسکیم نمبر ا'کراچی۔

۲) عابد حسین زبیری صاحب۔سابق ڈائریکٹر الائیڈ بینک 'کراچی۔اوورسیز بنگلوز'گلستان جوہر'کراچی۔

۳) سید اختر حسن صاحب۔سابق سیکریٹری'وزارت مالیات حکومت آزاد کشمیر' ۲۲۰بی بلاک نمبر ۲پی۔ای۔سی۔ایچ۔ایس'کراچی۔

۴) رحمت علی صاحب۔سابق جوائنٹ سیکرٹری'ویمن ڈویژن'حکومت پاکستان' خیابان قائداعظم جی ۹/۱'۳جی اسلام آباد۔

۵) دبیر علی صاحب۔کوارٹر ۲۷ا/ای۔۶/۲جی'اسلام آباد

تجدید اجازت

ا) حکیم سید محمد ابراہیم صاحبؒ۔غریب آباد'سکھر (مجاز حضرت ماسٹر ثامن علی صاحب)

۲) ڈاکٹر حفیظ اللہ صاحبؒ۔اناج بازار'سکھر (مجاز حضرت مولانا مفتی محمد حسن صاحب)

۳) مولوی محمد اسحاق صاحب صدیقی سندیلوی ؒ مشرف شعبہء تخصص الدعوۃ والارشاد'مدرسہ عربیہ اسلامیہ'کراچی ۵ (مجاز حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحبؒ)

۴) مولوی محمد احمد صاحب۔۲۷ ۱۱۴اے'بلاک ایچ'شمالی ناظم آباد'کراچی (مجاز حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ)

۵) جناب ظفر احمد صاحب تھانویؒ۔سابق انجنیئر بحری'سی ۷/۱۱بلاک اے'شمالی ناظم آباد کراچی۔(مجاز صحبت حکیم الامت محمد اشرف علی تھانویؒ)

۶) جناب مولوی ولایت حسین صاحبؒ۔بلاک نمبر ۲'سب بلاک ای'پلاٹ نمبر

اروڈ نمبر ۲' ناظم آباد' کراچی نمبر ۱۸ (مجاز حضرت مولانا حبیب اللہ صاحبؒ)

۷) جناب مولانا یوسف لدھیانوی صاحب۔ مدرسہ اسلامیہ علامہ یوسف بنوری' کراچی (خلیفہ مجاز حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحبؒ)
جامع مسجد الفلاح بلاک نمبر ۱۴' فیڈرل بی ایریا کراچی۔

نوٹ:

حکیم الامت حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانویؒ نے جن حضرات کو بیعت وارشاد کی اجازت مرحمت فرمائی تھی' ان کی فہرست شائع فرمادی تھی' اور وقتاً فوقتاً اس کی تجدید بھی فرماتے تھے اسی معمول کے مطابق عارف باللہ حضرت ڈاکٹر محمد عبدالحیٔ عارفیؒ نے ان حضرات کی فہرست ماہنامہ "البلاغ" دارالعلوم کراچی شمارہ شوال المکرم ۱۳۹۹ھ بمطابق ستمبر ۱۹۷۹ء پہلی بار شائع فرمائی اور وقتاً فوقتاً بغرض تجدید شائع کی جاتی رہی۔

تعلیمات حضرت عارفیؒ

اے عارفی اپنے دل پر شوق کی باتیں
اچھا ہے کہ تو اپنی زباں ہی سے سنائے
کیا جانے کوئی کاشف اسرار محبت
پھر محفل احباب میں آئے کہ نہ آئے

....

سکھائے ہیں نئے انداز سے آداب مے نوشی
کریں گے یاد مجھ کو مدتوں یاران میخانہ

تربیت گاہ عارفیؒ

حضرت عارفیؒ کی ابتداء ہی سے تعلیم و تعلم کا ذوق تھا اسی لئے وہ جو کچھ تعلیم حاصل کرتے تھے دوسرے حضرات تک پہنچانے کی کوشش کرتے تھے۔ وکالت ترک کرنے کے بعد حضرت حکیم الامتؒ نے آپ کو مجاز بیعت بنایا تو مطب میں آنے والے مسلمان مریضوں کو دینی اور اخلاقی اصلاح کی طرف توجہ مبذول فرمانے لگے۔ کراچی آنے کے بعد آپ نے رابسن روڈ پر اپنا مطب ۱۹۵۰ء میں شروع کیا تو آپ کے واقف کار مطب میں آپ سے استفادہ کرنے کے لئے آنے لگے۔ ۱۹۸۵ء میں آپ نے پاپوش نگر میں اپنا مطب شروع کیا تو لوگ یہاں پر بھی آپ سے استفادہ کے لئے آنے لگے۔ مطب کے اوپر آپ کی رہائش گاہ تھی اور متصل کھلی ہوئی جگہ تھی۔

حضرت مولانا عبدالغنی پھولپوریؒ ۱۹۵۸ء میں ہندوستان سے کراچی تشریف لائے تو حضرت عارفیؒ نے متصل کھلی جگہ پر آپ کی مجالس منعقد کروائیں۔ جب حضرت پھولپوریؒ ہندستان واپس چلے گئے تو حضرت عارفیؒ اپنے محبّ خاص حضرت بابا نجم احسن نگرامیؒ کی خواہش پر اپنی مجلس منعقد کرنے لگے۔ یہ مجلس پاپوش نگر میں جمعہ کے روز ہوا کرتی تھی۔ اس مجلس میں پہلے حضرت حکیم الامتؒ کے ملفوظات سنائے جاتے تھے اس کے بعد حضرت والا کا مختصر بیان ہوتا تھا اور آخر میں حضرت اپنے مخصوص انداز میں بڑی والہانہ دعا فرماتے تھے۔ کچھ عرصے کے بعد ملفوظات سنانے کا سلسلہ موقوف ہو گیا، صرف حضرت ہی کا بیان ہوتا اور اختتام پر آپ کی دعا ہوتی تھی۔

حضرتؒ ۱۹۶۹ء میں پاپوش نگر سے بلاک ایف، شمالی ناظم آباد منتقل ہو گئے تو یہاں بھی مجلس کا انعقاد جاری رہا۔ اس نئے مکان میں پہلی مجلس ۱۹/ دسمبر ۱۹۶۹ء کو منعقد ہوئی

اور احباب کو دعوت عصرانہ دی گئی۔ اس مجلس میں حاضرین کی تعداد میں روز بروز اضافہ ہوتا گیا اور یہ مجلس جلسہ کی شکل اختیار کر گئی۔ اس میں شرکت کے لیے لوگ دور دور سے آنے لگے۔ ۲؍ جنوری ۱۹۷۰ء بروز جمعہ کو باقاعدہ مجلس شروع ہوئی اور آخری مجلس ۲۱؍ مارچ ۱۹۸۶ء کو ہوئی ۔ جمعہ کے دن عصر سے مغرب تک مجلس عام اور پیر کے روز عصر سے مغرب تک خاص مجلس منعقد ہوتی تھی۔ جمعہ کو تقریباً چار' پانچ سو کا مجمع ہوتا تھا اور پیر کو تقریباً سو' ڈیڑھ سو حضرات تشریف لاتے تھے۔ موسم گرما میں آپ کی رہائش گاہ کے وسیع سبزہ زار (لان) میں یہ مجلس منعقد ہوتی تھی اور موسم سرما میں اندرون خانہ وسیع ڈرائنگ روم میں۔ ایک عرصہ دراز تک حضرتؒ چوکی پر بیٹھنا پسند نہیں فرماتے تھے بلکہ آپ اسی سطح پر تشریف فرما ہوتے جس سطح پر سب حاضرین ہوتے تھے۔ جب حاضرین کی تعداد میں اضافہ ہوا اور آپ کے ارشادات سے استفادہ میں حاضرین کو دقت پیش آنے لگی تو خدام کی درخواست پر چوکی (جو اس مقصد کے لئے بنوائی گئی تھی) پر بیٹھنا گوارا کیا اور وہ بھی صرف اس وقت جب آپ حاضرین سے مخاطب ہوتے تھے۔ آپ کے سامنے ایک چوکی نما میز پر مائیک رہتا تھا جس کے ارد گرد کئی کیسٹ ریکارڈ آپ کے ارشادات کو ٹیپ کرتے تھے' ان میں سے ایک چھوٹا نفیس ریکارڈ خود حضرتؒ کا بھی تھا باقی حاضرین کے ہوتے تھے۔

حضرتؒ کے ارشادات سے مستفید ہونے کے لئے مستورات بھی ان مجالس میں شریک ہونے لگیں۔ ان کے لئے اندرون خانہ انتظام تھا۔ مستورات اس کثرت سے شریک ہونے لگیں کہ بعض وقت جگہ کی تنگی کا احساس ہوتا تھا۔ حضرت والا کم و بیش ہر مجلس میں عورتوں میں پھیلی ہوئی برائیوں کا تذکرہ فرما کر ان کو ترک کرنے پر زور دیتے تھے۔

جمعہ ۲۱؍ ربیع الاول ۱۴۰۳ھ مطابق ۷؍ جنوری ۱۹۸۳ء کی مجلس میں شرکاء کو مخاطب کرتے ہوئے ان مجالس کی اہمیت کے متعلق حضرتؒ نے فرمایا:

"الحمد للہ آج ہم اور آپ پھر یہاں جمع ہو گئے ہیں۔ آپ حضرات نہ جانے اپنے

کتنے مشاغل چھوڑ کر دور دور سے آتے اور جمع ہو جاتے ہیں محض اللہ اور اس کی رضا کے لئے، میری نظر میں، میرے احساسات میں ان لمحات کی جتنی قدر ہے خدا کرے کہ آپ لوگوں میں بھی ہو اور انشاء اللہ ہو جائے گی، یہ بڑے گراں قدر لمحات ہیں، مجھے قدر ہے، آپ بھی اس کی قدر کرنا سیکھئے۔ دوسرے اعمال میں تو نفس و شیطان کی آمیزش ممکن ہے لیکن اس اجتماع میں نہ نفس شریک ہو سکتا ہے نہ شیطان اغوا کر سکتا ہے، یہاں تو ہمارا جذبہ ہے، ایک جذبہ بے اختیار جو ہمیں اور آپ کو حصول دین کے لیے یہاں جمع کر دیتا ہے۔ اور حصول دین کے معنی ہیں رضائے الٰہی کا حاصل ہو جانا، ہم اور آپ یہاں اللہ ہی کی رضا کے لیے بیٹھ جاتے ہیں اور اللہ کی رحمت ایسی بے پایاں ہے کہ جو ان کے لئے بیٹھ جائے وہ محروم نہیں رہتا اور نوازا جاتا ہے لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه

اس سے زیادہ خوشی اور مسرت کی چیز اور کوئی نہیں۔ بہت سی حدیثیں ہیں اس کے متعلق جو اس وقت بیان نہ کر سکوں گا۔

آسمان سجدہ کند بہر زمینے کہ برد
یک دو کس یک دو نفس بہر خدا بنشیند

اللہ کے لئے بیٹھ جاؤ، ارے لَااِلٰهَ اِلاَّ اللّٰه

آسماں سجدہ کند بہر زمنے کہ مرد

خاقانی کا شعر ہے:

پس از سی سال ایں نکتہ محقق شد بخاقانی
کہ یکدم باخدا بودن بہ از ملک سلیمانی"[1]

"تو بھائی! ان لمحات کی قدر کرو، میں چاہتا بھی ہوں کہ جن چیزوں سے مجھے نفع ہوا ہے میں وہ باتیں آپ کے سامنے عرض کر دوں اور الحمد للہ خیر خواہی کے جذبہ اور اخلاص و دلسوزی کے ساتھ عرض کرتا رہتا ہوں تاکہ یہ گراں قدر باتیں آپ کے لئے

---

[1] افادات عارفی ص۱۶۶، ۱۶۷۔ ادارۂ تالیفات اشرفیہ ملتان ۱۴۰۶ھ

سرمایہ سکون و عافیت بن جائیں ...... آمین !اور کہئے تو تھوڑا سا دعوی بھی کروں ' میرا دعوی یہی ہے کہ مجھ سے آپ لوگ جو باتیں سن رہے ہیں اور سن لیتے ہیں۔ شاید پھر نہ سن سکیں اور میرے علم میں ' میرے تجربہ میں جو ہوتا ہے وہ آپ کے سامنے عرض کرتا رہتا ہوں 'اور بھائی یہ میرا انداق نہیں ' یہ مذاق تو میرے پیر و مرشد کا ہے۔

خیر میں یہ عرض کر رہا تھا کہ جو لمحہ ملے اور کسی اللہ والے کی خدمت میں صرف ہو جائے وہ لمحات زندگی جو دین کی خدمت میں صرف ہو جائیں وہ سرمایہ ہیں ' میرے لئے بھی آخرت کا سرمایہ ہیں اور آپ کے لئے بھی۔

آپ خدا کے لئے ان لمحات کی قدر کریں ' میں تو آپ لوگوں کے سامنے وہ باتیں عرض کر دیتا ہوں جو بہت سی کتابوں کے مطالعے سے بھی میسر نہ ہوں گی ' کیونکہ میرے پاس اس عمر میں اس بڑھاپے میں جو چیز ہے جس چیز سے میں نفع محسوس کرتا ہوں وہ میں آپ کے سامنے عرض کر دیتا ہوں وہ مجھے اللہ کے نیک و مقبول بندوں سے حاصل ہوئی ہے۔ اللہ کا احسان عظیم ہے اس نے بڑا کرم فرمایا ہے کہ ایسے مقبول بندوں سے وابستہ کر دیا ہے جو بالکل بے غبار ہیں اور صراط مستقیم پر مستقل ہیں 'ان کے باطن میں نفس و شیطان کا کوئی دخل نہیں ہے۔ صرف للّٰہیت ہے اس لئے وہ صراط مستقیم پر مستقل ہیں جس میں کسی قسم کی کوئی کجی نہیں۔

میں آپ کے سامنے وہی باتیں دہراتا ہوں جو آپ کے فائدے کی ہیں۔ وہ باتیں جن کے اندیشے ہوں ' جنکے خطرات میرے پیش نظر ہوں ' بار بار جی چاہتا ہے کہ ان سے متنبہ کر دیا جائے اور متنبہ ہو جائے ' ہمارے دور میں فتنے معمولی نہیں ہیں ' سخت خطرناک ' بہت زیادہ ہیں یہ قرب قیامت ہے۔"[1]

خصوصی مجلس

جمعہ کی مجلس عام میں حضرتؒ صرف عمومی دینی ' اخلاقی اور معاشرتی مسائل پر

---

[1] افادات عارفی ص ۱۶۸ تا ۱۷۱۔ ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان ۱۴۰۶ھ

اظہار خیال فرمایا کرتے تھے اور تصوف کے مسائل زیر بحث نہیں لاتے تھے۔ اس مجلس میں آپ کے کچھ مریدین اپنی مصروفیات یا دیگر وجوہات کی وجہ سے پابندی سے شریک نہیں ہو رہے تھے' ان میں مولانا محمد رفیع عثمانی صاحب اور مولانا محمد تقی عثمانی صاحب بھی تھے۔ ان دونوں بھائیوں کے لئے حضرتؒ نے ایک خصوصی مجلس جمعرات کے دن مقرر فرمائی۔ یہ مجلس ابتداء میں بعد عصر اور کچھ عرصہ بعد مغرب کے بعد ہوا کرتی تھی۔ کچھ دن جمعرات کے بجائے بدھ کو ہونے لگی پھر آخر کار پیر کا دن مقرر ہو گیا۔ یہ مجلس پیر کو عصر سے مغرب تک ہوتی تھی۔ یہ خصوصی مجلس تقریباً دس سال یعنی حضرتؒ کی وفات تک جاری رہی۔ کہنے کو یہ مجلس خصوصی تھی لیکن اس میں شرکت سے کسی کو روکا نہیں جاتا تھا۔ جوں جوں اس مجلس کی خبر حضرتؒ کے خدام اور محبین کو ہوتی گئی وہ شریک ہونے لگے اور شرکاء کی تعداد میں اضافہ ہوتا گیا۔ حاضرین کی کثرت کے باعث لاؤڈ اسپیکر استعمال کیا جانے لگا۔

پیر کی خصوصی مجلس کے متعلق حضرت مولانا محمد رفیع عثمانی صاحب فرماتے ہیں:

"پیر کی خصوصی مجلس کیا تھی؟ اس کا اندازہ صرف وہی حضرات کر سکتے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے یہ دولت نصیب ہوئی۔ یہ علم و عرفان' عشق و محبت' امور طریقت' پند و موعظت' سوز و گداز' شعر و ادب' روایات و حکایات اور مزاح و ظرافت کی ایسی پر کیف فضا تھی کہ وہ عالم ہی کچھ اور نظر آتا تھا' اس پر حضرتؒ والا کی شیریں بیانی جیسے پھول جھڑ رہے ہوں' شفقت و دلسوزی کا یہ انداز کہ ایک ایک لفظ پیار و محبت کے رس میں ڈوبا ہوا لہجہ' ایسا اثر انگیز اور دھیما جیسے ابر رحمت کی ہلکی ہلکی پھوار پڑ رہی ہو۔ مجلس میں ہر ایک کا یہ حال ہوتا تھا کہ ؎

جہاں تک بھی نظر جاتی ہے جلوہ گاہ ہستی میں
محبت ہی محبت جلوہ گر معلوم ہوتی ہے

(حضرت عارفیؒ)

غرض ایک دلکش سماں تھا جس میں آنے والا سارے غم بھول جاتا تھا۔ اس کا انداز کیا تھا؟ خود ہی فرماتے ہیں۔

عارفی پیر مغانم "بادہ غم سوز" داد
یافتم از کیف آں روح دگر جاں دگر

حکیم الامت حضرت تھانوی رحمتہ اللہ علیہ کے حکیمانہ ملفوظات کی تشریح اور مجددانہ معارف کا بیان اپنے دلنشین انداز میں فرماتے کہ قلب کی حالت یکسر بدل جاتی تھی ؎

اس نے دیکھا دل کی جانب ایسے کچھ انداز سے
کائنات آرزو زیر وزبر ہونے لگی
(حضرت عارفیؒ)

اللہ تعالیٰ کی بے پایاں رحمتوں کا دھیان، عفو و مغفرت کی امیدیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے احسانات کا استحضار، اتباع سنت کا ذوق و شوق، اللہ تعالی اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت، اپنے گناہوں پر ندامت، اصلاح کی پر امید فکر، جذبہ عمل، شوق ذکر، حقوق العباد اور آداب معاشرت کا اہتمام، اللہ تعالی پر بھروسہ واعتماد، تواضع وانکسار، شکر و قناعت، سکون وطمانیت، کیا کیا دولتیں تھیں جو دل کو اس مجلس میں ملتی تھیں۔ خود ہی فرماتے ہیں کہ ؎

جسے پینا ہو آنکھوں سے وہ میری بزم میں آئے
مرا دل چشم مست ناز ساقی کا ہے مے خانہ
کسی کا ذکر ہے اور اہل محفل مست و بے خود ہیں
نہ ظاہر یاں نہ ساقی ہے، نہ صہبا ہے نہ پیمانہ" [1]

اس پیر والی مجلس کے علاوہ ڈاکٹر تنزیل الرحمن صاحب کی درخواست پر حضرتؒ

---

[1] ماہنامہ البلاغ کراچی۔ اشاعت خصوصی صفر تاربیع الثانی ۱۴۰۷ھ ص ۱۷۳، ۱۷۴

نے جون ۱۹۸۴ء سے پہلے جمعرات پھر ہفتہ کے دن عصر اور مغرب کے درمیان ایک خصوصی مجلس کا اہتمام فرمایا جس میں ڈاکٹر تنزیل الرحمٰن اور ان کے بھائی حافظ عتیق الرحمٰن صاحب شریک ہوا کرتے تھے۔ یہ مجلس حضرتؒ کی زندگی کے آخری ہفتہ تک جاری رہی۔ ان مجالس کے فیوض و برکات سے شرکاء فیضیاب ہوتے رہے۔ لاینحل مسائل حل پذیر ہوتے رہے۔ ذہنی الجھنوں کا مداوا ہوتا تھا۔ مجالس کے فیوض و برکات کا اکثر شرکاء نے مشاہدہ کیا۔ اس سلسلہ میں رفعت احمد خان صاحب فرماتے ہیں۔

"حضرتؒ کے باطنی فیوض کے متعلق میں تقریباً پینتیس (۳۵) سال کا اپنا ذاتی تجربہ بھی عرض کرتا ہوں وہ یہ کہ اس عرصہ میں ذہنی الجھنوں اور اشکالات کے بیان کرنے کی نوبت بہت کم آتی تھی، مجلس میں دریافت کئے بغیر خود بخود حضرتؒ کی زبان مبارک سے تسکین بخش جوابات مل جاتے تھے۔ کیسی ہی تشویش و پریشانی ہو ان کی مجلس میں بیٹھ کر سب ختم ہو جاتی تھی اور دل کو سکون و اطمینان حاصل ہو جاتا تھا۔ اس کیفیت نے شعر کی صورت اختیار کر لی تھی ؎

نہ تنہا چشم محو لذت دیدار ہوتی ہے
کہ تسکین دل و جان ان کی ہر گفتار ہوتی ہے

در حقیقت

در صد ہزار ساغر و مینا نہ یافتیم
کیفیتے کہ در نگہ مے فروش بود

حضرتؒ بھی اپنا یہ شعر خاص مجلس میں کبھی کبھی پڑھا کرتے تھے ؎

جسے پینا ہو آنکھوں سے وہ میری بزم میں آئے
مرا دل چشم مست ناز ساقی کا ہے مے خانہ" ؂۱

۱؎ "عارف باللہ حضرت مولانا ڈاکٹر عبدالحی صاحبؒ کی مختصر سوانح حیات اور ارشادات" ص ۸ تعلیمات اسلامیہ ٹرسٹ کراچی

مذکورہ بالا مجالس کے علاوہ حضرت نے تبلیغ دین و تلقین کا سلسلہ مطب میں بھی جاری رکھا۔ آپ صبح ساڑھے آٹھ بجے مطب تشریف لے جاتے تھے۔ مطب میں آپ کے کچھ خدام اور محبین تشریف لایا کرتے تھے۔ ان کی اصلاح کے لئے بھی آپ خطاب فرماتے تھے۔ مطب میں بھی ایک چھوٹی سی مجلس کا سماں رہتا تھا۔ خطاب کے بعد جب آپ مریضوں کو دیکھا کرتے تھے اس وقت بھی تبلیغ و تلقین سے آپ غافل نہیں رہتے تھے۔ آپ نسخے لکھنے کے ساتھ مریض کو نصیحت بھی کرتے جاتے تھے۔ آپ کی نصیحت، تبلیغ و تلقین کی وجہ سے مطب میں آنے والی بہت سی بے پردہ فیشن ایبل خواتین نے برقعے اور چادریں پہننا شروع کر دیں جو بے حیا تھیں وہ باحیا بن گئیں، صوم و صلوۃ کی پابند ہو گئیں اور دیگر برائیوں کو ترک کرنا شروع کر دیا۔ در حقیقت آپ مطب میں بیٹھ کر اصلاح معاشرہ، اصلاح نفس اور روح کی بیماریوں کا بھی علاج کرتے تھے۔ آپ فرمایا کرتے تھے۔

"بھائی ہماری خانقاہ تو ہمارا مطب ہے"

ان مجالس میں آپ کے ارشادات کو قلم بند اور کیسٹوں میں محفوظ کیا جانے لگا۔ جنوری ۱۹۸۰ء تا مارچ ۱۹۸۶ء میں کی گئیں تقاریر کی کیسٹوں کی تعداد چار سو سے زیادہ ہے۔ آپ کی تقاریر کو قلم بند کر کے یا ان سے کچھ ارشادات کا انتخاب کر کے مسعود احسن علوی صاحبؒ نے "افادات عارفیہ" کے نام سے ایک کتاب مرتب کر کے ۱۹۶۶ء میں شائع کی۔ بعد ازاں آپ کے ارشادات کو "ارشادات عارفی" "افادات عارفی" "مقالات عارفی" وغیرہ ناموں سے کتابی شکل میں شائع کیا گیا۔ باقی کیسٹوں میں محفوظ تقاریر کو قلم بند کر کے شائع کرنے کا اہتمام کئی جگہ ہو رہا ہے۔

حضرت کی دعوت و تبلیغ اور تعلیم و تلقین صرف مجالس کی حد تک محدود نہیں تھی بلکہ آپ جس محفل میں شریک ہوتے دینی ارشادات کا ایک سلسلہ شروع ہو جاتا، اور ہر محفل کی مناسبت سے ایسے ہلکے پھلکے موضوعات کا انتخاب فرماتے جو اس خاص ماحول

میں سننے والے پر بار نہ ہوں' اور کوئی نہ کوئی دین کی بات کان میں پڑ جائے۔" حضرت والاؒ نے تبلیغ اور خیر خواہی کے جذبے کے تحت یہ محسوس فرمایا کہ اب قلب صادق کا انتظار کیا گیا تو کتنے لوگ محروم ہی رہ جائیں گے۔ اس لئے انہوں نے اپنے پاس آنے والوں میں طلب پیدا کرنے کی ذمہ داری بھی خود ہی اٹھالی' آپ جانتے تھے کہ یہ لوگ جدید دور کی حواس باختہ زندگی میں پھنسے ہوئے ہیں۔ اس لئے جتنا تھوڑے سے تھوڑا وقت بھی کوئی شخص دین کے لئے نکال لے' اسی کو غنیمت سمجھ کر اسے ایسی باتیں بتادی جائیں جو اس کی زندگی پر اثر انداز ہوں چنانچہ جب کبھی بے تکلف شخص سے ملاقات ہوتی' آپ از خود فرماتے کہ "بھئی آجایا کرو۔ اگر ہمیشہ موقع نہ ملے تو جب بھی موقع ملے آجایا کرو۔" کبھی فرماتے "بھائی' ہم سے ہماری کچھ باتیں سن لو' کان میں پڑ جائیں گی تو انشاء اللہ کبھی کام آئیں گی۔" کبھی فرماتے کہ "یہ باتیں شاید اب کہیں سننے کو نہ ملیں' ہماری زبان سے سن لو" اور اکثر یہ شعر پڑھا کرتے ۔

مجھ سے سن لو جو سننا ہے غم کی داستان میری
کہاں سے لائیے گا پھر کوئی دل میرا زبان میری"

اسی لئے بار بار متوجہ کرتا ہوں کہ یہی باتیں سن لو جو کتابوں میں نہیں ملیں گی' بعض لوگ میری اس بات کو تعلی پر محمول کرتے ہیں' اچھا بھئی جو چاہو سمجھو لیکن یہ باتیں سن لو' یہ نہ دیکھو کہ کون کہہ رہا ہے؟ یہ دیکھو کیا کہہ رہا ہے۔"[1]

تربیت بذریعہ مکاتیب

سالکین کی تعلیم و تربیت اصلاح کا ایک طریقہ کار مکاتیب بھی ہوتا ہے۔ سالک اپنی حالت' اشکال اور مسائل کو خطوط کے ذریعہ اپنے شیخ کو مطلع کرتے ہوئے رہبری حاصل کرتا ہے۔ اس طریقہ کار کی بنیاد پر حضرت عارفیؒ کے مریدین' سالکین'

---

[1] ماہنامہ البلاغ کراچی۔ اشاعت خصوصی صفر تا ربیع الثانی ۱۴۰۷ھ ص ۲۶، ۲۷

متوسلین، خطوط تحریر کرتے تھے اور آپ سالک کے حسب حال اپنے جوابات کے ذریعہ اس کی اصلاح اور تعلیم وتربیت فرمایا کرتے تھے۔ روزانہ کثیر تعداد میں خطوط آتے اور آپ گوناگوں مصروفیات کے باوجود اسی روزان خطوط پر تحریر فرما کر واپس کرتے تھے۔ بعض وقت اصلاحی پہلو کو مدنظر رکھتے ہوئے آپ نے طویل خطوط بھی تحریر فرمائے ہیں۔ اس قسم کا ایک خط مورخہ ۳/مارچ ۱۹۷۰ء اپنے ایک معتقد کو لکھا۔ یہ خط بینات، کراچی کے ذیقعدہ ۱۴۰۰ھ کے شمارہ میں "مکتوب تسکین معروف بہ تسکین القلوب" کے زیر عنوان شائع ہوا جو حسب ذیل ہے۔

مکتوب تسکین (معروف بہ تسکین القلوب)

"آپ نے پچھلے خطوط میں بھی اور اس خط میں بھی پھر اس بات کی تکرار فرمائی ہے کہ "زندہ ہوں مگر زندگی سے بیزار ہوں۔ نیز یہ کہ "شاد باید زیستن ناشاد باید زیستن"

آپ کا یہ انقباض زندگی میرے مذاق حیات پر ہمیشہ گراں گزرتا ہے اس کے متعلق پہلے خطوط میں اظہار خیال کر بھی چکا ہوں۔ میں یہ بھی کہتا ہوں کہ اگر یہ ایام زندگی شاق ہیں تو پھر اس کا تدارک کیا ہے اگر شاد باید زیستن اپنے اختیار میں نہیں تو ناشاد باید زیستن بھی اپنے اختیار میں نہیں ہے ؎

مرگ بے ہنگام فانی وجہ تسکین ہوچکی
زندگی سے آپ گھبراتے ہیں، گھبرایا کریں

آپ زندگی سے ہزار بیزار رہیں مگر یہ زندگی مستعار اسی وقت ختم ہوگی جو اس کے لئے وقت مقرر ہے لیکن اب سوچنا یہ ہے ؎

اب تو گھبرا کے یہ کہتے کہ مرجائیں گے
مر کے بھی چین نہ پایا تو کدھر جائیں گے

آخرت میں مرنے کے بعد چین ملنے کا کیا سامان یقین ہے اور اگر یقین ہے تو اس

یقین کی بنیاد یہی تو ہو سکتی ہے کہ اللہ تعالیٰ غفور الرحیم ہیں مگر انہوں نے اپنی مغفرت و رحمت کے لیے کچھ شرائط بھی تو مقرر کئے ہیں 'کیا آپ کو یہ یقین ہے کہ وہ شرائط آپ نے کماحقہ' پورے کر لیے ہیں یا محض گمان ہی گمان ہے اس لئے ان شرائط کو پورا کرنے کے لئے اہتمام بلیغ کی ضرورت ہے اور وہ اہتمام اسی طرح ممکن ہے جیسا کہ ذیل میں مذکور ہے اس لئے اپنی اس ذہنی حالت کو بدلئے اور مہلت یافتہ وقت کو غنیمت سمجھئے اور پھر ؎

گر تو نمی پسندی تغیر کن قضا را

ایک بار لکھنو میں واقفؔ لکھنوی سے ملاقات ہوئی۔ میں نے ان سے فرمائش کی قبلہ کوئی ایسا شعر سنائیے جو آپ کی یاد کے ساتھ ہمیشہ یاد رہے تو انہوں نے یہ شعر سنایا؎

وابستہ تھے اسی سے سب لطف زندگی کے
رخصت ہوئی جوانی اب کیا کریں گے جی کے

گویا اس شعر نے آپ کے مذاق زندگی کی ترجمانی کی یعنی آپ پیری میں بھی جوانی کی زندگی بسر کرنا چاہتے ہیں اور جب وہ نصیب نہیں تو اس کے فقدان پر زندگی کو قابل عبرت سمجھتے ہیں اور میرا مذاق زندگی یہ ہے ؎

ہر چند پیر خستہ و بس ناتواں شدم
آنگہہ نظر بہ روئے تو کردم جواں شدم

میں جو محسوس کرتا ہوں وہی بات عرض کروں گا آپ خواہ سمجھیں یا نہ سمجھیں۔ میرا وجود میرے خالق حقیقی کی عطا ہے اور اس کے ساتھ ہر آن ان کی شان ربوبیت متصرف ہے یعنی وہ میرے وجود کے رب ہیں اور میں ہمہ وقت ان کی آغوش رحمت میں پرورش پا رہا ہوں اور اس عارضی حیات میں حیات آخرت کے لئے جتنے لوازمات بشری' ایمانی اور روحانی کی ضرورت ہے میرا رب ہمہ وقت اس سے میری پرورش فرما رہا ہے۔ نابالغی کے زمانے تک اس نے اپنی شان پرورش کو ماں باپ کے ذریعہ سے پورا فرمایا پھر

بالغ ہونے سے تادم آخر براہ راست اپنی پرورش میں لے لیا کیونکہ اب اپنے حقیقی پرورش کرنے والے کا علم اور معرفت حاصل کرنے کے لئے فہم اور قابلیت بالغ ہونے لگتی ہے اور ایسا علم و معرفت حاصل کرنا اس پر واجب ہو جاتا ہے۔ الحمد للہ کھلی آنکھوں نظر آتا ہے کہ جسمانی پرورش کے لیے طرح طرح کے سامان مہیا فرمادیئے ہیں۔ راحت عزت اور عافیت سب کا پورا پورا سرمایہ ہر وقت موجود ہے۔

جب میں اپنی نادانی سے بدپرہیزی کرلیتا ہوں اور صحت کو نقصان پہنچالیتا ہوں تو اس کے لئے طبیب اور دواؤں کا انتظام موجود رہتا ہے۔ جب میں اپنے راحت کے سامانوں میں کوئی نقصان پہنچالیتا ہوں تو اس کی تلافی مافات بحسن و خوبی اپنے وقت پر ہو جاتی ہے۔ اسی طرح جب میں اپنی روحانی اور ایمانی صحت کو اپنی غفلت کی وجہ سے نقصان پہنچالیتا ہوں تو اس کی تلافی کے لئے اپنی شان رحمت سے بہت سی تدبیریں بتادی ہیں اور ان پر عمل کرنے کی تاکید فرمائی ہے اور اس پر شفا کا وعدہ فرمایا ہے۔ اس طرح میری پرورش روحانی برابر ہو رہی ہے جیسے جیسے عمر بڑھتی جاتی ہے اور فطری و بشری ضعف و نقاہت و معذورات کا اضافہ ہوتا جاتا ہے اسی طرح ان کے انداز پرورش میں حسب ضرورت تغیر و تبدل بھی ہوتا رہتا ہے۔ یہ جسمانی انحطاط ایک فطری امر ہے اور بشریت کے لوازمات میں ہے اور جو آخر عمر تک اضافہ پذیر ہوتا رہتا ہے لیکن بقائے قوت روحانی اور ایمانی جو حیات دنیوی کے لئے بھی ضروری ہے اور حقیقت سرمایہ آخرت ہے اس کے قائم رکھنے کے لئے بھی اللہ تعالیٰ اپنی شان ربوبیت سے ہر حال میں ہمارے لئے ہر ضروری چیز مہیا فرمادیتے ہیں چنانچہ جب جسمانی انحطاط پیدا ہو جاتی ہے تو بہت سے ظاہری اعمال یعنی فرائض و واجبات سے بھی ہم کو غیر مکلف بنادیا جاتا ہے مگر باطنی اعمال کا اہتمام اور شدید و قوی کر دیا جاتا ہے اس لئے اس حیات دنیوی میں خواہ کتنا ہی انحطاط اور ضعف جسم میں ہو جاتا ہے اعمال باطنی میں قوت پیدا کرنے کی ضرورت ہے اور وہ اعمال باطنی کیا ہیں؟

یہ وہ اعمال ہیں جن سے روح کو اور ایمان کو قوت پہنچتی ہے اور اپنے رب حقیقی کے شان ربوبیت کی معرفت حاصل ہوتی ہے اور اعظم الغایات جنت میں جانے کی صلاحیت اور قابلیت پیدا ہوتی ہے اور اس کا حاصل کرنا ہر مومن پر فرض ہے۔ اعمال باطنی سے قبل یہ بات سمجھئے کہ اس وقت آخر عمر میں حالات زندگی کیا ہیں' یہی ہیں کہ دل کمزور' دماغ کمزور اور اعصاب کمزور' ہاضمہ کمزور غرض کہ تمام اعضاء رئیسہ کمزور طبیعت میں پست ہمتی اور طاقت کا فقدان اور اس کے ساتھ ساتھ مختلف افکار اور پریشانیاں' کچھ اپنا وجود قائم رکھنے کے لئے اور اعزہ اور احباب کے متعلق فکر و اہتمام' اس کے علاوہ اپنوں غیروں سے کچھ تلخیاں' کچھ ناگواریاں' کچھ صدمات' کچھ سانحات کے اثرات وغیرہ وغیرہ' لیکن میری اس زندگی پر متصرف کون ہے' کس کی مشیت میرے ساتھ وابستہ ہے؟ میرے ہی پروردگار کی مشیت کار فرما ہے جو بہت ہی بڑے رحیم و رحمان ہیں اور حکیم علی الاطلاق ہیں جو میرے وجود کی پرورش فرما رہے ہیں۔ اب اس عمر میں جسمانی قوی کی پرورش اسی قدر کافی ہے کہ جب تک ان کی مشیت میرے جسمانی وجود قائم رکھنے کے لئے ہے لیکن حیات آخرت کے لئے روحانی پرورش نہایت ضروری اور اشد ہے۔ یہ میری موجودہ جسمانی انحطاط کی حالت سب اسی روحانی پرورش کا ساز و سامان ہے۔ یعنی اسی پر احساس زندگی اور احساس بندگی منحصر ہے اور یہی عالم' عالم عجز و نیاز ہے جبکہ مسلمان اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَ اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ کا مصداق بنتا ہے۔

ایام جوانی میں جبکہ مجھ کو اپنی حیات روحانی کو قوی بنانے کے امکانات زیادہ تھے اور جسمانی طاعات و عبادات سے روح اور ایمان کو تقویت پہنچائی جا سکتی تھی وہ وقت میں نے بڑی غفلت سے بسر کیا اور نفس و شیطان سے مغلوب ہو کر اپنی روح اور ایمان کو ضعیف اور مضمحل کر ڈالا۔ روح اور ایمان کی بقاء و قوت سے ناواقف رہا۔ اب میں یہ دیکھتا ہوں کہ میرے پروردگار نے اس حالت ضعیفی میں جن مجبوریوں میں اور معذورات میں مجھ کو مبتلا کیا ہے یہ کس قدر رحمت و شفقت کا معاملہ ہے جس کا اندازہ بھی نہیں کیا

جاسکتا۔ جسمانی انحطاط تو قانون قدرت کے مطابق ہونا ہی چاہئے تھا۔روح میں ترقی و قوت یہ بھی تقاضائے فطرت ہے۔کیونکہ یہ روح کی قوت و صحت سرمایہ آخرت ہے۔جو مقصود و غایت کائنات سے حیات انسانی ہے۔اب یہ اس زمانے میں جبکہ جسم میں انحطاط ہے اور اعمال جسمانی کے لئے معذورات ہیں تو پھر اعمال باطنی کی سخت ضرورت ہے تاکہ روح اپنی غذا قوت و بقاء حاصل کر سکے۔یہی اعمال باطنی ہیں جس کا میں نے اوپر ذکر کیا ہے اور وہ یہ ہیں صبر و شکر 'استغفار وغیرہ۔اب یہی شکر ہے جو ابتداء ہی سے جس کا ادا کرنا ہم پر واجب ہے اور اس کا ہم نے ایام شباب میں اور آج تک حق ادا نہیں کیا اور ہماری روح اس غذائے خاص سے محروم ہی رہی۔یہی صبر ہے جس کی اہمیت ہم نے کبھی نہ سمجھی اور ہمیشہ بے صبری اور حالات ابتلا میں شکوہ و شکایت کی عادت رہی 'یہی استغفار ہے کہ جس کی اہمیت ہماری نظر میں کبھی نہیں ہوئی اور ہماری روح مختلف قسم کے معاصی سے مجروح اور مضمحل ہوتی رہی۔اب یہ وقت جبکہ ہمارا وجود ابھی قائم ہے ان تمام نقصانات کی تلافی کا ابھی وقت ہے۔ورنہ یقیناً انجام آخرت کے لحاظ سے خسران عظیم ہے۔ان تمام امور کی اہمیت اور ضرورت روح کی پرورش کے لئے اس قدر اشد ہے کہ یہ تینوں امور ہم پر واجب کر دیئے گئے ہیں۔

ان امور کی تفصیل زیادہ طویل ہوگی اس لئے مختصر بات یہ ہے کہ صبر و شکر اور استغفار کا مراقبہ اور استحضار دائماً و التزاماً کیا جائے۔تاکہ روح کی پرورش کی تکمیل ہو اور وہ اپنا مقام فطری حاصل کرے اور اگر یہ ہر وقت ممکن نہ ہو تو کچھ وقت مقرر کیا جائے ان امور کا استحضار و تکرار کیا جائے۔انشاءاللہ جس قدر بھی اہتمام کیا جائے گا قلب اور روح کی صلاحیتیں اور استعداد درست ہوں گی اور مقصود حیات حاصل ہوگا۔ مثلاً شکر کے مراقبے کے لئے یہ چند امور پیش نظر رکھے جائیں مثلاً بغیر کسی استحقاق کے دولت اسلام و ایمان کا حاصل ہونا 'ماں باپ کے آغوش شفقت میں پرورش پانا 'علوم ظاہری کی تعلیم و تربیت کا ہونا ذریعہ معاش کا بقدر کفایت آسانی سے

میسر ہونا پھر اپنے اعضائے جسمانی کا صحیح اور درست ہونا اور اسی طرح ہزاروں نعمتیں جو ہمارے گردو پیش ہمہ وقت موجود رہی ہیں ان کا استحضار کرنا اور اپنے ماحول زندگی کا اکثر و بیشتر حسب دل خواہ ہونا۔

اسی طرح امور صبر پر غور کیا جائے مثلاً اپنے جسم کی غیر اختیاری مجبوریاں ' بیماریاں، خاطر خواہ سامان راحت کا فقدان 'ماحول کے اثرات ' دوسروں کے معاملات میں ناگواریاں ' تلخیاں وغیرہ وغیرہ ان سب کو منجانب اللہ سمجھ کر صبر کرنا اور اللہ تعالی کی رضا پر راضی رہنا اور صبر کرنے والوں کے لئے جو اللہ تعالی نے وعدے فرمائے ہیں ' اپنی معیت رحمتوں اور مغفرتوں کی بشارتیں 'ان کا طلب گار اور امیدوار رہنا......اور ان امور کو کفارہ سیئات اور رافع درجات ہونے کا یقین رکھنا۔اسی طرح اسغفار کو اپنا شعار زندگی بنانا۔اپنی پچھلی زندگی میں جن غفلتوں، معصیتوں، کوتاہیوں اور حق تلفیوں کا ارتکاب ہو چکا ہے اس کی تلافی مافات کا اہتمام کرنا اور جس کی تلافی ناممکن ہو اس کے لئے توبۃ النصوحہ اور اللہ تعالی کی مغفرت مانگنا اور پناہ مانگنا اللہ تعالی کی دین و دنیا کے فتنوں سے ' انقلابات کے نقصانات سے 'ارضی و سماوی آفات وحادثات سانحات اور آفات ناگہانی سے پناہ مانگنا بھی عبادت ہے۔اور یہی سب کچھ سرمایہ آخرت ہے جس کے مہیا کرنے کے لئے ہم مکلف ہیں۔

ان اعمال باطنی کے ساتھ ساتھ اس ضعیفی کی حالت میں جس قدر بھی توفیق ہو اور جس قدر بھی تحمل ہو تو کچھ نوافل اور کچھ ذکر لسانی کا اہتمام رکھنا بھی ضروری ہے۔ مسنونہ نمازیں ' تہجد 'اشراق ' چاشت 'اوابین اور صلوۃ التسبیح 'اس کے علاوہ جس قدر آسانی سے تلاوت کلام ممکن ہو ورنہ جس قدر آیات قرآنی زبانی یاد ہوں ان کا ورد رکھنا بھی بڑی سعادت کی بات ہے۔اس کے علاوہ ذکر لسانی ' تسبیحات مسنونہ کثرت سے ' استغفار کثرت سے ' ورد کلمہ طیبہ اور درود شریف اور جب کبھی موقع ملے اپنی ضروریات ' اپنی احتیاج ' اپنی مشکلات اور اپنی پریشانیوں کے متعلق دل ہی دل میں اللہ تعالی سے باتیں

کرنے کی عادت ڈالی جائے اور اپنے والدین ' آباء واجداد اور اپنے دوست احباب جن کا انتقال ہو چکا ہے ان کے لئے دعائے مغفرت اور ایصال ثواب کا اہتمام بھی التزاماً رکھا جائے۔ یہ بھی ادائے حق محبت کے لئے ہم پر واجب ہے اور یہی وقت مہلت جو ہم کو نصیب ہے ' یہ حق محبت ادا کر کے ہم کو سعادت اخروی حاصل کرنا ہے اور اگر توفیق ہو تو دینی کتابوں کا مطالعہ اور دینداروں کی صحبت بہترین رفیق زندگی ہے۔

ضعیفی اور انحطاط عمر کا زمانہ خود ایک ایسی حالت ہے کہ ایک مومن سراپا مورد رحمت الٰہی بن جاتا ہے۔ ایسی حالت میں کہ جب کچھ نہ بن پڑے ' صرف معاصی سے بچتا رہے۔ تو اس کا خاموش رہنا ' معمولی ' ضروریات کیلئے چلتے پھرتے رہنا ' یہاں تک کہ سوتے رہنا بھی عبادت میں شمار ہوتا ہے۔ یہ لمحات بہت ہی مغتنم ہیں اور ہر لمحہ افزائش سرمایہ آخرت ہے۔ گو کماحقہٗ پورا نہ ہو پھر بھی قابل ہزار شکر ہے۔ اگر اس وقت کی ناقدری کی گئی جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل وکرم سے بطور مہلت ہم کو عطا فرمایا ہے حقیقۃً یہ بڑی کفران نعمت ہے اور خسران عظیم ہے۔ کیونکہ سمجھنے کی بات ہے کہ جب اللہ تعالیٰ حکیم علی الاطلاق ہیں اور ہمارے رحیم وکریم مربی ہیں ' پھر یہ ہماری حالت شکستہ اور تکالیف جسمانی اور دماغی افکار و پریشانی جس میں ہم مبتلا ہوتے رہتے ہیں مشیت الٰہیہ کا یہ فعل عبث تو نہیں ہے بلکہ یقیناً اور حقیقۃً یہ لمحات زندگی امور متذکرہ بالا ہی کے واسطے ہم کو عطا کیے گئے ہیں تاکہ ہمارا مقصود حیات اور روح کی صلاحیتوں کی تکمیل بدرجہ اتم ہو جائے تاکہ وہ حیات ابدی وسرمدی کے لئے سرمایہ خاص بن جائے۔

اس حقیقت کو جان لینے کے بعد اور اچھی طرح سمجھ لینے کے بعد ہر لمحہ حیات کو غنیمت اور اہم سمجھنا چاہیے اور صبر و شکر کے تقاضوں کو پورا کرتے رہنا چاہیے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے خود اپنے رحم وکرم سے اس عمر کی اہمیت کی طرف متوجہ فرمایا ہے کہ آخر وقت یعنی نزع کی حالت میں ہوش میں آنے کے بعد بندہ یوں کہتا ہے کہ رَبِّ لَوْ لَا اَخَّرْتَنِیْ اِلٰی اَجَلٍ قَرِیْبٍ فَاَصَّدَّقَ وَاَکُنْ مِّنَ الصّٰلِحِیْنَ لیکن اس وقت تمنا بندے

کے لئے لاحاصل ہے۔ مگر ہم کو یہ مہلت دی گئی جو قابل ہزار شکر ہے۔ اس کو انعام الٰہی سمجھیں اور اس کا شکر کثرت سے ادا کرتے رہیں ؎

خیرے کن اے فلان و غنیمت شمار عمر
زاں پیشتر کہ بانگ بر آید فلاں نماند

وَمَا تَوْفِيْقِي اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِي الْعَظِيْم [1]

حضرت عارفیؒ بذریعہ مکتوبات ایک سالک کی کس طرح تعلیم فرماتے تھے اس کے متعلق امان اللہ نعمانی صاحب (مقیم وزیر آباد' گوجرانوالہ' پنجاب) جنہوں نے حضرت والا سے کبھی ملاقات نہیں کی بلکہ آپ کی کتب سے استفادہ کرتے ہوئے تجدید بیعت کیا اور مکاتبت کے ذریعہ اصلاح کی۔

نعمانی صاحب نے بذریعہ خط حضرت عارفیؒ سے تجدید بیعت کے بعد مکاتبت کا سلسلہ شروع کیا۔ انہوں نے ان خطوط کے کچھ اقتباسات تحریر فرمائے ہیں جن میں سے کچھ حسب ذیل ہیں۔

ایک خط کے جواب میں حضرت عارفیؒ نے تحریر فرمایا:

"مسلسل مکاتبت سے آپ کے قلب کا اندازہ ہوا دعائے تکمیل مقاصد دین کرتا ہوں۔ اس کے حصول کا طریقہ یہ ہے کہ ضابطہ کے ساتھ عمل کیا جائے۔ یہ ضابطہ آپ کو مآثر حکیم الامتؒ اور بصائر حکیم الامت کے مطالعہ سے انشاء اللہ تعالیٰ واضح ہو جائے گا پھر اہتمام عمل کی ضرورت ہے۔ اس میں اگر کوئی دشواری ہو تو اپنے مصلح سے رجوع کیا جائے انشاء اللہ کامیابی عادۃً ہو جاتی ہے۔

ایک عریضہ کے جواب میں آپ نے تحریر فرمایا:

"آپ کے خط سے آپ کی طلب صادق معلوم ہو کر خوشی ہوئی۔ اپنے حالات اور دریافت طلب امور ضرور تحریر کرتے رہیے انشاء اللہ دین کی مناسبت بڑھے گی اور نفع ہو گا۔"

---

[1] ماہنامہ بینات کراچی ذیقعد ۱۴۰۰ھ ص ۴۶ تا ۵۱

ایک بار آپ نے تحریر فرمایا:

"جی چاہتا ہے 'اپنی تسکین کے لیے' آپ سے پوچھوں کہ اس ناکارہ کے تعلق سے اب تک آپ کو کیا نفع ہوا۔"

(اس استفسار پر) احقر (نعمانی صاحب) نے آپ کی خدمت میں عرض کیا:

"اللہ گواہ ہے کہ احقر کو بے بہا روحانی دولت نصیب ہوئی ہے۔ جب سے آپ سے تعلق ہوا ہے قلب کی حالت تبدیل ہو چکی ہے۔ آپ کی یہ ایسی کرامت ہے جو اظہر من الشمس ہے۔ احقر کھلی آنکھوں اور قلب کی آنکھوں سے ہر لمحہ آپ کی برکات دیکھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب علیہ الصلوٰۃ و السلام کے صدقے میں آپ پر خصوصی فضل و کرم اور رحمت کیا ہوا ہے 'اس فضل و کرم اور رحمت کے قطرے احقر پر بھی پڑتے دکھائی دیتے ہیں۔ آپ کے چشمہ فیض سے احقر بھی فیضیاب ہو رہا ہے۔"[۱]

---

[۱] امان اللہ نعمانی ۔ مکتوب بنام سید ریاض الدین

حضرت عارفیؒ کا سفر اسلام آباد اور لاہور

از حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی مد ظلہم

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

حضرت عارفی کے صاحبزادہ بھائی حسن عباس صاحب اور پوتے انس اور حارث میاں ان تینوں کی خواہش تھی اور میرے دل میں بھی یہ تقاضہ تھا کہ اپنے پیر و مرشد و محسن حضرت ڈاکٹر محمد عبدالحیؒ عارفی صدیقیؒ کے ان تینوں سفروں کا حال بیان ہو جو انہوں نے صدر پاکستان جناب ضیاء الحق صاحب شہید کی دعوت پر پنڈی اور لاہور میں فرمائے تھے ۔ یہ سفر چونکہ دینی اور تربیتی لحاظ سے بہت عبرت و موعظت کے سامان اپنے اندر رکھتے ہیں اس لیے حضرت ڈاکٹر صاحبؒ کی خواہش تو تھی کہ ان تینوں سفروں کے واقعات قلم بند کیے جائیں اور شایع ہوں لیکن وہ یہ فرماتے تھے کہ میری زندگی میں اس کی اشاعت مناسب نہیں۔اس وقت ارادہ تھا کہ ان کو قلم بند کر لیا جائے لیکن موقع نہ مل سکا اب جبکہ حضرت ڈاکٹر صاحبؒ بھی اللہ کو پیارے ہو چکے ہیں اور صدر پاکستان بھی دار فانی سے کوچ فرما چکے ہیں اب کوئی مانع ان واقعات کو بیان کرنے اور ان کی اشاعت میں نہیں ہے اس لیے جو کچھ اس سفر کی تفصیلات یاد ہیں عرض کرتا ہوں۔

پہلا سفر

سب سے پہلا سفر پنڈی کا ہوا تھا اور اسی سفر میں حضرتؒ سے صدر ضیاء الحق صاحب کی پہلی ملاقات ہوئی۔اس کا واقعہ یہ ہوا کہ مولانا ظفر احمد انصاری صاحبؒ کا فون اسلام آباد سے برادر عزیز مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب کے پاس آیا اور انہوں نے صدر پاکستان کا یہ پیغام دیا کہ میری بیٹی کا نکاح ہے۔میرا نکاح حضرت مفتی محمد حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ (بانی جامعہ اشرفیہ لاہور) نے پڑھایا تھا اور میرے چھوٹے بھائی کا

نکاح حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے پڑھایا تھا اور اپنی اولاد میں سے کسی کا ذکر کیا کہ ان کا نکاح حضرت حاجی محمد شریف صاحب رحمۃ اللہ علیہ (ملتان) نے پڑھایا تھا۔ یہ تینوں بزرگ حضرت حکیم الامت تھانویؒ کے خلیفہ تھے اور اب میری بیٹی کا نکاح ہے میری یہ خواہش ہے کہ اس کا نکاح بھی حضرت تھانویؒ کے خلیفہ ہی پڑھائیں اس لیے میری درخواست حضرت ڈاکٹر صاحب کی خدمت میں پہنچادی جائے کہ اگر ممکن ہو اور اس سفر کا تحمل فرما کر تشریف لا سکیں تو میرے لیے بڑی سعادت ہو گی۔ سفر کے انتظامات انشاءاللہ اس طرح کیے جائیں گے کہ حضرت والا کو تکلیف نہ ہو۔ حضرت اپنے ساتھ جن خدام کو لانا پسند فرمائیں وہ بھی ضرور لے آئیں۔ جب فون پر یہ پیغام موصول ہوا تو مولانا محمد تقی عثمانی صاحب نے مجھے بتایا اور ہم دونوں حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ یہ پیغام سن کر حضرت سوچ میں پڑ گئے ایک طرف یہ صورت حال تھی کہ حضرت کو حکام کے پاس جانے اور ان سے روابط قائم کرنے کا نہ صرف یہ کہ شوق نہ تھا بلکہ اسے اپنے لیے مناسب بھی نہیں سمجھتے تھے اور طبعاً بھی آپ کو اس سے بہت انکار تھا اور دوسری طرف دعوت پر حوالہ تھا حضرت تھانویؒ کی نسبت کا جس کا تقاضا یہ تھا کہ دعوت کو قبول کر لیا جائے نیز یہ بھی توقع تھی کہ اس ملاقات کے ذریعہ صدر پاکستان کے کانوں میں بزرگوں اور اللہ والوں کی باتیں پڑ جائیں اور ان کو کچھ دین کا فائدہ پہنچ جائے۔ کافی غور و فکر کے بعد فرمایا کہ "بھئی انہوں نے ہمارے حضرت کی محبت کا ایسا ذکر کر دیا ہے کہ اب انکار کرنے کی بھی ہمت نہیں ہوتی پھر وہ ہمیں صرف اسی نسبت کی وجہ سے بلا رہے ہیں کوئی دنیاوی مقصد تو ہے نہیں، کوئی سیاسی مقصد بھی نظر نہیں آتا۔ مجھے بلا کر وہ کیا سیاسی مقصد حاصل کریں گے کچھ بھی نہیں۔ اس لیے اللہ کے نام پر قبول کرتا ہوں اس شرط کے ساتھ کہ تم دونوں بھائی میرے ساتھ چلو بلکہ یہ الفاظ فرمائے کہ بھئی انہوں نے خدام کو ساتھ لینے کو کہا ہے اگر تم دونوں خادم بننے کے لیے تیار ہو تو میں بھی تیار ہوں۔ ہم دونوں نے عرض کیا کہ ہمارے لیے اس سے

بڑی اور کیا سعادت ہوگی کہ حضرت کی خدمت کا موقع ملے"۔ پروگرام طے ہوگیا۔ صدر پاکستان کی ہدایت پر فوج کے ایک کرنل جو کراچی چھاؤنی میں مامور تھے حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے اور پروگرام کی تفصیل طے ہوگئی۔ روانگی کے دن مقررہ وقت پر ہم دونوں بھائی حضرت کے دولت خانے پر حاضر ہوگئے اور حضرت والا کے ساتھ ائیرپورٹ پہنچے۔ سب سے اگلی سیٹیں حضرت اور ہم دونوں کے لیے مخصوص کی گئی تھیں۔ جہاز نے شام چار بجے پرواز کی۔

ہمیں بتایا گیا تھا کہ اسلام آباد کے "سندھ ہاؤس" میں قیام کا انتظام کیا گیا ہے اور ائیرپورٹ پر صدر صاحب کے ملٹری سیکریٹری لینے آئیں گے ۔ لیکن جب مغرب کے بعد طیارہ اسلام آباد ائیرپورٹ پر اترا تو اچانک جہاز میں کھلبلی سی پھیل گئی اور عملے کے لوگ آگے پیچھے دوڑتے نظر آئے اور پی آئی اے کے ایک افسر نے آکر حضرت کی خدمت میں عرض کیا کہ صدر پاکستان خود آپ کے استقبال کے لیے سیڑھی کے پاس موجود ہیں۔

ہم حضرت کے ساتھ نیچے اترے تو صدر پاکستان سیاہ شیروانی اور گول سفید ٹوپی پہنے حضرت کے استقبال کے لیے کھڑے ہوئے تھے جہاز سے اترنے کے بعد صدر صاحب پہلے حضرت سے اور ان کے بعد ہم دونوں سے بغل گیر ہوئے اس کے بعد ایک کار میں پچھلی سیٹ پر صدر پاکستان اور ہمارے مرشد و محسن حضرت ڈاکٹر صاحبؒ تشریف فرما ہوئے۔ میں ڈرائیور کی برابر والی سیٹ پر بیٹھ گیا دوسری کار میں مولانا تقی عثمانی صاحب اور صدر پاکستان کے ملٹی سکریٹری اور ہم تینوں کا سامان تھا۔ معلوم ہوتا تھا کہ صدر پاکستان کسی پیشگی پروگرام کے بغیر ائیرپورٹ اچانک آئے تھے۔ اس لیے ائیرپورٹ کے اور سیکورٹی کے عملے میں اچھی خاصی بھاگ دوڑ اور ہل چل سی مچی ہوئی تھی۔

صدر پاکستان کی گاڑی ائیرپورٹ کے احاطے کے باہر نکلی تو صدر پاکستان نے گفتگو کا آغاز اس طرح کیا۔

حضرت یہاں سردی کراچی سے زیادہ ہے آپ کو یہاں کوئی تکلیف تو محسوس نہیں ہو رہی ہے؟

حضرت: "الحمدللہ کوئی تکلیف نہیں بہت آرام سے ہوں"۔

ضیاءالحق صاحب: یہاں ماشاءاللہ موسم بہت اچھا ہے بارش بھی ہوئی ہے۔ کراچی میں موسم کا کیاحال ہے؟

حضرت: وہاں معمولی سردی ہے۔

یہ دسمبر کا مہینہ تھا حضرت نے صدر صاحب سے پوچھا" آپ کی ملاقات کبھی حضرت حکیم الامتؒ سے ہوئی ہے؟"

ضیاءالحق صاحب: میں خود تو تھانہ بھون حاضر نہیں ہو سکا جس کا مجھے بے حد افسوس رہا لیکن میرے بہنوئی جناب سردار صاحب حضرت سے بہت خاص تعلق رکھتے تھے' اور ان کی خدمت میں حاضر ہوتے رہتے تھے' ان کی طرف سے حضرت کی بہت سی ہدایات کانوں میں پڑتی رہی ہیں۔ اس کے علاوہ میں حضرت مفتی محمد حسن صاحب رحمۃاللہ علیہ کی مجالس میں بھی حاضر ہوتا رہا ہوں۔ یہاں بھی حضرت کے ملفوظات اور ارشادات سننے کو ملتے تھے۔ میرا نکاح بھی حضرت مفتی محمد حسن صاحب رحمۃاللہ علیہ نے پڑھایا تھا اور میرے بھائی کا نکاح حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃاللہ علیہ نے پڑھایا تھا اس لیے میرا دل چاہا کہ میری بیٹی کا نکاح آپ پڑھائیں۔ آپ کا بڑا ممنون ہوں کہ آپ نے اس طویل سفر کو اس ناچیز کی درخواست پر قبول فرمایا۔"

اسی طرح باتیں کرتے کرتے گاڑی ایوان صدر میں داخل ہوئی تو انہوں نے فرمایا کہ "حضرت یہ ایوان صدر ہے' میں خود تو یہاں نہیں رہتا لیکن حضرت کو یہاں اس واسطے لایا ہوں اور حاجی محمد شریف صاحب رحمۃاللہ علیہ کو بھی یہیں ٹھہرایا ہے کیوں کہ پیش نظر یہ تھا کہ بزرگوں کی برکت کچھ اس عمارت کو بھی حاصل ہو جائے۔ اور آپ حضرات کے قیام سے یہاں کے لوگ بھی مستفیض ہو جائیں"۔

گاڑی عمارت کے سامنے رکی ایک طرف صدر صاحب اور دوسری طرف سے ہمارے حضرتؒ گاڑی سے اترے اور صدر صاحب حضرت کو سہارا دیتے ہوئے اپنے ساتھ عمارت میں کوریڈور سے گزر کر ایک الگ کمرے میں داخل ہوئے اور حضرت کو مسہری پر بٹھا کر ملتجیانہ انداز میں حضرت سے عرض کی کہ ابھی کچھ دیر باقی ہے' سات بجے نکاح کی تقریب اپنے مکان پر رکھی ہے اس وقت تک حضرت آرام فرمالیں۔ حضرت سے رخصت ہو کر ہم سے کہہ گئے کہ وقت پر ملٹری سکریٹری گاڑی لے کر حاضر ہو جائیں گے۔

حضرت نے کچھ دیر آرام فرمایا۔ آنکھیں بند کیے لیٹے رہے۔ تقی میاں اور میں سر کو سہلاتے اور پیر دباتے رہے۔ نیند تو کیا آتی لیکن حضرت کو خاصہ آرام ملا۔ حضرت نے کچھ دیر بعد فرمایا ''بھئی اب وقت ہونے والا ہے میں ذرا استنجا وغیرہ سے فارغ ہو جاؤں ''۔ ملحقہ غسل خانے میں تشریف لے گئے' وہاں انگریزی کموڈ تھا اس لیے حضرت والا کو طہارت میں مشکل پیش آئی' چڑھنے اترنے میں کافی تھکان ہو گیا۔ اور سانس پھول گیا۔ ہم نے چند منٹ کے لیے حضرت والا کو کمرے میں لا کر بستر پہ لٹا دیا۔ چند منٹ بعد وضو سے فارغ ہوئے تو ملٹری سکریٹری آگئے۔ گاڑی میں حضرت حاجی محمد شریف صاحب رحمۃ اللہ علیہ جو برابر کے کمرے میں مقیم تھے وہ بھی ہمارے ساتھ روانہ ہوئے۔ ایک گاڑی میں یہ دونوں بزرگ تشریف فرما ہوئے۔ اور دوسری گاڑی میں ہم دونوں بھائی بیٹھ گئے' ملٹری سکریٹری بزرگوں کے ساتھ تھے۔ صدر صاحب کی کوٹھی چند فرلانگ پر تھی۔ جب گاڑیاں کوٹھی میں داخل ہوئیں تو پورچ میں صدر صاحب منتظر تھے۔ انہوں نے بڑھکر خود حضرت کی گاڑی کا دروازہ کھولا اور دونوں بزرگوں کو اپنے ساتھ ڈرائنگ روم میں لے گئے۔ یہ ڈرائنگ روم زیادہ بڑا نہیں تھا، اس میں فرشی نشست تھی' تین تکیے دیوار سے لگے تھے' ایک دولہا کیلئے دوسرا حضرت ڈاکٹر صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے لیے' تیسرا حضرت حاجی محمد شریف صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے

لیے۔ کمرے میں زیادہ سے زیادہ بیس' پچیس آدمی تھے جن میں کچھ خاندان کے مرد تھے' کچھ سادہ کپڑوں میں فوج کے جنرل' کچھ وزراءاور زیادہ تر پنڈی کے علماء' قراءاور حفاظ قرآن تھے۔ بعض علماء کرام لاہور سے تشریف لائے تھے۔ حضرت کو تکیے کے ساتھ بٹھایا گیااور دوسرے تکیے کے ساتھ حاجی محمد شریف صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو۔ درمیان کا تکیہ دولہا کے لیے چھوڑا گیا تھا لیکن وہ خالی ہی رہا۔ کیونکہ دولہا تکیہ سے ہٹ کر بیٹھے تھے۔ صدر پاکستان دوزانوں ہو کر حضرت کے سامنے بیٹھ گئے۔ صدر صاحب میرے برابر میں بیٹھے تھے۔

حضرت نے نکاح پڑھایااور نکاح کے بعد دیر تک دعا فرمائی۔ اس دعا میں وہ تمام باتیں بھی آ گئیں جو آپ ضیاء الحق صاحب کو نصیحت کے طور پر کہنا چاہتے تھے۔ بڑی جامع اور اہم دعائیں تھیں، جو صدر صاحب کی دینی اصلاح کے لیے بھی تھیں، خاندان کے افراد کے لیے بھی، ان سب کے لیے دنیاو آخرت کی دعائیں بھی تھیں اور خیر و برکت کی دعائیں بھی تھیں اور ملک میں اسلامی نظام کی کامیابی کے لیے بھی، دولہا' دلہن اور گھریلو امور کے لیے بھی تھیں' اور ملکی و ملی کامیابی کے لیے بھی۔ دعا کے بعد عجیب پر کیف منظر تھا۔ حضرت کچھ ناصحانہ ارشادات فرمانے لگے۔ ضیاء الحق کے بھانجے عبدالرؤف صاحب جو لاہور میں واپڈا میں معمولی ملازم ہیں اور ماشاء اللہ شعائر اسلام کے پابند نوجوان ہیں۔ ہم لوگوں سے پرانا تعلق رکھتے ہیں، بہت سادگی سے رہتے اور سائیکل پر دفتر آتے جاتے ہیں، وہ انتظامات میں لگے ہوئے تھے۔ میں چونکہ صدر صاحب کے برابر میں بیٹھا ہوا تھا، اس لیے ساری باتیں کانوں میں پڑ رہی تھیں۔ ضیاء الحق صاحب نے عبدالرؤف صاحب کو اشارہ سے بلایا اور ان کے کان کے قریب منہ لے جا کر آہستہ سے کہا۔ "لڑکیوں کی آواز گھر میں سے آ رہی ہیں جا کر منع کر دو۔"

جیسے ہی یہ پیغام اندر گیا سناٹا چھا گیا۔ اس کے بعد عبدالرؤف صاحب کو اشارہ کر کے بلایا اور کہا "کھانے کا کمرے ہی میں فرشی نشست پر انتظام کیا گیا ہے، مناسب رہے گا نا؟"

عبدالرؤف صاحب نے کہا "جی ہاں۔" دستر خوان بچھانے گئے تو وہی تین تکیے یہاں لاکر رکھ دیئے گئے۔ یہ دونوں بزرگ ان تکیوں کی طرف جاکر بیٹھ گئے مگر کھانے کے وقت تکیہ لگاکر بیٹھنا خلاف سنت ہے اس لیے دونوں بزرگوں نے تکیہ نہیں لگایا۔ تکیے یوں ہی رکھے رہے اور صدر صاحب میرے برابر آکر حضرت کی طرف رخ کر کے دوزانو بیٹھ گئے۔ اور صدر صاحب دونوں بزرگوں کو کھانا نکال نکال کر پیش کرتے رہے۔ دائیں طرف مجھے اور بائیں طرف جو صاحب بیٹھے تھے ان کو بھی پیش کرتے رہے۔ کھانے کے دوران مجھ سے آہستہ سے پوچھا۔ حضرت کو ایوان صدر میں کچھ تکلیف تو نہیں ہے؟" میں نے کہا۔ "نہیں الحمدللہ کوئی تکلیف نہیں۔ آرام سے ہیں۔" پھر کہنے لگے۔ "وہاں بیت الخلاء ولایتی انداز کے ہیں ان سے حضرت کو تکلیف ہوتی ہوگی۔" میں نے کہا کچھ تکلیف تو ہوئی تھی' لیکن آپ کے دور میں امید ہے کہ انشاءاللہ یہ بیت الخلاء بھی پاکستانی ہوجائیں گے۔

کھانے کے دوران زیادہ تر سکوت رہا۔ میں نے موقع غنیمت سمجھ کر ان سے آہستہ سے کہا۔ ایک بات آپ سے عرض کرنا چاہتا ہوں کہ آپ اسلامائزیشن کے جس عظیم مشن کو لے کر چلے ہیں اس کے لیے ٹیم آپ کے ساتھ نہیں ہے۔" تو انہوں نے دبے لفظوں میں کہا۔ "ہاں یہ کمی ہے لیکن انشاءاللہ یہ بھی ٹھیک ہوجائے گا۔" کھانے سے فارغ ہوتے ہوتے یہ موضوع چھڑ گیا کہ مولانا محمد تقی عثمانی کو صدر ضیاء الحق نے اسلامی نظریاتی کونسل کا رکن بنایا تھا کہ کونسل اسلامی قوانین کے لیے سفارشات جلد سے جلد پیش کرے اور ان سفارشات کو قانونی شکل دے کر ملک میں نافذ کیا جائے۔ مولانا محمد تقی عثمانی کو حضرت ڈاکٹر صاحبؒ نے اس وجہ سے اجازت دی تھی کہ یہ اچھا موقع ہے۔ ملک میں دین لانے کے لئے جو خدمت ہوسکتی ہے وہ کرنی چاہیے۔

بہت سے کام اس سلسلے میں ہوئے بھی لیکن جس تیز رفتاری سے اسلامی نظریاتی کونسل کی سفارشات کو قانونی شکل دینے کی امید تھی وہ تیز رفتاری نہیں پائی جارہی تھی

اوراس میں بعض وزارتوں کی طرف سے رکاوٹیں قدم قدم پر پیش آرہی تھیں، جس سے مولانا محمد تقی عثمانی بہت تنگ دل تھے۔ حضرتؒ سے مشورہ کیا تو حضرت نے مشورہ دیا کہ تم اسلامی نظریاتی کونسل سے استعفیٰ دیدو۔ چنانچہ وہ کچھ ہی عرصہ پہلے استعفیٰ دے چکے تھے۔ اب گفتگو یہ چل پڑی اور حاضرین میں جو علماء کرام لاہور سے آئے ہوئے تھے۔انہوں نے یہ گفتگو چلائی مولانا محمد تقی عثمانی کو دوبارہ اسلامی نظریاتی کونسل میں آنا چاہیے۔ سب کا روئے سخن حضرت کی طرف تھااور سب کو معلوم تھا کہ حضرت ہی کے ایماء پر مولانا نے استعفیٰ دیا ہے۔ حضرت کافی دیر سنتے رہے اور ضیاء الحق صاحب خاموشی سے کبھی کبھی سوالیہ انداز میں حضرت کو دیکھتے رہے۔ پھر حضرت نے فرمایا۔ ''میرے ہی کہنے سے انہوں نے رکنیت قبول کی تھی، اور میرے ہی کہنے پر مستعفی ہوئے ہیں۔ کیونکہ اسلامی نظریاتی کونسل کی سفارشات میں وزارتیں ترمیمیں پیش کردیتی ہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ یہ شریعت کی توہین ہے اس لیے میں نے ان کو علیحدہ کرلیاہے۔اس پر ضیاء الحق ایک ایک لفظ کو گویا تولتے ہوئے بولے۔ ''ممکن ہے بعض وزارتوں سے مولانا کو شکایتیں ہوں لیکن میں وعدہ کرتا ہوں کہ آئندہ ایسی شکایتیں پیش نہیں آئیں گی اور شریعت کے معاملہ میں ہم کبھی مداخلت نہیں کریں گے۔ میں اعتراف کرتا ہوں کہ مولانا نے اسلامی نظریاتی کونسل میں شب وروز محنت کی ہے۔اور جس رفتار سے یہ کام کررہے تھے تنفیذ کا کام ہم اس رفتار سے نہ کرسکے، لیکن اگر یہ دوبارہ آجائیں توانشاءاللہ کام کی رفتار میں تیزی آجائے گی۔ حضرت نے فرمایا۔ ''میں اس پر غور کروں گا۔'' اس وقت کوئی فیصلہ نہیں فرمایا۔

یہ مجلس برخواست ہوئی تو صدر صاحب دونوں بزرگوں کو گاڑی تک پہنچانے کے لیے آئے اور راستہ میں عرض کیا کہ '' میں صبح ۹ بجے کے بعد انشاء اللہ حضرت کی خدمت میں حاضر ہوں گا۔ حضرت کی پسند کے مطابق کل صبح ۱۱ بجے کے جہاز میں کراچی واپسی کے لیے سیٹیں بک ہوچکی ہیں، لیکن اتفاق سے اسی وقت میں نے دعوت استقبالیہ

میں لوگوں کو پہلے سے مدعو کیا ہوا ہے' اس لیے خود ایئرپورٹ ساتھ نہ جاسکوں گا' ملٹری سکریٹری آپ کے ساتھ جائیں گے۔"

پورچ میں پہنچ کر صدر ضیاء الحق صاحب نے عرض کی کہ "حضرت! میں آپ کی رہنمائی اور دعاؤں کا بہت محتاج ہوں' میری درخواست ہے کہ حضرت والا میری رہنمائی فرمائیں بلکہ رہنمائی ہی نہیں میری غلطیوں پر سرزنش بھی فرمائیں' بے تکلف ٹیلی فون فرمادیا کریں۔" ساتھ ہی ملٹری سیکریٹری کو ہدایت کی میرے خاص خاص فون نمبر حضرت کی خدمت میں آج ہی پیش کردیئے جائیں۔ پھر صدر صاحب نے بڑھ کر گاڑی کا دروازہ کھولا' حضرت کی گاڑی کو رخصت کر کے ہماری گاڑی کی طرف تشریف لائے اور جب تک گاڑی روانہ نہیں ہوئی' وہیں کھڑے مسکراتے' اور ہاتھ سے سلام کا اشارہ کرتے رہے۔

ناشتہ کے کچھ دیر بعد صدر صاحب پہنچ گئے۔ ملحقہ کمرے میں ملاقات کا انتظام کیا گیا تھا۔ دونوں بزرگوں کے علاوہ اور بھی کئی حضرات اس مجلس میں شریک تھے جو کافی دیر تک جاری رہی۔ صدر صاحب بعض دینی امور کے سلسلہ میں ہدایات بھی لیتے رہے یہاں تک کہ ایئرپورٹ کے لیے روانگی کا وقت ہو گیا۔

صدر صاحب نے بغلگیر ہو کر حضرت کو اور ہمیں رخصت کیا اور جب تک گاڑی روانہ نہیں ہو گئی' وہیں مودب کھڑے رہے۔

بحمد اللہ اس سفر میں حضرت والا کی صحت ٹھیک رہی اور ہم ظہر کے وقت کراچی پہنچ گئے۔

صدر ضیاء الحق صاحب کی دعوت پر یہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا پہلا سفر تھا۔ اس کے بعد کئی سال تک یہ ہوتا رہا کہ جب بھی میری یا مولانا محمد تقی صاحب کی ملاقات صدر ضیاء الحق صاحب سے ہوتی وہ فوراً حضرت کا مزاج پوچھتے اور ان کی خدمت میں سلام اور دعاء کی درخواست پہنچانے کی فرمائش کیا کرتے تھے' جب بھی ان کی کراچی

میں آمد ہوتی تو کئی بار اس خواہش کا اظہار کیا کہ میں حضرت کے دولت خانے پر زیارت کے لیے حاضر ہونا چاہتا ہوں لیکن حضرت والا نے ان کو پیغام بھیج دیا کہ فون پر بات کر لینا مناسب ہے۔ آپ کا میرے گھر آنا مجھے اپنے لیے مناسب معلوم نہیں ہوتا۔

حضرت نے ایک دوبار اجمالی طور پر اس کی وجہ بھی ہمارے سامنے بیان فرمائی جس کا حاصل میں نے سمجھا کہ صدر صاحب حضرت کے گھر آئیں گے تو پورے ملک میں اس کی شہرت ہو جائے گی، اور حضرت والا شہرت کے کاموں سے حتی الوسع اجتناب فرماتے تھے نیز لوگ اپنے طرح طرح کے ذاتی کاموں کے لیے سفارشیں کرانے کے لیے چڑھ دوڑ آئیں گے۔ ہر ایک کی اور ہر کام کی سفارش ہمیشہ ممکن نہیں ہوتی۔ حضرت کی طرف سے انکار ہو گا تو لوگوں کی دلشکنی ہو گی۔ اس لیے صدر صاحب کو اپنے یہاں آنے کی اجازت تو حضرت نے نہ دی لیکن صدر صاحب جب کراچی آتے تو فون پر مولانا محمد تقی صاحب سے یہ معلوم کر کے کہ کس وقت فون پر بات کرنا حضرت کے لیے آسان ہو گا؟ وہ حضرت سے فون پر بات کر لیا کرتے تھے۔

دوسرا سفر

پھر کئی سال بعد صدر ضیاء الحق صاحب کی دعوت پر حضرت کے دو سفر اور ہوئے ایک پنڈی کا اور اس کے ایک ہفتے کے بعد لاہور کا، ان دو سفروں کی روئداد یہ ہے کہ جب ۱۹۸۵ء میں پاکستان میں جنرل محمد ضیاء الحق صاحب کے دور حکومت میں قومی اور صوبائی اسمبلیوں کے انتخابات ہوئے اور اس کے نتیجے میں جونیجو صاحب کی وزارت عظمیٰ کے تحت حکومت قائم ہوئی مگر مارشل لا ختم نہیں ہوا اسی مدت میں صدر ضیاء الحق صاحب مرحوم و مغفور بنگلہ دیش اور کئی ملکوں کے دورے پر نکلے ہوئے تھے بنگلہ دیش سے سری لنکا اور انڈیا جاتے ہوئے واپس آنا تھا۔

بنگلہ دیش سے انہوں نے برادر عزیز مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب سے فون پر

بات کی اور فرمایا کہ کئی سال پہلے میری بیٹی کا نکاح تھا اس میں حضرت ڈاکٹر صاحب نے تکلیف فرمائی تھی۔ اب پھر دوسری بیٹی کا نکاح فلاں تاریخ کو ہونے والا ہے اور میری خواہش ہے حضرت تکلیف فرمائیں تو بڑا کرم ہوگا اور انتظامات ایسے کر لیے جائیں گے کہ حضرت والا کو تکلیف نہ ہو اور جن حضرات کے ساتھ رہنے سے حضرت والا کو راحت ملے ان کا بھی انتظام ہو جائے گا۔ اس کے ساتھ ساتھ انہوں نے یہ بھی کہا کہ حضرت سے میں نے براہ راست اس لیے گزارش نہیں کی کہ ان کی طبیعت پر بار نہ ہو' آپ کو حضرت بے تکلفی سے جواب دے سکتے ہیں' اس لیے آپ حضرت سے اس سلسلہ میں فون پر بات کر لیجئے۔ آپ جب کہیں میں فون پر آپ سے حضرت کا جواب دریافت کرلوں گا۔ اس پر مولانا محمد تقی صاحب نے کہا میں ایک گھنٹے کے اندر حضرت سے بات کرلوں گا۔ عشاء کا وقت تھا۔ انہوں نے کہا ٹھیک ہے۔ میں پھر رات گیارہ بجے کے بعد آپ کو دوبارہ فون کرلوں گا۔ میں بنگلہ دیش سے اس لیے فون کر رہا ہوں کہ میں غیر ممالک کے سفر سے اسی دن واپس پہنچوں گا جس دن نکاح ہے اس لیے پروگرام ابھی طے کرنا ہے۔ اور میں اسلام آباد میں بھی اس سلسلے میں کچھ لوگوں کو اطلاع کر دوں گا۔ چنانچہ مولانا تقی محمد عثمانی صاحب نے حضرت والا سے فون پر بات کی۔ حضرت نے قدر تامل کے بعد اجازت دیدی۔

جب سفر کا مرحلہ قریب آگیا تو مولانا محمد تقی عثمانی کو غیر ملکی دورہ پیش آگیا۔ وہ وہاں چلے گئے اور یہ طے ہوا کہ حضرت کے ساتھ ایک یہ ناکارہ خادم (محمد رفیع) جائے گا اور حضرت کے دو پوتے جناب انس مصطفیٰ جو امریکہ سے آئے ہوئے تھے اور حارث مصطفیٰ جو یہیں رہتے ہیں ہم تینوں حضرت کے ساتھ جائیں گے۔

کوئی کرنل صاحب جو کراچی ہی میں تھے سفر کے سب انتظامات کر رہے تھے۔ چنانچہ ہم لوگ چار بجے شام کو جہاز سے روانہ ہوئے اور مغرب کے متصل بعد جہاز اسلام آباد ایئرپورٹ پر اترا اس دن اخبارات میں یہ خبر چھپی تھی کہ صدر جنرل

محمد ضیاء الحق صاحب کے سری لنکا میں صبح کو فلاں فلاں پروگرام ہیں ان کے بعد وہ دہلی کے لیے روانہ ہوں گے اور سہ پہر کے قریب دہلی پہنچیں گے اور وہاں ایئرپورٹ پر پریس کانفرنس سے خطاب کریں گے اور اس کے بعد ہندوستان کے صدر ذیل سنگھ سے ملاقات کریں گے۔ اس کے بعد ان کے مذاکرات وزیراعظم ہند راجیو گاندھی سے ہوں گے۔ ان مذاکرات سے فارغ ہونے کے بعد راجیو گاندھی کے ساتھ مشترکہ پریس کانفرنس سے خطاب کریں گے۔ اس کے بعد وہاں سے روانہ ہو کر مغرب کے بعد پنڈی پہنچیں گے۔ اسلام آباد ایئرپورٹ پر پہنچ کر پریس کانفرنس سے خطاب کریں گے پھر ان سے وزیراعظم پاکستان مفصل ملاقات کریں گے۔ جس میں پچھلے کئی روز کے حالات کی رپورٹ وہ صدر صاحب کو پیش کریں گے۔

صبح سے شام تک کے طویل اور مسلسل پروگرام کی یہ تفصیل ہمارے علم میں تھی۔ جب ہم اسلام آباد ایئرپورٹ پر پہنچے تو معلوم ہوا کہ پندرہ منٹ کے بعد صدر کا طیارہ بھی آنے والا ہے۔ خیر ہم لوگوں کو لینے کے لیے ملٹری سیکریٹری وغیرہ آئے ہوئے تھے۔ صدر کی اپنی مخصوص گاڑی آئی ہوئی تھی جس میں ہمیں پنڈی کے ایوان صدر پہنچایا گیا۔

صدر جنرل محمد ضیاء الحق صاحب آرمی ہاؤس (کمانڈر انچیف کی رہائش گاہ) میں رہتے تھے۔ آخر تک ایوان صدر میں رہائش اختیار نہیں کی۔ البتہ یہاں ان کا دفتر تھا اور وہ اپنے خصوصی مہمانوں کو یہیں ٹھہراتے تھے۔ حضرت کا خیال تھا اور ہم نے بھی اس خیال کو پکا کرنے کی کوشش کی کہ ابھی صدر صاحب حضرتؒ سے ملنے نہیں آئیں گے کیونکہ وہ رات کو دیر تک مصروف ہیں تاکہ حضرت ذہنی طور پر فارغ ہو جائیں اور آرام فرمائیں۔ لیکن رات نو بجے ہوں گے میں حضرت کے سر میں تیل لگا رہا تھا کہ ملٹری سیکرٹری کرنل عزیز صاحب آگئے۔ حضرتؒ کے آرام میں خلل سے بچنے کے لیے وہ کمرے میں تشریف نہیں لائے بلکہ انہوں نے مجھے بڑی لجاجت سے باہر آنے کا اشارہ کیا،

میں دبے پاؤں باہر آیا تو انہوں نے کہا کہ صدر صاحب ابھی ابھی گھر پہنچے ہیں۔ پریس کانفرنس میں کافی وقت لگ گیا۔ وہ گھر میں بھی داخل نہیں ہوئے تھے کہ انہوں نے مجھے آپ کے پاس بھیج دیا اور کہلوایا ہے کہ اگر حضرت کو زحمت نہ ہو اور ان کے کسی معمول میں خلل نہ ہو اور اجازت دیدیں تو میں اسی وقت حضرت کی خدمت میں حاضری دینا چاہتا ہوں ورنہ صبح حاضر ہو جاؤں گا۔ کرنل عزیز نے مزید کہا کہ اگر حضرت اجازت دیدیں تو صدر صاحب دس منٹ کے اندر یہاں پہنچ جائیں گے۔ میں نے حضرت والا سے دریافت کیا۔ حضرت والا نے اجازت مرحمت فرمادی۔ لہذا کرنل عزیز اجازت لیتے ہی چلے گئے اور پورے دس منٹ میں صدر ضیاء الحق اپنے بہت سے رفقاء کے ساتھ پہنچ گئے۔

ان رفقاء میں صدر صاحب کے ماشاء اللہ سب بھائی تھے۔ جنرل رحیم الدین صاحب بھی تھے جو پہلے بلوچستان کے گورنر تھے اور بعد میں سندھ کے گورنر ہوئے اور جوائنٹ چیف آف اسٹاف کمیٹی کے چیئرمین بھی رہ چکے ہیں اور دوسرے کئی جنرل صاحبان تھے۔ ہم لوگوں نے حضرت کی چارپائی کے قریب ایک کرسی رکھ دی تھی تاکہ صدر صاحب وہاں بیٹھ جائیں۔ صدر صاحب اس کرسی پر ادب سے قدرے جھک کر بیٹھ گئے۔ حضرتؒ نے صدر ضیاء الحق صاحب سے فرمایا۔ ”آپ نے تکلیف کی میں تو سمجھ رہا تھا کہ آپ دن بھر کے تھکے ہوئے ہوں گے۔ مجھے آپ کے پروگرام کا علم تھا۔ رات تک طویل پروگرام ہے آپ نے تو مہمان نوازی میں بھی انتہا کر دی۔“ انہوں نے کہا ”حضرت میرے لیے تو یہ بہت بڑی سعادت ہے البتہ یہ فکر ہو رہی تھی کہ بے وقت حاضری سے حضرت والاؒ کی کوئی تکلیف نہ پہنچے۔“ حضرت نے فرمایا۔ ”ہندوستان میں آپ کے مذاکرات بھی آج ہونے والے تھے۔“

انہوں نے کہا ”حضرت! یہ آپ کی برکت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آج ایسا کام کرا دیا ہے جس کی پہلے کوئی توقع نہیں تھی۔ کیونکہ ہم نے راجیو گاندھی صاحب کو کہا تھا اور

ہندوستان کو بہت پہلے سے پیشکش کررکھی تھی۔ ''عدم جارحیت' کا معاہدہ کرلیں لیکن اس پر وہ آتے نہیں تھے' آج میں نے ان کے سامنے پھر یہ بات کی تو انہوں نے کہا۔ ''آیئے ہم ایک اور معاہدہ کرتے ہیں وہ یہ کہ ہم ایک دوسرے کی ایٹمی تنصیبات کو نشانہ نہیں بنائیں گے۔'' الحمد للہ اس طرح یہ معاہدہ کرنے کی بات ہوگئی ہے۔ تحریری معاہدہ بعد میں ہوگا۔ سفارتی اور وزارتی سطحوں پر اس کی تفصیلات طے ہوں گی۔'' ضیاء الحق صاحب کہنے لگے ''مجھے آج اس بات کی بہت خوشی ہے۔ الحمد للہ یہ بڑی کامیابی اللہ نے ہمیں عطا کی ہے بلکہ جب میں سری لنکا سے دہلی کی طرف جارہا تھا تو ہمارے ساتھ پاکستانی صحافی جو پورے سفر میں ہمارے ساتھ تھے وہ کہہ رہے تھے کہ آپ کن لوگوں سے بات کرنے جارہے ہیں جو ہمارے بدترین دشمن ہیں' ان سے بات چیت کرنا بیکار ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے اچھا راستہ نکال دیا ہے۔''

صدر ضیاء الحق صاحب بہت خوش تھے اور ان کے چہرے پر کسی انداز میں ادنیٰ تکان کا شائبہ تک نہیں تھا۔ حضرت کے پاس کافی دیر بیٹھے رہے۔ اور رخصت ہوتے وقت یہ پروگرام بنا گئے کہ میں کل شام کو حاضر ہوں گا اور ساتھ بجے نکاح ہے' یہاں سے ہم حضرت والا کو ساتھ لے کر رہائش گاہ چلیں گے اور وہاں نکاح ہوگا۔ رات کا کھانا بھی ساتھ ہوگا۔

اگلے دن شام کو خاندان کے کئی افراد کے ساتھ مرحوم پھر تشریف لے آئے۔ اس وقت بھی کافی طویل نشست رہی اور تقریباً آدھ پون گھنٹے وہ حضرت کے پاس کمرے میں بیٹھے رہے۔ یہ کمرہ جس میں حضرت مقیم تھے ایوان صدر میں صدر کے کمرے کے برابر تھا۔ جب چلنے کے لیے اٹھے اور حضرت چارپائی سے اترنے لگے تو صدر پاکستان نے اپنے ہاتھ سے حضرت والا کے جوتے سیدھے کیے اور جب حضرت کھڑے ہونے لگے تو سہارا دے کر چادر اڑھانے میں مدد کی اور اپنی گاڑی میں لے کر صدر صاحب کی رہائش گاہ ایوان صدر پہنچے۔ انس میاں اور حارث میاں بھی ساتھ تھے' میں دوسری گاڑی

میں تھا۔ یہاں عقد نکاح کی مجلس میں فرشی نشست تھی۔ نہ تصویریں نہ کوئی گانا بجانا۔ بڑا اہتمام اس بات کا کیا گیا تھا کہ کوئی بات ایسی نہ ہو جو شریعت کے خلاف ہو اور حضرت کے ادب کے خلاف ہو۔ حسب عادت حضرت والا نے نکاح پڑھانے کے بعد جو دعاء کی اس میں جو کچھ نصیحت کرنا چاہتے تھے صدر صاحب کو ان کے خاندان کے لوگوں کو، دولہا دولہن کو یہ سب باتیں حضرت نے اپنی دعاء میں شامل کرلیں۔ کافی دیر تک یہ سلسلہ رہا۔ پروگرام یہ تھا کہ یہاں سے فارغ ہو کر ایوان صدر ہی میں کھانے کی دعوت ہے اور کھانا ساتھ کھائیں گے۔ لہذا صدر صاحب حضرت والا کو لے کر پھر ایوان صدر آئے اور کھانا بارات کے ساتھ کھایا۔ دولہا بھی ڈاکٹر ہے اور ماشاء اللہ چہرے پر خوشنماء داڑھی بھی ہے ان کو بھی حضرت والا نے بڑے اچھے انداز سے نصیحتیں کی تھیں۔ افسوس مجھے وہ الفاظ یاد نہیں رہے۔

کھانے پر جب بیٹھے یہاں بھی فرشی نشست تھی اور اس میں مرحوم ضیاء الحق صاحب نے اپنے خاندان کے لوگوں کو اپنے اور حضرت کے آس پاس رکھا تھا۔ حضرت نے کھانے کے بعد کیلے کا تھوڑا حصہ کھا کے رکھ دیا۔ ان کے داماد (دولہا) ایک کیلا اٹھانے لگے تو صدر ضیاء الحق صاحب نے ان کو وہ باقی ماندہ کیلا اٹھا کر پیش کیا ہے۔ جو حضرت نے تھوڑا سا کھا کر چھوڑ دیا تھا۔ اور کہا "یہ تبرک ہے" چنانچہ دولہا نے وہ لے کر کھایا۔ دارالعلوم کراچی کے بارے میں بھی صدر ضیاء الحق صاحب باتیں کرتے رہے اور کہا کہ دارالعلوم کراچی دیکھنے کو میرا جی چاہتا ہے۔ کافی دیر تک یہ نشست رہی۔

مجلس برخاست ہونے لگی تو صدر صاحب نے مجھ سے سرگوشی کے انداز میں کہا۔ میں مہمانوں کو رخصت کر کے حاضر ہوتا ہوں۔ آپ کو کہیں جانا تو نہیں۔ میں نے کہا۔ نہیں۔ انہوں نے فرمایا مجھے آپ سے مختصر بات کرنی ہے۔ وہ مہمانوں کو رخصت کرنے پورچ کی طرف چلے گئے۔

حضرت کے کمرے کے ساتھ میرا کمرہ تھا۔ میں اپنے کمرے میں چلا گیا اور وہ

مہمانوں کو رخصت کرتے رہے۔ تھوڑی دیر بعد ایک خادم دوڑا ہوا آیا اور کہا کہ صدر صاحب آپ کا انتظار کررہے ہیں۔ میں وہاں گیا تو دروازے کے ساتھ ایک بڑا کمرہ تھا وہاں وہ میرے انتظار میں ٹہل رہے تھے اور مجھے دیکھتے ہی وہ حسب عادت بڑے شائستہ انداز میں کھڑے ہوگئے اور کہنے لگے میں نے آپ کو اس لیے زحمت دی کہ اگلے ہفتے میرے لڑکے کا نکاح لاہور میں ہے۔ مجھے تو حضرت سے براہ راست عرض کرنے کی ہمت نہیں ہوتی۔ پہلے تو مجھے آپ سے معلوم کرنا ہے کہ اگر حضرت کو لاہور آنے کی تکلیف دی جائے تو ناقابل برداشت تو نہیں ہوگی؟ اگر آپ سمجھتے ہیں کہ حضرت پر زیادہ بار نہیں ہوگا تو میری طرف سے مناسب وقت پر حضرت کی خدمت میں گزارش پیش کردیں۔ میں نے کہا ٹھیک ہے۔ میں آپ کا پیغام ان کی خدمت میں پہنچادوں گا۔ فرمانے لگے میں حضرت کا جواب آپ سے کب معلوم کروں؟ میں نے کہا میں ابھی حضرت سے بات کرکے جواب دیتا ہوں۔ انہوں نے کہا ٹھیک ہے' میں آپ کا انتظار کرتا ہوں۔ میں نے حضرت کے کمرے میں آکر پوری بات من وعن ذکر کردی' حضرت نے چند لمحے سوچ کر دعوت قبول فرمالی۔ میں نے آکر جب صدر صاحب کو بتایا کہ حضرت والا نے آپ کی دعوت قبول فرمالی ہے تو بہت خوش ہوئے۔

حضرت کو رخصت کرنے کے لیے صدر ضیاء الحق صاحب اگلے دن خود ایئرپورٹ آئے۔ طیارے کی سیڑھیوں کے پاس حضرت سے بغلگیر ہوکر حضرت کو رخصت کیا اور جب تک طیارہ روانہ نہیں ہوا وہیں کھڑے رہے۔ حضرت والا نے نکاح کے موقع پر اور دیگر موقعوں پر صدر صاحب کو بڑے لطیف انداز میں نصیحتیں فرمائیں اور کچھ طریقے دعاؤں کے تلقین کیے۔ آپ کا صدر ضیاء الحق صاحب کی دعوت پر پنڈی کا یہ دوسرا سفر تھا۔

تیسرا سفر

کراچی واپسی کے کچھ دن بعد حسب وعدہ لاہور کا سفر ہوا۔ سخت سردی کا موسم

تھا، دسمبر کے آخری دن تھے، اسٹیٹ گیسٹ ہاؤس میں ٹھہرنے کا انتظام کیا گیا تھا، یہاں کی عمارتیں مہمانوں سے بھری ہوئی تھیں۔ حضرت اور ان کے تینوں خدام کو جس عمارت میں ٹھہرایا گیا معلوم ہوا کہ اس میں مہمان سربراہانِ ممالک کو ٹھہرایا جاتا ہے۔

ہم لاہور شام کو پہنچے تھے صدر صاحب اس وقت تک اسلام آباد سے نہیں آئے تھے رات کی کسی کمرشیل (عام) فلائٹ سے پہنچنے والے تھے۔ لاہور پہنچتے ہی حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ کچھ دیر حضرت سے باتیں کرتے رہے اور یہ کہہ کر رخصت ہوئے کہ کل دوپہر کسی وقت پھر حاضر ہوں گا، اور پھر شام کو عصر کے بعد لاہور چھاؤنی کی ایک مسجد ہے وہاں جائیں گے اور مغرب کی نماز پڑھ کر وہیں عقد نکاح ہوگا۔ نکاح کے بعد پھر یہیں واپس آکر ساتھ کھانا کھائیں گے۔ پروگرام کے مطابق اگلے دن وہ دوپہر کو حضرت کی خدمت میں پھر حاضر ہوئے اور ہمارے اندازے سے کچھ پہلے ہی آگئے۔ اس وقت میں اپنے عزیزوں سے ملنے گیا ہوا تھا واپس پہنچا تو اسٹیٹ گیسٹ ہاؤس کے سارے ماحول میں ہل چل سی مچی ہوئی تھی، معلوم ہوا صدر صاحب اندر آئے ہوئے ہیں۔ میں حاضر ہوا تو گفتگو کے دوران نمازِ ظہر کا وقت ہو گیا۔ ظہر باجماعت ادا کی گئی صدر صاحب نے بھی ہمارے ساتھ نماز پڑھی۔ سنتوں سے فارغ ہو کر وہیں جاءِ نماز پر بیٹھ گئے، حضرت والا کے ساتھ کچھ دینی معاملات پر باتیں کرتے رہے۔ صدر صاحب نے پوچھا حضرت سفر میں سنتیں معاف ہیں؟ حضرت نے فرمایا ہاں معاف تو ہیں لیکن اگر آسانی سے ممکن ہو تو چھوڑنا نہیں چاہیے۔ اگر خود کو بھی تکلیف نہ ہو اور دوسروں کو بھی تکلیف نہ ہو تو پڑھنا بہتر ہے۔

اس دن صدرِ پاکستان کی جو مصروفیات اخبارات میں آئی تھیں اور ملکی و قومی مسائل جو ان کو درپیش تھے وہ ایسی نوعیت کے تھے کہ ان کی موجودگی میں ہمیں حیرت بھی ہو رہی تھی کہ یہ اتنے مطمئن کیونکر ہیں، وہ حسبِ عادت نہایت ہشاش بشاش تھے۔

چھاؤنی کی مسجد میں نکاح ہونا تھا صدر ضیاء الحق صاحب حضرت کو اپنے ساتھ گاڑی

میں لے کر اس مسجد کے دروازے پر پہنچے تو مسجد لوگوں سے خوب بھری ہوئی تھی۔ اذانِ مغرب ہونے والی تھی' نماز کے بعد ہم صف میں اسی طرح بیٹھے رہے۔ میں نے اب تک ان کے صاحبزادے کو نہیں دیکھا تھا جن کا نکاح ہونے والا تھا۔ یہ ڈاکٹر انوار الحق تھے۔ ان سے کوئی تعارف بھی نہیں تھا۔ اتفاق سے وہ میرے سامنے اگلی صف میں بیٹھے تھے۔ ان کی پشت ہماری طرف تھی۔ ہمیں قطعاً یہ اندازہ نہ ہو سکا کہ یہ دولہا ہیں' کوئی ہار وغیرہ بھی نہیں پڑا تھا' نہایت سادہ لباس تھا' بلکہ سارا اجتماع سادگی کے ساتھ تھا۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے نکاح پڑھایا اور حسبِ عادت کافی دیر تک دعا کی' اس کے دوران بہت ساری نصیحتیں بھی فرمائیں۔ الفاظ اگرچہ عام تھے لیکن خصوصیت سے صدر صاحب کے لئے اس پر نصیحتوں کا بہت مان تھا۔

دعا کے بعد مبارک وسلامت کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ جیسا کہ نکاحوں میں عام طور سے ہوتا ہے۔ صدر صاحب کھڑے ہوگئے اور لوگوں سے مصافحہ کرنے لگے۔ اسی اثنا میں چھوارے بھی تقسیم ہوئے' مبارک سلامت کا بھی شور تھا۔ کچھ لوگ باتیں بھی کر رہے تھے۔ مگر بہت سے لوگوں کو یہ خیال نہ رہا کہ یہ مسجد ہے۔ بعض مہمانوں نے فوٹو بھی اتار لئے۔ اس وقت حضرت مولانا ادریس کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ کے صاحبزادے حضرت مولانا محمد مالک کاندھلوی صاحب رحمۃ اللہ علیہ بھی موجود تھے' انہوں نے اسپیکر پر لوگوں سے کہا کہ یہاں شور نہ کیا جائے یہ مسجد ہے مگر کسی نے دھیان نہ دیا بلکہ بھاری اکثریت نے سنا ہی نہیں۔ پھر حضرتؒ نے مجھ سے فرمایا مائیک مجھے دیدو۔ میں نے مائیک مولانا مالک صاحب سے لے کر حضرت والا کو دے دیا۔ جب صدر ضیاء الحق کی نظر اس پر پڑی کہ مائیک حضرت والا کے ہاتھ میں ہے تو میری طرف سوالیہ انداز میں دیکھنے لگے تو میں نے ان کو بتایا کہ حضرت کچھ فرمانا چاہتے ہیں اس پر صدر صاحب نے کھڑے کھڑے اعلان کیا کہ آپ سب حضرات بیٹھ جائیں اور خاموش ہو جائیں' حضرت کچھ فرمانا چاہتے ہیں چنانچہ سب لوگ خاموش ہو کر بیٹھ گئے۔

میں حضرت والا کے بائیں جانب تھا اور صدر صاحب دائیں جانب ' حضرت نے فرمایا " آپ حضرات کے عظیم مناصب کے پورے احترام کے ساتھ میں ایک اہم چیز کی طرف توجہ دلانا چاہتا ہوں اور وہ یہ کہ ابھی ابھی ہم نے اس مسجد میں نماز مغرب ادا کی ہے اور نبی کریم ﷺ کی سنت یعنی عقد نکاح جو بڑی بابرکت سنت ہے اس پر عمل کیا ہے اور اللہ تعالیٰ کے حضور ہم نے بہت سی دعائیں کی ہیں لیکن ہم بھول گئے ۔ مبارک سلامت کے شور میں ہمیں یاد نہیں رہا کہ یہ مسجد ہے 'اللہ کا گھر ہے کیا اس کا احترام ہماری ذمہ داری نہیں ہے ۔ عیسائی بھی اپنے گرجا کے سامنے سے گزرتا ہے تو ادب و احترام کے ساتھ خاموشی سے گزرتا ہے ۔ ہندو بھی اپنے مندر کے سامنے جھکتا ہوا گزرتا ہے ۔ کیا ہمارے اندر اتنا بھی خانہ خدا کا احترام نہیں ہے کہ ہم یہاں شور کرنے سے باز رہیں ۔ معاف کیجئے ہم سے یہ بہت بڑی غلطی ہوئی ہے ۔ بڑی سخت بد تمیزی ہم نے کی ہے ۔ یہ شور مسجد کی بے حرمتی ہے 'ہم نے گناہ کیا ہے ۔ اور یہ بہت بڑی کوتاہی ہم سے ہوئی ہے ۔ آپ سے میری درخواست ہے کہ آپ سب مل کر بلکہ ہم سب ملکر اللہ کے حضور توبہ استغفار کریں ۔ بڑی بد تمیزی بڑی نادانی کی ہے ہم لوگوں نے ۔ چنانچہ حضرت نے بلند آواز سے استغفر اللہ استغفر اللہ پڑھا اور پھر صدر صاحب اور پورا مجمع بھی استغفر اللہ استغفر اللہ پڑھتا رہا بڑی ندامت کے ساتھ 'سب پر سکوت طاری تھا ۔ کوئی آواز سوائے استغفر اللہ کے سنائی نہیں دیتی تھی ۔ اس کے بعد جب اسٹیٹ گیسٹ ہاؤس جانے کے لئے اٹھنے لگے (اس سال حضرت والا کے گھٹنوں میں تکلیف تھی 'کچھ دیر بیٹھنے سے گھٹنے اور پاؤں سن ہو جایا کرتے تھے ۔ جب تک انہیں سہلایا نہ جائے سیدھے نہ ہوتے ' سن تقریباً اسی سال ہو چکا تھا 'ہم لوگ واقف تھے چنانچہ حضرت والا کھڑے ہونے لگتے تھے تو ہم خدام گھٹنے پکڑ کر ہلکے ہلکے سہلاتے اور دباتے تھے ۔) تو حضرت کے بائیں طرف میں تھا ۔ حضرت جب کھڑے ہونے لگے تو میں نے آپ کا بایاں گھٹنا دبایا اور سہلانا شروع کیا ۔ دائیں طرف حارث میاں تھے میرا خیال تھا کہ دایاں گھٹنا حارث میاں

دبا رہے ہوں گے۔ ہجوم میں نظر نہیں آ رہا تھا' جب میں نے اندازہ کر لیا کہ اب حضرت کے گھٹنے ٹھیک ہو گئے ہیں تو حارث میاں سے یہ کہنے کے لئے کہ بس اب چلتے ہیں' میں نے جب ادھر جھانک کر دیکھا تو وہ دبانے والے ضیاء الحق صاحب تھے۔ میں نے ان سے کہا بس اب حضرت کو لے کر چلتے ہیں لیکن اس واقعہ کا میرے دل پر بڑا اثر ہوا۔ یہ سربراہ مملکت تھا' اس کے وزراء سینٹ اور قومی اسمبلی کے ممبران وہاں موجود تھے' فوج کے جرنل صاحبان بھی موجود تھے اور سارا مجمع تھا اس مجمع میں وہ بڑی بے تکلفی سے حضرت کے پاؤں دبا رہے تھے پھر حضرت کو لے کر مسجد کے دروازے پر آئے اور خود ہی اپنی کار کا دروازہ کھول کر حضرت والا کو بٹھایا اور کہا کہ میں دس منٹ بعد حاضر ہوتا ہوں۔ انس میاں اور حارث میاں حضرت کے ساتھ بیٹھ گے۔ صدر صاحب کی گاڑی پر جھنڈا لگا ہوا تھا انہوں نے اپنے ADC یا ملٹری سیکریٹری سے کہا تم حضرت کو لے کر جاؤ۔ شاید انہوں نے کہا کہ اس گاڑی پر جھنڈا ہے تو اس پر صدر صاحب نے فرمایا جھنڈا لپیٹ دو اور حضرت والا کو لے کر جاؤ میں دوسری گاڑی پر آ جاؤں گا۔ حضرت کی روانگی کے بعد میں اسٹیٹ گیسٹ ہاؤس ہی کی پچھلی کار میں بیٹھنے چلا تو صدر ضیاء الحق صاحب مرحوم مجھے پہنچانے کے لیے دروازے تک آئے اور جب میری گاڑی روانہ ہو گئی اس کے بعد وہاں سے ہٹے۔ چند منٹ میں وہ بھی سینٹر گیسٹ ہاؤس آ گئے۔ رات کے کھانے میں کافی مہمان تھے۔ ان کے کھانے کا انتظام الگ شاید کرسیوں پر تھا اور صدر صاحب اور حضرت والا کے ساتھ مخصوص مہمانوں کے لئے انتظام ایک ہال میں کیا گیا تھا۔ اس میں فرشی نشست تھی۔ کافی دیر تک یہ نشست رہی اور دس بجے رخصت ہوئے۔ اگلی صبح حضرت والا کو گیارہ بجے کی فلائٹ سے کراچی آنا تھا۔ صدر صاحب نے کہلایا تھا میں خود آؤں گا اور ایئرپورٹ ساتھ جائیں گے چنانچہ وہ حضرت والا کو اپنے ساتھ لیکر ایئرپورٹ پہنچے۔ جہاز کی سیڑھیوں کے پاس کار سے اتر کر حضرت اور ان کے خدام سے بغلگیر ہوئے

اور اپنے رفقاء کو بھی بغلگیر کروایا اور جہاز کے چلنے تک وہیں کھڑے رہے۔

ذلك فضل الله يوتيه من يشاء

صدر پاکستان کو نصائح

حضرت عارفیؒ کے دل میں تبلیغ دین کا جذبہ اتنا موجزن تھا کہ آپ نے پیران سالی کے باوجود طویل سفر کرنے کی زحمت گوارا کی اور سابق صدر مملکت پاکستان جنرل ضیاء الحق صاحب کی درخواست پر دسمبر ۱۹۸۵ء میں راولپنڈی تشریف لے گئے اور صدر صاحب کی صاحبزادی کے عقد نکاح میں شرکت کرتے ہوئے حاضرین محفل کو دینی تعلیمات کے علاوہ بہت سی دعاؤں سے نوازا۔ ان دعاؤں میں حضرتؒ نے صدر ضیاء الحق صاحب کو مخاطب کر کے فرمایا:

''میرے مخاطب آپ ہیں۔ نہایت شفقت کے ساتھ اپنے تجربہ کی بات عرض کرنا چاہتا ہوں انشاءاللہ آپ کے لیے مفید ہو گی۔ اس پر عمل کرنے کی آپ کو اللہ تعالیٰ توفیق عطا فرمائے۔ مومن کے معنی معلوم ہیں آپ کو؟ مومن کہتے ہیں مرد مجاہد کو۔ مومن کی ساری زندگی ابتداء سے انتہا تک جہاد ہی جہاد ہے اور یہ جہاد زندگی، جہاد اکبر ہے۔ ہم کو اس کا مقابلہ کرنا پڑے گا۔ ایسے لوگوں سے مقابلہ کرنا پڑے گا جو ہمارے لئے ناگوار ہوتے ہیں لیکن مرد مجاہد وہی ہے جو سب کو برداشت کرتا ہو اور کسی مخالفت کا ہرگز اثر نہیں لیتا کیونکہ دوسرا جو کچھ کر رہا ہے وہ اس کی طبیعت کا بگاڑ ہے، ہم اس کی طبیعت کی طرح نہیں خراب ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ اعانت و نصرت فرمائے۔ جہاد زندگی آپ کے سامنے ہے۔ اس کو اللہ تعالیٰ آسان کرے، اعانت و نصرت فرمائے آپ کی۔ مگر جہاد زندگی پر ثابت قدم رہنے کے لئے، استقامت کے لئے، استقلال کے لئے ایک شرط ہے اور وہ نماز۔ نماز کسی حالت میں قضاء نہ کریں۔ نماز دین کا ستون ہے اور اس کے اندر وہ قدرت رکھی ہے اللہ تعالیٰ نے کہ وہ تمام معاملات زندگی آسان ہو جاتے ہیں، نہ نفس کا نہ شیطان کا اثر ہوتا ہے، کسی کا اثر نہیں ہوتا ہے۔ جس دن حقیقت واضح

ہو جائے گی کہ نماز کیا چیز ہے تو اس دن یہ معلوم ہو گا کہ دونوں جہاں کی دولت مل گئی بہر کیف جوانی کا عالم ہے ارادہ مصمم کر لیجئے ہم نے بھی یہی کیا تھا کبھی، کوئی مشکل کام نہیں۔ اللہ تعالیٰ توفیق عطا فرماتے ہیں۔"

ملک کے معاشرہ میں تیزی سے پھیلتے ہوئے منکرات، فواحشات اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانیوں کا تذکرہ کرتے ہوئے حضرت والا نے مزید فرمایا۔"

"جہاں نافرمانیاں ہوتی ہیں، خدا کا قانون کبھی نہیں بدلتا، وہاں عمل اور رد عمل کے نتیجے میں ضرور انقلابات آتے ہیں۔ سب کچھ کیجئے لیکن اللہ تعالیٰ کے قانون سے کبھی بغاوت نہ کیجئے۔ جہاں اللہ کا قانون سامنے آئے سر جھکا دیجئے۔ چونکہ اللہ تعالیٰ کا قانون ہے اس کی تاویل نہ کیجئے، مصلحت اندیشی سے کام نہ لیجئے۔ آمنا صدقنا کہیے۔ بے شک اللہ کا کلام سچا ہے۔ ان کا جو حکم ہے وہ ہماری فلاح کے لئے ہے، ہماری عافیت کے لئے ہے، ہماری سلامتی کے لئے ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جتنے قانون بنائے ہیں وہ سب انسان کی شرافت ہی کے لئے نہیں بلکہ اس کی عافیت کے لئے بھی ہیں۔ آج دیکھ رہے ہیں آپ کس قدر فتنے پیدا ہو رہے ہیں۔ گھر گھر فتنے پیدا ہو رہے ہیں۔ ہزار قسم کی بیماریاں پیدا ہو رہی ہیں۔ ہزاروں قسم کی دشواریاں ہو رہی ہیں۔ ہزاروں قسم کے افکار پیدا ہو رہے ہیں کون ہے اس کا خالق؟ ہم سب ان برائیوں میں اور آفات میں مبتلا ہیں۔ میں اور آپ سب مبتلا ہیں۔ کوئی افکار و پریشانیوں سے بچا ہوا نہیں ہے۔ پناہ مانگو اللہ تعالیٰ سے۔"

اس محفل کے اختتام کے بعد حضرت والا جنرل ضیاء الحق صاحب سے تفصیلی گفتگو ہوئی جس میں حضرت نے جنرل ضیاء الحق صاحب کی توجہ تعلیمی اداروں میں بے راہ روی اور معاشرہ میں تیزی سے پھیلتی ہوئی برائیوں، فواحشات و منکرات کی طرف مبذول کراتے ہوئے تاکید فرمائی کہ ان کے ازالہ کے لئے حتی المقدور کوشش کریں۔ آپ نے اپنی تصنیفات و تالیفات صدر صاحب کو دیتے ہوئے خواہش ظاہر کی کہ وہ ان کا مطالعہ کریں اور اللہ تعالیٰ کے احکامات اور رسول اللہ ﷺ کی تعلیمات پر عمل پیرا

ہوں۔ حضرت نے مزید فرمایا

”آپ کچھ معمولات یومیہ مقرر کرلیں...... اللہ تعالیٰ سے تعلق و نسبت پیدا کرنے کے لئے دو چیزوں یعنی شکر اور استغفار پر عمل پیرا ہونا چاہیے۔ شکر ادا کرنے سے اللہ تعالیٰ سے نسبت اور محبت پیدا ہوگی اور استغفار کرنے سے عبدیت پیدا ہوگی۔ صبح سے شام تک کی اللہ تعالیٰ کی تمام نعمتوں کا استحضار کر کے شکر ادا کیا جائے تو قلب میں کیفیت پیدا ہوگی' باطن کی صلاحیت بدلے گیا اور انعامات الٰہیہ و مشاہدات ہونے لگیں گے اور استغفار کرنے سے برائیاں معلوم ہوں گیں۔ نقص معلوم ہوں گے اور اللہ تعالیٰ کے سامنے ان برائیوں اور نقائص کو پیش کرتے ہوئے استغفار کرنے سے یہ رفع ہو جائیں گے۔“[1]

اسی طرح مختلف امور باطنی کی طرف حضرت والا نے ضیاء الحق صاحب کی توجہ مبذول کرائی نیز مختلف تسبیحات' اوراد و وظائف کے پڑھنے کی تلقین فرمائی۔

---

[1] خطاب ودعائیں بوقت عقد نکاح صاحبزادی جنرل محمد ضیاء الحق مرحوم (کیسٹ سے منقول)

حضرت عارفی رحمۃ اللہ علیہ کا انداز تعلیم وتربیت

جس طرح حضرت عارفیؒ کی ہستی یگانہ روزگار تھی اسی طرح آپ کا انداز تربیت بھی منفرد تھا۔ حضرت عارفی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے شیخ ومرشد حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی تعلیمات کو جس قدر عام کیا اس کی نظیر نہیں ملتی۔ بقول حضرت مولانا مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہ "خلیفہ مجاز تو بحمد اللہ اور بھی بہت ہیں مگر شیخ کا رنگ جن میں جھلکتا ہو وہ کم ہی ہوا کرتے ہیں۔ خواجہ عزیز الحسن صاحب مجذوبؒ نے فرمایا تھا ؎

مجھے دیکھ آئینہ یار ہوں میں
جلا کر وہ بہت دالدار ہوں میں

اللہ تعالیٰ مبالغہ اور تزکیہ من غیر حق سے محفوظ رکھیں۔ ڈاکٹر صاحب کو دیکھ کر مجھے مجذوب صاحب کا یہ شعر یاد آیا کرتا ہے اور جب ان کو دیکھتا ہوں تو عموماً اصغر گونڈوی کا یہ مصرع زبان پر بھی آجاتا ہے ؎

ابھی کچھ لوگ ہیں ساقی کی محفل دیکھنے والے

اب اس زمانہ میں تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ حق تعالیٰ نے حضرت حکیم الامت کے فیوض وبرکات مسلمانوں میں عام کرنے کے لئے محترم ڈاکٹر صاحب کو چن لیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم کو اور سب مسلمانوں کو آپ کے فیوض وبرکات سے نفع عطا فرمائیں۔" (آمین)

(تقریظ بر کتاب مآثر حکیم الامتؒ)

حضرت عارفیؒ کی ایک خصوصیت تو یہی تھی جس کا ذکر اوپر ہوا اور جس کو اگر تفصیل کے ساتھ دیکھنا ہو تو حضرتؒ کی تالیفات "مآثر حکیم الامتؒ" "معارف حکیم

الامت'' اور ''بصائر حکیم الامتؒ'' کا مطالعہ کرنا کافی ہوگا۔ دوسری خصوصیت حضرتؒ کی تعلیم و تربیت کی یہ تھی کہ حضرت تھانویؒ نے اپنے منتسبین کو ریاضت شاقہ سے بچاتے ہوئے منزل مقصود تک پہنچانے کا جو راستہ نکالا تھا اس کو حضرت عارفی صاحبؒ نے اپنے زمانے کا لحاظ کرتے ہوئے مزید سہل بنادیا۔ گویا کامل اتباع اور انفرادیت کو ایک ساتھ جمع کردیا۔ حضرتؒ نے کئی بار اپنی مجلسوں میں حضرت تھانویؒ کی دنیوی زندگی کے آخری ایام کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ جب میں نے حضرت تھانویؒ کے ضعف اور مرض کے لحاظ سے غذا میں پرہیز بتایا اور ہلکی اور زود ہضم غذائیں تجویز کی تو حضرت والا نے مجھ سے فرمایا تھا: ''جی ہاں ساری مشق اور احتیاط اور پرہیز ہمارے لئے ہے! ہم نے تو تم سے کوئی پرہیز نہیں کرایا صرف معمولی نوک پلک درست کر کے کہاں سے کہاں پہنچادیا۔ حضرت عارفیؒ اس انداز تربیت کو اپنا کر اسی انداز سے سالکین کی تربیت فرماتے تھے۔

حضرت تھانویؒ کی مجلس میں بے ہودگیوں پر اور لاپرواہیوں پر روک ٹوک ہوتی تھی، ڈانٹ ڈپٹ ہوتی تھی چونکہ امتداد زمانہ سے لوگوں میں اور بھی کمزوری آگئی۔ لہٰذا حضرت والاؒ نے اپنا انداز اپنے شیخ کے انداز سے اور بھی نرم کردیا۔ حضرتؒ کی مجلس میں شاذ و نادر ہی روک ٹوک ہوتی تھی اور ڈانٹ ڈپٹ کا معاملہ شاید ہی کبھی دیکھنے میں آیا ہو۔ لیکن حضرتؒ اپنے منتسبین کی اس طرح تربیت فرماتے رہتے تھے کہ ان کو محسوس بھی نہیں ہوتا تھا اور ان کی حالت بہتر سے بہتر ہوتی جاتی تھی۔ مثلاً انہوں نے شاید ہی کبھی فرمایا ہو کہ نماز میں خشوع پیدا کرو بغیر خشوع کے نماز بے روح ہے۔ کبھی کبھی حضرتؒ نے اپنے شیخ کی تعلیمات کے مطابق نماز میں خشوع حاصل کرنے کے طریقے بھی بتائے ہیں لیکن زیادہ تر ایسا اسلوب اختیار فرمایا کرتے تھے کہ جب بھی حضرتؒ کی باتیں نماز سے متعلق یاد آتی ہیں خود بخود نماز میں خشوع پیدا ہو جاتا ہے۔ حضرتؒ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ بھائی اپنی نماز کی قدر کرو۔ ان میں تسلی تشفی کے الفاظ ہیں جو وہ ایک عام سی نماز پڑھ

لینے والے کے لئے فرمایا کرتے تھے۔ خشوع حاصل کرنے کی ایسی ایسی اعلیٰ اور لطیف باتیں کہہ جاتے تھے کہ بہت سے سننے والے خشوع سے نماز پڑھنے لگتے تھے۔ حضرت والاؒ اپنے شیخ کا ارشاد نقل فرماتے تھے۔

"کہ تم رسول اللہ ﷺ کی نماز کے مطابق اپنی نماز کی صورت بنالو۔ کہاں تک ہاتھ اٹھائے جائیں کہاں ہاتھ باندھے جائیں، کس طرح جھکا جائے۔ کس طرح سجدہ کیا جائے کس طرح نمازی تلاوت کی جائے۔ غرض جو نماز کے آداب ہیں وہ بجالاؤ اور ٹھہر ٹھہر کر اور سنبھل سنبھل کر نماز کے ارکان ادا کرو پھر چاہے دل لگے یا نہ لگے انشاء اللہ یہی نماز مقبول ہو جائے گی۔" (مقالات عارفی ص ۱۳۰)

اس انداز تربیت کا ایک انتہائی اہم اور فوری اثر یہ ہوتا تھا کہ بہت سے لوگ جو اس لئے نماز نہیں پڑھتے تھے یا ان کو ترک کرنے کا یہ جواز پیش کرتے تھے کہ اٹھک بیٹھک کر لینے سے کیا فائدہ، وہ حضرت کی ان تعلیمات سے استفادہ کرنے کے بعد شیطان کے مکر و فریب سے بچ جاتے تھے۔ فرماتے تھے

"ذرا سوچو تو۔ کس کے سامنے کھڑے ہو؟ کعبہ کی طرف جو منبع ہے انوار و تجلیات کا، جتنی دیر تم اس کی طرف متوجہ رہتے ہو اس کے انوار و تجلیات بھی تمہاری طرف متوجہ رہتے ہیں۔"

ایک بار فرمایا جس کا خلاصہ یہ ہے کہ:

"جسم تھکا ہوا ہے، ذہن تھکا ہوا ہے، کہہ کچھ رہے ہیں خیال کہیں اور ہے۔ اسی آشفتہ حالی میں کھڑے ہوگئے نماز کے لئے۔ کس کے سامنے کھڑے ہوگئے؟ ارے احکم الحاکمین کے سامنے کھڑے ہوگئے جو پروردگار ہے سارے عالم کا، جو نہایت رحم والا بہت ہی مہربان ہے۔ کس کے حکم سے کھڑے ہوگئے۔ اسی کے حکم سے جو تمہارا رب ہے، پروردگار ہے سب کا۔ کس طرح کھڑے ہوگئے؟ اس ہیئت میں کھڑے ہوگئے جس ہیئت میں محبوب رب العالمین نے بتایا۔ ان ہی کی پیروی میں کھڑے ہوئے۔ کوئی معمولی

بات ہے؟ جیسی بھی نماز ہو گئی اسکو اللہ تعالی کا انعام سمجھ کر شکر ادا کرنا چاہیے جو کوتاہی ہو گئی اس پر استغفار کر لو۔"

ایک بار فرمایا:

"اللہ اکبر! کچھ انتہا ہے اللہ تعالی کے رحم و کرم کی کہ ہر حال میں بندہ کو اپنی حضوری میں رکھنا چاہتے ہیں۔"

ایک بار فرمایا کہ:

"یہ جو آپ نے بے دلی کے ساتھ نماز میں سجدہ کر لیا۔ اچھا اگر آپ اس کو اتنا معمولی سمجھ رہے ہیں تو مجھ کو ایک سجدہ کر لیجئے یا کسی اور کو ایک سجدہ کر لیجئے، کر سکیں گے آپ؟ نہیں کر سکیں گے۔ ارے یہ اسی احکم الحاکمین کا حق ہے۔ اس کے قدموں میں سر رکھ دیا آپ نے

یہ نصیب اللہ اکبر لوٹنے کی جائے ہے

قدر کرو اپنی نماز کی۔ ناقدری نہ کرو۔ ذرا سوچئے تو کہ ان تسلی تشفی کے الفاظ میں کتنی تعلیمات میں خشوع حاصل کرنے کی ہیں!"

حضرتؒ کی تعلیمات دو ایسی خصوصیات کی حامل تھیں جو علما اور صوفیا کی مجالس میں بھی بہت کم یاب ہیں۔ ایک تو سادگی اور بے تکلفی، دوسرے شفقت اور دلسوزی۔ حضرتؒ ہر معاملے میں سادگی پسند تھے۔ عبا چغہ یا ایسا لباس جس کے پہننے سے تکلف ہوتا ہو نہ خود کبھی پہنا نہ اپنے منتسبین کے لئے پسند فرماتے تھے۔ نشست و برخاست میں بھی اپنے قریب بیٹھنے والے خدام کا باادب دو زانو ہو کر بیٹھنا پسند نہیں، فرماتے تھے آرام سے بیٹھو۔ بولنے کے انداز میں بھی بے تکلفی تھی۔ بہت سے لوگوں کو دھوکہ ہو جاتا تھا کہ حضرتؒ میں "کوئی بات نہیں ہے۔" لیکن شاید ہی کوئی ایسا کم فہم ہوگا جس کی غلط فہمی دو تین مرتبہ کی حاضری کے بعد دور نہ ہو گئی ہو۔ مزاج میں خشکی اور وحدت نہیں تھی کبھی کبھی ہلکی پھلکی باتیں بھی کر لیا کرتے تھے۔

ایک بار حضرت کے ایک خادم اندرون سندھ سے واپسی پر حضرتؒ کے لئے کچھ کھویا لائے۔ پیش کرنے سے قبل انہوں نے اجازت چاہی اور کہا کہ:

"حضرت کی خدمت میں پیش کرنے کے لئے کچھ کھویا لایا ہوں اگر اجازت ہو تو پیش کروں۔ حضرتؒ نے اجازت دیتے ہوئے فرمایا "کھویا تو آپ نے ہے میں نے تو پایا ہے۔"

بڑے بڑے علوم ظاہری و باطنی پر حاوی ہونے کے باوجود حضرتؒ نے اپنے کو کبھی عالم نہیں سمجھا۔ اپنی تصنیف "اسوہ رسول ﷺ" کو شائع کرنے سے پہلے کئی عالموں کو دکھلایا اور ان کی رائے طلب فرمائی۔ عالم گر ہونے کے معاملے میں حضرتؒ اپنے شیخ کے شیخ حضرت حاجی صاحب نوراللہ مرقدہ کے سچے جانشین تھے۔

حضرتؒ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ متقی مت بنو۔ جس کا مطلب یہ تھا کہ اپنے تقوے کا اظہار مت کرو۔ اسی طرح اگر کوئی کہتا کہ میں تو بہت گنہگار ہوں تو حضرتؒ فرماتے کہ گنہگار ہونا کوئی اچھی بات ہے؟ توبہ کرلو پاک و صاف ہو جاؤ گے۔

حضرتؒ کی شفقت کا یہ حال تھا کہ کوئی شخص حضرتؒ کی خدمت میں خواہ گھر پر خواہ مطب میں پانچ منٹ کے لئے بھی پہنچ جاتا تو حضرتؒ اس کے کوئی فائدے کی بات اس کو بتادیتے۔ فرماتے تھے کہ کوئی اچھی بات کان میں پڑ جائے تو کبھی نہ کبھی تو اس پر عمل ہو ہی جائے گا۔ ایک حدیث شریف کا مضمون اکثر دہرایا کرتے تھے کہ دین کی ایک بات کا سمجھ لینا خواہ اس پر عمل ہو یا نہ ہو ایک ہزار رکعات نفل نماز پڑھ لینے سے افضل ہے۔ کبھی کبھی اپنے شیخؒ کا یہ قول بھی دہرایا کرتے کہ:

"وہ لمحات زندگی کس کام کے جو کسی کی خدمت میں نہیں گزریں۔"

اپنے منتسبین کے بارے میں حضرتؒ کو ہمیشہ یہ فکر رہتی تھی کہ یہ شخص مجھ سے کچھ سیکھ لے۔ یہ بات حضرتؒ کی تقاریر میں واضح نظر آتی ہے۔ حضرتؒ اکثر فرمایا کرتے تھے کرو گے یاد جب باتیں کرو گے

اور اپنا شعر سناتے تھے ؎

عارفی میرا ہی دل ہے محرم راز و نیاز
بعد میرے راز حسن و عشق سمجھائے گا کون

حضرتؒ کے انداز تربیت میں انفرادیت تھی۔ باوجودیکہ آپ اہل سلسلہ سے نہ چلہ کشی کراتے تھے اور نہ ہی کوئی مجاہدہ پھر بھی سالکین کی ایسی تربیت ہوتی تھی کہ قلوب بدل جاتے تھے اور ان کی زندگی میں انقلاب پیدا ہو جاتا تھا۔

حضرت والا اکثر و بیشتر اپنی مجالس میں جائزہ لینے پر بہت زور دیتے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ:

"روزانہ رات کو سونے سے قبل دن بھر کے کاموں کو جائزہ لے لیا کرو کہ آج صبح سے شام تک تم نے کیا کیا، کون کون سے نیک کام کئے اور تم سے کون کون سے گناہ سرزد ہوئے۔ گناہوں پر استغفار اور نیکیوں پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو۔"

حقیقت یہ ہے کہ جائزہ کا یہ عمل ایسا مجرب نسخہ ہے کہ اگر اس پر پابندی کے ساتھ عمل کیا جائے تو انسان سے بہت سے گناہ خود بخود چھوٹ جائیں گے آخرت کا خوف ہمہ وقت مستحضر رہے گا اور اللہ تعالیٰ کے خوف کی وجہ سے گناہوں کے ارتکاب میں کمی آجائے گی۔

حضرت کی تعلیمات سے متاثر ہو کر سالکین ہی نہیں بلکہ مروجہ علوم دین سے ناواقف اور نو تعلیم یافتہ اور عصری ماحول کے پروردہ افراد نے بھی اپنا زاویہ نگاہ اس طرح بدلا کہ وہ گناہوں سے صرف نفرت ہی نہیں بلکہ ان سے بے تعلقی کا اظہار کرنے لگے اور ان میں ایسی بے تعلقی پیدا ہو گئی کہ وہ گناہوں کے خیال سے اجتناب کرنے لگے۔

تبلیغ دین کا کام اور سالکین کی تعلیم و تربیت حضرتؒ اپنے ارشادات کے علاوہ تصنیف و تالیف کے ذریعے بھی کرتے رہے۔ آپ کی عمر جب ستر سال سے تجاوز کر گئی اس وقت آپ نے اس ضرورت کو شدت سے محسوس کیا کہ متعلقین، متوسلین، سالکین

اور معتقدین کی تعلیم و تربیت کے لئے کچھ کتابوں کی تصنیف و تالیف کی جائے۔اس ضرورت کو مد نظر رکھتے ہوئے آپ نے گیارہ کتابیں جن کا تذکرہ پہلے کیا جاچکا ہے تالیف فرمائیں۔ان کتابوں کے علاوہ وقتاً فوقتاً آپ کی تعلیمات پر مشتمل کتابچے بھی شائع ہوتے رہے۔

حضرتؒ کے لہجے میں کبھی کبھی تیزی بھی آجاتی تھی لیکن شاید ہی کسی مجلس میں غصہ کا اظہار ہوا ہو۔ سمجھنے والے حضرتؒ کی ناراضگی سمجھ جاتے تھے لیکن باہر والے کو نرمی کے سوا کوئی چیز نظر نہیں آتی تھی۔

اسی شفقت کا اثر تھا کہ حضرتؒ نے اپنے خدام پر نوافل کا زیادہ بوجھ نہیں ڈالا اور وظائف کے بارے میں حضرتؒ کے احکام بہت نرم ہوتے تھے۔یہاں تک کہ فرائض میں بھی کوئی کوتاہی ہو جائے تو اس کا بھی سہل تدارک بتادیا کرتے تھے۔فرمایا کرتے تھے بھئی جتنا کر سکتے ہو کرلو جو نہیں کر سکتے ہو کہو اللہ میاں سے۔

حضرتؒ فرماتے تھے:

"میں آپ کے سامنے وہی باتیں دہراتا ہوں جو آپ کے فائدے کی ہیں۔وہ باتیں جن کے مجھے اندیشے ہوں۔ جن کے خطرات میرے پیش نظر ہوں۔بار بار جی چاہتا ہے کہ ان سے متنبہ کردیا جائے اور تنبیہ ہو جائے۔ہمارے دور میں فتنے معمولی نہیں ہیں۔ سخت خطرناک ہیں۔بہت زیادہ ہیں۔یہ قرب قیامت ہے۔"

حضرتؒ بار بار فرماتے تھے کہ یہ ہمارے ہی اعمال کا خمیازہ ہے۔

اپنے شیخ حضرت حکیم الامتؒ کی تعلیمات جو اعمال کی جزا سے متعلق تھیں ان کو اپنے رنگ میں پیش کرتے ہوئے فرماتے تھے کہ:

"ہر ایکشن کا ری ایکشن (Re-action) ہونا ضروری ہے۔ عمل اور رد عمل۔ جیسا عمل کرو گے ویسا ہی اس کا بدلہ ملے گا۔دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔تم کہتے ہو کہ زمانے کا تقاضہ یہی ہے۔یہ کیسے چھوڑیں۔تو کرو لیکن بھگتو گے ضرور۔"

کبھی فرماتے کہ:

"اب تم اپنے لیے ناجائز کو جائز کرلو۔ حرام کو حلال کرلو' تو وبال ضرور بھگتو گے۔ کہتے پھرو سفلی عمل ہے۔ فلاں نے یہ کردیا ہے فلاں نے یہ کردیا ہے۔ دنیا بھر کی تدابیر کرو۔ ہرگز اس عذاب سے مفر نہ ہوگی۔ جب تک گناہ ترک نہ کرو گے' توبہ نہ کرو گے ہرگز فلاح وعافیت نصیب نہ ہوگی۔"

حضرتؒ نے اپنی مجالس میں بار بار ایک نسخہ بتایا' رجوع الی اللہ کا۔ فرماتے تھے:

"بیٹھ جاؤ اللہ میاں کے سامنے۔ حشر کے دن ان ہی کے سامنے تو اعمال پیش ہوں گے۔ آج بھی وہی اللہ میاں ہیں۔ کسی وقت بیٹھ جاؤ اللہ میاں کے سامنے کم از کم اتنا تو کرو۔ یہ تو کرنا ہی پڑے گا۔ اگر یہ نہیں کرو گے تو لاحاصل ہے یہاں بیٹھنا۔ رات کو بیٹھ جاؤ تنہائی میں اور کہو کہ یا اللہ! میں آپ پر ایمان لایا ہوں اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ میں آپ کے نبی کا امتی ہوں۔ یا اللہ میں ایسے ماحول میں ہوں کہ دفاتر کی زندگی' تجارت گاہوں کی زندگی' تعلیم گاہوں کی زندگی' سیاست کی زندگی' حکومت کی زندگی سب خلاف شرع ہیں۔ خلاف فطرت اور خلاف انسانیت ہیں۔ اس ماحول میں بیٹھا ہوں۔ اور فرماتے ہیں۔

"درمیان قعر دریا تختہ بندم کردھی
بازی گوئی کہ دامن تر مکن ہشیار باش

میں اپنے ایمان اور اسلام کا حق کیسے ادا کروں؟ معاشرہ ایسا' ماحول ایسا' تجارت گاہیں ایسی جہاں علانیہ اللہ کے احکام کی نافرمانیاں ہورہی ہیں پھر کیا کروں؟ مجبور بندہ آپ کے سامنے حاضر ہے۔ آپ سمیع وبصیر ہیں۔ ہمارے حالات دیکھ رہے ہیں۔ یا اللہ ہم کریں تو کیا کریں؟ آپ ہی ہمیں بتادیجئے۔ آخرت میں ہمیں آپ ہی کو جواب دینا ہے۔ حشر کے دن آپ ہی داور محشر ہیں۔ ہم آپ ہی کے سامنے حاضر ہوں گے۔ اس وقت ہم آپ ہی کے سامنے بیٹھے ہیں' کیا کریں' آپ ہی بتایئے۔ کہو اللہ میاں سے۔ کرو

باتیں اللہ میاں سے۔ دیکھو جواب ملتا ہے یا نہیں۔ ضرور جواب ملے گا۔ جب تم رجوع کر رہے ہو اس سے۔ اب کیا کہوں۔ ہر معاملہ ہی ایسا سنگین ہے' معاشرہ ایسا' ماحول ایسا' عزیز و اقارب ایسے' دوست احباب ایسے اب ہم ان میں متقی کیسے بنیں۔ یا اللہ! بڑا مشکل معاملہ ہے' بڑی سخت آزمائش ہے ہماری مدد فرمایئے اِیَّاكَ نَعْبُدُ وَ اِیَّاكَ نَسْتَعِیْن ۔ ایک عرض کرتا ہوں۔ ہمت کر کے کہتا ہوں یا اللہ! جو گناہ میرے اختیار میں ترک کرنا ہیں ان کو تو میں ترک کر دونگا' وعدہ کرتا ہوں۔ ایک ایک کو ترک کر دوں گا اور بعض گناہ ایسے ہیں کہ میں ترک نہیں کر سکتا ہوں۔ عادت بھی ہو گئی ہے اور ماحول کا غلبہ ہے۔ اب یہ اللہ میاں سے کہو کہ میں توبہ کر رہا ہوں۔ آپ کے سامنے حاضر ہوں۔ آپ داورِ محشر ہیں۔ میں اپنے گناہ پیش کر رہا ہوں۔ اپنا کردار پیش کر رہا ہوں۔ اپنا روز نامچہ پیش کر رہا ہوں۔ اب کیا کروں گا' یہ کروں گا کہ جو گناہ آسانی سے چھوڑ سکتا ہوں چھوڑ دوں گا اور بعض گناہ ایسے ہیں کہ میں ان کا خوگر بن گیا ہوں۔ میں گناہ کی لذت کا عادی ہو گیا ہوں ۔عادت ثانیہ بن گئی ہے۔ ماحول غالب ہے یہ تو مجھ سے نہ چھوٹیں گے۔ مجھ میں یہ قدرت نہیں ہے اور یہ سب گناہ کبیرہ ہیں۔ ان کی سزا جہنم ہے تو کیا آپ مجھے جہنم میں بھیج دیں گے؟ کیسے کہوں کہ جہنمی بن رہا ہوں۔ سب اعمال جہنم کے کر رہا ہوں اور سب دیدہ و دانستہ کر رہا ہوں۔ اے اللہ! میں آپ ہی سے کہہ رہا ہوں بعض گناہ کو میں چھوڑ دوں گا۔ ترک کر دوں گا رفتہ رفتہ چھوڑ دوگا لیکن بعض گناہ جو عادت ثانیہ بن گئے ہیں۔ ماحول مجھ پر غالب آگیا ہے۔ شیطان اور نفس نے مجھے برباد کر دیا ہے وہ مجھ سے نہ چھوٹیں گے۔ اب آپ چاہے مجھے جہنم میں بھیج دیں یا مواخذہ فرمائیں مجھ سے تو وہ گناہ نہ چھوٹیں گے۔ کہو اللہ میاں سے۔ کہو گے اللہ میاں سے؟ ضرور کہو۔

گر تو نمی پسندی تغیر کن قضارا

تو مجھ سے مواخذہ نہ فرمایئے۔ میں ان کو گناہ سمجھتا ہوں۔ تاویل نہیں کرتا۔ یقیناً وہ گناہ کبیرہ ہیں لیکن یا اللہ! مجھ سے تو نہ چھوٹیں گے۔ میں کیا کروں؟ آپ چھڑا دیجئے۔

آپ ہادی مطلق ہیں آپ داورِ محشر ہیں آپ غفور الرحیم ہیں۔ اب یہ بات کہو اللہ میاں سے۔ کیمیا کا نسخہ استعمال کرنا شرط ہے اس سے زیادہ سہل نسخہ نہ ملے گا آپ کو دنیا میں۔ آپ میری زبانی سن رہے ہیں اور میں نے بھی کسی کی زبانی سنا ہے۔ اپنے پیر و مرشد سے سنا ہے۔"

ایک بار حضرتؒ نے فرمایا کہ:

"تنہائی میں بیٹھ جاؤ۔ دو منٹ کے لئے آنکھیں بند کرلو اور کہو یا اللہ آپ ہیں اور میں ہوں۔ یا اللہ! آپ ہیں اور میں ہوں۔ میں ہوں اور آپ ہیں۔ کہتے جاؤ۔ مگر صرف دو منٹ کے لئے دیکھو کیا ہوتا ہے۔"

اکثر فرماتے تھے کہ:

"اللہ میاں سے باتیں کرنا سیکھ لو۔"

اور اسی طرح سے یہ فرماتے تھے کہ:

ایک مرتبہ تو سننے والے کو ضرور اللہ میاں کے سامنے کھڑا کردیتے تھے۔ آگے اس کی ہمت کہ وہ رجوع الی اللہ میں کتنا درجہ رسوخ کا حاصل کرلیتا ہے۔

جس طرح حضرتؒ کے مرشد کامل نے دو باتوں کی پوری وضاحت کر کے تصوف کے بہت سے مسائل حل کر دیے یعنی اختیاری اور غیر اختیاری اور طبعی اور عقلی باتوں کی وضاحت کر کے بے شمار گمراہوں کو راہ پر ڈال دیا اسی طرح حضرت ڈاکٹر عارفی صاحبؒ نے چار اعمال باطنی کی وضاحت کر کے دریائے تصوف کو کوزے میں بھر دیا۔ وہ چار عمل باطنی جن کے بارے میں حضرتؒ بار بار فرماتے تھے یہ ہیں: شکر' صبر' استغفار اور استعاذہ۔

حضرتؒ نے دوشنبہ مورخہ ۲۱/ جمادی الثانیہ ۱۳۹۸ھ کو ایک خطاب میں ان چاروں اعمال کا مفصل ذکر فرمایا جو "معمولات یومیہ" کے نام سے شائع ہوا اور ہزاروں نسخے کئی بار شائع ہوچکے۔ اس کی تمہید میں حضرت والاؒ نے لکھا۔

"چنانچہ میں اپنے احباب کے مشاغل زندگی کا اندازہ کرتے ہوئے اپنے بزرگوں، خصوصاً اپنے شیخ و مرشدؒ سے حاصل کردہ بہت مختصر، جامع اور نافع دستور العمل تجویز کر رہا ہوں جو انشاءاللہ حصول مقصد کے لئے نہایت کافی و شافی ثابت ہوگا۔"

اس دستوالعمل میں چند مختصر اوراد و وظائف کے علاوہ ان چار اہم اعمال باطنہ کی تفصیل میں جن کا ذکر اوپر ہوا۔ حضرتؒ نے فرمایا:

"سب سے پہلے تو اس کا انتظام کیجئے کہ صبح جاگنے پر اور رات کو سونے سے قبل اپنی ذات و ماحول پر سرسری نظر ڈال کر اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ دین اور دنیا کی نعمتوں کا استحضار کر کے اجمالی شکر ادا کر لیا کریں خصوصاً ایمان حاصل اور عافیت حاصل پر دل سے شکر ادا کریں اور ان نعمتوں کے صحیح استعمال کا عزم رکھیں۔ اس کے علاوہ جس نعمت کا بھی استحضار ہو جائے، دل میں چپکے سے شکر ادا کر لیجئے۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ اَللّٰھُمَّ لَکَ الْحَمْدُ وَ لَکَ الشُّکْرُ"

شکر کی اہمیت کو حضرتؒ بار بار بیان فرماتے تھے:

جو بھی اچھی بات ہو جائے شکر ادا کرو۔ شکر پر ازدیاد نعمت کا وعدہ ہے۔ نماز ناقص پڑھی پھر بھی نماز پڑھنے کی توفیق پر شکر ادا کرو۔ اس شکر کی بدولت بہتر نماز پڑھنے کی توفیق ہو جائے گی۔

ایک بار حضرتؒ کہیں باہر تشریف لے جا رہے تھے۔ اچھا موسم تھا اور خوشگوار ہوا چل رہی تھی حضرتؒ نے فرمایا "واہ! کیا اچھا موسم اللہ تعالیٰ نے بنا دیا ہے ہمارے لئے۔" پھر فرمایا کہ "ارے اوروں کے لئے بھی بنایا ہی ہوگا لیکن ہم تو یہی سمجھیں گے کہ ہمارے ہی لئے بنایا ہے"۔

فرماتے تھے "شکر اور صبر دو ہی اصلی چیزیں ہیں اور ان میں بھی شکر کا درجہ بڑھا ہوا ہے۔"

دوسری چیز صبر ہے۔ اس میں قوت ایمانیہ کی منجانب اللہ آزمائش ہے۔ حضرتؒ

فرماتے تھے کہ:

"زندگی میں نہ جانے کتنی باتیں ایسی ہوتی رہتی ہیں جو ہمیں ناگوار اور نفس پر شاق ہوتی ہیں۔ غرض ہر ایسی بات جو قلبی سکون اور عافیت کو درہم برہم کردینے والی ہوتی ہے صبر آزما ہوتی ہے لیکن چونکہ غیر اختیاری ہوتی ہے اس لئے اس کے منجانب اللہ ہونے کا عقیدہ رکھنا واجب ہے کیونکہ اس میں بہت سی حکمتیں اور رحمتیں شامل ہوتی ہیں۔ ایسے مواقع پر اللہ تعالیٰ نے ہی خود اپنے فضل وکرم سے طمانیت قلب کے لئے بڑا قوی التاثر علاج تجویز فرمایا ہے کہ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ۔ یہ وہ عمل ہے کہ اس پر اللہ تعالیٰ نے خود اپنی معیت کا وعدہ فرمایا ہے۔ اس عمل سے رضا بالقضا کی توفیق ہو جاتی ہے جو عبدیت کا بہت اعلیٰ مقام ہے۔

تیسرا عمل استغفار ہے جس کی حقیقت ندامت قلب ہے۔ اس عمل سے ایمان کی حفاظت ہوتی ہے اور دولت تقویٰ نصیب ہوتی ہے۔

حضرتؒ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ:

ایسے شخص سے عمداً گناہ سرزد نہیں ہوتے اور مخلوق خدا کو اذیت نہیں پہنچتی۔ استغفار کی ہر وقت اور ہر شخص کو ضرورت ہے۔ حب جاہ، حب مال، حب الشہوات ان سب چیزوں میں نفس کے لئے اس قدر جاذبیت اور اس قدر نشہ ہے کہ جو اس میں مبتلا ہو گیا پھر اس کو ہوش باقی نہیں رہتا ہے۔ نہ اپنی انسانیت کا نہ اپنی شرافت کا۔ اگر ایسی حالت میں بھی ہوش آجائے اور اپنے کئے پر پشیمانی و ندامت پیدا ہو جائے اور اللہ تعالیٰ سے توبہ واستغفار کی توفیق نصیب ہو جائے تو یہ بھی بڑی نعمت ہے۔

حضرتؒ نے ایک بار فرمایا کہ:

اگر غور کرو گے تو اپنی نیکیوں میں بھی بہت سے نقائص پاؤ گے۔ بڑے بڑے عابد اس بات پر لرزاں وترساں ہیں کہ وہ اپنی طاعات اور عبادات میں ہزاروں کوتاہیاں اور لغزشیں محسوس کر رہے ہیں۔

حضرتؒ بارہا فرمایا کرتے تھے کہ:

اللہ تعالیٰ کی عبادت کا حق کس سے ادا ہو سکتا ہے۔ جب حضور نبی کریم ﷺ فرماتے تھے۔ مَا عَبَدْتُكَ حَقَّ عِبَادَتِكَ تو اور کسی کی کیا مجال کہ اپنی عبادت کو اس کی بارگاہ کے لائق سمجھے۔

ایک بار فرمایا کہ:

"اللہ میاں کی بھی عجیب بارگاہ ہے۔ عبادت گزار اور اطاعت گزار بھی نادم و تائب ہو کر حاضر ہو رہے ہیں اور غافل و گنہگار بھی نادم و تائب ہو کر حاضر ہو رہے ہیں ۔ مغفرت و رحمت سے کسی کے ایمان اور روحانی مدارج بلند ہو رہے ہیں۔ تسلیم و رضا کے انعامات تقسیم ہو رہے ہیں اور دولت قرب سے سرفراز کئے جا رہے ہیں اور کسی کے ساتھ یہ معاملہ ہو رہا ہے کہ توبہ و ندامت سے مغفرت و رحمت حق اس کے قلب و روح سے ظلمت و گندگی دور کر رہی ہے۔ بگڑی ہوئی استعداد و صلاحیت درست کر رہی ہے اور اپنا تعلق خاص عطا فرما رہی ہے۔ سُبْحَانَ اللّٰهِ وَ بِحَمْدِهٖ سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِيْم (افاداتِ عارفی ص۔۳۱۹)

ایک بار حضرتؒ نے ایک مریض کو نہانے سے پرہیز بتایا مگر اس نے کہا کہ اس کو نہانے کی عادت ہے چھوڑنے میں گرانی ہو گی اس وقت حضرتؒ کو ایک عجیب بات سمجھ میں آئی۔ انہوں نے اس سے کہا کہ:

"اچھا خیر تم نہاؤ، غسل کر لیا کرو اور ایک غسل ہم تم کو اور بتا دیں۔ دونوں غسل ایک ساتھ ہو جائیں گے۔ تم جب غسلخانہ جا کر سر پر پانی ڈالا کرو تو کہا کرو یا اللہ! سر کی ظاہری صفائی تو میں کر رہا ہوں اس میں جو گندے خیالات ' فاسد تصورات 'ناپاک باتیں بھری ہوئی ہیں ان کو پاک صاف آپ کر دیجئے۔ تم سر پر ہاتھ پھیرتے جاؤ اور یہ کہتے جاؤ۔ جب دل پر ہاتھ پھیرو تو بھی کہو کہ اس میں گندے خیالات اور عزائم ہیں انہیں آپ پاک کر دیجئے۔ اسی طرح عضو کو دھوؤ اس کے بارے میں کہو کہ یا اللہ! اس کی

ناپاکی کو دور کر دیجئے۔ جہاں جہاں صفائی کر و وہاں یہی کہتے رہو مثلاً ہاتھ دھوتے وقت کہو کہ ہاتھ بھی ناپاک ہیں اوپر سے تو میں صاف کر رہا ہوں اندر جو کچھ گندگی سما گئی ہے وہ آپ صاف فرما دیں" (مقالات عارفی ص۔ ۳۷۴)

اس نسخہ پر عمل کرنے سے ان مریض صاحب کی حالت کیا سے کیا ہو گئی ہو اس کا اندازہ کرنا مشکل نہیں ہے۔

چوتھا عمل استعاذہ ہے۔ جب بھی مستقبل کے لئے کوئی وحشت ناک خیال آیا کہ کہیں یہ نہ ہو جائے، کہیں وہ نہ ہو جائے۔ کوئی بھی اندیشہ مستقبل کے لئے پیدا ہو، سانحات اور حادثات کی خبر دن رات سنتے رہتے ہیں اخباروں میں خبریں چھپتی رہتی ہیں۔ ہم ان سے مامون نہیں ہیں۔ جب بھی اس طرح کے خطرات دل پر گزریں اللہ تعالی سے دعا مانگنی چاہئے کہ یا اللہ! اپنی پناہ میں رکھے۔ قرب قیامت ہے۔ طرح طرح کے فتنے اٹھتے رہیں گے ایسے میں کوئی جاہ پناہ نہیں سوائے اللہ کے اَللّٰھُمَّ احْفَظْنَا اَللّٰھُمَّ اِنِی اَعُوْذُبِكَ مِنَ الْفِتَنِ مَا ظَھَرَ مِنْھَا وَمَا بَطَنَ ۔

ان چاروں اعمال میں حقیقت نیاز مندی اور عبودیت کی ہے اور یہ اعمال چپکے چپکے ادا ہوتے رہتے ہیں اور کسی کو خبر بھی نہیں ہوتی۔ اس لئے ان میں عیب وریا کی بھی شمولیت نہیں ہو سکتی۔ بقول حضرتؒ کے کہ "ہم ہیں اور ہمارے اللہ میاں ہیں۔" کوئی واسطہ درمیان میں نہیں لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ معیت کا کتنا بڑا یہ مقام ہے۔

حضرتؒ نے متعدد مجالس میں ان اعمال کی اہمیت بتلائی۔ کبھی صبر و شکر کی اہمیت بتائی، کبھی چاروں اعمال کی۔ کبھی یہ بتلایا کہ یہ چاروں اعمال باطنی کس طرح آپس میں ایک دوسرے سے ملے ہوئے ہیں۔ مثلاً آپ نے کسی معاملے میں اللہ تعالی کی کسی نعمت پر شکر ادا کیا۔ یہ شکر ہوا۔ استغفار کیا۔ پھر اس نعمت کے زوال کے اندیشے سے پناہ مانگی۔ یہ استعاذہ ہوا۔ اسی طرح صبر ہے۔ مثلاً کوئی بیماری آ گئی تو اس کو منجانب اللہ سمجھ کر اس پر صبر کیا، اس کے ساتھ یہ بھی ہے کہ اللہ تعالی نے سینکڑوں بیماریوں سے محفوظ رکھا،

اس پر شکر ادا کیا۔ حضرتؒ نے ایک واقعہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا نقل کیا کہ ایک بار حضرت عمر رضی اللہ عنہ بیمار ہوئے۔ کوئی صاحب ان کی عیادت کو تشریف لائے' انہوں نے مزاج پرسی کی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اللہ تعالی کا شکر ادا کیا اور کہا کہ اچھا ہوں پھر اپنی بیماری کا ذکر کیا۔ عیادت کرنے والے صاحب نے کہا کہ پہلے تو آپ نے کہا کہ الحمدللہ اچھا ہوں پھر آپ نے اپنی کئی تکالیف بتائیں یہ کیا بات ہوئی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اللہ تعالی کا شکر ہے کہ یہ تکالیف عارضی ہیں دائمی نہیں، قابل برداشت ہیں ناقابل برداشت نہیں اور دنیا کی ہیں آخرت کی نہیں' اس طرح صبر کے ساتھ تشکر جمع ہو گیا۔

ایک بار حضرت تھانویؒ نے ایک صاحب سے جو ان کی عیادت کے لئے آئے تھے فرمایا کہ "ایک بیماری کو لے کر کیا کروں۔ اللہ کا شکر ہے کہ علاج ہو رہا ہے۔ دوائیں موجود ہیں۔ تیماردار موجود ہیں"

تو بیماری پر شکر ادا کیا اور صبر کیا اور شکر اور صبر کا حق ادا نہ ہونے پر استغفار کیا پھر اس اندیشہ سے کہ یہ تکلیف دائمی نہ ہو جائے' اس سے بڑی تکلیف نہ آجائے اللہ تعالی کی پناہ مانگی۔ یہ استعاذہ ہو گیا۔

حضرتؒ اپنے شیخ کی طرح محاسبہ نفس پر بہت زور دیتے تھے۔ فرمایا کرتے تھے کہ بغیر اس کے نہ شعور زندگی پیدا ہوتا ہے نہ شرف انسانیت حاصل ہوتا ہے۔ روزانہ کچھ وقت فرصت کا نکال کر تھوڑی دیر خلوت میں بیٹھ جائیں اور اپنے روز مرہ کی صبح سے شام تک کی زندگی کے معاملات پر ایک سرسری نظر ڈالیں اور دیکھیں کہ حقوق اللہ اور حقوق العباد اور حقوق النفس کس طرح ادا ہوتے ہیں۔ جہاں جہاں خامیاں اور کوتاہیاں نظر آئیں ان کے تدارک کے لیے خاص طور پر توجہ اور اہتمام کا قصد کریں اور اللہ تعالی سے اپنی کمزوریوں کے رفع ہونے کے لیے دعا کریں اور مواخذہ آخرت سے پناہ مانگیں۔ انشاءاللہ تعالی اس عمل سے کچھ ہی عرصہ میں نفع محسوس ہونے لگے گا۔ سب سے اچھا

وقت محاسبہ کا رات کو سونے سے قبل ہے۔

حضرتؒ فرمایا کرتے تھے کہ "رات کو سونے سے قبل سوچو کہ کون کون سے گناہ سرزد ہوئے ہیں اور ان گناہوں سے توبہ کرو اور عزم کرو کہ انشاء اللہ تعالیٰ اب یہ گناہ نہیں کروں گا پھر صبح اٹھ کر ایمان حاصل اور عافیت حاصل پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو اور اپنی ذات اور ماحول پر اللہ کی نعمتوں کا استحضار کرو اور شکر کرو اور رات کو جن گناہوں اور غلطیوں سے اجتناب کا عزم کیا تھا اس عزم کی تجدید کر لو۔"

ایک اور بات جو حضرتؒ نے بہت وضاحت سے بتائی اور جس کو یاد رکھنے کے لیے تین الفاظ وضع فرمائے' وہ ہے "حقوق' حدود اور حفظ حدود" حضرت تھانویؒ نے بہت وضاحت سے ان حقوق کی تفصیل بتائی تھی جو ہمارے ذمہ واجب ہیں۔ ان حقوق کو حضرت عارفیؒ بار بار بتلاتے رہتے تھے اور ان کو جو حدود ہیں وہ بھی بیان فرماتے رہتے اور اپنے منتسبین کو برابر نصیحت فرماتے رہتے تھے کہ تم پر جو حقوق ہیں ان کو پہچانو اللہ تعالیٰ کے کیا حقوق ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی عظمت کا کیا حق ہے اور اللہ تعالیٰ کی عظمت کس بات کی متقاضی ہے اور اللہ تعالیٰ کی محبت کا حق کیا ہے؟ اللہ تعالیٰ کے رسول جو ہمارے آقا اور سردار ہیں ان کا حق عظمت اور حق محبت کیا ہے؟ والدین کے حقوق کیا ہیں؟ بیوی کے حقوق کیا ہیں؟ شوہر کے حقوق کیا ہیں؟ اسی طرح بہت سارے حقوق ہم پر ہیں ان سب کو پہچاننا اور ادا کرنا ضروری ہے پھر ہمارے نفس کا بھی ہم پر حق ہے۔ سالک کو ہر حق واجب کو اپنے اپنے مقام پر ادا کرنا ضروری ہے اور اس کا خیال رکھنا ہے کہ کوئی بات ایسی سرزد نہ ہو جائے جو اللہ تعالیٰ اور رسول اکرم ﷺ کے عتاب اور مخلوق کی اذیت کا باعث ہو جائے۔

حضرتؒ نے اپنے شیخ کا قول دہرایا اور ایک شعر اپنی ایک مجلس میں سنایا جو یاد رکھنے کے قابل ہے۔

کبھی بھول کر کسی سے نہ کرو سلوک ایسا
کہ جو کوئی تم سے کرتا تمہیں ناگوار ہوتا

حضرتؒ نے فرمایا کہ "تمام حسنات کا اپنے اندر پیدا کرنا تاکہ مخلوق کو ہم سے راحت پہنچے اور اس ذریعے سے ہم کو رضائے الٰہی نصیب ہو اور تمام رذائل کا ازالہ کرنا تاکہ اللہ کی مخلوق ہمارے نفس کے شرور سے حفاظت میں رہے اور ہماری وجہ سے اس کو کوئی تکلیف و پریشانی نہ ہو کل سلوک نہیں تو اور کیا ہے۔" (افادات عارفی ص۔۳۰۸)

"لیکن اور کسی حق کے ادا کرنے میں حدود سے تجاوز ہو جائے تو یقیناً کسی اور حق کی پامالی ہوگی اور جب حسنات میں بھی غلو ہو جائے گا اور ان کا محل مصرف صحیح نہ ہوگا تو اعتدال جاتا رہے گا تو یہ بھی رذائل میں شمار ہو جائیں گے اور اہل تعلق کی اذیت کا باعث ہوں گے مثلاً اگر محبت محبّ کے لیے وجہ اذیت بن جائے تو یہ بھی رذیلہ ہو جائے گا۔ کوئی ایسی بات جو محبوب کے مزاج کے خلاف ہو وہ محبت نہیں۔ حسرت نے خوب کہا ہے ؎

شیوہ عشق نہیں حسن کو رسوا کرنا
دیکھنا بھی تو ہیں دور سے دیکھا کرنا"

(افادات عارفیؒ۔ ص۔۳۸۰)

حضرت عارفیؒ دین کے پانچوں شعبوں کی اہمیت کو اکثر واضح فرماتے رہتے تھے۔ نماز اور رمضان المبارک اور روزوں کے متعلق تو حضرتؒ نے کئی مجالس میں بہت تفصیل کے ساتھ بیان فرمایا جو الگ الگ کتابچوں میں ہزاروں کی تعداد میں کئی بار چھپ چکے ہیں اور "افادات عارفی" اور "مقالات عارفی" میں بھی چھپ چکے ہیں لیکن اصل اہمیت جو حضرتؒ کے ہاں دی جاتی تھی جس سے اکثر دینی مجالس خالی ہوتی ہیں وہ دین کے ان شعبوں کو دی جاتی تھی جن کو بہت سے لوگ دین کا حصہ بھی نہیں سمجھتے یعنی معاشرت، معاملات اور اخلاق۔

ایک بار فرمایا "کیسے افسوس کی بات ہے کہ رحمۃ للعالمین ﷺ کا امتی اور مردم

آزار! عجیب سی بات ہے۔ لوگ اوراد و وظائف کا تو اہتمام کرتے ہیں۔ عبادات نافلہ میں غلو کرتے ہیں۔ حقائق و معارف کی باتیں کرتے ہیں اور ان کی لذات میں محو رہتے ہیں لیکن اپنے اہل و عیال اور متعلقین اور اہل معاملہ کے ساتھ ان کے مزاج کی رعایت اور ان کی راحت کی کوئی فکر نہیں رکھتے۔ ان کی اس پر نظر نہیں ہوتی کہ حقوق واجبہ کے ادا نہ کرنے سے فریق ثانی کو کس قدر کلفت اور اذیت ہوتی ہے جو کہ ایک ذرہ میں صریحاً ظلم ہے۔ جب اس بات کا نہ خیال ہے اور نہ اس کی اہمیت تو تم کیا سلوک طے کرو گے اور کیا اللہ تعالیٰ کو راضی کرو گے۔" (افادات عارفیؒ۔ ص۔ ۳۰۹)

معاشرے کی برائیوں کا اکثر ذکر بڑے دلسوز انداز میں فرماتے۔ عورتوں کی بے حیائی، تہذیب حاضرہ کی بے راہ روی، کفار و مشرکین کی تقلید۔ ان سب کے ہولناک نتائج سے آگاہ فرماتے رہتے ہیں جن میں سے بہت سے نتائج ہماری آنکھوں کے سامنے آتے رہتے ہیں۔ گھر گھر پریشانیاں ہیں، میاں بیوی میں نہیں بنتی، اولاد نافرمان ہے، لڑکیوں کے رشتے نہیں آتے۔ یہ سب معاشرے کی برائیوں کا وبال ہے۔ حضرتؒ فرماتے کہ "ایکشن اور ری ایکشن کا قانون کبھی نہیں بدلے گا۔ کوئی کہتا کہ کسی نے سفلی عمل کر دیا ہے۔ ارے سفلی عمل تو تم خود کر رہے ہو، کوئی اوراد و وظائف کے ذریعہ چاہتا ہے کہ پریشانیاں دور ہوں، ہرگز پریشانیاں دور نہیں ہوں گی جب تک تم توبہ نہیں کرو گے۔ تم اللہ تعالیٰ کی نافرمانی بھی کرتے رہو اس پر تم نادم بھی نہ ہو اور توبہ بھی نہ کرو اور سمجھو کہ اللہ میاں اوراد و وظائف سے راضی ہو جائیں گے۔ ہرگز ایسا نہیں ہو سکتا"۔

اسی طرح معاملات کی خرابیوں کی طرف اور اخلاق کی برائیوں کی طرف اکثر و بیشتر متوجہ فرماتے کہ "جس طرح جسم کو زندہ رکھنے کے لئے غذا کی ضرورت ہے اسی طرح روح کو زندہ رکھنے کے لئے غذا کی ضرورت ہے۔ تم نے نماز پڑھ کر، تلاوت کر کے روح کی غذا تو حاصل کر لی۔ Energy حاصل کر لی اب اس انرجی کو صرف کہاں

کرو گے؟انہی عالم تعلقات میں۔"

آپس کے معاملات میں ایک بار حضرتؒ نے فرمایا کہ "میرے ایک دوست ہیں جو مجھ سے ملنے آیا کرتے ہیں۔ایک دن وہ مجھ سے کہنے لگے کہ تمہیں نماز میں درجہ احسان حاصل ہوا یا نہیں، مجھے تو نماز میں درجہ احسان حاصل ہو گیا ہے۔ میں نے کہا بہت اچھا ہے کہ تم کو درجہ احسان حاصل ہو گیا مجھے تو حاصل نہیں ہوا، مگر یہ بتاؤ کہ جب لوگوں کے ساتھ معاملہ کرتے ہو اور اپنے کاروبار میں مشغول ہوتے ہو تو کیا اس وقت بھی درجہ احسان حاصل ہوتا ہے یا نہیں؟ انہوں نے کہا کہ نہیں اس وقت تو نہیں ہوتا۔"

حضرتؒ بڑی تفصیل سے بتایا کرتے تھے کہ "ہم بحیثیت مسلمان کے معاملات میں اور تعلقات میں آزاد نہیں ہیں۔ آنکھ بند ہوتے ہی سب کا حساب دینا ہوگا۔ دفتر میں کام کرتے ہو تو اللہ کے لئے ایسا تو کرو کہ تمہاری ذات سے کسی کو نقصان نہ پہنچے کہیں بے انصافی نہ ہونے پائے۔ کسی کی حق تلفی نہ ہونے پائے اگر ہوگی تو سزا ملے گی چاہے گورنمنٹ تمہیں پکڑ سکے یا نہ پکڑ سکے۔ اسی طرح تجارت گاہوں میں کسی کو دھوکا مت دو۔ چور بازاری نہ کرو۔ یہ نہ سوچو کہ یہ سب رائج الوقت ہیں' بازاروں میں ایسا ہو رہا ہے، ہم بھی ایسا ہی کریں گے۔ خواہ حکومت تمہیں گرفتار نہ کرے۔ کوئی معاشرہ تمہیں برا نہ کہے، لیکن اللہ کے نزدیک تم مجرم ہو۔"

اسی طرح اخلاقیات میں جھوٹ بولنا ہے، غیبت کرنا ہے، بدگمانی کرنا ہے۔ ان باتوں پر کوئی گرفت نہیں ہوتی لیکن بقول حضرتؒ "کبھی غفلت میں نہ آجانا کہ کون پوچھتا ہے؟ پوچھنے والا تو ضرور پوچھے گا۔"

معاشرے میں جو بے حیائی آگئی ہے اس کی بڑی شدت سے حضرتؒ مذمت کیا کرتے تھے۔ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ "حیاء اور ایمان ایک چیز ہے۔ اگر حیا نہیں تو ایمان کی خیر مناؤ۔ ایمان کے رخصت ہو جانے کا شدید خطرہ ہے۔"

یہ ایک حدیث شریف کا مضمون ہے جس کو حضرتؒ اپنے انداز میں مختلف طریقوں

سے بتاتے رہتے تھے۔

اوراد و ظائف اور معمولات کے بارے میں حضرتؒ بہت نرم تھے۔ وہ اپنے شیخ کی پیروی میں اوراد و ظائف اور دیگر نوافل کو اپنی جگہ پر رکھنا چاہتے تھے اور اپنے خدام پر یہ واضح کر دینا چاہتے تھے کہ نوافل کبھی بھی فرائض کا درجہ نہیں لے سکتے اور نہ ہی معمولات کی پابندی کو کسی فرض کی طرف سے بے توجہی یا اس میں کوتاہی کا سبب بننے دیا جاسکتا ہے۔ ایک بار حضرتؒ نے اپنے کسی خادم سے جو بہت مشغول تھے اور جلدی جلدی معمولات پورا کرا کر لینا چاہتے تھے فرمایا

"آپ دفتر سے چھٹی نہیں لیتے ہیں، کیزول لیو (Casual leave) نہیں لیتے ہیں، ارنڈ لیو (Earned leave) نہیں لیتے ہیں؟ تو کیا اللہ میاں اتنی بھی چھٹی نہیں دیں گے۔ اکثر فرماتے تھے کہ بھئی مشغولیت بڑھ گئی کبھی تو بجائے ۳۳ تسبیح پڑھنے کے ایک دفعہ پڑھ لو۔ ۱۱ دفعہ پڑھ لو۔ میں تو کبھی کبھی جب وقت کی بہت کمی ہوتی ہے تو تین تین دفعہ پڑھ لیتا ہوں۔

حضرتؒ کے نزدیک وقت کا حق ادا کرنے کی بہت اہمیت تھی ۔ ہر وقت کا ایک مطالبہ ہوتا ہے اور آدمی کو ہر وقت اس کا خیال رکھنا چاہئے کہ اس وقت کس امر واجبہ کا مطالبہ ہے۔ حضرتؒ اپنے شیخ کی یہ بات اکثر دہرایا کرتے تھے کہ "تم وقت پر کام کرنے کی عادت ڈالو پھر وقت تم سے خود وہ کام کرالے گا۔"

حضرتؒ ہر شخص کو اس کی استعداد اور صلاحیت کے مطابق ہدایت دیا کرتے تھے۔ ایک مجلس میں جب حضرتؒ نے اپنی تقریر شروع نہیں کی تھی حضرتؒ کے ایک مجاز بیعت نے کسی دنیاوی معاملے میں اپنی کاوشوں کا ذکر کر کے دعا کی درخواست کی ۔ حضرتؒ نے دعا کر دی اور ان کی کاوشوں پر کسی طرح کی نکیر نہیں فرمائی۔ اسی جلسہ میں ایک اور صاحب نے اپنے کسی دنیاوی معاملے کا ذکر کر کے کہا کہ میں نے اس معاملہ میں کوئی کاوش نہیں کی ہے اور اللہ تعالیٰ پر معاملہ چھوڑ دیا ہے اور اس پر ان صاحب نے جن کا

ذکر پہلے ہوا کہا کہ کوشش تو کرنی چاہئے۔ حضرتؒ نے فرمایا کہ "ہاں یہ بات تو ٹھیک ہے لیکن جب اس راہ میں قدم رکھا ہے تو کچھ نہ کچھ تو کرنا پڑے گا۔" (یعنی تفویض تو کرنا پڑے گا)

حضرتؒ کا مذاق یہ تھا کہ ہر شخص اپنے کام سے کام رکھے۔ آدمی اگر اپنی ہی حالت درست کرنے میں لگا رہے تو اس کو اس کی فرصت ہی نہیں ملتی کہ دوسروں کے حالات کی تفتیش کرے۔ ایک بار حضرتؒ نے اپنے پاس بیٹھنے والے چند خدام سے فرمایا کہ "ہر شخص کا ایک دائرہ ہوتا ہے۔ تم اپنے ہی دائرے میں رہو۔ دوسرے کے دائرے میں مت جھانکو۔ دوسرے کے دائرے میں جھانکنے سے یاس پیدا ہو جائے گا۔"

ایک اور موقع پر اسی بات کو دہراتے ہوئے حضرتؒ نے فرمایا کہ "دوسرے کے دائرے میں مت جھانکو دوسرے کے دائرے میں جھانکنے سے عیب پیدا ہو جائے گا۔"

حضرتؒ نے ایک بار فرمایا "تم اپنا ظرف دیکھو اور انعامات کا مشاہدہ کرو تاکہ شکر کی توفیق ہو۔

کیا غرض مجھ کو کہ کس کے جام میں ہے کیسی مے
میرے پیمانے میں لیکن حاصل مے خانہ ہے"

ارشاداتِ عارفیؒ

حضرت عارفیؒ فرمایا کرتے تھے کہ "میں نے حضرت حکیم الامتؒ کی مجلس میں بارہا کوشش کی کہ حضرتؒ کے ملفوظات قلم بند کروں، لیکن وہاں حضرتؒ کی زیارت اور آپ کی باتیں سننے کی محویت ایسی رہتی تھی کہ کبھی اس پر قدرت نہ ہوئی۔ ان حضرات پر رشک بھی آتا تھا جو مجلس میں ملفوظات قلمبند کرتے رہتے تھے۔

ایک مرتبہ حضرت حکیم الامتؒ مسجد کے حوض کے پاس ٹہل رہے تھے، میں بھی حاضر تھا، میں نے اپنی اس الجھن کا ذکر حضرتؒ ہی سے کر دیا کہ ملفوظات لکھ کر محفوظ رکھنے کو بہت دل چاہتا ہے، مگر قدرت نہیں ہوتی۔ حضرتؒ نے جواب میں ارشاد فرمایا:

"تم خود ہی صاحب ملفوظ کیوں نہ بنو؟" میں سن کر ششدر رہ گیا کہ میں صاحب ملفوظ کیسے بن سکتا ہوں؟ کچھ توقف کے بعد حضرتؒ نے خود ہی فرمایا کہ "ملفوظات کا مقصد انہیں رٹنا نہیں ہوتا، بلکہ جب آپ نے کوئی بات سنی اور طبیعت نے اسے قبول کر لیا تو وہ آپ کی ہو گئی۔ اب انشاء اللہ جب موقع آئے گا وہ فائدہ پہنچائے گی۔" اور شاید یہ بھی فرمایا کہ "جب اللہ تعالیٰ کو کام لینا ہو گا وہ باتیں خود بخود یاد آ جائیں گی۔"

حضرت حکیم الامتؒ کا یہ ارشاد "تم خود ہی صاحب ملفوظ کیوں نہ بنو" اور "جب اللہ تعالیٰ کو کام لینا ہو گا وہ باتیں خود بخود یاد آ جائیں گی" صحیح ثابت ہوا۔ آپ حقیقت میں صاحب ملفوظ بن گئے اور آپ کے ملفوظات نہایت پر تاثیر ہوتے تھے۔ فرماتے ہیں ؎

لوگ کہتے ہیں تری باتوں میں ہوتا ہے اثر
بات یہ ہے ان ہی کی باتوں کو دہراتا ہوں میں

فرمایا کہ "میں نے جو کچھ بھی دین کے علم و عمل کا سرمایہ حاصل کیا ہے وہ سب اپنے

پیرومرشد حضرت حکیم الامت شاہ محمد اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی تعلیم و تربیت سے،ان کی تصانیف سے 'ان کے مواعظ وملفوظات سے حاصل کیا ہےاور جو کچھ بھی مجھ کو نفع ہوا ہے سب ہی ان کی مربیانہ شفقت اور توجہات بزرگانہ کا ثمرہ وبرکت ہے۔

اَلْحَمْدُلِلّٰهِ عَلٰى ذٰلِكَ حَمْدًا كَثِيْرًا كَثِيْرًا

میں آپ کو بھی اس نعمت عظمیٰ کی طرف متوجہ کرنا چاہتا ہوں اور ایسا کرنے ہی میں میرے لئے سعادت و فلاح ہے۔ اگر میری ساری زندگی اس کام میں صرف ہو جائے زہے قسمت...... چنانچہ اپنی استعداد و قابلیت کے مطابق حضرت حکیم الامتؒ ہی کے مسلک اور مذاق و انداز تعلیم و تربیت کی وضاحت اپنے لفظوں میں کرتا رہتا ہوں۔" (افادات عارفی ص۲۹۵)

اسلام۔دین کامل

فرمایا: "حق تعالیٰ جل مجدہ نے ارشاد فرمایا "اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ" ہم نے آج تمہارے لئے دین کو کامل کر دیا۔ "وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا" اور تمہارے لئے دین اسلام پسند فرمایا اور تجویز کر دیا۔

تو دین اسلام حق تعالیٰ کا پسندیدہ دین ہے جو انسانیت کی فلاح کا ذمہ دار ہے...... حق تعالیٰ جل شانہ نے سارے عالم کو پیدا فرمایا اور انسان اور جن کو بھی۔ اور پیدا فرمانے کی غرض وغایت بھی بتادی کہ عبادت کے لئے۔ عبادت کیا ہے؟ عبادت حقیقت میں اپنے خالق اور مالک حقیقی کی مکمل فرمانبرداری کو کہتے ہیں۔ اسلام جس کو خالق حقیقی نے جن و انس کے لئے پسند فرمایا ہے وہ ایک مکمل نظام ہے اور اس کی پابندی کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور اُدْخُلُوْا فِي السِّلْمِ كَافَّةً فرما کر مطالبہ کیا گیا ہے کہ اسلام میں پورے کے پورے داخل ہو جاؤ تو اب یہ معلوم کرنا ہو گا کہ پورا اسلام کیا ہے؟ اصل میں اسلام پانچ چیزوں کے مجموعہ کا نام ہے...... یعنی عقائد' عبادات' معاملات' معاشرت' اخلاق۔ یہی پانچ

چیزیں انسان کی پوری زندگی پر حاوی ہیں' اس کی وضاحت حق تعالیٰ نے اپنے کلام میں فرمادی ہے کیونکہ عمل کے مطالبہ سے قبل عمل کی اہمیت اور اس کی غایت خود ہی اپنی رحمت سے تعلیم فرمائی' اور اعمال کی قوی اور غیر متزلزل مثال اپنے محسن انسانیت ﷺ عبد کامل کے ذریعہ ہمارے سامنے پیش کی۔ یہی پانچ چیزیں انسان کی پوری زندگی پر حاوی ہیں اور کوئی شعبہ زندگی ایسا نہیں جو اس پنج گنج سے باہر ہو' اس کی حقیقت یہ ہے کہ مخلوق کو اپنے خالق کی معرفت حاصل ہو جانا چاہئے کہ ہم کون ہیں؟ ہمیں کس نے پیدا کیا ہے اور کیوں؟ اور ہمارے ذمہ کیا حقوق عائد کئے ہیں اور اسکی ادائیگی کا کیا طریقہ ہے؟ اس کے متعلق ساری معلومات اسلام کے پہلے جزو عقائد سے مل جاتی ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ پر ایمان' اس کے فرشتوں پر' اس کے پیغمبروں پر' آسمانی کتابوں پر جو پیغمبروں پر نازل کی گئی ہیں اور آخرت کے دن اور تقدیر پر اور موت کے بعد اٹھائے جانے پر' یہی حاصل ہے اسلامی عقائد کا جو ایمان مفصل کا ماحصل ہے' ''آمَنْتُ بِاللّٰہِ وَمَلَائِکَتِہٖ وَکُتُبِہٖ وَرُسُلِہٖ وَالْیَوْمِ الْآخِرِ وَالْقَدْرِ خَیْرِہٖ وَشَرِّہٖ مِنَ اللّٰہِ تَعَالٰی وَالْبَعْثِ بَعْدَ الْمَوْتِ'' یہ سب پورے یقین سے ماننا اور جاننا ہی اسلام کا پہلا جزو ہے۔

اب رہیں عبادات' وہ ہیں نماز' روزہ' حج اور زکوٰۃ۔ یہ سب فرائض ہیں۔ مگر اسی عنوان کے تحت نوافل اور سنن اور مستحبات بھی داخل ہیں۔ ان میں سے ہر ایک فرض کے بعد نفل نماز' نفل روزہ' نفل حج' نفل صدقہ و خیرات آجاتے ہیں۔ یہ تو ہوا براہ راست انسان کا خالق جل شانہ سے رابطہ۔ اس کے بعد انسان کا مخلوق کے ساتھ تعلق اور اس کے احکام باقی رہتے ہیں' وہی معاملات کہلاتے ہیں۔ یہ تعلق کئی قسم کا ہوتا ہے' ماں اور بیٹے کا تعلق' شوہر اور بیوی کا تعلق' بھائی اور بہن کا تعلق' پھر دوسرے عزیزوں اور رشتہ داروں کا تعلق' پڑوسیوں کا تعلق' پھر ہر ایک مسلم کا دوسرے مسلم سے تعلق، ان سب معاملات کے سلسلے میں اسلام نے احکام دیئے ہیں۔ ان سب کے حقوق ادا کرنا فرض ہے۔ پھر آقا اور مالک' دکاندار اور گاہک' لین دین اور تمام مالی معاملات

سب کے سب اسی سلسلہ حقوق العباد کی کڑیاں ہیں۔

چوتھی چیز معاشرت ہے۔ وہ دراصل طرز زندگی کا نام ہے۔ یعنی اپنے رہن سہن میں' اپنے لباس میں' اپنی وضع میں کن اصولوں کو اپنانا ہے اور کن کو ترک کرنا ہے۔ اس میں بھی واضح احکام اسلام نے دیئے ہیں۔

پھر آخری چیز اخلاق ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ کسی کو کسی سے کوئی تکلیف نہ پہنچے اور یہ جب ہی ہو سکتا ہے کہ مخلوق کے تمام افراد کے حقوق ادا کئے جائیں' جب حقوق ادا ہوں گے تو کسی کو تکلیف پہنچنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہو سکتا۔ اس کی معلومات کیلئے حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی علیہ الرحمۃ کی کتاب "حقوق الاسلام" کا مطالعہ کرتے رہنا نہایت مفید ہوگا۔ جس سے اپنے نفس اور رذائل پر نظر رکھی جا سکے اور ان کے مطابق عمل کیا جائے۔ رسالہ آداب المعاشرت' اور رسالہ صفائی معاملات' بہشتی زیور' بہشتی گوہر' یہ سب پوری اسلامی زندگی کے لئے ضروری ہیں۔

اب ہو یہ رہا ہے کہ بس زیادہ سے زیادہ نماز روزہ کا اہتمام کر لیا جاتا ہے باقی زکوٰۃ' صدقات' حج کی طرف کم سے کم توجہ ہوتی ہے' اور معاملات اور معاشرت اور اخلاق میں کوتاہیاں تو انتہا تک پہنچ چکی ہیں۔

حاصل یہ ہوا کہ اسلام میں پورے کا پورا داخل ہونا جب ہی ہو سکتا ہے جب اس کے متعلق معلومات حاصل ہوں کہ اسلام کیا ہے؟ اس کے دو ذریعہ ہیں ایک علم حاصل کرنا' دوسرا ذریعہ صحبت بزرگان دین۔ یہ اکسیر اعظم ہے۔ اپنے اکابر کی مجلسوں میں جہاں تک ممکن ہو ضرور شرکت کی جائے اور ویسے بھی ان حضرات سے رابطہ قائم رکھا جائے تو زیادہ بہتر ہے۔"

دین اسلام کی جامعیت

فرمایا: "اس زمانے میں دین کا ضروری علم نہ ہونے کی وجہ سے ہم نے اپنے دین کو

ایک رسمی مذہب سمجھ لیا ہے جیسے دوسرے مذاہب ہیں جن میں عبادت کی چند بے سند رسومات کے ادا کر لینے سے مذہب کا حق ادا ہو جاتا ہے لیکن ہمارا دین اسلام ایسا نہیں ہے۔ ہمارا دین قرآن و سنت کے تابع ہے۔ قرآن مجید کو اللہ تعالیٰ نے ہمارے لئے قیامت تک کے لئے ضابطہ حیات و ممات بنا کر بھیجا ہے اور اعلان فرمادیا ہے کہ یہ ہماری آخری کتاب ہے جو آخری نبی ﷺ پر نازل کی گئی۔ اس کلام کے اندر جو ضابطہ حیات اور اوامر و نواہی اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمائے ہیں' ان پر عمل پیرا ہونا ہم پر فرض ہے۔ قرآن کریم اللہ تعالیٰ کا مقرر کردہ ایسا ضابطہ حیات ہے جس کا تعلق دنیا اور آخرت دونوں سے ہے اور نبی کریم ﷺ نے اس پر عمل کر کے ہمارے لئے ایک معیار کامل پیش فرمادیا ہے' جس کے مطابق عمل کرنے سے دنیا اور آخرت میں حیات طیبہ حاصل ہوتی ہے اسی ضابطہ حیات کا نام دین ہے۔"

دین عمل

فرمایا: "اسلام دین عمل ہے' قرآن کریم میں جگہ جگہ اچھے اعمال کرنے کی تاکید ہے۔ قرآن کریم میں ارشاد ہے:

"یَا یُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوْا الصّٰلِحٰتِ○ وَبَشِّرِالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوْا الصّٰلِحٰتِ"

اچھے اعمال یا دین صرف عبادات ہی تک محدود نہیں ہے۔ نماز پڑھ لینے' روزہ رکھ لینے یا زکوۃ دے دینے اور حج وعمرہ کر لینے سے دین کا حق پورا ادا نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ اوامر و نواہی ان کے علاوہ اور بھی ہیں جن کا تعلق ہمارے معاملات' معاشرت اور اخلاقیات سے ہے۔ اس طرح دین کے پانچ شعبے ہیں۔ جب تک ان تمام شعبوں میں اللہ جل شانہ کے احکام کے مطابق عمل نہ ہوگا' نہ ایمان کامل ہو سکتا ہے نہ اسلام' انہیں احکام الٰہیہ کے تحت ان حقوق کا ادا کرنا بھی شامل ہے' جو والدین' زوجین'

اولاد، پڑوسی، عزیز و اقارب، احباب، اہل محلّہ، حکومت، عام مسلمانوں بلکہ عام انسانوں سے ہے۔ حقوق العباد میں احکامات الٰہیہ کی خلاف ورزی بہت سنگین جرم ہے، عبادات میں کوتاہی ہو جائے تو اللہ پاک اپنی شان کریمی ورحیمی سے معاف فرمادیں گے، لیکن اگر حقوق العباد میں کوتاہی ہوگی تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جب تک مخلوق خدا جن کی تم نے حق تلفی کی ان کے حقوق کی تلافی نہ کرو گے یا ان سے معافی نہ مانگ لو گے ہرگز مؤاخذہ سے نہیں بچ سکتے۔

اسی طرح احکام الٰہیہ ہمارے معاشرے سے متعلق بھی ہیں کہ یہ بات جائز ہے یا ناجائز ہے، یہ حلال ہے یا حرام۔ فی زمانہ ہمارے معاشرہ کے اندر کبائر اور سنگین گناہ رائج الوقت ہو گئے ہیں جن کو ہم نے محض تفریح کا مشغلہ سمجھ لیا ہے، ایسے کبائر کہ جب تک وہ ترک نہ کئے جائیں، جب تک ان سے توبہ استغفار نہ کی جائے ہرگز معاف نہیں ہوں گے۔"

حقیقت دین

فرمایا: "روزہ، نماز، حج، زکوٰۃ ہی صرف دین نہیں ہے۔ دین کے پانچوں عنوان پر عمل تم پر فرض ہے۔ کہیں کہیں صورت دین تو نظر آتی ہے مگر حقیقت دین مفقود ہوتی چلی جارہی ہے۔ ہمارے دلوں میں دین کی عظمت و محبت نہیں اس کی وجہ یہی ہے کہ ہم کو دین کا صحیح علم ہی نہیں ہے جس کی وجہ سے تاویلیں اور مصلحت اندیشی سے کام لینا شروع کر دیا ہے۔ آپ نے اپنے منشاء کے مطابق دین کے ہر معاملہ میں تاویلیں کر لیں پھر وہ اصل دین کہاں رہا۔ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ دین کی عظمت کا تقاضا تو یہ ہے کہ تمام امور زندگی میں احکام الٰہی کے آگے بے چوں وچرا سر جھکا دیا جائے۔ لیکن دین کی عظمت پیدا ہوتی ہے اللہ کے احکام کا علم ہونے پر اور جب احکامات شرعیہ پر عمل کیا جاتا ہے تو اس پر وعدہ ہے حیات طیبہ اور نجات اخروی کا اور یہ اعلان بھی ہے کہ اگر

ان احکام کی خلاف ورزی عقائد متعلقہ توحید' رسالت اور آخرت میں کیا تو ابدالآباد تک جہنم کی آگ اور عذاب والی زندگی ہے...... الامان الحفیظ"

عظمت دین

فرمایا: "دین کی عظمت پیدا ہوتی ہے اس پر غور کرنے سے کہ کتنے انعامات الٰہیہ ہر لمحہ ہم پر ہوتے رہتے ہیں اور کتنے جہنمی اعمال سے اللہ تعالیٰ نے ہم کو بچا رکھا ہے۔ علم حاصل ہوتا ہے اہل علم کی صحبت سے اور اہل علم کی کتابوں سے' ان سے ضرورت کے مطابق دین کے مسائل معلوم ہو جاتے ہیں۔ عورتوں اور مردوں کے لئے بہشتی زیور بہت جامع کتاب ہے' اس سے بہتر دینی معلومات کی کوئی کتاب آسان اور مکمل اس جیسی دوسری نہیں۔ ہمیشہ طریقہ رہا ہے کہ علم دین والے علمائے دین کہلاتے اور محبت پیدا کرنے والے صوفیاء' اولیاء کرام دونوں سے تعلیم و تربیت کے بعد دین کی عظمت بھی پیدا ہوتی ہے اور محبت بھی اور اسی تعلیم و تربیت سے ہمارا ایمان و اسلام مکمل ہو جاتا ہے۔ اللہ سے محبت کرنے کے انداز بھی سیکھنے کے قابل ہیں۔ اب اس زمانے میں اس طرح دین حاصل کرنے کا کہیں موقع ہی نہیں ملتا اور نئی نسلیں تو ان سب باتوں سے بیگانہ ہوتی چلی جا رہی ہیں۔"

علم دین و عمل

فرمایا: "دین کی بات سن کر عمل بھی کیا جائے کیونکہ جس علم پر عمل نہ ہو وہ رائیگاں ہے' لیکن یہ بھی علم دین کی برکت ہے کہ اگر اسے سیکھ لیا جائے' حاصل کر لیا جائے اور اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کی بات کو قبول کر لیا جائے تو عمل کی توفیق بھی ہو جاتی ہے اور انشاء اللہ ہو جائے گی۔ یہ صرف علم دین کی برکت ہے ورنہ اور علوم تو بالکل بے کار محض ہیں' فلسفہ ہو یا سائنس ہو' جب تک کہ اس کے مطابق عمل نہ ہو بے کار ہے۔

لیکن اللہ کے دین کا جو علم ہے وہ بذات خود ایک ایسی دولت ہے 'بذات خود ایک ایسی نعمت ہے جو دنیا اور آخرت میں کام آنے والی ہیں۔"

صراط مستقیم

فرمایا: "ارشاد باری تعالیٰ ہے اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ ۔صراط مستقیم کیا چیز ہے؟ صراط مستقیم وہ راستہ ہے جس میں سراسر للّٰہیت ہی للّٰہیت ہے جو شخص آ گیا وہ مامون ہو گیا 'خود تو آنا بڑا مشکل ہے جب تک رہبر و رہنما یہ نہ بتادے کہ یہی صراط مستقیم ہے اور جب یہ بتلادے تو پھر اس سے زیادہ اطمینان دہ کوئی اور صورت نہیں۔ ع

بر صراط مستقیم اے دل کسے گمراہ نیست

اور صراط مستقیم پر چلنے والے بڑے تیز رو 'بڑے حوصلے والے بھی ہیں' قوی الایمان بھی ہیں 'ضعیف بھی ہیں 'کمزور بھی ہیں 'ضعیف العمر بھی ہیں 'لیکن الحمد للہ ایسے لوگوں سے وابستہ ہیں کہ جو صراط مستقیم پر ہیں اور ہماری رہبری اور رہنمائی کر رہے ہیں 'ان کے ساتھ ہم ہیں۔ ہزار ہم ذلیل سہی 'خستہ سہی 'مضمحل اور ضعیف سہی 'لیکن ہیں الحمد للہ صراط مستقیم پر۔ الحمد للہ ہمارے آپ کے ذہن بے غبار ہیں کہ ہمیں کوئی وساوس نہیں 'خطرات نہیں 'ہم رسوم کے پابند نہیں 'ہم توجیہات و تاویلات نہیں کرتے۔"

تاویل نہیں، تسلیم

فرمایا: "تمام فرقے ' تمام گمراہیاں' تاویلات اور مصلحت اندیشی سے پیدا ہوئی ہیں 'صراط مستقیم پر تاویلات کی گنجائش نہیں ۔

مذہب عشق میں گنجائش تاویل نہیں

تاویل تو وہ کرے جس کو اپنی اغراض پوری کرنی ہوں 'جس کو اپنے دنیاوی مقاصد

پورے کرنے ہوں۔ ہمیں تو رضائے الٰہی چاہئے۔ ہمارا مطمع نظر تو صرف اللہ تعالیٰ کو راضی کرنا ہے' اللہ تعالیٰ ہم سے راضی ہو جائیں' ہمیں تو آمنا و صدقنا وہی بات ماننی ہے جو ہمارے نبی رحمت ﷺ نے بتلادی ہے اور بے چوں وچرا اسی راستہ پر چلنا ہے جو آپ نے ہمیں بتلادیا ہے۔ ع

عاشقی نام ہے تسلیم و وفاداری کا

ہم نے تسلیم کرلیا ہے کہ آپ ﷺ ہمارے راہنما' آپ ﷺ ہمارے رہبر اور آپ ﷺ ہمارے محسن ہیں۔ لاالہ الا اللہ ہم نے تسلیم کرلیا ہے۔ اب وفادارانہ ان کے ساتھ چلے چلو۔ یہ مت کہو کہ یہ نہیں بنتا وہ نہیں بنتا۔ دیکھو کہ صراط مستقیم پر ہو کہ نہیں' بھائی! یقیناً ہیں الحمد للہ ہیں' اس لیے کہ ہم نے صادقین کا دامن تھام رکھا ہے اور باری تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اتَّقُوْا اللّٰهَ وَ كُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ (التوبہ)

ترجمہ: اے وہ لوگو جو ایمان والے ہیں جو اللہ تعالیٰ سے صحیح تعلق پیدا کرنا چاہتے ہیں کونوا مع الصادقین' اللہ کے نیک بندوں سے وابستہ ہو جاؤ۔

وابستہ ہو جاؤ گے تو عافیت میں آجاؤ گے۔ اب چوں و چرا کی گنجائش نہیں' کسی کاوش اور فکر کی ضرورت نہیں' اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ نے جو احکامات بتادیئے ہیں ان پر عمل کئے جاؤ' جو حدود مقرر کردی ہیں ان کے اندر رہو سب کافی ہے۔"

حصول علم دین

فرمایا: "حدیث شریف میں آیا ہے کہ تم کہیں جاکر ایک مضمون علم دین کا سیکھ لو خواہ اس پر عمل ہو یا نہ ہو' یہ تمہارے لئے ہزار رکعت نفل پڑھنے سے بہتر ہے یعنی دین کی بات کو سنو اور دل سے تسلیم کرلو' یہ ہزار رکعت نفل سے بہتر ہے۔ اب اگر عمر بھر میں ہزار رکعت نفل پڑھ بھی لئے تو وہ بھی ناقص رہیں گے۔ خطرات بھی آئیں گے'

وساوس بھی آئیں گے۔ لیکن اللہ تعالی کی بارگاہ سے علم دین سیکھنے کا اجر تو وہی ہے جس میں کوئی نقص نہیں یعنی اجر تو پورا پورا مقبول نمازوں کا ملے گا۔ اور کس کی طرف سے ملے گا؟ اللہ تعالی کی طرف سے۔ تو تم جو ہزار رکعت پڑھو گے اس کا اجر و ثواب تمہارے تصور اور تخیل میں آسکتا ہے' اللہ تعالی کی رحمت کاملہ سے اس سے کہیں زیادہ ملے گا۔ تو جب دین کی بات حاصل کرنے سے یہ اجر و ثواب مرتب ہوتا ہے اور اس کی اتنی فضیلت آئی ہے تو اگر اس حاصل کی ہوئی دین کی بات پر عمل کرو گے تو کتنا اجر ملے گا جب صرف علم کا درجہ رکھا گیا ہے کہ ہزار رکعت سے افضل ہے تو پھر عمل کا کیا درجہ ہوگا اور عمل ہی مقصود ہے۔"

علم دین بلا عمل رائیگاں ہے

فرمایا: "علم وہی علم ہے جس سے عمل کا تقاضا پیدا ہو۔ دین کی جو بات بھی ہم اور آپ حاصل کرتے ہیں' اس سے عمل کا تقاضا پیدا ہونا چاہئے۔ جب تک عمل نہیں ہوگا تو گویا وہ علم بالکل رائیگاں ہے۔"

دینی مجالس کی برکات

فرمایا: "حدیث شریف میں ہے کہ جب کسی مجلس میں بندے اللہ تعالی کا ذکر کرتے ہیں تو اللہ تعالی فرشتوں سے پوچھتے ہیں کہ تم کہاں سے آئے ہو؟ اللہ جل شانہ تو عالم الغیب ہیں' ہر چیز کو جانتے ہیں لیکن ہماری تسکین کے لئے دریافت فرماتے ہیں کہ تم کہاں سے آئے ہو؟ وہ عرض کرتے ہیں کہ تیرے بندوں کی اس جماعت کے پاس سے آئے ہیں جو تیری تسبیح اور تکبیر اور حمد و ثناء کرنے میں مشغول تھے۔ ارشاد ہوتا ہے کیا ان لوگوں نے مجھے دیکھا ہے۔ فرشتے عرض کرتے ہیں یا اللہ دیکھا تو نہیں۔ ارشاد ہوتا ہے کہ اگر وہ مجھے دیکھ لیتے تو کیا حال ہوتا۔ فرشتے عرض کرتے ہیں کہ اور بھی زیادہ آپ

کے ذکر و فکر اور عبادات میں مشغول ہوتے' اس پر ارشاد باری تعالیٰ ہوتا ہے کہ وہ کیا چاہتے ہیں۔ فرشتے عرض کرتے ہیں کہ وہ جنت چاہتے ہیں۔ باری تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ کیا انہوں نے جنت کو دیکھا ہے؟ فرشتے عرض کرتے ہیں کہ دیکھا تو نہیں۔ ارشاد ہوتا ہے کہ دیکھ لیتے تو کیا ہوتا۔ فرشتے عرض کرتے ہیں اس سے بھی زیادہ شوق اور تمنا اور اس کی طلب میں لگ جاتے۔ پھر ارشاد ہوتا ہے کہ کس چیز سے پناہ مانگ رہے تھے۔ فرشتے عرض کرتے ہیں کہ جہنم سے پناہ مانگ رہے تھے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہوتا ہے کہ انہوں نے جہنم کو دیکھا ہے؟ فرشتے عرض کرتے ہیں اگر دیکھتے تو اور بھی زیادہ اس سے بچنے کی کوشش کرتے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہوتا ہے کہ اچھا تو تم گواہ رہو کہ میں نے اس مجلس والوں کو' سب کو بخش دیا۔ ایک فرشتہ عرض کرتا ہے یا اللہ فلاں شخص اس مجلس میں اتفاقاً اپنی کسی ضرورت سے آیا تھا' وہ اس مجلس میں شریک ہونے نہیں آیا تھا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہوتا ہے کہ یہ جماعت ایسی مبارک ہے کہ ان کے پاس بیٹھنے والا بھی محروم نہیں ہوتا۔ یعنی اسکو بھی بخش دیا۔

الحمد للہ یہ مجالس بھی ایسی ہی ہوتی ہیں کہ اس میں ہم سب لوگ ذاکرین ہو جاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی معیت حاصل ہو جاتی ہے۔"

اتباع سنت ہی دین ہے

فرمایا: "دین بڑی نعمت ہے اللہ پاک کی ہمارے لئے' ہم اس کی قدر نہیں کرتے۔ آج جس صورت میں بھی دین ہمارے پاس ہے بڑا احسان ہے اللہ تعالیٰ کا' اس کی ناقدری نہ کیجئے۔ ہمارے حضرتؒ نے فرمایا جس امتی کے دل میں دین کی تھوڑی سی بھی عظمت و محبت ہے' انشاء اللہ نجات ہو جائے گی۔ خواہ اعمال میں کوتاہی کیوں نہ ہو اور صحیح معنوں میں امتی تو وہی ہے جس کے دل میں اتباع سنت رسول مقبول ﷺ کی عظمت و محبت ہے۔"

اہمیت دین

فرمایا: ”دیکھئے میرا مشورہ یہی ہے اور کئی دفعہ عرض کر چکا ہوں کہ خدا کے لئے اپنا ایمان واسلام ٹھیک کرلو۔ ذرا یہ بھی سوچ لو کہ تمہارے ایمان کا تم سے کیا مطالبہ ہے؟ تم مسلم ہو تو کس صورت سے مسلم ہو؟ اور مومن ہو تو کیسے مومن ہو؟ اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے کیا بتایا ہے؟ اس کی کیا تشریح کی ہے کہ ایمان والے کون ہوتے ہیں اور مسلم کیسے ہوتے ہیں؟ اللہ کے لئے یہ تو معلوم کرلو ورنہ دنیا اور آخرت کے بڑے خسارے میں پڑنے کا اندیشہ ہے۔ میں یہ اس لئے کہہ رہا ہوں کہ میری نظر میں یہ بڑی اہم بات ہے، میں صاحب اقتدار لوگوں کو دیکھ رہا ہوں، تاجروں، دفاتر والوں اور عوام الناس کو دیکھ رہا ہوں، گھریلو زندگی کے حالات میرے سامنے ہیں، سب کے سب شعور اور شعائر اسلام سے بے گانہ ہوتے جا رہے ہیں۔ فَاعْتَبِرُوا يٰٓاُولِي الْاَبْصَارِ اس وقت ہر مسلمان کو اپنے ایمان کی حفاظت کے لئے دین کے بنیادی اصول اور تعلیمات کو حاصل کرنا فرض وواجب ہے۔

حکیم الامت حضرت مولانا تھانویؒ کی ایک کتاب ہے ”تعلیم الدین“ یہ مختصر سی کتاب ہے مگر اس میں پورا ایمان اور اسلام آگیا ہے۔ خدا کے لئے اس کا مطالعہ کر لیجئے تاکہ معلوم ہو جائے کہ ایمان کیا ہے اور اسلام کیا ہے؟ ان کے تقاضے کیا ہیں، ہم کو کیا کرنا چاہئے اور کیا نہیں کرنا چاہئے؟ دوسری کتاب ”حیاۃ المسلمین“ ہے۔ اس میں بھی بڑی جامعیت ہے۔ اس کے اندر بھی پورا دین آگیا ہے کہ مسلمان کا معاشرہ ایسا ہونا چاہئے، معاملات ایسے ہونے چاہیئے، اخلاق ایسے ہونے چاہئیں، ان کو پڑھ کر اپنے ایمان کا جائزہ لے لیجئے، جہاں کوتاہیاں ہوں توبہ استغفار کیجئے۔ جہاں سمجھ میں نہ آئے علماء سے پوچھتے رہئے۔ بھائی! آخرت کا معاملہ بڑا سنگین ہے، جہالت میں پڑ کر مطمئن نہیں رہنا چاہئے۔ ایک ایک بات کا سوال ہوگا تمہارے معاملات کے بارے میں، معاشرت کے

معاملہ میں' اخلاقیات کے معاملہ میں' جب تک دین کے یہ اجزاء صحیح نہیں ہوں گے یاد رکھو تمہاری نماز' روزہ' حج' زکوۃ سب بے روح بلکہ بے معنی ثابت ہوں گے۔"

دین اسلام کی خاصیت

فرمایا: "آج کل خصوصاً انگریزی تعلیم یافتہ' مغرب زدہ ذہنیت والے لوگوں کا مذاق بدل گیا ہے اور بگڑ گیا ہے۔ دین کے معاملہ میں ان لوگوں نے عام طور پر اور اللہ محفوظ رکھے ہم سب بھی اس میں مبتلا ہوتے جارہے ہیں کہ چند عبادات و طاعات کو سمجھ لیا ہے کہ بس یہی دین ہے اور عبادت ہے اور یہ سرمایہ ہے جنت میں لے جانے کا اور اسی پر نجات ہو جائے گی اور اسی کو اہمیت دے دی گئی اور اسی پر اطمینان کر لیا کہ نمازیں پڑھ لیں' روزے رکھ لئے' تہجد پڑھ لی' ذکر کر لیا' تسبیحات پڑھ لیں' حج کر لیا' عمرہ کر لیا اور سمجھ لیا کہ بس یہ سرمایہ ہو گیا' آخرت کا اور آخرت میں جنت مل جائے گی۔ بھائی یہ خوش فہمی ہے' میں اکثر کہا کرتا ہوں اور آپ لوگ سب جانتے ہیں کہ جس اللہ نے حکم دیا نماز پڑھنے کا اسی نے یہ حکم دیا کہ جب نماز پڑھو تو اس کے لئے وضو کرنا لازمی اور ضروری ہے' بغیر وضو کے نماز نہیں ہوتی۔ اب اگر کوئی یہ خیال کرے کہ وضو کرنا فرض ہے اور صرف وضو کر لے اور نماز نہ پڑھے تو یہ بالکل مہمل سی بات ہے۔ وضو تو نماز کے لئے فرض کیا گیا ہے۔ اسی طرح ہمارے تمام معاملات زندگی میں اور تعلقات زندگی میں اسی اللہ تعالیٰ نے ہم پر احکام فرض کئے ہیں' جس اللہ نے ہم پر نماز' روزہ' حج' زکوۃ فرض کیے ہیں۔ عام طور پر ذہنیتیں اس قدر ماؤف ہو گئی ہیں کہ دوسرے مذاہب کی تقلید کر کے اس پر مطمئن ہو گئے ہیں کہ جیسے عیسائی یا یہودی جو ساتویں دن رسماً اپنے عبادت خانہ میں چلے گئے اور وہاں اپنی تقریب عبادت میں شریک ہو گئے اور پھر ہفتہ بھر کے لئے یہ کافی ہے۔ پھر کچھ بھی کرتے رہیں۔ ان کے ہاں سب جائز ہے۔ نہ کوئی روک ٹوک' نہ حلال' حرام' زنا' شراب' جھوٹ' دغا' فریب' غیبت' ایذا رسانی' بداخلاقی جو

چاہیں کریں وہ سب آزاد ہیں۔ کیونکہ ان کے ہاں کوئی ضابطہ حیات نہیں، کوئی ضابطہ زندگی نہیں کہ ایک انسان کو کیسی زندگی بسر کرنی چاہئے۔ بس ایک دین اسلام ہے جو ہمارے شب وروز کے ظاہری و باطنی اعمال، ظاہری و باطنی تعلقات عالم امکان میں جو دنیاوالوں سے ممکن ہیں سب کے احکام و قوانین اور ضابطے اللہ تعالی نے بتائے ہیں، عبادات بھی دین کا ایک شعبہ ہے۔ نماز، روزہ، حج، زکوۃ یہ فرائض و واجبات میں سے ہیں جیسے اللہ نے ہم پر ان کو فرض و واجب کیا ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں، اپنے قانون میں رسول اللہ ﷺ کے ذریعے سے یہ بتلایا ہے کہ ماں باپ کی خدمت کرنا اوران کو راضی رکھنا فرض و واجب ہے۔ اسی طرح زوجین کے حقوق ہیں، شوہر پر بیوی کے اور بیوی پر شوہر کے یہ فرض و واجب ہیں۔ ان کے خلاف کرنا کبائر میں داخل ہے اور زنا، شراب، جھوٹ، غیبت وغیرہ سب سخت گناہ ہیں۔"

ایمانیات

ایمان سب سے بڑی دولت ہے

فرمایا: ''مسلمان کی زبان پر یہ دو جملے بڑے ثقیل ہیں۔ ایک تو یہ کہ ہم بڑے گنہ گار ہیں اور دوسرے یہ کہ ہم دنیادار ہیں۔ یہ جملے صاحب ایمان کے لئے بہت ہی نامناسب ہیں، تم صاحب ایمان ہو۔ تمہارا اللہ تبارک و تعالیٰ سے براہ راست تعلق ہے۔ تم وحدہ لاشریک لہ، پر ایمان لائے ہو۔ تم اس ذات صمدیت پر ایمان لائے ہو جس نے تمہارے ضابطہ حیات و ممات مرتب فرمادیا ہے۔ اپنے فضل و کرم سے ایک ایک بات تمہیں بتادی ہے جو تمہارے دنیا میں بھی کام کی ہے اور آخرت میں بھی۔ تمہارے پاس بہت بڑا سرمایہ ہے عالم امکان میں تم سے بڑا سرمایہ دار کوئی نہیں۔''

فرمایا: ''دیکھئے سرمائے مختلف قسم کے ہیں۔ صاحب منصب ہیں۔ وزارت ہے، صدارت ہے یہ سرمایہ ہے، جس کے پاس مال و دولت روپیہ پیسہ ہے یہ بھی سرمایہ ہے۔ جو صاحب علم ہیں ان کے پاس علم کا سرمایہ ہے۔ الغرض سرمائے مختلف قسم کے ہیں۔ لیکن سب سے گراں قدر سرمایہ جس سے بڑا سرمایہ عالم امکان میں نہیں وہ صاحب ایمان کے پاس ایمان کا سرمایہ ہے۔ اس کے آگے سارے سرمائے ہیچ ہیں، حقیر اور ناقص ہیں۔ آنکھ بند ہوتے یہ سارے سرمایہ یہیں دھرے رہ جاتے ہیں۔ بس یہی ایمان کا سرمایہ ایسا ہے جو دنیا میں بھی کام آتا ہے اور آخرت میں بھی۔ بھائی قدر کرو اپنے ایمان کی اور حفاظت کرو اس سرمایہ ایمان کی۔ یہ کہنا کہ ہم بڑے گنہگار ہیں، ہم بڑے دنیادار ہیں، یہ الفاظ بڑے ہی ناقدری کے ہیں بلکہ گستاخانہ ہیں۔ ایسا نہ کہو۔ دیکھو تم صاحب ایمان ہو اور جس پر ایمان لائے ہو اس نے اپنی شان کریمی اور شان رحیمی سے اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطے سے ہر مومن کا ہر گناہ معاف فرمادینے کا وعدہ فرمالیا ہے۔ صاحب

ایمان کے لیے ہمہ وقت توبہ کا دروازہ کھلا ہوا ہے، جس غفور رحیم اور خداوند کریم پر تم ایمان لائے ہو، جس سے تمہارا براہ راست تعلق ہے ذرا اس کے ارشاد کریمانہ اور رحیمانہ پر غور تو کرو وہ اپنے بندوں سے کن الفاظ سے خطاب فرماتے ہیں۔

"یٰعِبَادِیَ الَّذِیْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰی اَنْفُسِهِمْ لاَ تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ یَغْفِرُ الذُّنُوبَ جَمِیْعًا اِنَّه‘ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ" (زمر: ۵۳)

(اے میرے بندو! جنہوں نے اپنی جانوں پر زیادتیاں کی ہیں تم اللہ تعالیٰ کی رحمت سے ناامید مت ہو، بالیقین اللہ تمام گناہوں کو معاف فرمادے گا۔ واقعی وہ بڑا بخشنے والا بڑی رحمت کرنے والا ہے)

تو اس اعلان مغفرت ورحمت کے ہوتے ہوئے تم کیسے ناامید ہو سکتے ہو؟"

گناہوں کا علاج

فرمایا: "نفسانی اور شیطانی وساوس کا آنا، لغزشیں ہو جانا، اور گناہوں کا صدور ہو جانا یہ بھی ہماری بشریت ہے، لیکن صاحب ایمان ہونے کے بعد اللہ تعالیٰ نے اس سے بھی حفاظت کا سامان عطا فرمادیا کہ چاہے تم سے کچھ بھی ہو جائے، لغزش ہو جائے، گناہ ہو جائے آنکھ بہک جائے، دل بہک جائے، زبان بہک جائے، عمل خراب ہو جائے، تم صاحب ایمان ہو ایک نہ ایک دن ضرور احساس ہوگا اور پچھتاؤ گے کہ یہ بات ناحق کی، یہ برا کیا، یہ گناہ ہو گیا، یہ غلطی ہو گئی، جس دن یہ ندامت قلب میں پیدا ہوئی اور آنکھوں سے ندامت کے چند آنسو ٹپک پڑے تو سمجھ لو کہ وہ غلطی معاف ہو گئی۔ وہ گناہ مٹ گیا۔ ندامت کے آنسوؤں نے اعمال نامہ سے بداعمالی کی سیاہی کو دھو دیا۔ اللہ تعالیٰ کا اہل ایمان پر ایسا احسان عظیم ہے کہ ایمان کی سلامتی کے لئے اور اس کے تحفظ کے لئے استغفار کا تحفہ عطا فرما رکھا ہے۔ ارے جو کچھ بھی ہو چکا اس پر استغفار کر لو، توبہ کر لو، یہ ہر ایک سے کیوں کہتے پھرتے ہو کہ ہم گنہگار ہیں۔ جب تدبیر موجود ہے، تدارک موجود ہے تو پھر کیوں اپنی گنہ گاری کا اعلان کرتے ہو۔ اس اعلان سے کیا فائدہ۔ ارے جس کا گناہ کیا ہے اسی سے

ندامت اور شرمندگی کے ساتھ کہو کہ یااللہ ہم سے فلاں گناہ ہو گیا معاف کر دیجئے۔ معافی ہو جائے گی۔ دوسروں سے ناپاکی کا اظہار کرنا کوئی اچھی بات ہے؟ یہ بھی کوئی فیشن ہے یا تواضع ہے۔ ہر ایک سے کہا جائے کہ ہم بڑے گنہگار ہیں۔ اچھا اگر تم گنہگار ہو تو کس کے ہو؟ گندہ آدمی کسی کام کا نہیں ہوتا۔ اس کی کوئی وقعت اور عزت نہیں۔ تم نے یہ کیا محاورہ اختیار کر رکھا ہے کہ بڑے گنہگار ہیں۔ بھائی اگر گنہگار ہو کیوں توبہ استغفار نہیں کر لیتے؟ کون سی چیز مانع ہے پاک وصاف ہونے میں؟"

توبہ اور اس کی قوت

فرمایا: "رات کو سوتے وقت اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا استحضار کر کے اس پر شکر ادا کر لیا کرو اور اپنی دن بھر کی تقصیرات کا جائزہ لو' جہاں جہاں دل بہکا' زبان بہکی ان پر استغفار کر لو' پاک صاف ہو جاؤ گے۔ پھر کلمہ شہادت سے ایمان کی تجدید کر لو اور پڑھو۔

اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدً رَّسُوْلُ اللّٰهِ . اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ رَبِّی مِنْ كُلِّ ذَنْبٍ وَّ اَتُوْبُ اِلَيْهِ

بس پاک ہو گئے' جب اتنا سہل نسخہ پاکی کا موجود ہے تو اپنے اس اعلان سے کہ ہم بڑے گنہگار ہیں کیا فائدہ؟ یہ بڑی ناشکری کی بات ہے۔ اگر اسی پر پکڑ لئے گئے کہ کہتے پھرتے ہو ہم بڑے گنہگار ہیں اور توبہ استغفار نہیں کرتے تو یقیناً سزا ملے گی۔ سزا سے چھوٹ نہیں سکتے تو عافیت اسی میں ہے کہ گناہ ہو جائے توبہ کرو' پھر گناہ ہو جائے پھر توبہ کر، پھر گناہ ہو جائے پھر توبہ کرو' عمر بھر یہی کرتے رہو۔ ارے توبہ واستغفار میں بڑی قوت ہے۔ اس کی عادت ڈال کر تو دیکھو۔ گناہوں سے خود بخود نفرت ہو جائے گی۔"

سلامتی ایمان

فرمایا: "اگر اپنے ایمان کو سلامت رکھنا چاہتے ہو اور اپنے ایمان کا تحفظ چاہتے ہو تو کثرت سے استغفار کیا کرو اور اپنے ایمان پر شکر ادا کیا کرو کہ یااللہ آپ نے اپنی کروڑوں

مخلوق میں سے ہم کو ممتاز فرمایا کہ نبی رحمت ﷺ کا امتی بنایا۔ حضور اکرم ﷺ کا غلام بنا کر ہمیں بڑی پشت پناہی عطا فرمادی ہے۔یا اللہ ہم بڑے خوش نصیب ہیں۔

اَللّٰھُمَّ لَکَ الْحَمْدُ وَ لَکَ الشُّکْرُ"

مکافات عمل

فرمایا: ''بھائی! سمجھ لو کہ آج کل ایمان کی حفاظت بہت ضروری ہے 'اللہ تعالیٰ کا قانون ہے عمل اور رد عمل' جیسا کرو گے اس کا رد عمل ویسا ہی ہو گا۔ یقین جانو یہ اللہ تعالیٰ کا قانون ہے اور یہ کبھی نہیں بدلے گا۔اس قانون کے اندر اللہ تعالیٰ کی رحمتیں پوشیدہ ہیں۔ان لوگوں کے لئے جو اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے اور اس کی قہاری و جباری سے ڈر کر اور مواخذہ آخرت سے 'خوف کے ساتھ 'اپنی بداعمالیوں سے توبہ واستغفار کر لیا ان کے لئے اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ ان کو معاف کر دیا جائے گا۔"

ایمان کے تقاضے اور معاشرے کی خرابیاں

فرمایا: ''آپ سب مشاہدہ کر رہے ہیں کہ آج پاکستان اور ممالک اسلامیہ کے ہر شعبہ زندگی میں گناہ کبیرہ رائج الوقت ہو رہے ہیں اور فواحشات و منکرات کو تہذیب حاضرہ کا طرہ امتیاز سمجھا جا رہا ہے۔اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ پاکی 'صفائی 'حیا' شرم' غیرت 'عصمت 'عفت سب ختم ہوتی جا رہی ہیں۔۔۔ سب لوگ کہتے ہیں کہ دعا کیجئے کہ ایمان پر خاتمہ ہو، مگر ایمان ہے کیا چیز؟ جس پر خاتمہ ہو 'پہلے اس کا احساس تو کر لیا جائے اگر ذرا غور کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ ایمان پر خاتمہ کی تمنا یہ محض ہماری خوش فہمی ہے ورنہ حقیقت یہ ہے کہ ہم نے اپنے عقیدے اور اعمال سے خود ہی ایمان کا خاتمہ کر رکھا ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ ایمان اور حیا ایک ہی چیز ہے۔اگر حیا ختم تو ایمان بھی ختم 'اپنے ماحول اور معاشرہ میں بے شرمی اور بے حیائی خواص و عوام سب میں ظاہر

ہو رہی ہے۔ غور فرمائیں کہ ہمارے اجزائے ایمان ماؤف ہو گئے ہیں۔ تو پھر اس کا جائزہ لیا جائے کہ ایمان کے تقاضوں پر ہم کس قدر عمل کر رہے ہیں۔ جس قدر بھی ایمان کے تقاضوں پر عمل ہو رہا ہے اس پر اللہ کا شکر ادا کیا جائے اور مزید توفیق کے لئے دعا کی جائے۔ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ جو بندہ ہماری دی ہوئی نعمتوں پر شکر ادا کرتا ہے ہم اس کی نعمتیں اور بڑھا دیتے ہیں اور ان میں برکت عطا فرماتے ہیں۔ ہر روز صبح کو جب اپنے معمولات سے فارغ ہوا کرو تو اس پر شکر ادا کیا کرو کہ الحمد للہ ہم صاحب ایمان ہیں اور دعا کیا کرو کہ یا اللہ ہمارا ایمان' ہماری بداعمالی اور ہماری غفلت کی وجہ سے ضعیف ہے' یا اللہ ہم کو اعمال صالحہ کی توفیق عطا فرمائے' کوتاہیوں پر استغفار کی توفیق عطا فرمایئے اور ہم کو ہر شعبہ زندگی میں نیک ہدایت عطا فرمایئے اور بے غیرتی اور بے حیائی کے کاموں سے بچایئے تاکہ ہمارا ایمان کمزور نہ ہونے پائے۔ عافیت بہت بڑی دولت ہے' عافیت کی بہت دعا مانگا کرو اور جو عافیت حاصل ہے اس پر شکر ادا کیا کرو کہ یا اللہ آپ نے ہمیں ہر طرح سے عافیت دے رکھی ہے باوجود اسکے کہ ہمارے ماحول پر آشوب ہے' ہر جگہ حادثات ہیں' سانحات ہیں پریشانیاں ہیں' بیماریاں ہیں پھر بھی یا اللہ آپ نے ہم کو ہر طرح کا اطمینان عطا فرمایا ہے۔ سکون قلب دیا ہے' فراغت دی ہے۔

اَللّٰھُمَّ لَکَ الْحَمْدُ وَ لَکَ الشُّکْرُ

اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنے سے ان نعمتوں میں بھی اضافہ ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے۔ تو بھائیو! اللہ تعالیٰ کی عطا کی ہوئی ان نعمتوں کا شکر ادا کر لیا کرو' ایک ایمان حاصل پر دوسرے عافیت حاصل پر۔ آپ ان کی قدر کریں۔"

ترک ایمان کے نتائج

فرمایا: "خلاف فطرت اور خلاف عقل سلیمہ یعنی احکامات اور ہدایات الہیہ کے خلاف زندگی بسر کرنے سے آج دنیا بدحواس ہے اور برباد ہو رہی ہے اپنی لغویات اور

اپنی بیہودگیوں اور ناپاکیوں سے تمام دنیا میں اکثر لوگ اپنے اس گندے ماحول اور معاشرہ سے عاجز آگئے ہیں مگر ان کے لئے اس سے نجات کی صورت نہیں۔ میں اسی لئے ان واقعات سے متاثر ہو کر بار بار دہراتا ہوں کہ خدا کے لئے اپنے ایمان کی قدر کرو' اپنے اسلام کی قدر کرو اور اس کے ضابطے اور حدود کے اندر رہ کر عافیت حاصل کرو اسی میں دنیا اور آخرت کی فلاح ہے۔

بڑے افسوس کی بات کہ ہماری مملکت اسلامیہ اور دوسرے مسلم ممالک اپنی ناعاقبت اندیشی سے دشمنوں کی رائج کردہ تہذیب و معاشرہ کی دلفریبی سے مغلوب ہو کر اور نفسانی و شہوانی تفریحات و مشاغل میں مبتلا ہو کر ہر صورت سے برباد ہو رہے ہیں' سیاسی اعتبار سے بھی اور اقتصادی لحاظ سے بھی۔ اخلاقی شعور و شعائر بھی ختم ہو رہا ہے' ہم بڑی غفلت کے ساتھ اپنا وقار اسلامیہ ختم کرتے جا رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم پر رحم فرمائیں اور دین و دنیا کی ہلاکت سے بچالیں۔ ایمان کی کمزوری سے قوت و ہمت بھی زائل ہو جاتی ہے اور جہاد کا جذبہ سرد پڑ جاتا ہے۔ نفس و شیطان نے ہم کو ایسا بزدل بنا دیا ہے کہ ہم دشمنوں کا مقابلہ نہ سیاسی اعتبار سے کر سکتے ہیں اور نہ ان کی مہلک سازشوں سے بچ سکتے ہیں اور ہر طرح سے ان کے دست نگر اور ضروریات زندگی میں ان کے محتاج بن گئے ہیں۔"

ایمان اور اعمال صالح

فرمایا: "حیات طیبہ حاصل ہوتی ہے ایمان اور اعمال صالحہ سے اور اعمال صالحہ روزمرہ کے اعمال ہیں جو دین کے مطابق ہوں۔ وقتی تقاضوں کو پورا کرنا شریعت کے مطابق اعمال صالحہ ہیں۔"

عبادات

اعمال صالحہ روح کی غذا ہیں

فرمایا: ”اللہ تعالیٰ نے ایمان عطا فرمانے کے بعد اعمال صالحہ کی ترغیب و تاکید فرمائی ہے۔ کیونکہ اعمال صالحہ یعنی عبادات و طاعات، اذکار تسبیحات ہی روح کی خاص غذائیں ہیں اور تمام فرائض و واجبات میں نماز روح کی خاص الخاص غذا ہے۔ چنانچہ روح کو اپنی قوت بڑھانے اور اس کو روبکار لانے کے لئے دن رات میں کم از کم پانچ وقت نماز ادا کرنے کی شدید ضرورت ہے۔ اس لئے مومن کے آخری لمحات زندگی میں ایمان کے مستحضر رہنے کے لئے اور جب تک جسم میں روح باقی ہے، روح کو اپنی خاص غذا حاصل کرنے کے لیے نماز کی ضرورت ہے خواہ وہ نماز اشارہ ہی سے کیوں نہ پڑھی جائے۔ مریض کے جانکنی کے وقت سورہ یسین پڑھنی اور کلمہ طیبہ کی تلقین سے بھی یہی بات مترشح ہوتی ہے کہ جب تک جسم میں روح باقی ہے، روح کو کلام الٰہی سے غذا ملتی رہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

حدیث شریف میں ہے کہ وصال کے وقت آخری وصیت جو آنحضرت ﷺ نے امت کے لئے فرمائی تھی وہ یہ تھی ”اَلصَّلٰوۃُ عِمَادُالدِّیْن وَمَا مَلَکَتْ اَیْمَانُکُمْ اَلصَّلٰوۃُوَ مَا مَلَکَتْ اَیْمَانُکُمْ“ (یعنی نماز کی پابندی کرو اور اپنے ماتحتوں کا خیال رکھو) یہ دو مرتبہ ارشاد فرمایا۔ اس حدیث شریف سے نماز کی اہمیت کا اندازہ لگایئے کہ حضور اقدس ﷺ آخری وقت میں بھی نماز کی تاکید فرمارہے ہیں، معلوم ہوا کہ ہمارا ایمان صلوۃ ہی کی پابندی سے محفوظ ہے، اس کی بڑی قدر کرو۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو یقین اور ایمان کامل کے ساتھ اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین۔

اگر صحت و تندرستی میں نماز کی عادت قوی ہوجاتی ہے تو آخر وقت میں یہی عادت

عود کر آتی ہے اور نماز کسی نہ کسی طرح ادا کرنے کا تقاضا ہوتا ہے اور نماز میں اللہ تعالیٰ کی طرف حضوری ہو جاتی ہے اور یہی ایمان کی دلیل ہے تو خدا کے لئے نماز کی بڑی قدر کرو اور اس کی برکات سے فائدہ حاصل کرو خواہ اس وقت ابتدا میں نماز کی حقیقت اور اس کی برکات و ثمرات ہم کو محسوس نہ ہوں۔ مگر جن لوگوں نے نماز پابندی کے ساتھ اور اس کے تمام لوازمات ظاہری و باطنی کے ساتھ پڑھنے کی عادت ڈالی ہے ان سے پوچھو کہ نماز کیا چیز ہے۔ جب ان کو نماز میں خشوع و خضوع اور حضور قلب کی کیفیت طاری ہوتی ہے تو ان کو تمام نفسانی لذتیں قابل نفرت معلوم ہوتی ہیں اور دنیا ہیچ معلوم ہوتی ہے۔

جب اللہ تعالیٰ نے ہمارے لئے ہر روز پنج گانہ نماز فرض کی ہے تو اس میں ہماری ظاہری و باطنی فلاح اور دنیا و آخرت کی شادمانی اور کامرانی رکھی ہوگی چنانچہ ابتدائے اسلام میں جب مسلمانوں نے اللہ تعالیٰ کی اس عبادت کو اپنا شعار بنالیا تو تمام دنیا ان کی عزت وو قار سے مغلوب ہو گئی اور تاریخ اس بات کی شاہد ہے۔"

قرآن پاک دیکھ کر پڑھنے کی ترغیب

فرمایا: "ایک بہت ہی کام کی بات بتلاتا ہوں قرآن شریف کو دیکھ کر پڑھنے میں زیادہ ثواب ملتا ہے۔ اس پر یاد آیا حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ایک شخص نے ان کی خدمت میں ایک عریضہ لکھا کہ ہر وقت کام دھندے اور پریشانی میں رہتا ہوں باقاعدہ ذکر اللہ نہیں کر سکتا۔ اس کا جواب حضرت مولانا گنگوہیؒ نے لکھا کہ "تم اور کام دھندوں میں اس ذکر کو شامل کر لو اگرچہ چار پانچ منٹ ہی ہو۔ اگر ایک عضو بھی ذکر میں لگا ہوا ہو تو تمام اعضاء ذاکر ہو جاتے ہیں اور حرکت میں آجاتے ہیں"۔ پھر فرمایا تلاوت میں تو چار اعضاء ذکر کرتے ہیں، زبان، آنکھ، کان اور قلب پھر تمام جسم ذاکر کیوں نہ ہوگا۔ زبان کو ذکر میں لانا چاہئے ' محض ذکر قلبی ' مراقبے 'استغراق کچھ نہیں 'زبان ذکر کا ذریعہ ہے اس کے بغیر کیا ہو سکتا ہے 'جب یہ

متحرک نہ ہو قلب کیسے ہو گا اور ذکر قلبی کا مطلب وہ نہیں کہ دل خود بخود اچھلنے لگے یا اس میں آواز آنے لگے بلکہ ہر وقت دل میں اللہ تعالی کا خیال رہے اور فکر ہو جائے کہ اب اللہ تعالی کا کیا حکم ہے 'اس وقت اس کا کیا حکم ہے 'اس وقت مجھ کو کیا کرنا چاہیے اسی کو ذکر مع الفکر اور ذکر قلبی یا پاس انفاس کہتے ہیں۔اس کی ایسی مثال ہے کہ کار میں دیکھئے سب چیزیں موجود ہیں 'تیل 'پیٹرول 'مشین سب موجود اور درست ہیں لیکن چلتی نہیں 'اگر دھکا دو گے تو تھوڑی دور چل کر پھر ٹھہر جائے گی لیکن اگر اس کے اسٹارٹر کو حرکت دو اور اس کو گھماؤ تو اس کے حرکت میں آنے سے تمام موٹر حرکت میں آجائے گی اور چلنے لگے گی 'اس طرح زبان بھی اسٹارٹر ہے پھر تلاوت میں اتنے اعضاء ذاکر ہیں تو کیسے اثر نہ ہو گا۔''

نماز

حقیقت نماز

فرمایا: ”نماز کی حقیقت اس طرح بھی سمجھ لیجئے کہ نماز ایک نور ہے۔ جس وقت اللہ تعالیٰ کے حضور میں دست بستہ کھڑے ہو گئے اور کلام اللہ کی تسبیحات و آیات کی تلاوت کرنے لگے تو آپ اس کے نور سے منور ہو گئے۔ اب آپ کے دل میں جو پوشیدہ رذائل اور جذبات تھے جو زندگی میں غیر محسوس طریقے سے اثر انداز ہوتے رہتے ہیں وہ اس نور میں نظر آنے لگے اور آپ کو مکدر کرنے لگے اور آپ ان کی طرف متوجہ ہو گئے اور ان کی ناپاکیوں سے آپ کا حضور قلب ختم ہو گیا آپ گھبرانے لگے' اب اس وقت یہ سمجھنے کی ضرورت ہے کہ ان جذبات و خیالات کا ظہور اختیاری ہے یا غیر اختیاری۔ یقیناً غیر اختیاری ہے کیونکہ یہ آپ کو پسند نہیں ہیں اور آپ ان کو نماز میں مخل سمجھ رہے ہیں مگر آپ کے اختیاری امور یعنی ارکان نماز کی ادائیگی میں کوئی خلل واقع نہیں ہوتا اور آپ اسی کے مکلف ہیں جب آپ نے ارکان نماز کما حقہ ادا کر لئے تو آپ کی نماز تو ادا ہو گئی اور غیر اختیاری خیالات کا اس پر کوئی اثر نہیں ہوا اس لئے اطمینان رکھئے کہ فریضہ نماز ادا ہو گیا۔ اب کوئی وہم نہ کیجئے' غیر اختیاری طور پر جو کچھ ہوا اس سے نماز کے اختتام پر توبہ کر لیجئے۔ بس آپ اسی قدر مکلف ہیں۔

دوسری بات ایک اور سمجھ لیجئے کہ صرف نماز میں وساوس و خطرات کا ہجوم ہوتا ہے' آخر نماز کے علاوہ دوسرے تعلقات و معاملات زندگی میں کیوں نہیں ہوتا۔ معلوم ہوتا ہے کہ نماز ہی ایک ایسا عمل ہے جو مرکز بن جاتا ہے ان غیر اختیاری خطرات وغیرہ کا' تو معلوم ہوا کہ اس میں بھی آپ کے لئے کوئی حکمت ہے۔ ممکن ہے کہ منجملہ اور حکمتوں

کے ایک یہ بھی ہو کہ اس میں اپنا عجز اور فطری کمزوریاں مشاہد ہوتی ہیں جن کے استحضار سے ندامت اور رقت قلب پیدا ہوتی ہے اور اس کے تدارک کے لئے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں مغفرت اور رحمت کی احتیاج محسوس ہوتی ہے اور ہم استغفار میں مشغول ہو جاتے ہیں اور اس طرح رجوع الی اللہ ہونا عبد کے لئے عین مقصود اور مطلوب ہے۔

ایک اور حقیقت پر بھی نظر جاتی ہے کہ یہ خیال کیجئے کہ آپ نے نماز کیوں پڑھی؟ اس لئے کہ اللہ جل شانہ کا حکم ہے۔ کس صورت سے پڑھی اور کس طرح اس کے ارکان ادا کئے 'اسی صورت سے جس طرح نبی الرحمۃ ﷺ نے ادا کئے اور پڑھی 'اس حالت میں؟ نہایت ہی پراگندہ اور آشفتہ خیالی کے ساتھ۔ نماز کے ساتھ یہ تین نسبتیں وابستہ ہیں۔ اب غور کرنے کی بات ہے کہ جس عمل میں امتثال امر الٰہی ہو اور جس عمل کی ادائیگی میں اتباع سنت کی سعادت حاصل ہو 'اس عمل کی حقیقت اور اس کی عظمت اور علویت کا کیا درجہ ہے۔ کیا یہ کوئی معمولی بات ہے 'کوئی معمولی توفیق و سعادت ہے۔ ہماری حیات مستعار میں یہ لمحات کس قدر مغتنم اور گرامی قدر ہیں اس کا کوئی اندازہ بھی ہو سکتا ہے؟ ان کی حقیقت تو آنکھ بند ہونے ہی پر انشاء اللہ تعالیٰ روشن ہو گی۔''

فرمایا: ''میں آپ کو اس حقیقت کی طرف متوجہ کرنا چاہتا ہوں کہ اگر ہم اپنے ایمان اور اسلام کو محفوظ رکھنا چاہتے ہیں تو جو طریقہ اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت کاملہ سے ہمارے دین کی حفاظت کے لئے بتایا ہے اور جو ہمارے لئے قوی اور مستحکم قلعہ ہے 'اس کو عمل میں لائیں اور وہ ہے نماز۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: **الصلوۃ عماد الدین** ''نماز دین کا ستون ہے۔ جس نے اسے چھوڑا اس نے اپنا دین ویران کیا 'صحابہ کرام رضی اللہ عنھم نے حضور ﷺ سے پوچھا کہ تمام کاموں میں کونسا کام افضل ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا وقت پر نماز ادا کرنا' جنت کی کنجی نماز ہے 'اللہ تعالیٰ نے توحید کے بعد اپنے بندوں پر نماز فرض کی ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ کے نزدیک نماز سے زیادہ کوئی چیز محبوب ہوتی تو وہ اپنے فرشتوں کو اسی میں مشغول رکھتا 'مگر فرشتے ہمیشہ نماز میں رہتے ہیں۔ ایک گروہ فرشتوں کا رکوع میں ہے

۔ایک گروہ سجدہ میں ہے۔ایک گروہ قیام میں ہے' ایک گروہ تشہد میں ہے۔''

نماز ایمان وعافیت کی محافظ ہے

فرمایا: ''نماز ہی ایسی چیز ہے کہ جس میں اللہ تعالیٰ نے ایسی قوت رکھی ہے کہ جس سے ایمانی تقاضے پیدا ہوتے ہیں اور شرف انسانیت کا شعور پیدا ہوتا ہے۔ نماز ایسی چیز نہیں ہے کہ ہم اس کو روز مرہ کا ایک معمولی عمل سمجھ لیں اور اسکی کوئی قدر اور اہمیت ہماری نظر میں نہ رہے۔اگر ایسا سمجھ لیا ہے تو ہماری بڑی محرومی ہوگی۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو اپنے ساتھ رابطہ قائم کرنے کے لئے اور اپنے ساتھ تعلق محبت کو بڑھانے کے لئے اور اپنی معرفت و قرب عطا فرمانے کے لیے اور اپنی نصرت واعانت عطا فرمانے کے لئے خاص طور پر نماز کی طرف متوجہ فرمایا ہے۔ غور کیجئے تو نماز میں یہ سب مقاصد بدرجہ اتم موجود ہیں۔ دیکھئے جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ سے شرف حضوری اور اعزاز ہمکلامی حاصل ہوا تو اللہ تعالیٰ کس خصوصیت کے ساتھ انکو مخاطب کرکے فرماتے ہیں۔ وَاَقِمِ الصَّلٰوۃَ لِذِکْرِیْ...... یعنی مجھے یاد رکھنے کے لئے نماز پڑھا کرو۔ پھر ہمارے آقائے نامدار سردار دو عالم ﷺ کو معراج میں درجہ قرب الٰہی عطا ہوا جس کا اندازہ کون کرسکتا ہے۔ عالم کائنات کے تمام تخیلات وتصورات اس کے ادراک سے قاصر ہیں۔

اس قرب خصوصی پر فائز فرمانے کے بعد اللہ جل شانہ نے اپنی حضوری میں اپنے محبوب کو جو خلعت شاہانہ کا تحفہ عطا فرمایا وہ پانچ وقت کی نمازیں ہیں۔''

نماز کی قدر ومنزلت

فرمایا: ''اللہ اکبر! نماز کی قدر ومنزلت کا کیا ٹھکانہ ہے اس کا انتہائی شرف یہ ہے کہ نماز معراج المومنین ہے۔ کلام اللہ میں جس کثرت سے نماز کا ذکر اور اس کی اہمیت اور تاکید اور اس کے برکات وثمرات مذکور ہیں وہ کسی دوسرے فرض وواجب کی نہیں

ہیں۔ بار بار اللہ تعالی نے مسلمانوں کو اس طرف متوجہ فرمایا اور بڑی تاکید کے ساتھ اس کو وقت مقررہ پر ادا کرنے کی ہدایت فرمائی ہے۔ نماز کو جب تک ہوش و حواس قائم رہیں کسی حالت میں بھی ترک نہیں کیا جا سکتا۔ خواہ کوئی حالت بھی ہو ہر حال میں نماز کا ادا کرنا فرض ہے۔ اگر جہاد ہو رہا ہے تو اللہ تعالی فرماتے ہیں کہ وقت پر ایک خاص طریقہ سے نماز ادا کرو اور اسی طرح اگر سفر میں ہو تب بھی نماز پڑھو اور نماز میں قصر کر لیا کرو مگر ترک نہ کرو، اگر وضو نہیں کر سکتے تو تیمم کر لیا کرو۔ اگر کھڑے ہو کر نہیں پڑھ سکتے تو بیٹھ کر پڑھ لیا کرو۔ اگر اس طرح بھی تکلیف ہو تو لیٹ کر پڑھو اور اگر ضعف کا غلبہ ہو تو اشارہ سے نماز پڑھو' اس طرح جو بھی نماز ادا ہو گی وہ کامل نماز ہو گی ۔کیونکہ یہ رخصت عملی اللہ تعالی ہی کی طرف سے ہے' بندہ جس حالت مجبوری میں ہے وہ ان کے علم میں ہے' اس کو ایسے وقت میں بھی نماز کا مکلف فرمایا ہے اور اس حالت کے مطابق نماز ادا کرنے کی آسان صورت بھی تعلیم فرما دی ہے تو ان کے حکم کی بجا آوری میں جو نماز ہو گی وہ ضرور کامل ہو گی۔ حکم بھی ہے کہ جب تک نزع میں ہوش ہے نماز ضرور پڑھی جائے۔

اللہ اکبر! کچھ انتہا ہے اللہ تعالی کے رحم و کرم کی کہ ہر حال میں بندہ کو اپنی حضوری میں رکھنا چاہتے ہیں۔ ایمان پر خاتمہ کیا ہے؟ یہی ہے کہ اگر نزع میں بھی نماز کا وقت آ گیا تو اشارہ ہی سے سہی نماز کی طرف متوجہ ہو جاؤ۔ یہی ایمان پر خاتمہ ہے۔"

سجدہ مقام قرب ہے

فرمایا: "یہ حقیقت بھی واضح ہوتی ہے جو تمام حقائق و معارف کی روح رواں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہم پر جس قدر بھی فرائض و واجبات عائد فرمائے ہیں ان کی ادائیگی میں بے حد و حساب اجر و ثواب کا وعدہ ہے اور اپنی رضائے کاملہ حاصل کرنے کے لئے ان کو قوی اور غیر متزلزل ذریعہ بنایا ہے۔ اپنا خصوصی مقام قرب عطاء کرنے کے لئے اپنے ایک عاجز بندہ مومن کی نماز ہی کے اندر یہ راز مخفی فرمایا ہے کہ جب حالت نماز میں خواہ

وہ نماز اشارہ ہی سے کیوں نہ ہو' بندہ حالت سجدہ میں ہوتا ہے' تو یہ سجدہ ہی وہ مقام قرب ہے جس کی علویت وعظمت کی کوئی انتہا نہیں۔"

نماز کا حق جیسا چاہئے، ادا نہیں کرتے

فرمایا: "بعض نادان کہتے ہیں کہ ہم دیکھتے ہیں کہ لوگ نماز بھی پڑھتے ہیں اور دنیا بھر کے خرافات میں بھی مبتلا ہیں۔ نماز بھی پڑھتے ہیں ٹیلیویژن بھی دیکھتے ہیں' فضولیات اور لغویات بھی کرتے جاتے ہیں' جھوٹ بھی بولتے ہیں' غیبت بھی کرتے ہیں' وعدہ شکنی بھی کرتے ہیں۔ اہل تعلقات سے بد معاملگی بھی ہوتی جاتی ہے' تو پھر ایسی نماز سے کیا فائدہ۔ سنئے! پہلی بات تو یہ ہے کہ ہم نماز کا حق جیسا چاہئے وہ ادا ہی نہیں کرتے۔ پھر یہ بھی ہے کہ منکرات ولغویات ترک کرنے کا ہم ارادہ ہی نہیں کرتے یا ان منکرات کو ہم گناہ ہی نہیں سمجھتے تو پھر توبہ کی بھی توفیق نہیں ہوتی۔ مگر میں کہتا ہوں اور آپ خود اس کا اندازہ کر کے دیکھیں کہ ایک مسلمان خواہ وہ کیسی ہی نماز پڑھتا ہو' بے نمازی سے اس کی دینی حالت پھر بھی بہتر ہوگی۔ پھر اس پر بھی غور کیجئے کہ کتنے گناہ کبیرہ ہیں کہ لوگ اس میں مبتلا ہیں مگر ہم اور آپ ہیں کہ ان سے بالطبع نفرت کرتے ہیں۔ پھر بہت سے ایسے گناہ ہیں جن میں ہم اور آپ نفس وشیطان سے مغلوب ہو کر مبتلا ہو جاتے ہیں مگر پھر متنبہ ہوتا ہے تو توبہ واستغفار کی توفیق ہو جاتی ہے یہ بھی نماز ہی کی تو برکت ہے اور یہی برکت فلاح دارین کا باعث ہے۔

اکثر لوگ کہتے ہیں کہ اتنے دنوں سے دعائیں مانگ رہے ہیں قبول نہیں ہوتیں' اتنے دنوں سے وظیفے پڑھ رہے ہیں ان کا کوئی اثر نہیں ہوتا' اتنے دنوں سے نماز پڑھ رہے ہیں' نماز میں دل نہیں لگتا۔ جب نفس وشیطان غالب ہو جاتا ہے تو نماز بھی ترک کر دیتے ہیں۔ اول تو عقیدہ ہی فاسد ہے کہ نماز اور وظائف اس لئے ہیں کہ ان کی برکت سے ہمارے دنیاوی مقاصد پورے ہوتے رہیں۔ نماز تو اللہ تعالیٰ کا حکم ہے' تم پر فرض

ہے کہ نماز پڑھو' تم کو حکم ہے کہ دعا کرو اس لئے ہر حال میں حکم الٰہی کی تعمیل تم کو کرنا پڑے گی خواہ کوئی بھی حالت ہو' جب تم نے ان کے حکم کی تعمیل کرلی خواہ طوعاً یا کسلاً ہی سہی تو پھر اللہ تعالیٰ کی شان رحمانیت تم کو دنیا کی کسی سعادت سے محروم نہ رکھے گی۔"

نماز فجر کا اہتمام

فرمایا: "اکثر لوگ یہ کہتے ہیں کہ صبح کی نماز نہیں بن پڑتی۔ تو بھائی اس میں قصور کس کا ہے' جب تم رات کے بارہ بجے تک اپنی تفریحات ولغویات میں مشغول رہو گے تو پھر صبح کیسے آنکھ کھلے گی۔ یہ سب نفس کی شرارت ہے کیونکہ تمہارے دل میں نماز کی کوئی اہمیت نہیں ہے اس لئے نفس ترک نماز کے لئے نامعقول عذر اور بہانے کرتا رہتا ہے۔ یاد رکھو نماز کا ترک کرنا کوئی معمولی بات نہیں ہے۔ یہ اللہ جل شانہ کی حکم عدولی ہے۔ دنیا میں بھی اس کا وبال بھگتنا پڑتا ہے اور آخرت میں بھی اس کی بڑی سنگین سزا ہے۔ عبرت کی نظر سے دیکھو آج گھر گھر پریشانیاں اور بیماریاں زور پکڑ رہی ہیں یہی شامت اعمال ہے جس سے پناہ مانگنے کی بھی توفیق اس لئے نہیں ہوتی کہ نماز نہیں پڑھی جاتی' جس کے وبال سے توبہ کی بھی توفیق نہیں ہوتی اور شامت اعمال کا احساس ہی نہیں ہوتا کہ یہ سب اللہ تعالیٰ سے رجوع نہ ہونے کا وبال ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنا رحم فرمائیں اور ہدایت عطا فرمائیں اور توفیق دیں کہ ہم ان کی طرف رجوع ہوتے رہیں تاکہ ہر حال میں ان کی رحمت ہمارے شامل حال رہے۔

اپنے وقت کا انضباط کرلو انشاء اللہ تعالیٰ اس سے بڑی برکت ہوتی ہے اور سب سے ضروری کام آسانی سے ہو جاتے ہیں اور نمازیں وقت کی پابندی کے ساتھ ادا ہوتی رہتی ہیں اور دل میں سکون رہتا ہے' اس کی بڑی قدر کرو۔ ہمارے حضرت والا فرماتے ہیں کہ عشاء کی نماز پڑھ لینے کے بعد اگر میں دیکھتا ہوں کہ کوئی دنیا کی باتیں کر رہا ہے تو جی چاہتا ہے کہ اسکے گولی مار دوں' ایسا ناقدرداں ہے یہ وقت کا کہ عشاء کی نماز کے بعد فضولیات

میں مبتلا ہو گیا۔ ارے عشاء کی نماز تو تم کو سارے دن کی ناپاکی سے اور آلودگی سے پاک کر چکی تھی اور پھر تم اس میں مبتلا ہو گئے۔ عشاء کے بعد پھر وہی لغو باتیں شروع کر دیں تو جب خود دیدہ و دانستہ اپنی عافیت برباد کر رہے ہو تو ہم اس کا تدارک کیا بتائیں۔ پھر کہتے ہیں کہ صبح آنکھ نہیں کھلتی، صبح کیسے آنکھ کھلے؟

اسی طرح ہمارے حضرت والاؒ فرماتے ہیں کہ جو لوگ صبح کی نماز کے لئے نہیں اٹھتے ہیں بڑے ناقدردان ہیں یہ وقت ہوتا ہے اللہ تعالیٰ کی رحمتوں کے نزول کا، اس وقت اللہ تعالیٰ عالم کائنات میں ایک نئی روح پیدا فرماتے ہیں، ایک نئی تازگی آتی ہے، زمین میں رویدگی پیدا ہوتی ہے، پھول کھلتے ہیں، کلیاں کھلتی ہیں، خوشگوار ہوائیں چلتی ہیں جن سے جسم و جان میں تازگی آجاتی ہے۔ اور اس وقت تم پڑے سو رہے ہو، عالم امکان میں بیداری کا سماں ہے۔ نباتات میں نئی جان آرہی ہے۔ حیوانات اور پرندوں سب پر سکون و فرحت طاری ہے اور اپنی اپنی زبان میں سب اللہ تعالیٰ کے ذکر میں مشغول ہیں، اس وقت تم غافل پڑے سو رہے ہو، تمہارے دل و دماغ سب بے حس ہیں، یہ بڑی ناقدری کی بات ہے۔ پھر کہتے ہیں کہ صحت خراب ہے۔ وہ بیماری ہے اور یہ پریشانی ہے، فلاں کام میں رکاوٹ ہو رہی ہے۔ آئے دن طرح طرح کی بیماریاں پیدا ہوتی جارہی ہیں کیونکہ تم فطرت کی خلاف ورزی کر رہے ہو۔ طبی لحاظ سے بھی دیر میں سونا اور دیر میں جاگنا دونوں مضر ہیں۔ تندرستی خراب ہو جاتی ہے۔ دیدہ و دانستہ ہم لوگ اس میں مبتلا ہیں اور پھر شکایت کرتے رہتے ہیں۔"

نماز میں ظاہری اور باطنی صحت کا راز ہے

فرمایا: "نماز کی پابندی کرو، نماز بڑی نعمت ہے، نماز ہماری ظاہری و باطنی صحت کا راز ہے خواہ تمہاری سمجھ میں آئے یا نہ آئے۔ نماز پڑھنے کی عادت ڈالو، ایک ایسا وقت آئے گا کہ سمجھ لو گے کہ نماز واقعی ہمارے لیے منجانب اللہ بڑی نعمت ہے پھر اس احساس

کے بعد اگر نماز چھوڑنا بھی چاہو گے تو نہ چھوڑ سکو گے۔ جب تک اس کا احساس غالب نہ ہو گا یہی سمجھو گے کہ یہ صرف اٹھک بیٹھک ہوتی ہے 'دل کہیں ہے دماغ کہیں ہے' رکوع میں ہیں اور فاسد خیال آرہے ہیں' سجدہ میں اللہ میاں کے سامنے سر رکھا ہوا ہے لیکن نفسانی اور شہوانی خیالات چکر لگا رہے ہیں' یہ کیا نماز ہے کہ نماز پڑھ چکنے کے بعد یہ بھی یاد نہیں کہ کتنی رکعت پڑھیں' تین پڑھیں یا چار پڑھیں یا پانچ پڑھیں' بس حواس باختہ نماز پڑھ لی۔ دیکھئے پھر میں آپ سے یہی کہتا ہوں کہ خدا کے لئے نماز کی پابندی کیجئے چاہے اٹھک بیٹھک کرو' چاہے بے حسی سے پڑھو' چاہے غفلت سے پڑھو' جس طرح بھی پڑھو لیکن نماز کسی حال میں بھی نہ چھوڑو۔ تم اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل کر رہے ہو۔ یہی تمہاری نماز مقبول ہے' یہی نجات دلانے والی چیز ہے' اسی نماز سے حشر میں تمہارے اعمال کا پلہ وزن میں بھاری ہو گا' انشاء اللہ تعالیٰ' یہی نماز تم کو جنت میں لے جائے گی جس کی آج تم ناقدری کر رہے ہو' یہی نماز اور یہی سجدے قیامت کے دن تمہاری پیشانی پر نور بن کر چمکیں گے۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔ خشوع خضوع نہ سہی' حضور قلب نہ سہی' توجہ الی اللہ نہ سہی' لیکن یہ تو دیکھو کہ کس کے سامنے ہاتھ باندھے کھڑے ہو' کس کے آگے جھک رہے ہو' تمہارا سر کس کے آستانہ پر ہے۔ کس احکم الحاکمین کی بارگاہ میں بلا تکلف شرف باریابی حاصل کر رہے ہو' کس کے قرب کی حضوری نصیب ہو رہی ہے۔ یہ عبدیت کا بہت بڑا مقام ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ سجدہ کرو اور ہمارے قریب آجاؤ تو جب اللہ تعالیٰ نے اپنے قریب بلا لیا تو چاہے بد حواس سجدہ ہو یا ہوش و حواس والا' بغیر خشوع و خضوع والا سجدہ ہو یا تفکرات و بد حواسی کا بہر حال صورت سجدہ تو ہے۔ اگر یہ تمہاری نماز قبول نہ ہوتی تو پھر دوبارہ نماز کی توفیق بھی نہ ہوتی۔ خدا کے لئے اس کی قدر کرو۔ نماز کی مستقل توفیق خود علامت ہے مقبولیت کی۔"

نماز میں یکسوئی کا طریقہ

فرمایا: ''عام طور پر لوگ کہتے ہیں کہ نماز میں یکسوئی نہیں ہوتی یہ ایک خواہ مخواہ کا خیال ہے کہ نماز میں یکسوئی نہیں ہوتی' دل نہیں لگتا' اگر یکسوئی نہیں ہوتی تو پھر کیا ہوتا ہے؟ ذرا غور تو کرو کہ جب تم نے نماز کے وقت پر نماز کا ارادہ کیا' وضو کیا' مسجد کی طرف روانہ ہوئے یا اپنے مصلے پر گئے تو اس طرح دل نہیں لگا تو پھر کیا ہوا؟ یہ یکسوئی نہ ہوئی تو کیا ہوئی؟ تمام تعلقات منقطع کر لئے۔ سب مشاغل چھوڑ دیئے اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضر ہو گئے۔ اب دل لگنے یا نہ لگنے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ جس قدر ہم مکلّف تھے ہم نے وہ کر لیا۔ اب اگر غیر اختیاری طور پر خیالات آتے ہیں' آئیں مگر ہم کو چاہئے کہ ہم ان کی طرف متوجہ نہ ہوں بلکہ اپنی نماز کے ارکان کی طرف متوجہ رہیں' اسی قدر ہم کو یکسوئی کی ضرورت ہے اور وہ اس طرح حاصل ہے۔ اس کو اس طرح سمجھئے کہ نماز پڑھنے کے لئے جو شرائط ہیں وہ ہمیں پورا کرنا ہیں۔ زمین پاک ہونا چاہئے۔ طہارت کاملہ ہونی چاہئے' باوضو ہونا چاہئے' قبلہ رخ ہونا چاہئے۔ جب یہ شرطیں موجود ہیں تو اب شریعت آپ کو نماز ادا کرنے کی اجازت دیتی ہے۔ آپ ظاہری آداب کے اسی قدر مکلّف ہیں۔

ہمارے حضرت والاؒ کا ارشاد ہے کہ تم رسول ﷺ کی نماز کے مطابق اپنی نماز کی صورت بنالو۔ کہاں تک ہاتھ اٹھائے جائیں' کہاں ہاتھ باندھیں جائیں' کس طرح جھکا جائے' کس طرح سجدہ کیا جائے' کس طرح نماز میں تلاوت کی جائے۔ غرض جو نماز کے آداب ہیں وہ بجالاؤ اور ٹھہر ٹھہر کر اور سنبھال سنبھال کر نماز کے ارکان ادا کرو' پھر چاہے دل لگے یا نہ لگے۔ انشاءاللہ یہی نماز مقبول ہو جائے گی۔ جس وقت نیت باندھو یہ سوچ لو کہ اللہ تعالیٰ کے سامنے کھڑے ہو' یہ بھی ایک درجہ ہے احسان کا کیونکہ تم تجلی کعبہ کی طرف منہ کئے ہاتھ باندھے کھڑے ہو' وہ بھی تمہاری طرف متوجہ ہیں۔ یہ کس

کی تجلی ہے' غور کرو' اللہ جل شانہ کی تجلی ہی تو ہے' ایک درجہ میں یہی احسان ہے۔ نماز کی حالت میں اعضاء کو غیر ضروری حرکت نہ دو' بس ایک درجہ یہ خضوع کا ہے اور قلب کو غیر ضروری باتوں کی طرف از خود متوجہ نہ کرو' یہی خشوع ہے۔ رفتہ رفتہ انشاء اللہ یہی کیفیات حقیقت میں تبدیل ہو جائیں گی۔ اپنے اختیار میں جو باتیں ہیں ہم ان ہی کے مکلّف ہیں۔ غیر اختیاری باتوں کے ہم مکلّف نہیں ہیں۔ اس طرح ہماری استعداد کے مطابق یہ کامل نماز ہے اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو۔ اس طرح رفتہ رفتہ نماز کا کماحقہ وہ درجہ بھی نصیب ہو جائے گا جو نماز کا خاص مقام ہے۔"

وساوس و خطرات کا علاج

فرمایا: "آپ یہ کہتے ہیں کہ نماز پڑھنے کھڑے ہوں گے تو خطرات اور وساوس اور گندے اور ناپاک تصورات نماز میں آنا شروع ہو جاتے ہیں۔ یہاں ایک بات سمجھنے کی ہے وہ یہ کہ تمہارا وضو اس وقت تک قائم ہے جب تک کوئی ناپاک چیز جسم سے خارج نہ ہو۔ اس کے خارج ہونے پر وہ ٹوٹ جائے گا۔ مگر وہ خارج ہونے والی چیزیں وضو کرنے کے باوجود تمہارے جسم کے اندر بھری ہوئی ہیں۔ خون ناپاک ہے وہ رگ رگ میں دوڑ رہا ہے' پیٹ میں ریاح بھرے ہوئے ہیں' مثانہ میں پیشاب بھرا ہوا ہے پیٹ میں فضلہ بھرا ہوا ہے مگر شریعت کا فتویٰ ہے کہ ان تمام گندی چیزوں کے باوجود جو جسم کے اندر ہیں تم پاک ہو اور نماز پڑھ سکتے ہو۔ اگر ان میں سے کوئی چیز ذرا بھی خارج ہوئی تو وضو ٹوٹ جائے گا تو ناپاک چیز کے جسم سے خارج ہونے پر وضو ٹوٹتا ہے اسی طرح سمجھ لو کہ فاسد خیالات اور ناپاک تصورات جو دل و دماغ میں غیر اختیاری طور پر بھرے ہوئے ہیں سب پاک ہیں جس طرح جسم کے اندر جو دوسری گندی چیزیں وہ سب پاک ہیں' شریعت کا حکم یہی ہے کہ جب گندے اور ناپاک خیالات کا عمل کی صورت میں اظہار ہو گا تو ناپاک ہو جاؤ گے لیکن جب تک اظہار نہیں ہو گا پاک رہو گے۔ جس طرح

ناپاک چیز خارج ہونے پر وضو ٹوٹ جاتا ہے اور پھر وضو کرنے سے پاک ہو جاتے ہیں اسی طرح تمہارے ناپاک ارادے اور فاسد خیالات جب عملی صورت اختیار کر لیتے ہیں تو تم ناپاک ہو جاتے ہو۔اس کی طہارت کا طریقہ یہ ہے کہ گناہ کا عمل ہو جانے پر ندامت قلب کے ساتھ استغفار کر لو اللہ تعالیٰ معاف فرما دیتے ہیں اور ہم پاک ہو جاتے ہیں 'اتنا کھلا اور آسان راستہ ہے اس کو آپ لوگوں نے کیوں اتنا پیچیدہ اور مشکل بنا رکھا ہے۔ آپ یہ کیوں چاہتے ہیں کہ ہم نماز پڑھیں تو ایسی پڑھیں کہ جیسا کھمبا کھڑا ہو۔اس میں نہ کوئی احساسات ہوں نہ کوئی جذبات ہوں اور نہ کوئی خیالات لیکن یہ تو فطرت انسانی کی خصوصیت ہے کہ دل و دماغ میں ایسے خیالات و تصورات ہر وقت آتے رہتے ہیں ان سے کوئی بشر خالی نہیں' بس ان کے تقاضوں پر ہم عمل نہ کریں تو ہم پارسا ہیں اور اگر عمل کریں تو گنہگار ہیں پھر اگر توبہ کر لیں تو پھر پارسا ہیں تو ایسے ناپاک خیالات و تصورات کا نماز میں ہونا ہرگز مضر نہیں کیونکہ ان کے تقاضوں پر نماز کی حالت میں عمل ہو ہی نہیں سکتا اور چونکہ وہ غیر اختیاری ہیں اس لئے مخل نماز نہیں تو پھر ان کی طرف توجہ کرنا ہی بیکار ہے اور ان کی وجہ سے نماز کو ناقص سمجھنا بھی بے معنی ہے۔ہاں اگر کوئی قصداً ان خیالات کو قائم رکھے تو ضرور نماز میں کراہت ہے۔ نماز تو انشاء اللہ شرائط نماز ادا کرنے سے قبول ہو ہی جاتی ہے۔ بعض وقت خیالات کے ہجوم سے دماغ ارکان نماز کی طرف سے غیر حاضر ہو جاتا ہے اور ارکان صحیح طریقہ سے ادا نہیں ہوتے' یہ بات البتہ قابل اصلاح ہے' ایسا نہ ہونا چاہئے۔ نماز تو اپنی طرف سے پوری توجہ ہی کے ساتھ پڑھنا واجب ہے لیکن اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے کہ شریعت نے ایسی حالت میں ہماری رعایت رکھی ہے کہ اگر بے خبری اور بے توجہی سے نماز کے اندر کوئی واجب ترک ہو جائے یا یہ یاد نہ رہے کہ تین رکعت پڑھی ہے یا چار تو ایسی حالت میں چار رکعت پوری کر لو۔ نماز کے آخر میں سجدہ سہو کر لو 'نماز درست ہو جائے گی۔ یہ اللہ تعالیٰ کا اپنے بدحواس بندوں پر مزید احسان ہے کہ ان کے ناقص عمل کو بھی صحیح کر لینے کی ترکیب

بھی بتلادی اور اس عمل کو قبول کرنے کا وعدہ بھی فرمالیا۔

پھر ایک بات عرض کرتا ہوں جو بڑے اطمینان کی ہے ہم نے خواہ کیسی ہی نماز پڑھی ہو سلام پھیرنے کے بعد تین بار استغفر اللہ۔ استغفر اللہ۔ استغفر اللہ کہو یہ مسنون ہے۔ پھر اللہ تعالی سے عرض کرو کہ میں نے ایسی نماز پڑھی ہے جو آپ کی بارگاہ میں قبول ہونے کے قابل نہیں ہے' آپ علیم و خبیر ہیں' ارحم الراحمین ہیں' میری یہ ناقص نماز محض اپنے فضل وکرم سے قبول فرمالیجئے اور مجھے اپنی مغفرت سے مایوس نہ فرمایئے اور مجھے ہدایت فرمایئے کہ میں نماز صحیح آداب کے ساتھ پڑھا کروں اور آپ کی معبودیت کی عظمت کا حق ادا کروں۔ نماز کے ان نقائص کا اعتراف نماز کی مقبولیت کا سبب ہو جائے گا۔"

نماز میں دو جلیل القدر نسبتیں اور ان کی برکات

فرمایا: "فریضہ نماز کی ادائیگی میں دو جلیل القدر نسبتیں شامل ہیں۔ امتثال امر رب اور ہیئت مسنونہ۔ اب رہے دوران نماز اپنے خیالات فاسدہ' ان کا قطعی تدارک ندامت اور استحضار سے ہو جاتا ہے مگر ہماری حالت یہ ہے کہ ہم اپنے خیالات فاسدہ اور خطرات و وساوس کو بہت زیادہ اہمیت دیتے ہیں اور اس کو نماز سے متعلق سمجھتے ہیں مگر اس پر شکر کیوں ادا نہیں کرتے کہ اللہ تعالی کے حکم کے مطابق نماز پڑھ لی اور ہیئت مسنونہ سے پڑھ لی' انشاء اللہ تعالیٰ ضرور مقبول ہو جائے گی۔ بس اس بات کا اہتمام ضروری ہے کہ ارکان نماز سنت کے مطابق ادا ہوں۔ نماز کی ناقدری یہی ہے کہ اس کے ارکان صحیح ادا نہ کئے جائیں اور اپنے خیالات کی پراگندگی کے خیال سے نماز کی قبولیت سے مایوسی ہو۔ ہر حال میں نماز کی قبولیت کا یقین واثق ہونا چاہئے۔ اللہ تعالی ہماری فطرت کے خالق ہیں اور ان کے علم میں ہماری تمام بشری اور فطری کمزوریاں ہیں۔ ہمارا ظاہر و باطن سب ان کے سامنے ہے بایں ہمہ وہ سب معاف فرمادیتے ہیں اور ہم کو ادائے

نماز کی برابر توفیق بالائے توفیق عطا فرماتے رہتے ہیں اور یہی علامت ہے قبولیت کی۔ اللہ تعالی کا احسان عظیم ہے اور اس پر شکر واجب ہے۔"

نماز سے ترک معاصی کا اہتمام ہوتا ہے

فرمایا: "یہ بات خوب اچھی طرح سمجھ لی جائے کہ باوجود اس کے کہ ہم نماز پڑھتے ہیں مگر گناہوں سے بچنے کا اہتمام و فکر نہیں کرتے تو گناہوں کے ارتکاب پر سزا ضرور ملے گی' وعدہ خلافی کرو گے' جھوٹ بولو گے اور غیبت کرو گے' بدگمانی کرو گے' ایذا رسانی کرو گے' دھوکہ دو گے اس کی سزا ضرور ملے گی' کیونکہ تم نے اوامر الٰہی کے خلاف کیا ہے' ضابطہ فطرت کے خلاف کیا ہے' اس کی سزا ضرور ملے گی' لیکن ہمارے پاس ایمان ہے اور ایمان کا تقاضا یہ ہے کہ اپنے گناہوں سے ندامت قلب کے ساتھ توبہ واستغفار کریں۔ اللہ تعالی سب معاف فرمادیں گے اور نماز ہی ایسی چیز ہے جس سے ایمانی تقاضے پیدا ہوتے ہیں اور توبہ واستغفار کی توفیق ہوتی ہے اور بہت سے گناہ اور بہت سی لغزشوں کو اللہ تعالی نماز کی بدولت معاف فرمادیں گے انشاء اللہ تعالی یہ ان کا وعدہ ہے۔ بھائی نماز کی بڑی قدر کرو اور اس کی پابندی کرو۔"

نماز باجماعت پڑھنی چاہئے

فرمایا: "نماز کی پابندی کے یہ معنی ہیں کہ مسجد میں جماعت کے ساتھ نمازیں ادا کی جائیں۔ تم جب مسجد میں نماز پڑھو گے تو وقت کی پابندی سے نماز کی عادت بھی راسخ ہو جائے گی۔ انشاء اللہ تعالی اس سے دین کی حفاظت بھی رہے گی اور دنیوی فلاح بھی نصیب ہو گی۔ اذان میں اسی کا اعلان ہے کہ نماز کے لئے آؤ' اس وقت اگر کہیں فلاح ہے تو صرف نماز میں ہے۔ یہ اعلان بالکل حق ہے جس نے اس اعلان کے بعد کسی دنیاوی مفاد کو ترجیح دی اس کو ہرگز اس میں فلاح نصیب نہیں ہو سکتی اور یہ حقیقت ہے کہ نماز

کی حالت میں تمام دنیاوی علائق و مشاغل بھی منقطع ہو جاتے ہیں خواہ اس کے دل و دماغ میں کتنی ہی پراگندگی ہو لیکن اس کا جسمانی وجود بارگاہ الٰہی میں شرف یاب ہوتا ہے اور یہی شرف یابی اس کی دنیا و آخرت کا سرمایہ وفلاح ہے۔ اس کا احساس تو آنکھ بند ہونے پر ہی ہوگا۔ یہ بھی پنج گانہ نماز کی حقیقت ہے کہ ہمارے رب کریم رحمٰن و رحیم کا ہم پر احسان عظیم ہے کہ ہمارے حالات پر رحم فرماکر ہمارے روزمرہ کے معاملات و حالات کا اندازہ فرماکر ہم کو مدعو فرمایا ہے۔ جب کبھی ہم کو کسی قسم کے مشکلات و تفکرات درپیش ہوں اس کے لئے ان کا دروازہ رحمت کھلا ہوا ہے۔ دن رات کے مختلف اوقات میں ہم ان کی بارگاہ رحمت میں حاضر ہو جائیں اور نماز کی حالت میں آجائیں اور جو کچھ عرض و معروضات کرنا ہوں بے تکلف ان کے سامنے پیش کریں اور وہ خود ہی اپنے الفاظ کریمانہ ہم کو تلقین فرماتے ہیں کہ یَا اَلرَّحْمٰنُ اَلرَّحِیْمُ یَا مَالِكُ یَوْمِ الدِّیْنِ اِیَّاكَ نَعْبُدُ وَ اِیَّاكَ نَسْتَعِیْنُ یعنی ہم عاجز و بے نوا ہیں ہماری اعانت و نصرت فرمایئے۔ جب ازراہ محبت و شفقت ہم کو اس طرح مخاطب ہونے کا شرف عطا فرمایا ہے تو پھر ہمیں اپنی پوری ایمانی صلاحیت سے اس کا یقین رکھنا چاہئے کہ ضرور ان کی اعانت ہمارے شامل حال رہے گی۔

یہ بھی سمجھ لیجئے کہ ہماری روزمرہ کی زندگی میں صبح سے شام تک کتنے حالات و معاملات اور تغیرات سے سابقہ رہتا ہے، فطرۃً ان سب کا اثر ہمارے دل و دماغ پر ہوتا ہے اور اسی حالت میں ہم کو پنج گانہ نماز کا فریضہ بھی ادا کرنا پڑتا ہے۔

طبیعت ناساز ہے، خوشی یا غم کا ماحول ہے، موسم کے تغیرات ہیں اور ہم پر ان کے اثرات ہیں تو بھی ان اثرات کے ساتھ ہمیں وقت پر نماز ادا کرنا ہے یا معاملات میں افکار، پریشانی اور ترددات ہیں یا ادائے حقوق کے لئے تدابیر درپیش ہیں یا اپنی یا دوسروں کی ضروریات پوری کرنا ہے یا کسی مشاغل وہجوم میں شمولیت ہے اور اس کی طرف توجہ ہے تو یہ سب باتیں نماز کی حالت میں ضرور ہم پر اثر انداز رہتی ہیں۔ مگر ہر حال میں ہم کو

وقت پر نماز پڑھنا ہے ' بس اس کے وقت اور ارکان کی ادائیگی کا اہتمام جس قدر ممکن ہو ہمیں کرنا ہے۔ خواہ دل و دماغ کی کوئی بھی حالت ہو انشاء اللہ نماز ادا ہو جائے گی۔

نماز باجماعت کی فضیلت

فرمایا: ''ہماری روز مرہ زندگی میں نظم الاوقات بہت اہم چیز ہے۔ تمام فرائض و واجبات وقت مقررہ پر آسانی سے سر انجام ہو جاتے ہیں۔ اور اگر بچنا چاہیں تو وہ سب لغو اور فضول کاموں سے بچ سکتے ہیں۔ دن رات میں ہم پر پنج گانہ نماز وقت مقررہ پر فرض کی گئی ہے ' اپنے محلّہ کی مسجد میں جماعت کے ساتھ نماز پڑھا کرو۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت ایسی ہے کہ جب جماعت کی نماز میں ایک کی دعا قبول ہوتی ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے طفیل میں سب کی دعا قبول فرمالیتے ہیں۔

اگر نمازیوں میں سے کسی ایک کو بھی ایک لمحہ کے لیے کسی رکن نماز میں حضوری ہو گئی ' ایک پر خلوص سجدہ بھی قبول ہو گیا تو سب مقتدیوں کی طرف سے قبول ہو گیا۔ جب امام سورۃ فاتحہ پڑھتا ہے تو آخر میں اس کی آمین پر فرشتے بھی آمین کہتے ہیں ' ان کی آمین کے ساتھ ہماری آمین انشاء اللہ تعالیٰ ضرور قبول ہو گی۔ جب امام سلام پھیرتا ہے اور السلام علیکم ورحمۃ اللہ کہتا ہے تو فرشتے بھی کہتے ہیں ' تو جتنے نمازی داہنی جانب ہوتے ہیں ان سب پر سلام ہو جاتا ہے۔ اسی طرح پھر بائیں طرف کے سلام سے سب مشرف ہوتے ہیں تو یہ کیسی بڑی سعادت ہے۔ یہ جماعت کی کتنی گراں فضیلت ہے اور جماعت کی پابندی وقت مقررہ پر صرف مسجد ہی میں ممکن ہے ' اس لئے کہ جماعت واجب ہے اور اس واجب کا اہتماماً ادا کرنا صرف مسجد ہی میں ممکن ہے ' اس لیے مسجد میں جماعت کی نماز کی بڑی اہمیت ہے اور ستائیس گنا ثواب ملتا ہے۔ البتہ اگر کوئی شرعی عذر ہو تو گھر میں پڑھ سکتے ہیں لیکن بلا عذر جماعت کی نماز ترک مت کرو ' کیونکہ یہ بڑی محرومی کی بات ہے۔ تجربہ یہی ہے کہ جو لوگ مسجد میں جماعت میں شریک نہیں ہوتے ان کی اکثر نمازیں یا تو قضا ہو جاتی ہیں یا بے وقت ادا ہوتی ہیں۔

حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ میری امت کی رہبانیت نماز کے انتظار میں مسجدوں میں بیٹھنا ہے۔ یہ بھی حدیث شریف میں آیا ہے کہ جب مسجد میں داخل ہو تو اعتکاف کی نیت کرلو' اس میں بڑا ثواب ہے۔"

صف اول کی برکات

فرمایا: "میں ہمیشہ صف اول میں نماز کے لیے بیٹھتا ہوں۔ اس میں انتظار الصلوۃ بعد الصلوۃ کا ثواب پھر پیچھے آدمی نیت باندھ لیتے ہیں ان کے انتظار کا ثواب۔ سب ثواب ہی ثواب ہیں۔

نماز دافع مصائب و آلام ہے

فرمایا: "آج کل کوئی دل خالی نہیں ہے اور کوئی دل ایسا نہیں ہے جس میں کوئی تشویش نہ ہو' فکر نہ ہو' بیماری نہ ہو' سب کچھ ہے چاروں طرف افکار و پریشانیاں ہیں' بیماریاں ہیں' دشواریاں ہیں۔ ایسے حالات میں ہمارے ایمان اور عقل کا تقاضا یہی ہے کہ ہم اپنے مالک حقیقی اور کارساز حقیقی کی بارگاہ میں رجوع کریں اور پناہ مانگیں۔ اس کی صورت یہ ہے کہ اللہ تعالی نے اپنی رحمت سے ہم کو یہ طریقہ بتلایا ہے کہ جب تم پریشان ہو تو صبر کرو اور نماز پڑھو۔

یَاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اسْتَعِیْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوۃِ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِیْنَ

ان آیات میں اللہ تعالی صاف ارشاد فرمارہے ہیں کہ اگر تم مبتلائے غم ہو' کسی پریشانی یا بیماری یا نقصانات جانی و مالی کا تم کو صدمہ ہو تو اس کے ازالہ کے لئے تمہارے لئے واحد طریقہ یہ کہ تم اس کو منجانب اللہ یقین کرتے ہوئے صبر سے کام لو اور طمانیت قلب حاصل کرنے کے لئے بارگاہ الٰہی میں حاضر ہو جاؤ' اللہ تعالی صبر کرنے والوں کے ساتھ ہیں اور جس عاجز بندہ کو ایسی بے بسی کی حالت میں اللہ تعالی کی معیت حاصل ہو

اس کے لئے اس سے زیادہ قوی اور یقینی سہارا اور کیا ہو سکتا ہے اور اسی قوی یقین کا نام ایمان ہے جس کا ظہور نماز میں ہو رہا ہے۔ گویا ایمان کی مثال صورت نماز ہے۔ چونکہ فطرت انسانی ایسی ہی ہے کہ کوئی شخص آخر وقت تک ایسا نہیں ہے کہ وہ کسی نہ کسی جسمانی یا ذہنی فکر اور غم والم میں مبتلا نہ ہو۔

اللہ تعالیٰ نے محض، اپنے فضل وکرم سے ہر مومن کے لئے مقام عبدیت پر فائز ہونے اور اپنا مقام قرب ورضا عطا فرمانے کے لئے اس کا مکلّف کیا ہے کہ آخر وقت تک جب تک ہوش وحواس صحیح ہیں، نماز پڑھنا واجب ہے۔ کیونکہ نماز ہی میں تکمیل ایمان منحصر ہے یعنی ایمان پر خاتمہ کے یہ معنی ہیں کہ نماز کی حالت میں موت آئے تو جس مومن نے ہوش وحواس کی حالت میں نماز پڑھ لی تو پھر جس وقت بھی موت اس کو آئے گی وہ نماز ہی کی حالت میں ہوگی۔ ایک وقت کی نماز پڑھنے کے بعد دوسرے وقت کی نماز کے انتظار تک مومن حالت نماز ہی میں رہتا ہے اس لئے اگر غیر وقت نماز میں کسی کی موت واقع ہوگی تو بھی چونکہ وہ انتظار نماز ہی میں تھا اس لئے عین نماز ہی کی حالت میں اس کی موت واقع ہوئی اور ایمان کامل کے ساتھ ہوئی۔

سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اللّٰهُ اَكْبَرُ"

نماز میں کیوں دل نہیں لگتا

فرمایا "ایک صاحب میرے پاس آئے اور کہا "حضرت! نماز میں دل نہیں لگتا اور دعائیں قبول نہیں ہوتیں۔"

میں نے کہا "آپ سچ کہتے ہیں۔ یہ بالکل قدرتی بات ہے، ایسا ہی ہونا چاہئے اس لئے کہ دل تو کہیں اور لگا ہوا ہے وہاں سے فرصت پائے تو ادھر آئے۔ دل تو خرافات میں، تفریحات میں، بدعات میں، منکرات میں، مکروہات میں اور فواحشات میں لگا ہوا ہے اور آپ کہتے ہیں کہ نماز میں دل نہیں لگتا۔ اچھا آپ ہی بتایئے کہ دل آخر کہاں کہاں جائے

آپ جدھر چاہتے ہیں ادھر ہی وہ جائے گا...... بھائی! سچ پوچھو تو نقشہ ہماری زندگی کا یہ ہو گیا ہے کہ ؎

ترا دل تو ہے صنم آشنا تجھے کیا ملے گا نماز میں

اب دیکھئے نا کہ نماز کی کون پروا کرتا ہے۔ ہر روز پانچ وقت مسجد کے میناروں سے حی علی الصلوۃ کی ندا بلند ہوتی ہے، لیکن مسلمانوں کا دل کھیل تماشے میں، سیر و تفریح میں لگا رہتا ہے۔ دنیا کی دل کشی اور رعنائی نے مسلمانوں کو اپنی طرف کھینچ رکھا ہے۔ پھر جب دل سارا ان ہی باتوں میں لگا رہتا ہے تو پھر نماز میں کیسے لگے؟ یہی وجہ ہے کہ نمازیں پھیکی اور بے مزہ ہوتی ہیں پھر بھی یہ گلہ ہے کہ نماز میں دل نہیں لگتا۔ یہ عجیب بات ہے۔"

نماز میں دل لگنا نہیں، دل لگانا ہے

کسی نے سوال کیا نماز میں دل نہیں لگتا۔ فرمایا "بڑا ظلم ہے دل لگنے کا۔ اس کا مطالبہ ہی کب ہے۔ اپنی طرف سے دل لگانا ہے اور بس، نہ لگے کچھ پرواہ نہ کرے۔ تم نے تو حکم کی تعمیل اپنی ہمت کے مطابق کر لی ہے۔ حکم کی تعمیل میں نماز میں کھڑے ہو گئے کوشش کر رہے ہو اور کرتے رہو اور بس فکر و غم نہ کرو۔

فرمایا کہ: مرض الوفات کے آخری ایام میں حضرتؒ خطوط سن کر جواب لکھوایا کرتے تھے۔ اسی دوران ایک خط آیا۔ حضرت خواجہ صاحبؒ نے خط (حضرتؒ) کو سنایا کہ نماز میں دل نہیں لگتا۔ بڑی پریشانی ہے، فرمایا کہ لکھدو "دل لگانا فرض ہے دل لگنا فرض نہیں ہے۔"

خشوع و خضوع

فرمایا "خشوع کے متعلق امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ مانع خشوع کے اسباب کا ماحول تم کیوں اختیار کرتے ہو۔ یہ شکایت کرتے ہو کہ ہمیں نماز میں ایسے ایسے خیالات آتے

ہیں ناچ رنگ میں جاؤ گے تو وہی خیالات آئیں گے۔ اچھے لوگوں کے پاس جاؤ گے تو اچھے خیالات آئیں گے۔

اطمینان سے نماز پڑھنے کی ترکیب

کسی صاحب کے سوال پر کہ نماز جلدی ختم کرنے کو دل چاہتا ہے فرمایا "میں تو کہا کرتا ہوں کہ اطمینان سے چار رکعت نماز پڑھو اور دیکھو کتنے منٹ میں نماز ہوئی۔ اب جلدی پڑھ کر دیکھو۔ کتنے منٹ میں ہوئی۔ بڑی مشکل سے دو منٹ کا فرق آئے گا تو اپنے نفس کو سمجھاؤ کہ صرف دو منٹ کی خاطر اپنی نماز کو کیوں نکمی اور خراب کرتے ہو۔ اس طرح مشق کرنے سے ایک ہی دن میں انشاء اللہ نفس ٹھیک ہو جائے گا، مزید فرمایا "اسی طرح میں اپنے لڑکے کو جلدی اور آہستہ موٹر چلانے کے متعلق سمجھاتا ہوں کہ چند منٹ کے فرق کی خاطر کیوں اپنی جان کو خطرے میں ڈالتے ہو۔"

فرمایا "اللہ تعالیٰ نے تو انسان کو بہترین خلقت عطا فرمائی اور انسان اسفل السافلین میں چلا جا رہا ہے۔ تم نے تو نصرانیوں کی وضع کے کپڑے پہن لئے اور دربار الٰہی میں انداز رسول ﷺ کی مخالفت کرتے ہوئے نماز کے لئے کھڑے ہو گئے۔ اب یہ تو اللہ کی مرضی ہے قبول کرے یا نہ کرے مگر یہ وضع نماز کے وقار کے خلاف ہے۔ یہ بے ادبی تم کس تاویل سے جائز کر لیتے ہو جو قطعی ناجائز ہے۔ اگر تمہاری عورتوں کے سر ڈھکے ہوں، جسم ننگا نہ رہے تو کون تمہاری گردن دبائے گا۔ ہاں ابلیس زدہ ذہنیت والے لوگ ضرور فیشن کے خلاف کہیں گے مگر خدا اور رسول ﷺ کے نزدیک تو وہ شریفوں کا لباس اسلامی ہے۔ تم کو کوئی سونے کے زیور کے دام لے کر پیتل کا زیور دے دے تو تم کیا سوچو گے؟ کیا کہو گے؟ اور تم خود یہ دھوکہ والی بات کرتے ہو کہ نماز پڑھتے ہو اور لباس ہے فرنگیوں کا۔ پہلے زمانہ کے لوگ اس لباس کو رذیلوں، کمینوں اور ننگوں کا لباس کہتے تھے جس کو تم نے آج شریفوں کے لباس کا نام دے رکھا ہے۔"

دعا

بارگاہ الٰہی میں نماز کے بعد دعا

فرمایا: ''اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں نیاز مندانہ اور نہایت شکستگی اور درماندگی کی حالت میں حاضر ہو کر نماز پڑھو اور پھر آہ وزاری کے ساتھ دعا مانگو کہ یااللہ! میں آپ کا پریشان حال بندہ ہوں۔ یااللہ! یہ افکار ہیں' یہ پریشانیاں ہیں' یہ بیماریاں ہیں' یہ رکاوٹیں ہیں' ان سے کون نجات دے' سوائے آپ کے۔

اَنْتَ رَبِّی اَنْتَ حَسْبِی وَلِیَ فِی الدُّنْیَا وَ الْاٰخِرَۃِ

آپ ہی ہمارے کارساز ہیں' آپ ہی ہمارے مشکل کشا ہیں' آپ کے سوا کون آسان کر سکتا ہے ان دشواریوں کو' ان بیماریوں کو' یااللہ! آپ ہی دور فرما سکتے ہیں۔ یااللہ! ہم آپ سے رجوع کرتے ہیں۔ اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَ اِیَّاکَ نَسْتَعِیْن آپ ہم کو اپنی رحمتوں اور مغفرتوں سے محروم نہ فرمایئے اور طمانیت قلب نصیب فرما دیجئے۔ آمین۔ ہم آپ کے عاجز بندے ہیں۔ ہم کو اپنی بارگاہ میں حاضری سے کبھی محروم نہ فرمایئے یا اللہ! ہم سب کو نماز کی توفیق عطا فرماتے رہیئے اور آخر وقت تک اس پر قائم رکھئے۔ یا اللہ! ہر حال میں ہماری نصرت فرمایئے اور نفس و شیطان کے مقابلے میں ہم کو ہدایت دیجئے اور صراط مستقیم پر استقامت عطا فرمایئے اور ہماری بداعمالیوں کے وبال سے ہم کو بچا دیجئے اور معاف فرما دیجئے۔ رَبَّنَا وَ لَا تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهٖ وَ اعْفُ عَنَّا وَ اغْفِرْ لَنَا وَ ارْحَمْنَا اَنْتَ مَوْلٰنَا فَانْصُرْنَا عَلَی الْقَوْمِ الْکٰفِرِیْنَ۔ یااللہ! ہم کو اپنے سامنے ہاتھ باندھ کر کھڑے ہونے کی توفیق ضرور عطا فرماتے رہیے۔ ہم آپ کی بارگاہ میں سجدہ کرتے رہیں اور آپ کے سامنے ہاتھ اٹھا کر التجائیں اور مناجاتیں کرتے

رہیں' یااللہ! ہماری نمازیں ہر حال میں قبول فرمالیجئے۔ ہم کو ہدایت فرمایئے اور توفیق عطا فرمایئے کہ ہم نماز کا حق واجب ادا کرتے رہیں۔ یااللہ نماز کی شرط قبولیت ہے کہ اس میں احسان کا درجہ ہو' خشوع و خضوع اور حضور قلب ہو تو پھر یااللہ! آپ ہی ہمارے خالق ہیں اور ہماری ان قابلیتوں کے بھی خالق ہیں' ہماری برباد شدہ استعداد کو از سر نو درست فرماد یجئے اور اپنی توجہات اور رحم و کرم اور نماز کی ان تمام خصوصیت کا مورد بناد یجئے۔ یااللہ! یہ آپ کا ارشاد ہے کہ جو بھی نماز پڑھتا ہے اس کے برکات یہ ہوتے ہیں کہ نماز منکرات و فواحشات سے روکتی ہے۔ یااللہ! دور حاضر میں ہزاروں تباہ کن فتنے پیدا ہورہے ہیں' آپ کے احکامات کی کھلے بندوں نافرمانیاں ہورہی ہے' ہر طرف بے حیائی اور بے غیرتی عورتوں اور مردوں میں رائج الوقت ہورہی ہے' اب نہ ناموس شریعت کا کسی کو احساس ہے اور نہ شرافت خاندانی کا۔ نتیجہ یہ ہے کہ تمام خاندان کے خاندان برباد ہورہے ہیں۔ تجارت گاہیں ہوں یا تعلیم گاہیں اور دفاتر ہوں یا اسمبلیاں ہر جگہ انسانیت سوز فضائیں چھائی ہوئی ہیں۔ جب ہر طرف سے ہم ایسے پر آشوب اور تباہ کن ماحول میں گھرے ہوئے ہیں تو پھر اس سے مفر کی کیا صورت ہے۔ یہ ہماری شامت اعمال ہے۔ یہ ہم سے کیسے دفع ہو۔ یااللہ! آپ خالق خیر بھی ہیں اور خالق شر بھی' آپ ہی کا حکم ہے کہ شر سے پناہ مانگو اور ہم سے خیر طلب کرو۔ جس کی تاکید قرآن میں بار بار آئی ہے اس لئے ہم آپ سے خیر طلب کرتے ہیں اور شر سے پناہ مانگتے ہیں۔"

مصائب و آلام سے پناہ ملنے کا واحد طریقہ نماز کے بعد کی دعا ہے

فرمایا: "آشوب روزگار سے پناہ ملنے کا واحد طریقہ یہ ہے کہ ہم اللہ تعالی کی رحمت طلب کریں اور ان کی طرف کمال عجز و بے بسی کے ساتھ رجوع کریں اور کہیں اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَ اِیَّاکَ نَسْتَعِیْن جب ہم ان سے رجوع کریں گے تو ان کا وعدہ ہے کہ وہ ہماری اعانت و نصرت فرمادیں گے۔ اور اللہ تعالی نے اپنے عاجز بندے کو طلب رحمت و نصرت

کے لئے نماز کی حالت میں یہ کلمات عطا فرمائے ہیں۔اِیَّاکَ نَعۡبُدُ وَ اِیَّاکَ نَسۡتَعِیۡنُ تو پھر کون ان کی رحمت سے محروم کر سکتا ہے۔"

قبول شدہ دعائیں

فرمایا: "مناجات مقبول کی دعائیں جو ہیں وہ حضور ﷺ نے سب کی سب مانگی ہیں۔ اللہ تعالیٰ شانہ سے مقبول کرائی ہیں۔اس لئے مقبول ہیں۔دعائیں ضرور مانگنی چاہئیں اور عربی ہی میں مانگنی چاہئیں ظاہر ہے حضور ﷺ نے حالات پر نظر کر کے ایک ایک حالت کی دعا مانگی ہے اور قبول کرائی ہے' امت کے لئے سب کچھ کیا ہے۔لہذا قبول شدہ دعاؤں کا ضرور وظیفہ رکھیں۔"

دعا کرنا اور کرانا

فرمایا: "ایک صاحب جگہ جگہ بزرگوں کے پاس جاکر دعا کراتے تھے۔میرے پاس بھی آئے۔میں نے کہا کہ میں تو تمہاری لئے دعا نہیں مانگو گا۔انہوں نے پوچھا کیوں؟ میں نے کہا تم خود تو دعا مانگتے نہیں دوسرے سے دعا کراتے رہتے ہو۔مثلاً باپ بیٹے سے ناراض ہے' گھر جاتا ہے تو بیٹے کی والدہ سفارش کرتی ہے' دوسرے سفارش کرتے ہیں مگر باپ کہتا ہے کہ یہ تو میں بھی جانتا ہوں وہ میرا بیٹا ہے۔مجھے بھی اس سے محبت ہے مگر وہ خود کیوں نہیں کہتا' اس کو خود کہنا چاہئے اسی طرح اہل حاجت کو خود بھی حق تعالیٰ شانہ کے سامنے خوب گڑگڑانا چاہئے۔عاجزی' انکساری' ندامت اختیار کرنا چاہئے اور خطاؤں کا اقرار کر کے معافی مانگئے نیز مصائب کے دور ہونے کی دعا مانگتے رہئے اور دوسروں سے دعا کرائیے تو کام بنتا ہے۔"

وقت قبولیت دعا

فرمایا: "اللہ تعالیٰ نے بعض اوقات میں بھی برکتیں رکھی ہیں۔جن میں جمعہ کے

دن غروب آفتاب سے پہلے کا وقت بھی ہے۔ غروب آفتاب سے پہلے جمعہ کے دن ہم اور آپ سب یہاں بیٹھے ہوئے ہیں 'کوئی شخص ایسا نہیں کہ جسے کسی قسم کی فکر نہ ہو۔ کوئی تردد نہ ہو، کوئی خلش نہ ہو' یہ سب کو ہوتی ہے تو ایسی حالت میں بجائے کسی عامل کو ڈھونڈنے کے' بجائے تعویذ گنڈوں کے حاصل کرنے کے عالم اسباب پر نظر کی جائے۔ استحضار کرلو کہ کس بات کی پریشانی ہے 'کس قسم کی بیماری ہے 'کیا ترددات اور تفکرات ہیں 'اپنے لئے بھی استحضار کرلو 'اپنے عزیز واقارب 'دوست احباب کے لئے بھی اور اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع ہو جاؤ۔ یہ مجلس ایسی ہے کہ جو بھی تمہاری فکریں ہوں 'جو بھی تمہاری خلشیں ہوں 'جو بھی تمہاری پریشانیاں اور دکھ درد ہوں 'اللہ کے فضل وکرم سے امید ہے کہ رجوع الی اللہ کے باعث سب رفع ہو جائیں گی۔ پس اپنے حالات کا استحضار کر لیجئے اور سمجھ لیجئے کہ یہ قبولیت دعا کا وقت ہے۔ اللہ تعالیٰ سب کے دلوں کا حال جانتے ہیں 'جب ہم ان کی رضا کے لئے بیٹھے ہیں تو وہ ہمیں محروم نہیں فرمائیں گے۔ انشاءاللہ تعالیٰ۔"

توفیق عمل کی دعا

فرمایا: "جب کوئی اچھی بات کا خیال آجائے اسی وقت حق تعالیٰ سے توفیق عمل کی دعا مانگ لیں 'ایک عمل تو شروع ہو گیا 'اب اس دعا پر شکر ادا کریں۔ اس دوسرے عمل سے انشاءاللہ حسب وعدہ 'ادائے شکر 'زیادتی عمل کا سبب ہو گا۔"

دعائے استخارہ

فرمایا: "دعائے استخارہ نماز میں پڑھ کر بطریق منقول سنت ہے لیکن اگر چلتے پھرتے پڑھ لیا جائے تو وہ مستقل ایک دعا ہے جو جائز ہے بلا وضو وبلا نماز کے بھی پڑھی جا سکتی ہے چنانچہ پڑھ لینی چاہئے۔"

رمضان المبارک

انعامات باری تعالی

فرمایا: ”صاحب ایمان ہونے کے بعد ہم کو یہ دیکھنا چاہئے کہ اللہ تعالی نے اپنے انعامات واحسانات اور رحمتیں کس قدر ہم پر نازل فرمائی ہیں۔ ایک عظیم احسان اللہ تعالی کا ہم پر قرآن کریم کی صورت میں ہے جو ماہ رمضان المبارک میں نازل ہوا ہے۔ قرآن کریم ایک اعجاز ہے۔ جو ابدی و سرمدی ہے۔ جس کی مثال عالم امکان میں نہ کبھی تھی نہ قیامت تک کبھی ہوگی۔

دوسرا بے مثال انعام رمضان شریف کے مہینہ میں شب قدر ہے۔ احادیث میں ہے کہ شب قدر کے متعلق یہ بھی ہے کہ اللہ تعالی کی رحمت کا اس قدر جوش ہوتا ہے کہ اپنے فرماں بردار بندوں کے تمام گناہ معاف فرمادیتے ہیں لیکن بعض گناہ اس قدر سخت ہیں کہ ان کی نحوست سے اس مبارک رات میں بھی اللہ تعالی کی رحمت خاصہ اور مغفرت عامہ سے محرومی رہتی ہے۔ **العیاذ باللہ تعالی** .

احادیث میں شب قدر کے متعلق جہاں یہ خوش خبری ہے کہ گزشتہ تمام گناہ معاف کردیئے جاتے ہیں وہاں یہ بھی ہے کہ چار شخصوں کے گناہ معاف نہیں ہوتے۔ صحابہ رضی اللہ عنھم کے پوچھنے پر حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ وہ شخص جو شراب کا عادی ہو ‘دوسرا وہ شخص جو والدین کی نافرمانی کرنے والا ہو ‘تیسرا وہ شخص جو قطع تعلق کرنے والا اور رشتہ ناطہ توڑنے والا ہو ‘اور چوتھا وہ شخص جو کینہ رکھنے والا ہو اور آپس میں قطع تعلق کرانے والا ہو۔ یہ محرومی بہت ہی بڑی محرومی ہے جس کا احادیث میں ذکر ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ رمضان المبارک کا مہینہ آیا تو

حضور ﷺ نے فرمایا کہ تمہارے اوپر ایک مہینہ آیا ہے جس میں ایک رات ہے جو ہزار مہینوں سے افضل ہے۔ جو شخص اس رات سے محروم رہ گیا گویا تمام ہی خیر سے محروم رہ گیا اور اس کی بھلائی سے محروم نہیں رہتا مگر وہ شخص جو حقیقۃً محروم رہتا ہے۔

حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ بہت سے روزہ رکھنے والے ایسے ہیں کہ روزہ کے ثمرات بجز بھوکا رہنے کے کچھ حاصل نہیں کرتے' اور بہت سے شب بیدار ایسے ہیں کہ ان کو رات کو جاگنے کی مشقت کے سوا کچھ بھی نہ ملا۔"

اللہ تعالیٰ کی رحمت سے محرومی

فرمایا: "ارشاد نبوی ﷺ ہے کہ بد نصیب ہے وہ شخص جو اس مہینہ میں بھی اللہ کی رحمت سے محروم رہ جائے' جو شخص رمضان شریف میں بھی اپنے گناہوں کو معاف نہ کرائے اس کی محرومی کا اندازہ ذیل کی حدیث سے ہو سکتا ہے۔

حضور اکرم ﷺ نے منبر مبارک پر ایک قدم رکھا اور آمین فرمایا پھر دوسرا قدم رکھا اور آمین فرمایا پھر تیسرا قدم رکھا اور آمین فرمایا' صحابہ کرام رضی اللہ عنھم کے دریافت کرنے پر ارشاد فرمایا کہ اس وقت جبرئیل علیہ السلام میرے سامنے آئے' جب میں نے پہلے درجے پر قدم رکھا تو انہوں نے کہا کہ ہلاک ہو جائے وہ شخص جس نے رمضان المبارک کا مہنہ پایا پھر بھی اس کی مغفرت نہ ہوئی' میں نے کہا آمین' پھر جب میں نے دوسرا قدم دوسرے درجے پر رکھا تو انہوں نے کہا ہلاک ہو جائے وہ شخص جس کے سامنے آپ ﷺ کا ذکر مبارک ہو اور وہ درود نہ بھیجے' میں نے کہا آمین' میں جب تیسرے درجے پر چڑھا تو انہوں نے کہا ہلاک ہو جائے وہ جس کے والدین دونوں یا ایک بڑھاپے کو پہنچے اور وہ انہیں راضی کر کے خود کو جنت کا مستحق نہ بنائے۔ میں نے کہا کہ آمین۔ حضرت جبرئیلؑ جیسے مقرب فرشتے کی بد دعا ہی کیا کم تھی پھر حضور ﷺ کی آمین نے جتنی سخت بد دعا بنا دی اس کا کون اندازہ کر سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو بچائے۔ آمین۔

سب سے پہلی حدیث میں شب قدر کی محرومی باقی تین حدیثوں میں رمضان کے مہینہ کی محرومیوں کا ذکر تھا۔ اب ذرا غور کیجئے کہ شب قدر جیسی رات جس کے متعلق قرآن پاک میں فرمایا ہے کہ ہزار مہینوں سے افضل ہے۔ **خیر من الف شهر** ۔ یہ شب قدر جو صرف حضور ﷺ کی امت کو نصیب ہوئی ہے پہلی امتوں میں کسی کو نہیں ملی۔ اب اس میں بھی کوئی اللہ تعالیٰ کی رحمت سے محروم رہا تو اس سے بڑھ کر بد نصیب کون ہو گا۔ خدانہ کرے کہ ایسا کوئی مومن ہو کہ جس کے دل میں رمضان میں شب قدر میں کسی اپنے عزیز واقارب ' کسی دوست احباب یا کسی مسلمان سے کینہ و بغض ہو ' یہ بڑے خوف کی بات ہے۔ آپکو اپنا جائزہ لینا چاہئے ' اگر عزیزوں سے ' دوستوں سے یا کسی سے بھی تعلقات خراب ہو چکے ہوں اور دل میں ان سے ناراضگی کے باعث بغض اور کینہ ہے اور اگر اللہ تعالیٰ سے اپنی نجات چاہتے ہو اور اللہ تعالیٰ کی رحمت و مغفرت چاہتے ہو تو یہ مجاہدہ کرنا پڑے گا اور یہ جبر کرنا ہو گا کہ جن لوگوں سے تعلقات میں کینہ اور بغض ہے ' ان سے معافی مانگ لی جائے یا ان کو معاف کر دیا جائے اسمیں کوتاہی نہ ہونی چاہئے۔ اگر کسی کے والدین زندہ ہیں اور وہ کسی وجہ سے ناراض ہیں تو چاہئے کہ جس طرح سے ممکن ہو والدین کو راضی اور خوش کرے ' ورنہ اس کا وبال دنیا اور آخرت میں ضرور ہو گا۔

آپس کے تعلقات کی صفائی کے لئے ایک ترکیب بزرگوں نے بتلائی ہے وہ بھی میں آپ لوگوں کو بتاتا ہوں ' سنئے اعلیٰ اور اولیٰ تو یہی ہے کہ بالمشافہ معافی اور تلافی کر لی جائے اور اگر بالمشافہ معافی کی ہمت نہیں پاتے تو دل کو سمجھائے کہ مجھے بھی اللہ سے معافی مانگنا ہے۔ مجھے بھی اس کی معافی ' مغفرت اور رحمت کی ضرورت ہے ' میں اپنے بھائی کو معاف کر دوں یا اس سے معافی مانگ لوں تو امید ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھے بھی معاف کر دیں گے۔ اگر یہ روبرو زبانی نہیں کر سکتے تو تحریراً یوں لکھ دو کہ یہ رمضان المبارک کا مہینہ ہے ' اللہ تعالیٰ کی بخششیں عام ہیں ' اللہ تعالیٰ نے مغفرت میں قید لگادی ہے۔ بھائی! ہمارے اور تمہارے تعلقات میں جو ناگواریاں ہیں جن کا رنج ہم کو بھی ہے اور تم کو بھی

قلق ہوگا۔ یہ مہینہ ایسا ہے کہ خدا کے لیے تم ہمیں معاف کردو ہم تمہیں معاف کرتے ہیں، مجھ سے جو غلطیاں ہوگئی ہوں اور تمہارے دل میں میری طرف سے ناگواری ہو للہ مجھے معاف کردو۔

بھائی! یہ تو کر سکتے ہو، یہ مجاہدہ تو کرنا ہی پڑے گا اور معاملہ صاف کرنا ہوگا ورنہ شب قدر کی شایان شان قدر نہ ہوگی، رمضان المبارک کے فضائل رہ جائیں گے اور تمام برکات سے محرومی ہو جائے گی اس لئے کچھ بھی ہو دل کو صاف اور معاملہ کو حل کرنا ہی پڑے گا۔ اگر تم نے اپنی طرف سے یہ کام کر لیا اور اس شخص نے معاف نہیں کیا تو انشاء اللہ تم بری الذمہ ہو جاؤ گے۔ اللہ تعالی تم سے راضی ہو جائیں گے۔ اب فریق ثانی کا معاملہ اللہ تعالیٰ سے ہے اگر اس کو بھی توفیق ہوگی تو وہ بھی بری ہو جائے گا اسی طرح اگر تم سے کوئی معافی مانگتا ہے اور تم معاف نہ کرو تو وہ بری الذمہ ہوگا اور تم سے مواخذہ ہوگا کہ تم نے کیوں معاف نہیں کیا۔ اس اہم معاملہ کو ضرور صاف کرنا چاہئے۔"

احترام رمضان

فرمایا: "اس وقت ہمارے عوام کی یہ حالت ہے کہ دوسرے مذاہب کی طرح ہم نے بھی اپنے اسلام کو ایک رسمی مذہب سمجھ لیا ہے۔ اسی بنا پر اپنی فہم کے مطابق رمضان المبارک کو بس اتنا سمجھ لیا ہے کہ دن میں روزہ رکھ لیا، رات کو تراویح میں قرآن شریف سن لیا اور صبح صادق سے پہلے سحری کھالی تو بھائی رمضان کا معاملہ یہیں تک نہیں ہے۔ رمضان شریف کا مرتبہ بہت بلند ہے۔ زندگی کے ہر شعبے میں اور ہر وقت رمضان کا احترام عملاً ضروری ہے کہ رمضان شریف کے برکات حاصل ہوں مگر ہمارا یہ حال ہے کہ نمازیں بھی پڑھتے ہیں تلاوت بھی کرتے ہیں، تسبیحات بھی پڑھتے ہیں۔ اور ساتھ ساتھ شرعی احکام کی نافرمانی بھی ہوتی رہتی ہے۔ گناہ کبیرہ و صغیرہ بھی سرزد ہوتے رہتے ہیں۔ آنکھ بھی بہکتی رہتی ہے اور غیبت بھی ہوتی رہتی

ہے ٗدل بھی بھٹکتا ہے ٗناپاک گندے خیالات بھی جمع ہوتے رہتے ہیں اور فضول اور لغو افعال میں بھی وقت صرف ہوتا رہتا ہے۔ ایسے روزہ کو حدیث شریف میں فاقہ کہا گیا ہے۔ ایسا روزہ بھی کس کام کا جس میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی بھی ہوتی رہے اور اس کا احساس بھی نہ ہو۔ ایسی صورت میں توبہ کی بھی توفیق نہیں ہوتی۔ روزہ تو پاکی کے ساتھ ہوتا ہے۔ جب تک آنکھیں ٗزبان اور دل اور اعضاو جوارح سب پاک نہیں ہوں گے تمہارا روزہ بے جان اور بے روح ہوگا اور روزہ پر اللہ تعالیٰ نے جن انعامات کا وعدہ فرمایا ہے اور روزہ دار کے لیے جو اجر عظیم رکھا ہے اس سے محرومی رہتی ہے ٗہم خوش فہمی میں مبتلا ہیں کہ ہم نے روزہ رکھ لیا۔ کس بات کی توقع رکھتے ہو کہ ایسی حالت میں تم پر رمضان شریف کے انوار و برکات اور تجلیات کا ظہور ہوگا۔ اللہ تعالیٰ کے موعودہ انعامات واحسانات تم کو کیسے حاصل ہوں گے؟ بلکہ رمضان کی حق تلفی سے اجر و ثواب کے بجائے اندیشہ ہے کہ الٹا مواخذہ نہ ہونے لگے کہ اللہ تعالیٰ کی اس نعمت عظمیٰ کی یہ بے قدری کی گئی۔ اللہ تعالیٰ محفوظ رکھیں۔ ہمارا ایمان اور اسلام مطالبہ کرتا ہے کہ جب تم اللہ کے محبوب نبی کریم ﷺ کے امتی ہو تو ان کی محبت و عظمت کا کیا حق ادا کر رہے ہو؟ حضور ﷺ کے اتباع کا دل میں کتنا ذوق و شوق رکھتے ہو؟ اسلامی تہذیب و معاشرہ شعائر اسلام کا کتنا پاس و لحاظ رکھتے ہو ٗمگر افسوس ہم نے تو کفار و مشرکین ٗفساق و فجار ٗیہود و نصاری، مغضوبین اور ضالین کا معاشرہ اختیار کر رکھا ہے۔ ہمارے دلوں میں نفسانی اور شیطانی گندگی اور ناپاکی بسی ہوئی ہے لیکن ہم کو نہ ان باتوں کا احساس ہے اور نہ ہم ان کو برا سمجھتے ہیں۔"

فرمایا: "دل کی گہرائیوں سے ان حالات پر غور کرنا چاہئے۔ اگر ہمارے پاس خاطر خواہ جواب نہیں تو پھر بتاؤ اس ماہ مبارک میں ہمارے ایمان میں کیسے تقویت آئے گی؟ ہمارے دلوں میں کیسے عبادات کا نور آئے گا؟ ہماری روحانیت کیسے ترقی کرے گی؟ ہمارا تعلق مع اللہ کیسے قائم رہے گا؟ رمضان المبارک کے برکات اور ثمرات اور انعامات و

احسانات ہمیں کیسے نصیب ہوں گے ؟شب قدر کی تجلیات و انوار کا ہم پر کیسے ظہور ہو گا؟ان سب باتوں پر اچھی طرح غور کرنا چاہئے اگر سال بھر کے گیارہ مہینے بلکہ ساری عمر بھی اب تک غفلت میں گزری کبائر و صغائر کے ارتکاب میں گزری ' حقوق اللہ اور حقوق العباد کی حق تلفی میں گزری ' بے حیائی ' بے غیرتی ' بے شرمی اور حکم عدولی کے مشاغل میں گزری ' اللہ تعالی نے محض اپنے فضل سے موقع دیا ہے کہ ہم ہوش میں آجائیں اور اپنی زندگی کے جو لمحات بھی حاصل ہیں اور جو فرصت عمر میں ملی ہوئی ہے ' توبہ کا دروازہ کھلا ہوا ہے ' اللہ تعالی کو راضی کرنے کی گھڑیاں ابھی نصیب ہیں ' مولائے کریم کے رحم و کرم کو طلب کر لینے کا ابھی وقت موجود ہے ' مایوس ہونے کی ضرورت نہیں ' اللہ تعالی کی رحمت سے مایوس ہونا کفر ہے۔ اللہ تعالی کی طرف سے اس ماہ مبارک میں تمام مسلمانوں کی توبہ و استغفار کیلئے اعلان ہو رہا اور عفو و مغفرت کا وعدہ فرمایا جا رہا ہے اور بہت محبت کے ساتھ فرمان ہے۔

يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوا عَلٰى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ (الزمر: ۵۳)

اے میرے وہ بندو! جنہوں نے اپنی جانوں پر زیادتی کی ہیں ' اللہ تعالی کی رحمت سے مایوس نہ ہوں یقیناً اللہ تعالی تمام گناہوں کو معاف فرمادے گا۔ واقعی وہ بڑا بخشنے والا اور بڑی رحمت کرنے والا ہے۔"

بے پردہ عورتوں کا روزہ

فرمایا: "عورتوں کی آزادی اور بے راہ روی کا ایک ایسا سیلاب آچکا ہے کہ الامان الحفیظ ' ہمارے اور آپ کے قابو سے باہر ہو گیا ہے۔ اب تو اللہ تعالی ہی اس امت پر اور اس قوم پر رحم فرمائیں۔ تاریخ بتا رہی ہے کہ جہاں جہاں تباہیاں آئی ہیں ' جو جو ملک برباد ہوئے ہیں وہ عورتوں کی بے حیائی ' بے شرمی ' بے غیرتی ' گانا بجانا ' عیش و عشرت ' ناچ

رنگ 'لہو و لعب کی باتوں سے برباد ہوئیں۔ اللہ بچائے ہمارے ملک میں اب وہی آثار شروع ہوگئے۔ عورتوں کی آزادی ہے' برقع اتار کر بالکل بے محابا آزاد ہوگئیں' بے حیائی' بے شرمی سے سر کھلا' بازو کھلے' پیٹ کھلا' رنگین کپڑے پہنے ہوئے بلا تکلف مردوں کے ساتھ زندگی کے ہر شعبہ میں دوش بدوش ہورہی ہیں۔ حدیث شریف میں ہے کہ ایسی عورتوں پر فرشتے بھی لعنت بھیجتے ہیں اور تمام مخلوق ان پر لعنت بھیجتی ہے اور یہ ایسا گناہ کبیرہ ہے جس سے توبہ کی بھی توفیق نہ ہونے کا اندیشہ ہے' یہ بڑی سنگین بات ہے۔ یہ تو ایسا سیلاب آچکا ہے جس پر مرد بھی راضی ہیں اور عورتیں بھی مطمئن۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّا اِلَیْهِ رَاجِعُوْنَ اور لطف یہ کہ ایسی عورتیں سمجھتی ہیں کہ ہم رمضان کا روزہ رکھتی ہیں اور نماز بھی پڑھ لیتی ہیں۔ تو ایسی عورتیں اچھی طرح سمجھ لیں کہ جب تک خلاف شرع کاموں سے توبہ نہ کریں گی ان کا نماز' روزہ کسی کام نہ آئے گا۔ اللہ کے رسول ﷺ نے یہی اعلان فرمایا ہے کہ روزہ دار کے لئے واجب ہے کہ وہ تمام کبائر سے بچے اور اللہ تعالیٰ کی حکم عدولی سے بچے۔ جب تک یہ نہیں ہوگا ایمان کامل نہیں ہوگا۔ کامل ہونا کیا معنی اندیشہ ہے کہ ایمان قائم بھی رہے گا یا نہیں! یہ میں اپنی طرف سے کچھ نہیں کہہ رہا ہوں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا یہی حکم ہے۔"

اللہ تعالیٰ کا جوشِ رحمت

فرمایا: "اللہ تعالیٰ کے جوشِ رحمت کو دیکھو کہ فرماتے ہیں یہ مہینہ میرا ہے' اسکا اجر میں دوں گا۔ صاحب ایمان کے لئے ذرا سوچنے کی بات ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ کیا فرمادیا۔ ماہ رمضان کو اپنے ساتھ کیوں مخصوص کیا کہ یہ میرا مہینہ ہے۔ سنو! یہ مہینہ اس لئے مخصوص کرلیا کہ جتنی بھی نعمتیں اور رحمتیں باری تعالیٰ اپنے نبی ﷺ کو دینا چاہتے تھے اور ان کو راضی کرنا چاہتے تھے اور ان کی امت پر جتنا رحم فرمانا چاہتے تھے سب اللہ تعالیٰ نے اس مہینہ میں عطا فرمادیں۔ اب بدنصیب ہے وہ شخص جو نبی ﷺ کا امتی ہو

اور اس ماہ مبارک سے فائدہ نہ اٹھائے۔ اس ماہ مبارک میں تین عشرے ہیں ایک رحمت کا دوسرا مغفرت کا، تیسرا عذاب دوزخ سے نجات کا۔ اب تصور اور خیال میں لاؤ کہ اس کے علاوہ کوئی چوتھی چیز بھی ہے جس کی تمہیں حاجت ہو؟ جس کی تمہیں دنیا اور آخرت میں ضرورت ہو؟ بزرگان دین کہتے ہیں کہ رمضان کے تین عشرے ہیں اور آدمی بھی تین ہی طرح کے ہیں۔ ایک تو وہ جو اللہ کے فرمانبردار اور مطیع بندے ہیں جن کے اوپر گناہوں کا بوجھ نہیں ان کے لئے تو شروع رمضان ہی سے رحمت اور انعام کی بارش شروع ہو جاتی ہے دوسرے وہ لوگ جو معمولی گناہ گار ہیں ان کے لئے پورے روزہ رکھنے کے بعد آگ سے خلاصی ہو جاتی ہے۔ جب اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں یہ میرا مہینہ ہے تو ہوشیار ہو جاؤ اور دیکھو کہ اللہ میاں اپنے مہینہ میں ہم سے کیا چاہتے ہیں۔ اس پر غور کرو اور ان کے احکامات پر نظر کرو۔ اللہ پاک نے اپنے کلام پاک میں اپنی مرضیات اور نامرضیات کی تفصیل بیان فرمادی ہے ان کو مستحضر کرو اور اللہ پاک نے دنیا اور آخرت میں اعمال صالحہ کے ثمرات و برکات کی وضاحت فرمادی ہے ان کو سمجھو اور اختیار کرو، اپنی اہلیت اور استعداد کو درست کرلو، اللہ کی رحمت کے طلبگار بنو۔ اور اپنے کو اللہ کی رحمت و مغفرت کے قابل بنالو اور دعا کرو کہ یا اللہ یہ آپ کا مہینہ ہے تو پھر آپ ہم کو اپنا بنالیجئے، ہم اب تک جو بھول اور غفلت میں پڑے رہے کبائر میں مبتلا رہے، فسق و فجور میں گرفتار رہے، غیر قوموں کا تمدن اختیار کیا، مشرکین و کفار، یہود و نصاری، مغضوبین و ضالین کی وضع قطع، لباس پوشاک اختیار کی اور اپنی شامت اعمال سے غافل رہے، ہم کو اب معاف فرمادیجئے اور ان سب گناہوں کو ترک کرنے کی توفیق عطا فرمائیے۔ آمین۔"

روزہ میں غیر ضروری مشاغل کا ضرر

فرمایا: "لغو اور فضول باتوں سے پرہیز کرو۔ لغو باتیں کرنے سے عبادت کا نور جاتا

رہتا ہے۔لغو باتیں کیا ہیں۔ جیسے فضول قصے ’کسی کا بے فائدہ ذکر ’سیاسی امور پر بحث ’یا خاندان کی باتیں اگر شروع ہو جائیں تو اس میں غیبت ہونے کا امکان ضروری ہوتا ہے پھر اخبار بینی یا کوئی اور بے کار مشغلہ ’ان سب سے بچتے رہو صرف تیس دن گنتی کے ہیں ’اگر کچھ کرنا ہی چاہتے ہو تو کلام پاک پڑھو ’سیرۃ النبی ﷺ پڑھو اور دینی کتب کا مطالعہ کرو۔“

عبادات رمضان

فرمایا: ”رمضان شریف میں دو عبادتیں سب سے بڑی ہیں ایک تو کثرت سے نماز پڑھنا (اس میں تراویح کی نماز بھی شامل ہے اور اس کے علاوہ تہجد کی چند رکعات ’پھر اشراق ’چاشت اور اوابین کا خاص طور پر اہتمام ہونا چاہئے)دوسرے تلاوت پاک کی کثرت جتنی بھی توفیق ہو۔

کلام پاک پڑھنے سے کئی فائدے ہو جاتے ہیں۔ تین چار عبادتیں اس میں شریک ہوتی ہیں جو بہت باعث برکت ہیں ’یعنی دل میں عقیدت ’عظمت و محبت اور یہ خیال کرکے پڑھنے سے کہ اللہ پاک سے ہم کلامی کی سعادت حاصل ہو رہی ہے ’یہ دل کی عبادت ہے ’زبان بھی تکلم کرتی ہے یہ زبان کی عبادت ہے ’کان سنتے جاتے ہیں اور آنکھیں کلام الٰہی کی عبارت کے نقوش کی زیارت کرتی ہیں تو ان تمام اعضاء کو عبادات میں جداگانہ ثواب ملتا ہے ’ان اعضاء کا اس سے زیادہ اور کیا صحیح مصرف ہو سکتا ہے اور یہ سعادتیں ہی نہیں بلکہ ان میں تجلیات الٰہی مضمر ہیں۔نور حاصل ہوتا ہے اور نور کے معنی روشنی کے نہیں بلکہ طمانیت قلب ہے اور اللہ تعالیٰ کا قرب و رضا ہے۔

جب تلاوت سے تکان ہونے لگے تو پھر چلتے پھرتے اٹھتے بیٹھتے کلمہ طیبہ کا ورد رکھیں۔ دس پندرہ بار لَآاِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ تو ایک بار مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰه ﷺ پڑھتے رہیں۔ ان متبرک ایام میں اگر ذکر اللہ کی عادت ہو گئی تو پھر انشاء اللہ ہمیشہ اس میں آسانی ہو گی۔

اسی طرح درود شریف کی بھی کثرت رکھئے محسن اعظم ﷺ پر جن کی بدولت ' ہمیں یہ سب دین و دنیا کی نعمتیں مل رہی ہیں۔ استغفار جی بھر کر تو کر چکے پھر بھی جب یاد آجائے چند بار کرلیا کریں۔ ماضی کے پیچھے زیادہ نہ پڑیئے۔ اب مستقبل کی سوچئے ' مستقبل یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طاعات و عبادات میں زیادہ سے زیادہ وقت گزرے۔ اس طرح ایک مومن روزہ دار کی ساری ساعتیں عبادت ہی میں گزرتی ہیں۔ الحمدللہ علی ذلک.

اگر تم کسی دفتر میں کام کرتے ہو تو تہیہ کرلو کہ تمہارے ہاتھ سے 'زبان سے 'قلم سے خدا کی مخلوق کو کوئی پریشانی نہ ہو 'کسی کو دھوکہ نہ دو 'کسی ناجائز غرض سے کسی کا کام نہ روکو۔ کوئی بات شریعت کے خلاف ہو تو روکے رکھو اپنے آپ کو۔ اگر تم تاجر ہو تو صداقت و امانت سے کام کرو کسی قسم کی لالچ سے کام نہ کرو جس سے کسی کو کوئی نقصان پہنچے یا تمہارا معاملہ کسی کی ایذا کا سبب بن جائے۔

آنکھیں گناہوں کا سرچشمہ ہیں 'ان کو نیچا رکھیں 'بد نگاہی صرف کسی پر بری نگاہ ڈالنا ہی نہیں بلکہ کسی کو حقارت کی نظر سے دیکھنا 'حسد کی نظر یا برائی کی نظر سے دیکھنا بھی آنکھوں کا گناہ ہے۔"

روزہ میں درماندگی

فرمایا: "روزہ داروں کے بارے میں کہتے ہیں کہ بات بات پر غصہ آتا ہے 'گھر کے اندر یا گھر کے باہر کہیں بھی ہوں۔ یہ بات اچھی نہیں ہے۔ روزہ تو بندگی و شکستگی پیدا کرتا ہے۔ عجز و نیاز پیدا کرتا ہے۔ پھر یہ روزہ کا بہانہ لے کر بات بات پر غصہ کرنا اور لڑنا جھگڑنا کیسا؟ روزہ درماندگی کی چیز ہے 'اس میں تواضع پیدا ہونا چاہئے۔ کوئی خلاف مرضی بات کرے تو اس سے نرمی سے بات کرنا 'جھک جانا چاہئے۔ جھک جانے میں بڑی فضیلت ہے۔ تیس (۳۰) دن تک یہ کرلیجئے اس میں نفس کا بڑا مجاہدہ ہو جاتا ہے جو تمام عمر کام

آتا ہے‘ یہ عادت بڑی نعمت ہے جو ان دنوں میں بڑی آسانی سے ہاتھ آجاتی ہے۔

رمضان کی راتیں عبادتوں میں گزارنے سے دل میں بھی سچائی اور دیانت سے کام کی عادت ہو جاتی ہے۔ اس کا اہتمام کریں کہ مسجدوں میں با جماعت نماز ادا کریں۔“

رمضان میں بڑے کام کی بات

فرمایا: ”اگر توفیق و فرصت مل جائے تو بڑے کام کی باتیں بتا رہا ہوں‘ تجربہ کی بنا پر کہہ رہا ہوں کہ نماز عصر کے بعد مسجد ہی میں بیٹھے رہیں اور اعتکاف کی نیت کر لیں‘ قرآن پڑھیں تسبیحات پڑھیں غروب آفتاب سے پہلے سُبْحَانَ اللّٰهِ وَ بِحَمْدِهٖ وَ سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِيْم اور کلمہ تمجید سُبْحَانَ اللّٰهِ وَ الْحَمْدُلِلّٰهِ وَلَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ پڑھتے رہیں‘ اور قریب روزہ کھولنے کے خوب اللہ پاک سے مناجات کریں اور اپنے حالات و معاملات پیش کریں‘ دنیا کے لیے دعائیں مانگیں‘ آخرت کی مانگیں‘ فراغت قلب اور عافیت کاملہ کی دعائیں مانگیں۔ اکثر عورتیں اس بات کی شکایت کرتی ہیں کہ ان کو روزہ افطار کرنے سے قبل عصر اور مغرب کے درمیان تسبیحات پڑھنے یا دعائیں مانگنے کا موقع نہیں ملتا کیونکہ یہ وقت ان کا باورچی خانے میں گزرتا ہے۔ روزہ رکھتے ہوئے وہ کھانے کا انتظام کرتی ہیں جس میں ثواب ہی ثواب ملتا ہے اور وہ جن عبادات میں مشغول ہونے کی تمنا کرتی ہیں یہ ان کی تمنا خود ایک عمل نیک ہے جس پر بھی انشاء اللہ ثواب ملے گا‘ پھر یہ ممکن ہے غروب آفتاب سے آدھے گھنٹہ قبل انتظامات سے فارغ ہونے کا اہتمام کر لیں تو پھر ان کو بھی یکسوئی کے ساتھ رجوع الی اللہ ہونے کا موقع مل سکتا ہے اور نہ ملے تو ثواب انشاء اللہ ضرور مل جائے گا لیکن شرط یہ ہے کہ وہ شریعت و سنت کے مطابق اپنی زندگی بنائیں۔ صرف نماز روزہ ہی اللہ کے فرائض نہیں ہیں اور بھی فرائض ہیں اور بھی احکامات ہیں ان کا پورا کرنا بھی ضروری ہے مثلاً وضع قطع‘ لباس و پوشاک سب شریعت کے مطابق ہو۔ پردہ کا خاص اہتمام ہو۔ بے پردہ

باہر نہ نکلیں اور ویسے بھی شریعت نے جن کو نامحرم بتایا ان سے بے تکلف ملنا جلنا بھی گناہ ہے' اس میں بڑی احتیاط کی ضرورت ہے۔ آپس میں جب ملیں' بات چیت کریں تو فضول تذکرے نہ چھیڑیں' ایسے تذکرے میں عورتیں غیبت کے سخت گناہ میں مبتلا ہو جاتی ہے۔ نام و نمود کے لیے کوئی بات نہ کریں یہ بھی گناہ ہے اگر ان باتوں کا اہتمام نہ کیا تو باقی اور عبادات سب بے وزن ہو جاتی ہیں اور اس سے مواخذہ کا قوی اندیشہ ہے۔ خوب سمجھ لو۔"

عبادات مالی

فرمایا: "اس ماہ مبارک میں ہر فرض عبادت کا ستر گنا ثواب ملتا ہے اور ہر نفلی عبادت کا ثواب فرض عبادت کے برابر ملتا ہے۔ چنانچہ جہاں اور عبادات وغیرہ ہیں وہاں اس ماہ مبارک میں صدقہ و خیرات خوب کرنا چاہئے۔ اپنی حیثیت کے مطابق جس قدر ممکن ہو یہ سعادت بھی حاصل کرلیں' یہ بھی خوب سمجھ لیجئے کہ اس ماہ مبارک میں جس طرح نیک اعمال کا بے حد و بے حساب اجر و ثواب ہے اسی طرح ہر گناہ کا مواخذہ عذاب شدید ہے۔ العیاذ باللہ .

اپنے مرحوم اعزہ' آباؤ اجداد اور احباب کے لئے ایصال ثواب کرنا بھی بڑے ثواب کا کام ہے اور بہترین صدقہ ہے۔ میں اپنے ذوق اور قلبی تقاضے سے ایک بات کہتا ہوں جس کا جی چاہے عمل کر کے دیکھے۔ ہم پر اللہ تعالیٰ نے اپنے حقوق کے بعد والدین کے حقوق واجب فرمائے ہیں' انہوں نے پالا' پرورش کیا' دعائیں کیں' راحت پہنچائی اور جب تک تم بالغ نہیں ہوئے تمہارے کفیل رہے اور جب تم بالغ ہوئے تو تم نے ان کی خدمت غالباً کما حقہ تو نہ کی ہو گی تو دیکھو جتنا سرمایہ ہے اپنے زندگی بھر کے اعمال حسنہ کا اور طاعات نافلہ کا سب نذر کردو اپنے والدین کو' ان کا بہت بڑا حق ہے' کیونکہ والدین کو اللہ تعالیٰ نے مظہر ربوبیت بنایا ہے۔ اس عمل خیر کا ثواب تمہیں بھی اتنا ملے گا جتنا دے

رہے ہو بلکہ اس سے بھی زیادہ کیونکہ یہ تمہارا ایثار ہے اور اس کا بہت بڑا ثواب ہے' میں تو اپنی ساری عمر کی تمام عبادات و طاعات نافلہ اور اعمال خیر اپنے والدین کی روح پر بخش دیتا ہوں اور سمجھتا ہوں کہ اب بھی حق ادا نہیں ہوا۔ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت واسعہ سے قبول فرمالیں۔ اپنی عبادات نافلہ کا ثواب احیاء و اموات دونوں کو منتقل کیا جا سکتا ہے۔"

احساس بندگی

فرمایا: "اللہ میاں نے جب فرمایا کہ یہ مہینہ میرا ہے تو معلوم ہوا کہ یہیں سے شفقت کا معاملہ شروع ہوا۔ اب تمہارے پاک و صاف ہو جانے کا موقع عطا فرمایا جا رہا ہے' اس لئے کہ ناپاکی کے ساتھ نہ اللہ میاں سے تعلق ہو سکتا ہے اور نہ ان کے احسانات کا ادراک ہو سکتا ہے۔ تمہارے ہی نفع کے لئے اللہ میاں نے ذرا تیور بدل کر فرمایا کہ دیکھو اگر تم نے اس ماہ میں اپنے گناہ معاف نہ کرا لئے تو برباد ہو جاؤ گے۔ اللہ میاں کا یہ تیور کام آ گیا۔ بندے ڈر گئے اور عرض کرنے لگے یا اللہ! ہماری ساری زندگی کے گناہ معاف فرما دیجئے۔ ہم نہ جانے کہاں کہاں ملوث رہے اور نہ جانے کتنی لغویتوں اور معصیتوں میں اپنے دن گندگی میں گزار لئے' ہم نے شرافت کے احساسات مٹا لئے اور اپنا احساس بندگی ہی کھو بیٹھے' لیکن اب جب کہ ندامت کا احساس ہوا تو توبہ استغفار کی توفیق ہوئی چونکہ ندامت اور خلوص دل سے توبہ کر لی تو اللہ میاں نے اپنے وعدے کے مطابق معاف فرما دیا۔ اب قلب صاف ہو گیا اور ہم متقی اور پرہیز گار ہو گئے۔ اَلْحَمْدُلِلّٰہِ حَمْدًا کَثِیْرًا کَثِیْرًا۔

روزہ دار کا انعام

فرمایا: "اللہ تعالیٰ نے اعلان فرمایا ہے کہ ہم تم کو دس دنوں تک مورد رحمت بنائیں گے۔ کون سی رحمت جس کو اللہ میاں چاہتے ہیں کہ تمہارے لئے ہو اور جس کی تم کو

ضرورت ہے' پھر دس دنوں تک مورد مغفرت بنائیں گے اور اگر پھر بھی اندیشہ ہو تو دس دن ہم ایسے رکھیں گے کہ پروانہ نجات دے دیں گے۔ اب تو دوزخ سے چھٹی ہو گئی اور ایسے پاک و صاف ہو گئے کہ نفس میں بشریت کے جتنے فاسق مادے تھے سب دور ہو گئے۔ لا اِلٰہَ اِلا اللّٰہُ۔ یہ انعامات کس کو مل رہے ہیں۔ روزہ دار مومنین کو۔ کون مومنین؟ جو ان کے محبوب نبی ﷺ پر ایمان لائے۔ ارے وہ محبوب نبی ﷺ جن کو اللہ جل شانہ نے اپنے صفات کا مظہر بنایا خود بھی روف الرحیم اور رحمت للعالمین اور آپ کو بھی رؤف رحیم رحمۃ للعالمین بنایا آپ ﷺ ہی کی دل جوئی آپ ﷺ ہی کی خاطر یہ سب انعامات مومنین کو عطا فرمائے' اسی محبوب نبی ﷺ کے واسطے جو عالم ناز میں آ کر اپنے رب سے کہتے ہیں کہ میں تو راضی نہ ہوں گا جب تک میں اپنی مراد نہ پالوں اور جب تک اپنے امتیوں کے لئے تمام مغفرت کا سامان نہ کر الوں تو اللہ میاں فرماتے ہیں اچھا ہم ایسا انعام دیں گے جو آپ کے امتیوں کے قیاس اور وہم و گمان میں بھی نہ آ سکے گا۔"

مقصود عبادت

فرمایا: "جب اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ میرا مہینہ ہے' اس ماہ مبارک میں ہم کو بھی اپنا ہی بنا لینے کے لئے بہت سے ذرائع بھی عطا فرمائے اور ایسی عبادات و طاعات کی توفیق دی جس میں انہیں کی رضا جوئی پیش نظر تھی چنانچہ روزہ داروں کی ساری رات عبادت میں گزر جاتی ہے۔ افطار سے پہلے ہی ہر مسلمان دنیا کے مشاغل سے فارغ ہو کر عبادات کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے چنانچہ روزہ افطار کے بعد نماز مغرب میں نوافل ادا کیں اس کے بعد کھانا کھایا پھر تراویح سے فارغ ہوتے ہوتے کافی وقت گزر گیا اور دیر سے سونے کا وقت ملا۔ اس کے بعد جب سحری کے لیے بیدار ہوئے تو اس وقت نوافل تہجد' تسبیحات اور فراغت قلب کے ساتھ بارگاہ الٰہی میں دعائیں و مناجاتیں' نماز فجر تک جاری رہیں۔ نماز فجر با جماعت ادا ہوئی پھر دن میں بھی اشراق و چاشت کی نمازیں' کلام

پاک کی تلاوت ،اذکار مسنونہ اور اوراد میں مشغولیت اور اس کے علاوہ دنیوی مشاغل میں ہر وقت ذکر اللہ اور پاکیزگی کا اہتمام رہا۔ یہ سب باتیں تعلق مع اللہ ہی تو پیدا کرنے والی ہیں۔اگر ان سب کا خلاصہ نکالئے تو معلوم ہوتا ہے کہ اس ماہ مبارک میں ہم کو کتنا زیادہ کلام اللہ سننے اور پڑھنے کا موقع ملا جو ایک معنی میں اللہ تعالی سے ہم کلامی کی سعادت ہے پھر اور دنوں کے مقابلے میں اس ماہ مبارک میں زیادہ وقت دعاؤں اور مناجاتوں کے ذریعہ سے اللہ تعالی کی طرف متوجہ رہے۔ان سب باتوں کا حاصل الحمد للہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جب اللہ تعالی نے ان سب خصوصیات کی توفیق عطا فرمائی تو قبول بھی فرمالیا اور یہی ہماری عبادت کی غایت تھی چنانچہ اللہ تعالی نے ایسے عنوانات عطا فرما کر ہم کو اپنا ہی بنایا۔ اَللّٰھُمَّ لَکَ الْحَمْدُ وَلَکَ الشُّکْرُ۔"

دولت لازوال

فرمایا: "روزہ داروں کے لئے اعلان ہو رہا ہے کہ جنت سجائی جارہی ہے ،مہکائی جارہی ہے ،بسائی جارہی ہے کیوں؟ ہمت افزائی کے لئے ،ایمان افروزی کے لئے ،اپنے تعلق خاص کے لئے ،اس کے علاوہ اور کیا کرم چاہتے ہو ،اللہ میاں فرماتے ہیں کہ ہمارے فرشتے جو ہمہ وقت تسبیح و تہلیل میں مصروف رہتے ہیں ان کو حکم ہوتا ہے کہ ابھی اپنی اس عبادت سے رک جاؤ اور اپنے بندوں کے لئے جو روزہ دار ہیں دعائے مغفرت کرو اور جو دعائیں بندے مانگیں اس پر آمین کہو۔ ارے کتنا بڑا احسان ہے ،کوئی کیا اندازہ کر سکتا ہے۔اللہ میاں فرماتے ہیں کہ نادانو تمہیں کیا معلوم ہم نے تمہیں کیا دے دیا۔ صفات ملکوتی تمہیں دیئے گئے اور فرشتوں کو روزہ رکھوا کر یعنی ان کی غذا تسبیح و تہلیل سے رکوا کر تمہارے لئے دعا کروائیں۔اس ماہ مبارک میں اللہ میاں نے وہ دولت لازوال دے دی کہ اندازہ ہی مشکل ہے ،جنتیوں میں بھی وہ بات نہیں جو اس عالم امکان میں عطا فرمائی۔ یعنی اپنا کلام پاک نازل فرمایا یہ ایسا آخری انعام ہے کہ آج تک مخلوقات

پر کبھی عطا نہ ہوا تھا جو انسان کو انسان بنادے ' شرافت پیدا کردے اور اشرف المخلوقات کے مرتبہ پر فائز کردے اور پھر اسی کلام پاک میں ایک آیت ہے جو ہر چیز پر حاوی و بھاری ہے۔ اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيْتُ لَكُمُ الاِ سْلَامَ دِيْنًا

تو اس سے بڑا انعام اور کیا ہوگا جو سراپا نور ہو اور جو اس سے تعلق رکھنے والوں کو نور علی نور بنادے۔ ہم نے تو اپنی سمجھ کے مطابق یوں تو ایک عمل تلاوت کلام اللہ کا کیا مگر نقوش کی زیادت سے ہماری آنکھیں منور ہو گئیں 'کانوں نے سنا تو سماعت میں نور پیدا ہو گیا ' زبان سے الفاظ ادا کئے تو زبان میں نور پیدا ہو گیا۔ قدر کرو۔ اور شکر ادا کرو ایک عمل میں تین انعامات ملے۔ یہ کلام اللہ عالم کائنات میں اللہ تعالیٰ کی ابدی و سرمدی نعمت لازوال غیر مترقبہ ہے۔"

رمضان میں ترقی پیہم

فرمایا: "تیس دن تک اللہ میاں نے مسلسل تم کو تراویح میں اپنا کلام سنوایا' اپنی جنت کے لئے وعدے تازے فرمائے۔ دوزخ کے عذاب سے ڈرایا اور اس سے باز رہنے کی ہدایت کی 'اس سے بڑی بات اور کیا چاہئے کہ تیس دن تک احکم الحاکمین سے ہم کلامی کا شرف حاصل ہوتا رہا۔ دور سے نہیں بالکل قریب سے اتنا قریب بلالیا کہ تمام عمر مجاہدے کرتے رہتے تب بھی اتنا قریب نہیں آسکتے تھے بغیر استحقاق کے روزانہ زاید بیس رکعت نماز تراویح کے ذریعہ سے چالیس مقامات قرب مزید عطا فرمادیئے۔ ہر سجدہ مقام قرب ہی تو ہوتا ہے۔ اس طرح کہ ہر دوسرا سجدہ مقام اعلیٰ پر ہوتا ہے۔ اس طرح مقام قرب میں پیہم ترقی عطا فرمائی۔ یہ سب علامات تعلق مع اللہ کے ہیں۔"

خصوصیت امت محمد صلی اللہ علیہ وسلم

فرمایا: "رمضان المبارک میں پھر اللہ تعالیٰ نے ایک نعمت لیلۃ القدر عطا فرمائی۔ کیا

ہم لوگوں کے وہم و گمان میں بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ اس میں اپنے روزہ دار بندوں کو کیا کیا انعامات عطا فرمانے والے ہیں؟ نہ فرشتوں کے نہ نبیوں کے کسی کے گمان میں بھی نہیں آسکتا تھا اور نہ ہی کوئی تمنا کر سکتا تھا یہ وہی لیلۃ القدر ہے جس میں مغرب کے وقت سے لے کر طلوع فجر تک حضرت جبرئیل علیہ السلام اپنے ساتھ منجانب اللہ ملائکہ رحمت کو لے کر دنیا میں سلامتی کے لئے تشریف لاتے ہیں۔ آج تک کسی امت کے ساتھ ایسا معاملہ ہی نہیں ہوا تھا۔ کتنی خصوصیت ہے ہم لوگوں کے ساتھ **لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ**۔ تمام کائنات عالم ابتدائے آفرینش سے لے کر اب تک سب مل کر تمنا کرتے، مجاہدے کرتے تب بھی ان کے وہم و گمان میں بھی نہ آتا کہ لیلۃ القدر میں کتنی سلامتیاں ہیں، کیسی کیسی نعمتیں اور رحمتیں ہیں جو بغیر کسی خاص عبادت کے صلہ میں حاصل ہو رہی ہیں، محض اپنے فضل سے، محض اپنے کرم سے، محض اپنے محبوب ﷺ کو راضی کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے ہم کو یہ دولت لیلۃ القدر عطا فرمائی۔"

عید الفطر، نماز شکرانہ

فرمایا: "اب اتنی باتیں تو ہو گئیں، تمام انعامات دیئے جا چکے ہمیں احساس ہو یا نہ ہو انعام مل گیا ہے اور اسی لئے عید کے دن اول ہی وقت واجب نماز شکرانہ ادا کر لی۔ دینے والے نے کچھ دے ہی دیا۔ تب تو ہم پر شکر واجب ہوا۔ اب اسکے متعلق حضور اکرم ﷺ فرماتے ہیں کہ جب مسلمان عید الفطر کے لئے جمع ہوتے ہیں اور خدا کی تجلیات کبریائی کے لئے چھ زائد تکبیریں ادا کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ فرشتوں سے متوجہ ہو کر پوچھتے ہیں کہ یہ مجمع کیا چاہتا ہے تو فرشتے عرض کریں گے کہ یا اللہ یہ جو آپ کے انعامات لئے بیٹھے ہیں ان کا شکر ادا کرنے آئے ہیں، وہ شکرانہ نماز جو آپ نے واجب فرمائی ہے تو پھر اللہ میاں فرمائیں گے کہ کہہ دو سب بخشے بخشائے ہیں یہ صادق و مصدوق صلی اللہ علیہ وسلم کا اعلان ہے جس پر ہمارا ایمان و ایقان ہے۔

دیکھو تم کو اب ایسی شرافت 'انسانیت اور شرافت نفس عطا ہوئی ہے کہ نفس و شیطان مضمحل ہو کر پامال ہوگئے۔ تم خدا کی رضا جوئی میں کامیاب ہوگئے اور تمہاری صلاحیتیں درست ہوگئیں اور اللہ کا تم پر بڑا ہی فضل ہوا' جاؤ خوشی مناؤ لیکن افسوس کہ ہم ان صلاحیتوں کی چند دنوں بعد ناقدری شروع کر دیتے ہیں تو دیکھو بھئی ایسی ناقدری نہ کرو۔ اور ارادہ کر لو کہ جو صلاحیتیں عطا ہوئی ہیں ان کو قائم رکھیں گے۔ اپنے نفس کو' آنکھ کو' دل کو' زبان کو' اپنے ہر معاملے میں پاک رکھیں گے اور اللہ ہی کے فضل سے امید رکھیں گے کہ اب انشاءاللہ ہم کو اللہ کی رضا جوئی میں آسانیاں ہو جائیں گی۔"

روحانیت کے آثار

فرمایا: "ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ ہم اتنے بہت سے انعامات واحسانات لئے بیٹھے ہیں لیکن کچھ محسوس نہیں ہوتا' یہ کیا بات ہے؟

سنئے آپ کو اور کیا محسوس ہوتا ہے؟ آپ نے کھانا کھایا۔ پیٹ بھر لیا کچھ خبر ہے معدہ کے اندر کیا ہو رہا ہے؟ زور لگائیے اور بتلائیے غذا رگوں میں کس طرح تقسیم ہو رہی ہے۔ تحلیل شدہ غذا کے اجزاء اور تاثرات خون بن کر رگ و پے کو کس طرح قوت بخش رہے ہیں۔ کچھ نہیں محسوس ہوتا لیکن سب جزو بدن ہو رہا ہے۔ آنکھوں کو بینائی مل رہی ہے' کانوں کو سماعت مل رہی ہے' زبان کو گویائی مل رہی ہے' دماغ کو حافظہ مل رہا ہے۔ اسی غذا کی وجہ تو یہ سب کچھ ہے جو پیٹ میں ہے۔ یہ سب کچھ ذرا غور کر کے بتلائیے کہ کتنی بینائی بڑھی' کتنی سماعت بڑھی' کتنی گویائی بڑھی۔ یہ سب کارخانہ مادی ہے جو کام کر رہا ہے' بتاؤ کچھ محسوس ہوا؟ لطیف سے لطیف چیزیں اسی غذا کی بدولت پیدا ہو رہی ہیں' احساسات' جذبات' تخیلات' ایثار' محبت' ذہانت' شرافت' فراست سب پرورش پا رہے ہیں مگر کچھ محسوس نہیں ہو رہا ہے۔ لیکن سب ہو رہا ہے' ہاں' آپ صاف یہ محسوس کریں گے کہ صحت و قوت پیدا ہوئی اور ترقی کی نشو و نما کی

صلاحیتیں پیدا ہوئیں اسی طرح روح کی غذا 'اللہ کا ذکر اور اللہ کے اوامر ہیں اور پرہیز نواہی ہیں۔ الحمدللہ تمیں دن تک آنکھوں 'کانوں اور زبان کا پرہیز کر لیا' توبہ استغفار کر لیا' تقاضائے فطری اور نفسانی جو جائز بھی تھے 'لیکن اللہ میاں نے انہیں بھی کچھ وقت کے لئے ترک کرادیا تاکہ صفات ملکوتی اچھی طرح پرورش پاسکیں' روح کو غذا بھی الحمدللہ ملتی رہی۔ ذکر اللہ 'کلام اللہ تسبیحات 'نوافل کی سعادتیں بھی نصیب رہیں تو روح نے ساری ایمانی غذا لے لی پھر لیلۃ القدر جو تجلیات لیکر آئی تھی وہ سارے تجلیات و انوار روح نے جذب کر لئے۔ اب غور کیجئے کہ جب مادی چیزیں محسوس نہیں ہوتیں تو جسم کی لطافت روحانیہ 'ایمانیہ کیسے محسوس ہو' آثار ہی سے معلوم ہوتی ہے جیسے جسم کی صحت کے آثار معلوم ہوتے ہیں۔"

معاشرت

معاشرہ کی برائیاں

فرمایا: ''بھائی ذرا غور کرو کہ یہ پریشانی' یہ بلائیں' یہ مصیبتیں کیوں آتی ہیں' وہ گھرانے جو کبھی شادی خانے تھے اب غم کدے کیوں بن گئے۔ شادی میں جو روپیہ پیسہ خرچ کیا تھا' جو زینت و آرائش کی تھی جو شاندار دعوتیں کی تھیں اس شادی کا کیا انجام ہوا؟ اکثر گھرانوں میں بڑا حسرت ناک اور الم ناک نقشہ دکھائی دے گا۔ شادی کے کچھ دنوں بعد ہی میاں بیوی میں کھٹ پٹ شروع ہو جاتی ہے' تلخیاں بڑھتی ہیں' نفرت پیدا ہوتی ہے اور زندگی عذاب بن جاتی ہے' پورا کنبہ پریشان رہتا ہے اور نتیجے میں طلاق ہو جاتی ہے۔ سوچو' ایسا کیوں ہوا؟ اس لئے ہوا کہ یہ کام اللہ کی مرضی کے مطابق نہیں کیا گیا تھا' اس میں نام و نمود تھا' اس میں اپنی بڑائی کا اظہار تھا' اس میں اسراف تھا' اور اس میں سراسر اسلام سے انحراف تھا۔ اللہ کی نافرمانی تھی اور نفس کی خوشنودی۔ اس لئے انجام بھی ایسا ہی ہونا چاہئے کہ ہر عمل کا ایک رد عمل ہوتا ہے۔

گندم ز گندم بروید جو ز جو
ز مکافات عمل غافل مشو''

آستانہ الوہیت کی جبہہ سائی

فرمایا: ''بھائی! اب سوال یہ ہے کہ ان برائیوں کا علاج کیا ہے؟ علاج بھی بتائے دیتا ہوں' تم مسلمان ہو تمہارا اللہ ہے جو تم پر بے حد مہربان ہے تم اس سے مایوس نہ ہو۔ اس کی رحمت اور بخشش کا دروازہ ہر وقت کھلا ہے۔ تم اس کی بارگاہ میں جاؤ مگر اس طرح کہ تمہارے دل میں خدا کا خوف و خشیت ہو' آنکھوں میں ندامت کے آنسو ہوں' اور

آستانہ الوہیت میں جبہہ سائی کا شوق بھی ہو۔ تم اپنی پیشانی اس کی چوکھٹ پر رکھ دو۔ اور یہ التجا کرو کہ

"اے اللہ! میں گنہگار ہوں' خطاکار ہوں' میں نے اپنے آپ پر ظلم کیا ہے' میں نے تری نافرمانی کی ہے' میں صراط مستقیم سے بھٹک گیا تھا' میں اب نادم ہوں و شرمسار ہوں اور امیدوار رحمت ہوں۔ اے اللہ! تو مجھے معاف کر دے' بخش دے اور اپنے کرم کے دامن میں مجھے سمیٹ لے اور مجھے گناہوں سے بچنے کی توفیق دے۔"

یہی سرمایہ دنیا و آخرت ہے اور ایمان لانے کے بعد اس کے مطابق عمل کرنا ضروری ہے۔ دیکھنا یہ ہے کہ ہمارا اس پر عمل کہاں تک ہو رہا ہے۔ آج ہماری زندگی ایک حواس باختہ زندگی ہے۔ ہر شخص اپنے کسب معاش کے شعبوں اور کاموں میں مصروف ہے۔ صبح سے شام تک بس مشین کی طرح زندگی بسر ہو رہی ہے اور معاملات زندگی اس قدر پیچیدہ ہو گئے ہیں اور لایعنی مشاغل اس قدر بڑھ گئے ہیں کہ ان کا کوئی حل بھی سمجھ میں نہیں آتا اور نہ کسی کو حل تلاش کرنے کا احساس ہی پیدا ہوتا ہے۔ اس طرح دین بھی برباد ہو رہا اور دنیا بھی۔"

اہتمام عمل

فرمایا: "اس وقت انسان دین سے بیگانہ ہو کر حیوانوں کی طرح زندگی بسر کر رہا ہے۔ الا ماشاءاللہ۔ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اس زمانہ میں کچھ لوگوں کو دین کا اہتمام ہے اور اپنے اعمال کی درستی کی فکر ہے۔ اللہ نے اپنے بزرگوں کے توسط سے اسلام اور ایمان اور حق ہم پر واضح کر دیا لیکن صحیح علم حاصل کرنے کے بعد عمل صحیح نہ ہوا تو بڑی محرومی کی بات ہے۔ اللہ تعالیٰ پر ہم سب کا ایمان ہے۔ رسول پاک ﷺ برحق' کلام الٰہی برحق ہے۔ کلام پاک میں عقائد کے معاملہ میں تین چیزوں پر زیادہ زور دیا گیا' توحید' رسالت' اور معاد (آخرت) ان کو اگر ہم نے درست کر لیا تو ہماری زندگی اور آخرت کا یہی سرمایہ

ہے۔ ہماری زندگی میں تغیرات بے انتہا ہیں اور سب مشیت الٰہی کے تحت ہیں' اس میں ہم کو کوئی گفتگو کرنا نہیں ہے۔ قرآن پاک نے معاد کی اہمیت بہت واضح فرمائی ہے۔ اور جب تک یہ پوری طرح مستحضر نہ ہو جائے ہمارے سارے اعمال و عبادات بے وزن ہیں اور بے روح ہیں' اس لئے ایک نظر ان پر ڈال کر اطمینان کر لیجئے۔ پھر آپ کے سب اعمال وزنی ہو جائیں گے۔ اگر کپڑا ناپاک ہے اور رخ بھی قبلہ کی طرف نہیں تو ہماری عمر بھر کی نمازیں ضائع ہیں۔ اسی طرح اگر ہم نے احکام کے مطابق اپنے اعمال اور اخلاق کی طرف توجہ نہ کی' ان کی اصلاح نہ کی تو ہماری زندگی خسران عظیم کا مصداق ہو گی۔ ہمارے سارے اعمال آخرت کا سرمایہ ہیں جن کا ثمر جنت ہے یا دوزخ...... ہمارے جتنے اعمال صالحہ ہیں وہی انشاء اللہ رضائے الٰہی اور حصول جنت کا باعث بنیں گے۔"

فرمایا: "ہماری بداعمالیوں اور فسق و فجور کے بدلہ میں دردناک عذاب نار ہے۔ ان سب کی تفصیل قرآن و حدیث میں موجود ہے۔ قانون فطرت جو قانون الٰہی ہے' بدل نہیں سکتا۔ یہ سب کچھ ہو کر رہے گا۔ آنکھیں بند ہوتے ہی تمام بداعمال سامنے آ جائیں گے۔ اس لئے آخرت کے معاملہ میں ہماری غفلت بڑی خطرناک ہے۔

اپنے بندوں کے لئے اپنے کلام میں بار بار اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ہم غفور رحیم ہیں، ہم شفیق ہیں' ہم مہربان ہیں' تم اچھے اعمال کرو اور برے اعمال سے بچ جاؤ۔ ان بداعمالیوں کو چھوڑ دو اور اگر ارتکاب ہو جائے' توبہ واستغفار کر لو۔

اللہ پاک نے ہم کو بہت سے کبائر سے تو بچا ہی لیا ہے اس کا ہزار ہزار شکر ہے اور جنت میں لے جانے والے اعمال بھی صاف صاف بتلا دیئے۔ اب کوئی مصلحت اندیشی سے نیا اسلام بنا لے یہ صریحاً کفر ہے۔ یہ مسخ شدہ دماغ والے جو اسلام میں ترمیم چاہتے ہیں' یہ زندقہ ہے۔ آج زمانہ جو کچھ چاہتا ہے اور آج کی سوسائٹی جو پسند کرتی ہے یہ سب الحاد ہے' کفر ہے' ایسے کہنے والے اللہ کے غضب سے بچ نہیں سکتے۔ اللہ پاک سے پناہ مانگو۔"

شامتِ اعمال

فرمایا: ”دراصل آج کا نوجوان سیرت نبوی ﷺ اور حالات صحابہ کرام رضی اللہ عنھم سے ناواقف ہے اور ارباب اقتدار نے عمداً مسلمانوں کو ان چیزوں سے دور رکھا ہے۔ خدا کے لئے قوت ایمانیہ کی حفاظت کے لئے سیرۃ نبوی ﷺ کا مطالعہ کیجئے جب تک اللہ پاک کی حرام کی ہوئی چیزوں سے اجتناب نہ کرو گے کوئی صورت عذاب دوزخ سے مفر کی نہیں ہے۔ ایسا نہ ہو کہ ایمان پر ضرب آجائے' آج شامت اعمال ہم پر مسلط ہوتی جارہی ہے۔ آج کے معاشرہ کا نقشہ ہم کئی دفعہ کھینچ چکے ہیں۔ عورتوں کی بے پردگیاں' عدالتوں کی ناانصافیاں' دفاتر کی حق تلفیاں' بازاروں کی فریب کاریاں' تعلیم گاہوں کی بے حیائیاں' ہسپتالوں کے مظالم یہ سب کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں۔

اللہ پاک کے احکام بھی ایسے نہیں جو کسی زمانہ میں بندوں کے لئے برداشت کے قابل نہ ہوں' ایک نظر ڈالو جتنی حرام چیزیں ہیں یعنی راگ راگنیاں' فوٹو' مغربی طرز زندگی' ریڈیو' ٹیلی ویژن ان سب چیزوں سے تم بچ سکتے ہو۔ یہ واہمہ ہے کہ نماز بھی پڑھ لی اور گانا بھی سن لیا' خدا بھی خوش اور شیطان بھی راضی ...... یہ نہ کرو اللہ اور شیطان کو ایک ساتھ راضی نہ کرو۔ شیطان کو تو جہنم میں دھکیلا جائے گا۔ تم اپنی آنکھ بند کر کے اس کی پیروی نہ کرو کہ تم بھی اس کے ساتھ جہنم میں دھکیل دیئے جاؤ۔ جو لوگ ساری زندگی دین اور بے دینی کی کشمکش کے مابین چلا کرتے ہیں' نزع کے وقت شیطان آکر انہیں بے دینی کی طرف راغب کرتا ہے اس لئے ہوشیار ہو جاؤ' یہ بڑا خطرناک مرحلہ ہے۔ یہ مختصر زندگی ختم ہو رہی ہے اور ابدی زندگی شروع ہو رہی ہے اور عمل اور رد عمل کا معاملہ جاری ہے۔ ابھی مہلت ہے ہوشار ہو جاؤ اور کبائر کو ترک کر دو اور توبہ کرو اور اپنے ایمان کو بچاؤ۔

اصل رائج الوقت کبائر یہ ہیں۔ جس گھر میں یہ چار چیزیں ہوں وہاں رحمت کے فرشتے

موت کے وقت تو کیا کسی وقت بھی نہیں آتے۔ایک تصاویر و گانے بجانے کا سامان دوسرے کتا تیسرے ننگے سر والی عورت چوتھے جنبی یعنی جس کو غسل کی حاجت ہو۔"

آج کا فتنہ

فرمایا: "تصاویر آج کا فتنہ ہیں۔ جہاں جایئے بڑے بڑے بورڈ نیم برہنہ عورتوں کی تصاویر سے آویزاں ہیں۔اسلام میں مسلم مومن عورت کو تو وہ درجہ حاصل ہے جو حوروں کو بھی نہیں۔ آج وقار نسوانیت کو اس قدر پامال کیا جارہا ہے کہ ہر جگہ وہ تصاویر میں اپنے معاشرہ میں عریاں کردی گئی ہیں اور ہمیشہ فرشتوں اور انسانوں کی طرف سے ان پر لعنتیں برس رہی ہیں۔

شیطان کہتا ہے کہ میں نے اتنا سوچا بھی نہ تھا جتنا خود انسان نے عورت کو اس طرح برہنہ کر کے بے حیائی اور بے غیرتی کے درجہ کمال تک پہنچادیا۔ خدا معلوم یہ کمال کہاں تک پہنچے گا۔ العیاذ باللہ! شیطان کہتا ہے انسان تو اشرف المخلوقات ہے لیکن وہ تو مجھ سے بھی آگے بڑھ گیا۔"

راہ عمل

فرمایا: "اب سوچنا یہ ہے کہ ہم کیا کریں۔ وہ کریں جو یقیناً ہمارے اختیار میں ہے۔ قیامت یہ ہے کہ علم دین نہ ہونے کی وجہ ہم ان باتوں کو گناہ ہی نہیں سمجھتے اس لئے نہ ترک کا ارادہ نہ توبہ کی توفیق۔ اللہ و رسول ﷺ نے قیامت تک کے لئے اعلان کردیا ہے۔ اگر گناہ نہ چھوڑو گے اور توبہ نہ کرو گے تو دنیا میں بھی خمیازہ بھگتو گے اور آخرت میں بھی۔ دیکھ تو رہے ہو کہ شامت اعمال سے کون بچا ہوا ہے۔

اول تو اپنے گھر میں تصاویر والے اخبار نہ لاؤ' اگر لاتے ہو تو اس کو پڑھ کر جلادو چونکہ اس میں قابل احترام باتیں بھی لکھی ہوتی ہیں' اگر تم نے اسکوردی میں فروخت

کیا تو وہ پڑیوں میں بندھ کر پھر سڑکوں پر مارا مارا پھرے گا۔ اس بربادی میں تمہارا بھی ہاتھ ہوگا۔ اور آج کل اچھے اچھے دیندار لوگ بھی ریڈیو، ٹیلی ویژن گھروں میں رکھتے ہیں اور تاویلات پیش کرتے ہیں کہ اس میں تلاوت اور دین کی باتیں بھی آتی ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ محلّہ میں دوسرے مکانوں میں بچے چلے جاتے ہیں ان کی خوشنودی اور حفاظت کے لئے منگایا ہے۔ یاد رکھو یہ تصاویر دیکھنے اور رکھنے والے جہنم کے ایک طبقے میں پھینک دیئے جائیں گے۔ آج راگ راگنیوں کا دن رات کا پروگرام ہے اور فضاؤں میں اس کی وجہ سے ہر وقت لعنت برستی رہتی ہے چاہے ہم اس کو محسوس کریں یا نہ کریں

عورت کا ہر وقت سر ڈھکے رہنے میں کیا قباحت ہے، کھلے سر والی عورت پر فرشتے لعنت بھیجتے ہیں۔ چھوٹی بچیوں کو ابھی سے عادت ڈالو سر ڈھکنے کی۔ مخلوط تعلیم نے جو زہر گھول دیا ہے اس کے اثر سے ہمارے معاشرے میں محرم و نامحرم کا فرق ہی اٹھ گیا۔ لیکن اس لعنت سے ہم بچ نہیں سکتے۔"

خود فریبی

فرمایا: "آج مقدس اور دین دار لوگ بھی اپنے گھروں میں بالغ اور نابالغ لڑکیوں کو میک اپ سے نہیں روکتے، مخلوط تعلیم سے نہیں روکتے۔ کیا دین اسی کا نام ہے کہ اس میں ان کبائر کو بھی شامل کر لیا جائے اور پھر بھی وہ پاک رہے۔ کہاں چلا گیا ہے تمہارا دماغ۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنی صاحبزادی کے یہاں تشریف لائے، خیریت پوچھی، جب دیکھا کہ گھر میں کوئی اور نہیں تو عجلت کے ساتھ واپس ہوئے، دروازے سے سر ٹکرا گیا، کہنے لگے اللہ کا شکر ہے جس نے مجھے ہلاکت سے بچالیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ بھی ارشاد ہے کہ جہاں مرد اور عورت تنہا ہوں وہاں شیطان کا ہونا لازمی ہے۔

غیرت اور شرم تو ان لوگوں سے پوچھو۔ اور آج کے والدین اپنی لڑکی کو سینما لے کر جاتے ہیں اور حیلہ یہ کرتے ہیں کہ بیٹی امتحان میں پاس ہوئی تو اس کی خوشی اور تفریح

کے لئے ایسا کیا۔ارے لا حول و لا قوۃ الا باللہ

حدیث میں ہے کہ قیامت کے قریب عورتیں اپنے بال اس طرح بنائیں گی جیسے اونٹ کے کوہان آج وہ عذاب ہر جگہ نمودار ہو رہا ہے تاویلات کرنے سے جنت اور دوزخ نہیں بدل سکتی۔

علماء نے یہ شان تعلیم چھوڑ دی
صوفیا نے یہ انداز تزکیہ چھوڑ دیا

ہم کو، آپکو کون سمجھائے۔اب خود ہی پناہ ڈھونڈیئے ورنہ تباہ ہو جائیں گے۔اللہ تعالیٰ نے فرمایا"ہم نے بڑی شان والا رسول بھیجا وہ ایسے شفیق اور ایسے رحیم ہیں (جو ہر وقت توبہ و تلافی مافات کی راہ دکھلاتے ہیں۔) پھر دوسرا رخ بتلایا کہ اے حبیب ہم کو ان سب کی پرواہ نہیں ہم ان کو پھینک دیں گے جہنم میں۔ارے کچھ تو لاج رکھ لو امتی ہونے کی۔صریحاً خلاف ورزی کرتے ہو دین کی پھر درود بھی پڑھتے ہو، سجدے بھی کرتے ہو۔دین کی عظمت، محبت کچھ نہیں، فریب دیتے ہو اپنے آپ کو۔

زنہار ازاں قوم نہ باشی کہ فریبند
حق را بسجودے و نبی را بدرودے

ہمارے ایمان کے ضعف کا کیا ٹھکانہ ہے بس توبہ کرو اور دعا کرو کہ ......یا اللہ! ہمیں اس معاشرے و ماحول کے وبال سے بچنے کی قوت عطا کیجئے کہ ان کا مقابلہ کر سکیں اور ہم کو دین پر استقامت عطا فرمایئے۔"

مکافات عمل

فرمایا:"اب مسلمان! عورتوں کو دیکھو آج کل فیشن پرستی میں خوب ڈوبی رہتی ہیں جسے دراصل مغرب پرستی کہنا چاہئے۔وہ مغربی تہذیب کی اتنی دلدادہ ہیں کہ انہیں اسلامی شعائر کی ذرا بھی پرواہ نہیں رہی۔سورہ احزاب میں اللہ تعالیٰ کا صاف صاف حکم

موجود ہے وَقَرْنَ فِی بُیُوْتِکُنَّ الخ۔ مسلمان عورتیں اپنے گھروں میں ٹھہری رہیں ' زمانہ جاہلیت کی طرح اپنے سنگھار نہ دکھاتی پھریں۔

لیکن بھائیو! صورت حال یہ ہے کہ بازاروں اور گزر گاہوں میں اس حال میں پھرتی رہتی ہیں کہ ان کا سینہ 'ان کا سر 'ان کی پیٹھ 'ان کا پیٹ اور ان کی کہنیاں بالکل ننگی رہتی ہیں۔ یہ کس بات کی علامت ہے۔ کیا یہ خدا سے جنگ نہیں ؟ پھر ہمارے گھروں میں اسلامی زندگی کا کوئی نمونہ ہی موجود نہیں۔ حقوق العباد کی طرف سے توجہ بالکل ہٹالی گئی ہے۔ ماں باپ کی فرمانبرداری اب بالکل نہیں رہی۔ صلہ رحمی کا جذبہ بالکل مٹ گیا ہے۔ احکام الٰہی سے یکسر سرتابی ہے۔ اخلاق و عادات بالکل غیر اسلامی ہیں۔ خاندانوں اور عام گھرانوں میں رنجشوں 'تلخیوں' عداوتوں اور رقابتوں کا ایک لا متناہی سلسلہ قائم ہے۔ غیبت سب سے بڑی لعنت ہے۔ مگر یہ عیب ہر گھر میں نظر آتا ہے۔ حسد 'کینہ ' بغض اور بدگوئی کی اسلام نے بڑی مذمت کی ہے اور ان رذائل سے بچنے کا حکم دیا ہے۔ لیکن یہ ہماری عادت ثانیہ بن گئی ہیں۔ آج کل خود ستائی کے نت نئے طریقے ایجاد کئے گئے ہیں۔ جو سراسر اسلام سے انحراف کی علامات ہیں۔ ان تمام کاموں میں تو لوگوں کا بڑا دل لگتا ہے۔ جب ان سب سے فرصت ہی نہیں ملتی تو نماز میں کیا دل لگے گا؟"

موجودہ معاشرہ اور اسلامی حکومت

فرمایا: "آج کل کے معاشرہ میں ہمارا ایمان خطرہ میں ہے۔ گھر گھر یہ ٹیلی ویژن ' تصاویر، گانے بجانے 'میز کرسی پر کھانا' محرم نا محرم کا اختلاط 'غیر مذہبی تعلیم و تمدن ' لڑکیوں کے بے پردہ لباس 'کھلا ہوا بدن اس میں کون سی ادا اسلامی زندگی کی ہے۔ تم جب پانچ سات افراد پر اسلامی حکومت قائم نہیں کر سکتے اور بلند و بانگ دعوے 'پر جوش نعرے لگا کر سارے ملک میں اسلامی حکومت قائم کرنے کے لئے کہاں جا رہے ہو۔ پہلے اپنی زندگی تو اسلامی بنالو۔"



نصرت الٰہی

فرمایا: ”ہاں اقبالی مجرم ہو کر ان بے حیائیوں کا اعتراف کرلو اور ان کے چھوڑنے کا ارادہ بھی ہو تو پھر خدا تمہارے لئے اپنی آخرت کا سامان بھی پیدا کردے گا، تم کو مدد ملے گی ان کو چھوڑنے میں۔

ایک صاحب لاہور سے آئے، کہنے لگے ہم تو بڑی عیش و عشرت کے سامان میں رہتے ہیں۔ اپنے ایک عزیز کے ہاں مہمان ہیں اور بڑے عیش و آرام کے سامان مہیا ہیں۔ ریڈیو، ٹیلی ویژن، تصاویر، صوفے ہمارا گھر تو جنت کدہ بنا ہوا ہے اور آپ کی مجلس میں بیٹھ کر یہ معلوم ہوا کہ یہ تو سارے ساماں عیش کے خلاف شرع ہے اور دوزخ کی طرف لے جانے والے ہیں۔

جب ہم گھر لوٹ کر گئے تو وہ جنت کدہ ہم کو جہنم کدہ معلوم ہوا ہم نے اپنے مہربان سے کہا تم ان جہنم کی چیزوں کو نکالو اپنے گھر سے یا پھر ہم اس گھر میں قیام نہ کریں گے۔ خدا حافظ۔

سبحان اللہ! ذرا سی دیر میں ایک شخص نے کیا اثر لے لیا۔ ہم آپ عرصے سے یہ باتیں سن رہے ہیں کاش ہماری زندگی بھی اس فسق و فجور والی چیزوں سے بچ جائے اور اسلامی معاشرہ کی راحت و عیش نصیب ہوں۔“

قرب نبوی ﷺ کی حقیقت

فرمایا: ”ہم اپنے معاشرہ میں ان گندگیوں کے ساتھ ساتھ درود شریف بھی پڑھا کرتے ہیں لیکن اس کی اہمیت سے بالکل بے خبر ہیں۔ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا میرا قرب میری جالی کے پاس آنے میں نہیں ہے بلکہ میری اتباع میں ہے۔

ہمارے حضرتؒ فرماتے تھے کسی کو ساری عمر روزانہ خواب میں زیارت رسول

ﷺ ہو اور اتباع شریعت نہ ہو تو وہ زیارت اس کے کسی کام نہ آئے گی۔ سنت کے مطابق اعمال ضروری ہیں۔ جن پر مدار ہے ہمارے ایمان واسلام کا۔

میں یہ باتیں بار بار اسی لئے دہراتا ہوں کہ آج فیصلہ کرلیں کہ ہم کو جنت کے اعمال کرنا ہیں یا جہنم کے۔ اگر جہنم کے اعمال کو جائز سمجھتے ہو تو آخرت کے دردناک عذاب کے لئے تیار ہو جاؤ۔ جب تمہاری لذتیں وابستہ رہیں ان بے حیائی و ناپاکی کے کاموں سے اور توبہ نہ کرو تو یاد رکھو دنیا میں بھی عذاب ہوگا' قبر میں بھی' برزخ میں بھی' قیامت میں بھی۔ جو بداعمالیاں کرے گا وہ عذاب آخرت سے بچ نہیں سکتا اور جس نے اچھے اعمال کئے' عورت ہو یا مرد ہو اور ایمان شرط ہے' اس کو یہاں بھی حیات طیبہ ملے گی اور قبر میں بھی' برزخ میں بھی اور حشر میں بھی عیش اور کامیابی ہے۔"

حیاء و عفت

فرمایا: "رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ شرم وحیا ایمان کی علامت ہے اور ایمان بہشت میں پہنچاتا ہے۔ بے شرمی بدخوئی کی بات ہے اور بدخوئی دوزخ میں لے جاتی ہے۔ ایک حدیث میں حضور ﷺ کا ارشاد ہے الحیا من الایمان شرم وحیاء ایمان کی نشانی ہے۔ اگر شرم وحیاء رخصت ہوئی تو پھر ایمان کی کہاں خیر اور پھر غضب یہ کہ بے پردگی، بے غیرتی' بے شرمی' بے حیائی اور گناہ کبیرہ کو گناہ نہیں سمجھا جاتا۔ کہا جاتا ہے کہ یہ تو رائج الوقت چیز ہے' آج کی تہذیب و معاشرہ اسی طرح ہے' تو کیا تمہارے ایسا کہنے سے قانون الٰہی بدل جائے گا؟

اس کا وبال بھی گھر گھر دیکھ رہے ہو' نہ چین ہے نہ سکون' نہ امن ہے نہ عافیت' طرح طرح کے مصائب' نئی نئی مشکلات' پریشانیاں' بیماریاں' الامان الحفیظ۔

شامت اعمال کا ایک ہمہ گیر وبال ہے جو آج ساری قوم پر طاری ہے۔ اللہ محفوظ رکھے اپنے قہر سے' اپنے غضب سے۔ یہ معمولی بات نہیں کہ احکامات الٰہیہ کی خلاف

ورزی کرو، کبائر کا ارتکاب کرو اور سمجھو کہ یہ تہذیب حاضرہ ہے، آج کل کا تقاضا ہی ایسا ہے۔ ہم مجبور ہیں، مگر تم سمجھ لو کہ مجبوری سمجھ کر کرو یا خوشی سے کرو اللہ کے غصہ اور غضب سے نہیں بچ سکتے۔ کبائر کرنے کے بعد، عصیاں و طغیاں کے بعد اس پر اصرار کرنے اور جری رہنے کے بعد، اس کو ترک نہ کرنے کے ارادہ کے ساتھ کیسے نجات اور مغفرت کی امید رکھ سکتے ہیں۔ بلکہ اندیشہ ہے کہ کہیں توبہ کی توفیق ہی نہ سلب کرلی جائے۔ اَلْعَیَاذُ بِاللّٰہِ تَعَالٰی ۔"

اصلاح اعمال اور رجوع الی اللہ کا طریقہ

فرمایا: "نبی کریم ﷺ نے قیامت کی جو علامات بتادی ہیں، حدیثوں میں موجود ہیں ان سے خدارا ڈرو...... آپ ﷺ فرماتے ہیں کہ قرب قیامت میں فتنے اس طرح آئیں گے جیسے تسبیح کے دانے ٹوٹتے ہیں، ہر روز ایک نیا فتنہ۔ دنیا کے فتنے کیا کم ہے اب دین کے فتنے بھی پیدا ہو گئے اور ایسے لوگوں کی طرف سے پیدا ہو گئے ہیں جنہوں نے اسلام کا بہروپ بھر لیا ہے جو اسلام کا نام لے کر خود بھی گمراہ ہو رہے ہیں اور دوسروں کو بھی گمراہ کر رہے ہیں، نہ وہ اسلام کا حق ادا کرتے ہیں نہ ایمان کا، صرف دور حاضر کی مصلحتوں کو دیکھتے ہیں، تقاضائے وقت کو دیکھتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ اسلام کو مغربیت کے سانچے میں ڈھال لیں تاکہ وہ مسلمان کے مسلمان رہیں یعنی کہنے کو مسلمان ہوں لیکن ہوں مغرب کے مقلد، وہ سانچہ مغرب میں تیار ہوتا ہے اور مسلمان اس میں اپنے آپ کو ڈھالنا چاہتا ہے، وہ سانچہ کاہے کا ہے؟ معاشرے کا، ایسا معاشرہ بنادیا ہے مغرب نے کہ بس نہایت دلکش، نہایت جاذب نظر۔ فراوانی زر نے، ایجادات نے، طرح طرح کے عیش و عشرت کے سامانوں نے وسائل کی کثرت نے اتنی سہولتیں، اتنی آسانیاں اتنی ضرورتیں ہمارے لئے پیدا کردی ہیں کہ ہم مدہوش ہو کر رہ گئے ہیں۔ دیکھتے نہیں کہ جائز ہے یا ناجائز ہے؟ اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ نے اس کی اجازت

دی ہے یا نہیں بس یہ دیکھتے ہیں کہ تقاضائے وقت یہی ہے' یہی کرنا چاہیے ایسا نہ کریں تو ہم بھی پسماندہ قوموں میں شمار ہوں' جاہلوں میں شمار ہوں' جانے کیا کیا اوہام شیطان پیدا کر دیتا ہے۔ اور ہم آنکھیں بند کر کے تقلید کئے جا رہے ہیں یورپ کی' مغربیت کی' یہودیت کی' اور نصرانیت کی' اور سمجھتے ہیں کہ ہم مسلمان ہیں...... اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ.

بڑی عبرت کی بات ہے' ہوشیار ہو جانے کی بات ہے' خدا کے لئے ایمان کو بچاؤ' اپنے ایمان کا تحفظ کرو' میں صرف خطرات و وساوس آپ کے سامنے پیش نہیں کرتا بلکہ اس کی تدبیر بھی بتاتا رہتا ہوں۔ جو تدبیر ہے اس کی وہ عرض کرتا ہوں' آپ سب جمع ہیں' سوچئے کوئی دل ہے ایسا جو پریشان نہ ہو' فکرمند نہ ہو' کسی تردد میں مبتلا نہ ہو' کوئی خالی نہیں' خطرات ہیں' تشویشات ہیں' ترددات و وساوس ہیں لیکن تدبیر سمجھ میں نہیں آتی کہ کیا کریں؟

بات یہ ہے کہ اپنے اپنے دائرہ میں دین کی تبلیغ تو ہو رہی ہے لیکن نہایت محدود۔ دوسری طرف دشمنان اسلام کے پاس نشر و اشاعت کے تمام سامان ہیں' کھلے بندوں فسق و فجور کی اشاعت کر رہے ہیں اور ہمارے پاس' اہل حق کے پاس' علمائے حقانی کے پاس وسائل و ذرائع کا فقدان ہے اور جو وسائل ہیں وہ محدود ہیں اگرچہ وہ اپنی جگہ پر کام کر رہے ہیں اور تقاضائے وقت کہہ کر جو خلاف شرع اور خلاف سنت کام کئے جا رہے ہیں اس سے روک رہے ہیں' متنبہ کر رہے ہیں لیکن ان کا دائرہ بالکل محدود ہے۔ ہمارے معاشرہ میں تہذیب حاضرہ میں مسلمانوں کے جو اخلاق برباد ہو کر رہ گئے ہیں اس میں زیادہ ہاتھ ریڈیو' ٹیلی ویژن' اور اخبارات اور ڈائجسٹوں کا ہے۔ صحافیوں کو بالکل آزادی ملی ہوئی ہے جو چاہئیں لکھیں' تمام اخبار گندے مضامین سے بھرے ہوئے ہیں۔ صفحے کے صفحے سینما کی ننگی اور عریاں تصویروں سے بھرے ہوئے ہیں' نادان لڑکے جن کو سمجھ بوجھ نہ ہو' دین کی تعلیم بھی نہ ہو' جن کو یہ بھی نہ بتایا گیا ہو کہ دین کیا چیز ہے ان کے

ذہن میں کبھی اس کی خرابی آتی ہی نہیں مگر وہ سمیت اپنا کام کر رہی ہے' کوئی اخبار اٹھا کے دیکھ لیجئے تصاویر سے بھرا ہوا ہے اور صرف تصاویر نہیں'...... نیم برہنہ عورتوں کی تصاویر۔ قسم قسم کے ڈائجسٹ نکل آئے ہیں۔ رسالے نکل آئے ہیں' تمام فحاشی اور عریانی سے بھرے ہوئے ہیں۔ خواتین کے نام اور ان کی ننگی تصویریں بے باکانہ شائع کی جا رہی ہیں۔ بے شرمی اور بے حیائی اور آزادی کی لہریں چلی ہوئی ہیں' کیا نوجوان لڑکے اور کیا نوجوان لڑکیاں؟ کون سمجھائے ان کو یہ گناہ کبیرہ ہیں' اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ نے ان پر لعنتیں بھیجی ہیں۔ تمہاری زندگی ان سے برباد ہو جائے گی۔ کون سمجھائے؟ برباد ہو رہی ہے مگر تم اس سے عبرت حاصل نہیں کرتے۔

دین کی' ایمان کی' اسلام کی' نہ گھروں میں تعلیم' نہ اسکولوں میں تعلیم' نہ یونیورسٹیوں میں تعلیم اور نہ درس گاہوں میں تعلیم و تربیت' کوئی ان فواحش و منکرات سے بچنے کی تعلیم نہیں دیتا' کوئی ان کا علاج نہیں بتاتا۔ نہ عام طور پر علماء کے وعظ' نہ حکومت' نہ ممبران قوم ملت کی خیر خواہی۔ اگر اجتماعی طور پر کچھ نہیں ہو رہا ہے' انفرادی طور سے سہی' جس کو بھی اپنی عافیت اور آخرت کی حفاظت کی فکر ہو جائے۔ میرے دل میں یہی جذبہ ہے کہ ہم اور آپ اپنے ایمان و اسلام کی حفاظت کے لئے جدوجہد کر سکتے ہیں کریں۔

اللہ تعالیٰ نے ہم کو توفیق دے رکھی ہے۔ بھائی! بچالو اپنے آپ کو' کوئی بچے یا نہ بچے اپنے آپ کو بچالو اپنے گھروں کو بچالو۔ یہ قانون فطرت ہے کہ عمل اور رد عمل' ایکشن اور ری ایکشن' یہ نہیں بدلے گا۔ اس لئے کہ یہ قانون فطرت ہے۔ مشیت الہیہ ہے۔"

عمل رد عمل

فرمایا: "اللہ تعالیٰ نے بتادیا ہے کہ یہ دنیا تمہارے لئے عمل کی جگہ ہے اور زندگی ایک طرح کا مجاہدہ ہے۔ اعمال یہاں دو قسم کے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنے کلام پاک

میں واضح فرمادیا ہے کہ فلاں فلاں اعمال جنت کے اعمال ہیں جو تمہیں سیدھے جنت میں لے جائیں گے۔ تم صاحب ایمان ہو نبی رحمت ﷺ کے امتی ہو' تمہارے لئے وہ شاہراہ اعظم ہے' چلتے چلے جاؤ' یہ جنت کے اعمال ہیں اور یہ بھی واضح فرمادیا کہ فلاں فلاں اعمال "ضالین" "مغضوبین" "زندیقین" اور "مشرکین" کے اعمال ہیں جو جہنم میں لے جانے والے ہیں۔ ان "اعمال" کا ری ایکشن بھی ہوگا' دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی' قانون جاری ہو چکا ہے لاَ تَبْدِیْلَ لِکَلِمَاتِ اللّٰہِ اللہ کے کلام میں' قانون میں کبھی تبدیلی نہیں ہوتی۔"

اعمال کا وبال

فرمایا: "عمل کا رد عمل ہو کے رہے گا' اب آپ دیکھیں کہ کتنی پریشانیاں ہیں' دفاتر میں' تجارت گاہوں میں' گھروں میں طرح طرح کی بے چینی اور اضطراب ہے۔ نتیجہ یہی ہونا ہے' کہہ چکا ہوں کئی دفعہ کہ عمل اور رد عمل یہ سب ہماری شامت اعمال ہے۔ کبائر کا علانیہ ارتکاب ہو رہا ہے۔ اور بے حسی کا یہ عالم ہے کہ ان کو ہم گناہ ہی نہیں سمجھتے' توبہ کیا کریں؟ اس پر تو نظر ہی نہیں البتہ اس پر نظر ہے کہ کسی نے جادو کر دیا ہے' کسی نے سفلی عمل کر دیا ہے' ہماری روزی بند ہو گئی ہے' رشتے نہیں آتے' لڑکیاں کنواری بیٹھی ہوئی ہیں' ماں باپ نالاں ہیں کہ اولاد نافرمان ہے' تجارتوں میں گھاٹے ہو رہے ہیں' فلاں بات ہو گئی ہے' فلاں واقعہ پیش آگیا ہے' ہر جگہ کھلا ہوا وبال ہے' یہ نقصان ہے' یہ پریشانی ہے' یہ بیماری ہے' دفتر کے دفتر کھلے ہوئے ہیں پریشانیوں کے۔ عمل اور رد عمل ...... گردن جھکا کے ذرا دیکھو' نہ سفلی عمل کوئی کرتا ہے نہ رزق میں بندش کوئی ہو سکتی ہے' کسی کی مجال نہیں کہ تجارت گاہوں میں نقصان ہو جائے یا دفتر والے کسی کو نقصان پہنچا دے یا رشوت لے کر آپ کو پریشان کریں یا آپ کا کام بگاڑ دیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

اِنَّ اللّٰہَ ھُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّۃِ الْمَتِیْنُ

ترجمہ: اللہ تعالیٰ خوب رزق پہنچانے والے اور نہایت قوت والے ہیں۔ایک دانہ تمہارا کوئی کم نہیں کر سکتا، نا ممکن ہے، محال ہے۔ صاف فرمادیا ہے۔اِنَّ اللّٰہَ ھُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّۃِ الْمَتِیْنُ وہ بڑی قوت والی متین ذات ہے۔ حدیث شریف کا مضمون ہے کہ ساری دنیا تم کو نقصان پہنچانا چاہے تو نہیں پہنچا سکتی مگر جو اللہ چاہے، اسی طرح کوئی تم کو فائدہ نہیں پہنچا سکتا مگر جو اللہ چاہے۔ کسی کی مجال نہیں کہ اس کے سامنے دم مار سکے۔ اپنا عقیدہ صحیح کر لو۔ کیوں شور مچاتے پھرتے ہو کہ فلاں نے یوں کر دیا، فلاں نے یوں کر دیا، سب نادانی کی باتیں ہیں۔ میں کہہ چکا ہوں کہ یہ سب تمہارے اعمال کا وبال ہے۔ رد عمل ہے، اس لئے اپنے اعمال کی خبر لو، گناہ کبیرہ کا ارتکاب کر رہے ہو اور کہتے ہو کہ فلاں نے یوں دشمنی کی فلاں نے یوں بگاڑ دیا۔ مرد ہو یا عورتیں سب کا یہی حال ہے کہ اپنے گناہوں پر نظر نہیں، جب تک ان کو ترک نہ کرو گے، شامت اعمال طاری رہے گی۔ دنیا میں کوئی اس کا تدارک نہیں کر سکتا سوا اس کے کہ گناہ ترک کر دو اور توبہ کرو، یہ عمل بھی کر کے دیکھ لو۔ انشاء اللہ صورت حال ضرور بدل جائے گی اور سکون قلب حاصل ہو گا۔ خوش فہمی سے یوں سمجھ لیا ہے کہ ہم نماز پڑھتے ہیں، روزہ رکھتے ہیں اور بھائی! جن کو وسعت ہوتی ہے ان کو یہ بھی ناز ہے کہ ایک عمرہ کر آئے، دس عمرے کر آئے، عمرے پر عمرہ کر رہے ہیں، لیکن ٹیلی ویژن بھی گھر میں جاری ہے، ریڈیو بھی چل رہا ہے، عورتیں برہنہ سر باہر بازار میں نکل رہی ہیں اور بیباکانہ محرم و نامحرم کا اختلاط بھی ہو رہا ہے اور سمجھتے ہیں کہ مسلمان ہیں اور مسلمان صاحب ایمان ہیں۔ نمازیں پڑھتے ہیں روزے رکھتے ہیں، ارے یہ سب کچھ سہی جس خدا نے تم پر نماز اور روزے فرض کئے ہیں، حج فرض کیا ہے، زکوۃ فرض کی ہے اسی خدا نے اپنے دوسرے احکامات بھی کلام اللہ میں واضح طور پر بتائے ہیں کہ فلاں فلاں کام گناہ کبیرہ ہیں۔ جب تک کہ تم ان کو ترک نہیں کرو گے ہرگز ان کے وبال سے نہیں بچ سکتے اور

جب تک تم کفار اور مشرکین مغضوبین اور ضالین کی تقلید کرتے رہو گے 'ان کے اعمال، ان کا طرز زندگی اختیار کرتے رہو گے 'ان کی تہذیب اور ان کا تمدن اختیار کرتے رہو گے 'ان کی سیاست 'ان کا کردار اختیار کرتے رہو گے 'ہرگز ہرگز ان کے وبال سے نہیں بچ سکتے۔ شامت اعمال سے نہیں چھوٹ سکتے۔ ان کے اوپر خدا کا غضب نازل ہی ہوگا 'دنیا میں بھی آخرت میں بھی 'تم بھی اس غضب کی زد میں آجاؤ گے۔ العیاذ باللہ۔"

مغرب کی غلامی

فرمایا: "یہ عبرت کی بات ہے...... ایک بات سمجھ لینے کی ہے وہ یہ کہ چاہے جتنی بھی مغرب کی تقلید کرلو 'لباس پوشاک میں 'رہنے سہنے میں 'وضع قطع میں لیکن پھر غلام ہی ہو کیونکہ جو تہذیب تم اختیار کئے ہوئے ہو وہ تمہاری نہیں 'تمہارا لباس 'تمہاری پوشاک 'تمہاری وضع قطع 'تمہارا رہنا سہنا 'تمہاری معاملاتی زندگی 'تمہاری سیاسی زندگی 'تمہاری تجارتی زندگی 'سب کفار و مشرکین کی ہے جن کو اللہ تعالیٰ نے ملعون کردیا ہے۔ ظالموں میں شامل کردیا ہے 'تم ان کی تہذیب کو اختیار کرتے ہو ضرورت وقت کہہ کر 'تقاضائے وقت کہہ کر "ایمان اور اسلام کی تعلیم سے بھی خدا اور اس کے رسول ﷺ سے روگردانی کر کے جو چاہو کرو 'اور پھر اس کا خمیازہ بھگتو۔

پھر کیا شکایت کرتے ہو کہ ہماری دعائیں قبول نہیں ہوتیں؟ کون دعا قبول کرے؟ وہ ذات جس کی تم کھلم کھلا نافرمانیاں کر رہے ہو! تم کو یہ کہتے ہوئے غیرت معلوم نہیں ہوتی کہ دعا قبول نہیں ہوتی 'ارے دعا تو پھر بھی قبول کر رہے ہیں 'ارے شکر ادا کرو کہ ان تمام تر نافرمانیوں کے باوجود اس رب کریم وحدہ لاشریک نے تمہاری روزی سلب نہیں کی 'تم پر علانیہ اپنا عذاب نازل نہیں کیا۔ اس کی طرف سے تو اس قدر عفو و درگزر کا معاملہ اور تم نافرمانیاں کر رہے ہو 'کبیرہ گناہوں کے مرتکب ہو رہے ہو۔ جرم پہ جرم

کئے جا رہے ہو۔ یہ ان کا فضل عظیم ہے کہ ...... بایں ہمہ تمہیں کھانے کو دے رہے ہیں۔ اور عزت دے رہے ہیں اگر چاہیں تو ایک دم سلب کر لیں۔ یہ بھی غور کر کے دیکھ لو کہ باوجود تمام عیش و عشرت کا سامان ہوتے ہوئے کسی دن بھی عافیت نہیں۔ یہ بھی خدا کا قہر ہے۔

نافرمانی معمولی چیز ہے؟ گناہ معمولی چیز ہے؟ کہہ دیا کہ چھوٹا گناہ ہے۔ چھوٹا ہو یا بڑا' گناہ ہے۔ کبریاء مطلق کا ایک معمولی حکم بھی اعلیٰ حکم ہے اور اس کا بڑا حکم بھی' اعلیٰ حکم ہے فرض و واجب بھی اس کے ہیں' جائز و ناجائز بھی اس نے بتلائے ہیں۔ سب اس کی بتلائی ہوئی حدود ہیں اب تم اپنے لئے ناجائز کو جائز کر لو' حرام کو حلال کر لو تو وبال ضرور بھگتو گے۔ کہتے پھر و سفلی عمل ہے' فلاں نے یہ کر دیا ہے فلاں نے یہ کر دیا ہے' دنیا بھر کی تدابیر کرو۔ ہرگز اس عذاب سے مفر نہ ہو گی۔ جب تک گناہ ترک نہ کرو گے' توبہ نہ کرو گے ہرگز فلاح نصیب نہ ہو گی اور دیکھو کہاں فلاں نصیب ہو رہی ہے۔ تدابیر تو بہت کر رہے ہو مگر تاثیر مفقود ہے۔"

برائیوں سے نجات کا طریقہ

فرمایا: "دیکھو میں نے تشخیص تو کر دی اب ترکیب بتاتا ہوں' انصاف کرو خدا کے لئے یہ سب کبائر ہیں اس کو مان لو' یہ مت کہو کہ ہم مجبور ہیں' فرض کرو مجبور بھی ہو لیکن احساس کرو' غور کرو' تمہاری آنکھوں میں حیاء ہے کہ نہیں' خدا کی نافرمانیاں کر رہے ہو کہ نہیں؟

میں تو کہتا ہوں کہ جتنے اچھے بھی اعمال کرو تب بھی سمجھو کہ اس میں نقص ہے اور غور کرو گے تو یقیناً محسوس کرو گے کہ تمہارے اچھے اعمال میں بھی کمی ہے' کوتاہی ہے' نقص ہے۔ جب اچھے اعمال کے بارے میں یہ محسوس کرو گے تو برے اور گندے اعمال کے بارے میں تو یقیناً احساس ہو گا کہ یہ نافرمانیاں ہیں' کبیرہ گناہ ہیں۔ اور جو کچھ ہمارا

حال ہے سب ہمارے اعمال کا خمیازہ ہے۔اس لئے بیٹھ جاؤ' گڑگڑاؤ' کس کے سامنے ؟ اس قادر مطلق کے سامنے جس کے سامنے حشر میں اعمال نامہ پیش ہو گا۔ جیسے اعمال ہوں گے ویسا معاملہ ہو گا۔

فَاَمَّا مَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُه' فَهُوَ فِي عِيْشَةٍ رَّاضِيَةٍ وَ اَمَّا مَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُه' فَاُمُّه' هَاوِيَة (سورۃ القارعہ)

پس اعمال وزن کئے جائیں گے' جن کے اعمال وزنی ہوں گے اللہ ان سے راضی ہو گا' جن کے اعمال ہلکے ہوں گے خفیف ہوں گے' ناپاک ہوں گے ان کو جہنم میں ڈالا جائے گا فامه هاوية اس کا ٹھکانا جہنم ہے۔ جس کے نامہ اعمال میں نافرمانیاں ہوں گی' خدا کی حکم عدولی ہو گی اس کے لئے دہکتی ہوئی آگ ہے اسی طرح ارشاد ہے۔

فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَه' وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَه'(سورۃ الزلزال)

پھر (وزن اعمال کے بعد) جس شخص کا پلہ (ایمان کا) بھاری ہو گا وہ خاطر خواہ آرام میں ہو گا۔ (یعنی ناجی ہو گا) اور جس شخص کا پلہ (ایمان کا) ہلکا ہو گا یعنی کافر ہو گا۔ اگر دنیا میں ذرہ برابر نیکی کی ہے اس کا بدلہ ملے گا اور ذرہ برابر بدی کی ہے تو اس کا بدلہ ملے گا۔

تو بھائی داور محشر کے سامنے اعمال نامہ پیش ہو گا۔ میں نے ترکیب بتادی ہے' بڑی کیمیا ہے خدا کے لئے فجر کی نماز کے بعد عشاء کے بعد سب سے اچھا یہ ہے کہ فجر کے بعد داور محشر کے سامنے بیٹھ جاؤ اور کہو:

اے اللہ !اے خالق کائنات !دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی آپ ہی کی مشیت جاری ہے' حشر کا دن بھی آپ ہی کا ہے' اس دنیا میں ہنگامہ آرائی ہے' میں آپ کا بندہ ہوں اور آپ کے نبی رحمت ﷺ کا امتی ہوں' لاچار ہوں' مجبور ہوں' بے بس ہوں۔ یااللہ! یہ اعمال ہیں میرے' یہ روزمرہ کی زندگی ہے میری' میں نادم ہوں' ترک کرنے پر بھی قدرت نہیں ہے۔

. کہو اللہ میاں سے 'وہ قادر مطلق ہیں' کہو ان سے بیباکانہ کہو۔ کھل کے کہو' انہوں نے مدعو کیا ہے تمہیں کہ تمہیں اگر کچھ عرض حال کرنا ہو تو ہمارے سامنے آجاؤ' یہ پانچ وقت کی نماز کیا چیز ہے؟ یہ بھی عرض حال کے لیے ہے جب تم ہاتھ اٹھاؤ انکے سامنے' اپنی بے بسی اور مجبوری بیان کرو' کہو ان کے سامنے 'یا اللہ! میں کیا کروں ایسے گرداب میں پھنس گیا ہوں کہ نکل نہیں سکتا' موجوں کی ایسی ٹکریں لگ رہی ہیں جن کی مجھے سہار نہیں۔ موجیں حوادث روزگار کی' تعلقات دنیوی کی' رسوم بدعات کی کہ چاروں طرف سے گھرا ہوا ہوں' میں حق کے اوپر کیسے قائم رہوں؟ اے اللہ! میں تو ایسا بے بس ہوں کہ میرے بس میں کچھ بھی نہیں' نہ مجھے شرم ہے نہ حیاء ہے نہ غیرت ہے۔

یا اللہ! میں کہنے کو مومن ہوں لیکن تقاضائے ایمانی پر عمل نہیں کرپاتا' اے اللہ! میری مدد فرمایئے' عافیت دیجئے لَا مَلْجَاً وَلَا مَنْجَا مِنَ اللّٰهِ اِلَّآ اِلَيْهِ آپ ہی ہمارے مَاوٰی وَ مَلْجَا ہیں' ہم تو آپ کے سامنے ہاتھ اٹھائے ہوئے ہیں' بے بس ہیں' مجبور ہیں' ہماری بے بسی پر رحم فرمایئے' ہماری حالتوں کو بدل دیجئے' تقاضائے ایمان پہ عمل کرنے کی توفیق دیجئے۔ یا اللہ! ہم کو دین و ایمان کی فہم عطا فرمایئے۔ جتنے محاسن ہیں ہم ان سے دور ہوگئے ہیں' رذائل کو ہم نے اپنی خو بو بنا لیا ہے' حسنات سے ہم کو کوئی علاقہ نہیں' یا اللہ! حسنات کی توفیق عطا فرما دیجئے' رذائل سے ہم کو پاک و صاف کر دیجئے' یا اللہ! یہ جو ہماری دعائیں قبول نہیں ہوتیں' سو اس کی یہی ایک وجہ ہے کہ ہم آپ کی کھلم کھلا نافرمانیاں کر رہے ہیں' قانون شریعت و سنت سے بغاوت کر رہے ہیں اور چاہتے ہیں کہ ہمارا کام ہو جائے' ہمارا منشاء پورا ہو جائے' ہم کو عافیت نصیب ہو۔ یا اللہ! بڑی گستاخی کی بات ہے' بڑی بدتمیزی کی بات ہے کہ ہم آپ کو ناراض بھی کرتے جائیں اور اپنی منشاء کے مطابق اپنے فائدے کے لئے دعائیں مانگیں اور خواہش بھی رکھتے ہیں کہ وہ دعائیں قبول ہو جائیں۔

یا اللہ! ہمیں غیر - معلوم ہوتی ہے' یا اللہ ہمیں بڑی شرم معلوم ہوتی ہے کس منہ

سے آپ سے معافی مانگیں‘ کس صورت سے کہیں کہ ہماری دعا قبول ہو‘ یااللہ! ہمیں محروم نہ فرمایئے۔ آپ قادر مطلق ہیں رحمن و رحیم و غفار ہیں ”فَعَّالٌ لِمَا یُرِیْد“ آپ کی شان ہے‘ آپ اَرْحَمُ الرّٰحِمِیْن ہیں۔ ہم عاجز بندے ہیں ہماری مدد کیجئے‘ یااللہ! اس معاشرے کے حوادث میں ہم حواس باختہ ہو کر رہ گئے ہیں‘ ہم پر رحم فرمایئے‘ یااللہ! ہمارے ایمان کو بیدار فرما دیجئے‘ یااللہ! ہمیں شرم و حیا عطا فرمایئے‘ یااللہ! آپ کے نبی رحمت ﷺ کا دامن ہمارے ہاتھ سے نہ چھوٹنے پائے‘ یااللہ! ان کی اتباع کی توفیق عطا فرمائے‘ یااللہ! ان کی طرف رجوع ہونے کی ہمیں توفیق عطا فرمایئے‘ اپنی بارگاہ میں عجز و نیاز کے ساتھ سجدے کرنے کی توفیق عطا فرمایئے‘ اپنی بارگاہ میں ہاتھ اٹھانے کی توفیق عطا فرمائے۔ یااللہ! استدعا کرنے کی توفیق عطا فرمایئے‘ عرض حال کہنے کی توفیق عطا فرمائے۔ اپنے گناہوں کی معافی مانگنے کی توفیق عطا فرمائے‘ یااللہ جانے کیا کیا انقلابات آنے والے ہیں۔ ہمیں حوادث روزگار سے پناہ عطا فرمایئے۔ اے داور محشر! آپ نے جو ہمیں ایمان کی دولت سے نوازا ہے‘ ہمیں توفیق دیجئے کہ ہم اس کا شکر ادا کریں‘ اگر یہ بھی نہ ہوتا ہمارے پاس تو ہم کہیں کے نہ رہتے‘ یااللہ! باوجود ہمارے حواس باختہ ہونے کے‘ آپ نے ہم کو کچھ لمحات عافیت کے عطا فرمائے ہیں اس عافیت کا ہم شکر ادا کریں‘ اس کی توفیق عطا فرمایئے اور اس عافیت کو اور بڑھا دیجئے اور زیادہ سے زیادہ عافیت عطا فرمایئے۔ یااللہ! جب آپ نے ہمیں اپنی بارگاہ میں ہاتھ اٹھانے کی توفیق دی ہے‘ اور آپ کا وعدہ کہ آپ قبول فرماتے ہیں تو ہم نے آج تک جو گناہ کئے ہیں‘ کبائر ہوں یا صغائر ہوں‘ جو لغزشیں کی ہیں‘ دانستہ ہوں یا نادانستہ ہوں سب آپ کے علم میں ہیں‘ سب ہمارے اعمال نامے میں درج ہیں۔ یااللہ! ہمارے نامہ اعمال کو صاف کر دیجئے‘ ہم توبہ کرتے ہیں‘ استغفار کرتے ہیں کہ اس لمحہ تک ہم سے چھوٹی بڑی جتنی لغزشیں ہوئی ہیں اور بھول چوک سے‘ غفلت سے جو کچھ ہم نے کیا ہے آپ علیم و خبیر ہیں ہمیں معاف فرما دیجئے‘ یااللہ! آپ کا وعدہ سچا ہے آپ نے فرمادیا ہے کہ جو ہم سے

پناہ مانگے گا ہم اس کو پناہ دیں گے' جو ہم سے استغفار کرے گا ہم اس کی توبہ قبول کریں گے' یااللہ! ہم بھی آپ کے بندے ہیں اور بہت ہی حواس باختہ' مغلوب' مجروح اور مظلوم بندے ہیں ہمارے پاس سوائے آپ کے آپ کی رحمت کے کوئی چارہ کار نہیں ہے' ہم پر رحم فرمایئے' ہم پر اپنا فضل فرمایئے' ہماری بے بسی کو دور فرما دیجئے' ہماری بے غیرتی کو دور کر دیجئے' بے حیائی کو دور کر دیجئے' یااللہ! جو احوال و پریشانیاں ہم کو گھیرے ہوئے ہیں یہ شامت اعمال ہیں ہماری "رَبَّنَا وَ لَا تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهٖ یہ اب ہم سے برداشت نہیں ہوتیں...... "وَاعْفُ عَنَّا" معاف فرما دیجئے' یااللہ! ہمارا یہ ماحول ہمارا یہ معاشرہ' ہم پر لعنت بن کر مسلط ہو گیا ہے' اس نے ہم کو مغلوب کر دیا ہے، بے بس کر دیا ہے' ہمارے تمام اجزاء ایمانی کو مفلوج کر دیا ہے۔ یااللہ! ہم مغلوب تر ہو گئے ہیں مگر آپ خالق ہیں' آپ قادر مطلق ہیں اَرْحَمُ الرّٰاحِمِیْن ہیں ہم آپ سے رجوع کرتے ہیں آپ کے سامنے آپ کی بارگاہ میں' آپ کے نبی رحمت ﷺ کا واسطہ لاتے ہیں۔ رحمۃ اللعالمین کا واسطہ لاتے ہیں کہ ان کے صدقے اور طفیل میں ہمیں معاف فرما دیجئے' کہیں ایسا نہ ہو کہ ان کے امتی کہلائیں اور اپنی بداعمالیوں سے ان کے دل کو آزار پہنچائیں۔ یااللہ! وہ کبھی گوارہ نہ کریں گے کہ ہم نافرمانیاں کریں' گناہ کبیرہ کریں اور انکو معمولی بات سمجھیں' انکو ترک بھی نہ کریں اور ان سے توبہ بھی نہ کریں' یااللہ! ہمارے نبی رحمت ﷺ کو صدمہ ہوگا اس سے' اس لئے ہم کو اپنی مرضیات پر عمل کی توفیق دیجئے' احساس عطا فرما دیجئے' ایمانی تقاضے بیدار فرما دیجئے اور ہماری مدد اور اعانت و نصرت فرمایئے اور ہماری جو پریشانیاں ہیں' بدحواسیاں ہیں یا دشواریاں ہیں یااللہ! ان سب کو دور فرما دیجئے' ہم آپ کی بارگاہ میں دست بدعا ہیں۔ یااللہ! آپ خالق حقیقی ہیں' آپ نے وعدہ فرمایا ہے اور ہم سے کہلوایا ہے۔ اِیَّاكَ نَعْبُدُ وَ اِیَّاكَ نَسْتَعِیْنُ ہم عاجز بندے ہیں ہم کچھ نہیں کر سکتے' یااللہ ہم مغلوب ہیں۔ "اِنِّی مَغْلُوْبٌ فَانْتَصِرْ" ہماری مدد فرمایئے رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهٖ وَاعْفُ عَنَّا ۔ وَاغْفِرْ لَنَا ۔

وَارْحَمْنَا • اَنْتَ مَوْلٰنَا یااللہ! آپ تو ہمارے مولیٰ ہیں۔ ہم سے کہلوا رہے ہیں اس کا مورد بھی بنا دیجیے۔ صدقہ واسطہ اپنے کلام کا جو ہماری زبانوں پر آپ نے جاری کر دیا ہے۔ ہم اس کو دہرا رہے ہیں۔ اس امید پر اس سہارے پر کہ آپ کے محبوب نبی ﷺ کے امتی ہیں آپ کے بندے ہیں اِیَّاكَ نَعْبُدُ وَ اِیَّاكَ نَسْتَعِیْنُ ہماری غیب سے مدد فرمائیے۔ رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِہٖ اب ہم سے برداشت نہیں ہوتا یااللہ! برداشت نہیں ہوتا۔ معاف فرما دیجئے۔ "وَاعْفُ عَنَّا وَاغْفِرْلَنَا وَ ارْحَمْنَا اَنْتَ مَوْلٰنَا فَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِیْنَ"۔

یہ جو ہمارا ماحول ناساز گار ہے اس سے ہمیں پناہ عطا فرمائیے "رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَیْتَنَا" جب آپ ہم کو ہدایت دے دیں، ہم کو گمراہی سے بچائیے، یااللہ ہم مختصر پھر عرض کرتے ہیں، ہماری بدحواسیاں، ہماری فکریں، ہماری تشویش، ہماری بیماریاں یہ سب ہماری شامت اعمال ہیں، ہم اقرار کرتے ہیں کہ ہم مجرم ہیں۔ آپ قادر مطلق ہیں، رحیم و کریم ہیں آپ کا وعدہ ہے کہ آپ معاف فرما دیتے ہیں، یااللہ ہمیں معاف فرما دیجئے، یااللہ آپ معاف فرما دیجئے۔

رَبِّ اغْفِرْ وَ ارْحَمْ وَاَنْتَ خَیْرُ الرّٰحِمِیْنَ ○ رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَیْتَنَا وَ هَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابْ

دیکھئے یہ دعا جو ہے یہی سرمایہ ہے، یہ دعا جو اس وقت ہم نے اور آپ نے کی ہے انشاءاللہ ضرور قبول ہوگی۔ یااللہ! ضرور قبول فرمالیجئے یہ دعا صرف اسی وقت کی نہیں ہے۔ میں نے عرض کیا روزانہ صبح کی نماز کے بعد بیٹھ جاؤ اور اسی طرح کی دعا مانگو، اپنے گناہوں سے، صغائر سے، کبائر سے، بدحواسیوں سے، دشواریوں سے، بیماریوں سے، سب پیش کرو اللہ میاں کے سامنے، دیکھو چند دنوں میں انشاءاللہ کایا پلٹ جائے گی، میں آپ کو بشارت دیتا ہوں یقین کے ساتھ، قوت ایمانیہ کے ساتھ کہتا ہوں کہ اگر بارگاہ الٰہی میں عجز و نیاز کے ساتھ اقرار جرم کیا اور اپنے گناہوں کو ترک کرنے ارادہ کیا تو انشاء

اللہ اس کی مدد ضرور ہو گی' ضرور ہو گی' آنکھ بند ہوتے ہی انشاء اللہ سیدھے جنت میں جاؤ گے۔ یہ میں اپنی طرف سے کیا کہتا' یہ اللہ تعالی کا وعدہ ہے۔ اللہ تعالی نے ایسا وعدہ کیا ہے' بھائی! اس سے فائدہ اٹھاؤ اور صبح کے وقت بیٹھ جایا کرو اور اپنا پورا اعمال نامہ اللہ میاں کے سامنے پیش کر دیا کرو' اگر تہجد میں موقع مل جائے تو "نور علی نور" ہے اس وقت تو اعلان ہوتا ہے کہ "ہے کوئی حاجت مند کہ جو حاجت پیش کرے" ارے پیش کرو اپنی حاجت۔ داور محشر یہی ہیں جنہوں نے تمہیں آخر شب میں مدعو کیا ہے اس لئے انشاء اللہ درخواست ضرور قبول ہو گی اور حشر کے دن اعمال نامہ ہمارا صاف ہو گا' ہم سے کوئی پوچھے گا نہیں' جو کچھ ہے روزانہ اللہ کے سامنے' اور حشر کے سامنے اپنی بے کسی اور مجبوری کو پیش کرتے رہو اور اللہ تعالی سے پناہ مانگتے رہو۔ آنے والے انقلابات سے پناہ مانگو' حوادث روزگار سے پناہ مانگو' تنگی و پریشانی سے پناہ مانگو' بیماریوں سے پناہ مانگو' اپنے تعلقات جو خراب ہو گئے ہیں ان کے درست ہونے کی دعا مانگو' جو کچھ تمہارے دل میں خلش ہے' جو کچھ فکر ہے اللہ تعالی کے سامنے پیش کرو اور ان سے پناہ مانگو انشاء اللہ قبول فرمائیں گے۔"

بد دینی ماحول کی مثال اور نجات کا ذریعہ

فرمایا: "کیا کر رہے ہیں صاحب اقتدار' صاحب حکومت' کتنے ظالم ہو رہے ہیں اپنی اغراض کے لئے' اپنی نفسانیت کے لئے' کیسے کیسے قوانین بنا رہے ہیں۔ جس میں شریعت کا احترام نہیں اور قوانین کی زد میں آنے کے بعد ہم سے تو شریعت پر عمل نہیں ہو سکتا' سود رائج الوقت بنا دیا گیا ہے۔ تصاویر کھینچی جا رہی ہے' ٹیلی ویژن' ریڈیو اور گانے بجانے کا رواج عام کیا جا رہا ہے تو ہم کیا کریں؟

عدالتوں میں ناانصافی ہو رہی ہے' ظلم ہو رہا ہے' تاجر بددیانتی کر رہے ہیں' بدمعاشی ہو رہی ہے' دفاتر کے اندر رشوت اور ایذا رسانی کثرت سے ہو رہی ہے' ہر

طرف سے مجبور ہیں، ہمیں کہیں جنبش کرنے کا موقع نہیں ہے، کہیں بھی مفر نہیں؟ کیسے بچ سکتے ہیں اور کہاں جائیں جہاں یہ سب باتیں نہ ہوں وہ کون سی زمین ہے جہاں یہ حالات نہ ہوں۔ لَآ اِلٰهَ اِلاَّ اللّٰهَ: سوائے آپ کے کوئی نہیں ہے۔ لَآاِلٰهَ اِلآَّ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ: سوائے آپ کے (کوئی نہیں جو بچا سکے) آپ کی ذات پاک ہے تمام عیب سے۔ اِنِّي كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ: میں نے قصور کیا، میں خطاکار ہوں۔ پھر ارشاد فرمایا فَاسْتَجَبْنَا لَه' وَ نَجَّيْنٰهُ مِنَ الْغَمِّ وَكَذٰلِكَ نُنْجِي الْمُؤْمِنِيْنَ۔: پس ان کے عذر کو اور ندامت کو ہم نے قبول کیا اور جواب دیا۔ وَنَجَّيْنٰهُ مِنَ الْغَمِّ: اور نجات دی ہم نے ان کو اس حالت سے۔ وَكَذٰلِكَ نُنْجِي الْمُؤْمِنِيْنَ: اور قیامت تک تمام مومنین اور مسلمین، امتیان محمدیہ ﷺ کو اسی طرح ہر تکلیف دہ صورت سے نجات دیں گے۔

یہ گروہ بندی جو چاروں طرف معاشرہ و ماحول میں ہے کیسے نجات ملے گی؟ ویسے ہی جیسے حضرت یونس علیہ السلام کو نجات ملی تھی، وہ بھی منفرد تھے۔ ساری امت کا ساتھ نہیں تھا۔

حضرت آدم علیہ السلام نے اپنی پریشانی کی حالت میں کہا تھا۔ رَبَّنَا ظَلَمْنَا اَنْفُسَنَا وَاِنْ لَمْ تَغْفِرْلَنَا وَ تَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ O کہنے لگے وہ دونوں اے ہمارے رب ہم نے ظلم کیا اپنے نفسوں پر اور اگر آپ نے ہماری مغفرت نہ فرمائی اور ہم پر رحم نہ کیا تو ہم نقصان اٹھانے والوں میں سے ہوں گے۔ تو حضرت آدم علیہ السلام کو یہی تریاق ملا تھا۔ اور امتیان محمد ﷺ کو بھی یہی تریاق ملا یعنی جو تریاق حضرت آدم علیہ السلام کو ابتداء میں ملا وہی تریاق انتہا میں بتلایا جارہا ہے۔

چنانچہ خاتم النبیین رحمۃ العالمین ﷺ پر حضرت جبرئیل علیہ السلام جو آخری وحی لے کر آئے تو فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ اِنَّه' كَانَ تَوَّابًا اپنے پروردگار کی تعریف کے ساتھ تسبیح کرو اور اس سے مغفرت مانگو۔ بیشک وہ توبہ قبول کرنے والا (یعنی معاف کرنے والا ہے) تو یہاں بھی اختتام توبہ پر ہو رہا ہے۔ اب کوئی وحی نہیں

آئے گی۔ لَآ اِلٰہَ اِلاَّ اللّٰہ ! بتایئے کہ جب ہر جگہ توبہ کا تریاق موجود ہے تو کیسا ہی معاشرہ ہو، کیسے ہی مظالم ہوں، کیسی ہی مجبوری ہو اور کیسے ہی مشکل حالات کیوں نہ ہوں، ہمیں اللہ تعالیٰ سے توبہ کرتے رہنا چاہیے۔

یہ تو تھا انفرادی نجات کا ذریعہ لیکن یہ انسانیت اور شرافت کے خلاف بات ہے کہ آپ نے نجات حاصل کرلی اور آپ کے اہل و عیال اور متعلقین اس کے گرداب میں پڑے ہوئے ہیں اور یہ صلہ رحمی کے خلاف بات ہے تو اس لئے آپ ان کے لئے بھی دعا کیا کریں کہ اے اللہ! ہم نے تو تریاق حاصل کرلیا انشاء اللہ اس پر عمل کریں گے۔ لیکن یہ نادان یہ عمل نہ کرپائیں گے تو ان کے لئے کہو رَبَّنَا وَ لَا تُحَمِّلْنَا مَا لَاطَاقَةَ لَنَابِهٖ وَاعْفُ عَنَّا وَاغْفِرْلَنَا وَارْحَمْنَا وارحمنی نہیں کہا اور وارحمنا کہا گیا۔

اگر ہمارے اہل و عیال و متعلقین سب جہنم میں جائیں اور ہم جائیں جنت میں جس سے ہمارے عالم تعلقات میں بڑی آزمائش ہو جائے گی۔ لہذا ہمیں بھی معاف کر دیجئے اور ان لوگوں کو بھی معاف کر دیجئے اور ہم سب کو نجات دیجئے۔ فرشتے بھی یہی کام کرتے ہیں۔ عرش عظیم کے اردگرد ایک طبقہ فرشتوں کا ہے جو دعا کرتے رہتے ہیں مومن اور مسلمان کے لئے 'اے اللہ! یہ لوگ آپ پر ایمان لائے ہیں لہذا ان کے قصور کو معاف فرمادیجئے۔

دیکھئے اللہ میاں نے ایک محکمہ اسی کام کے لئے مامور کر رکھا ہے۔ اگر تم توبہ و استغفار کرتے رہو گے تو تمہاری استغفار فرشتوں کی استغفار کے ساتھ مل جائے گی اور وہ توبہ استغفار ضرور قبول ہو جائے گی۔

فرشتے کہتے ہیں اے اللہ! ان کو معاف کر دیجئے ان کے متعلقین اور ان کی اولاد کو معاف کر دیجئے اور ان کو توفیق دیجئے کہ توبہ و استغفار کریں۔ فکر نہ کیجئے 'استغفار اور دعا کرتے رہیے کبھی نہ کبھی یہ چیز ضرور اثر کرے گی اور اس کی وجہ سے آپ کو گناہوں سے بالطبع نفرت ہونے لگے گی۔

جب اللہ تعالیٰ نے یہ سب کچھ بتادیا ہے تب کوئی پریشانی کی بات نہیں، ہر وقت انسان بچ سکتا ہے۔ چاہے ماحول کتنا ہی متاثر کن کیوں نہ ہو۔ اگر کوئی شخص فائر پروف عمارت کے اندر بیٹھا ہو اور چاروں طرف آگ لگی ہوئی ہو تو وہ شخص اپنے کمرے میں سکون سے بیٹھا ہوا ہوگا اور محفوظ رہے گا۔ اسی طرح ایمان والا بھی محفوظ ہے چاہے چاروں طرف کتنی ہی آندھی، فواحشات و ظلمات کی آئے اگر وہ اپنے کو اللہ تعالیٰ کی پناہ میں دے دے۔"

موجودہ ماحول اور ہمارے فرائض اور دستورالعمل

فرمایا: "آج کل یہ عنوان میرے ذہن پر چھایا ہوا ہے کہ کیسی گندی فضاؤں میں ہم سانس لے رہے ہیں۔ بے حیائی بڑھتی چلی جارہی ہے۔ دیکھئے تو سوچنے کی بات ہے کہ ان تمام مکروہات کو دیکھ کر ہماری غیرت اور حمیت کو جوش آتا ہے یا نہیں۔ اس کی طرف سے کیسی بے فکری ہے! نتیجہ کیا ہونے کو ہے، اس کا بالکل خیال نہیں۔ اگر آخرت کا خیال مستحضر ہو جائے تو کیا کوئی اطمینان سے بیٹھ سکتا ہے۔ پہلی آواز جو حضرت محمد ﷺ نے اٹھائی وہ یہی ہے کہ بے فکری کو دور کرو، آخرت کا معاملہ بڑا سنگین ہے اور یہ معاملہ یقیناً ہونے والا ہے اور ہمارا تعلق دین سے ضعیف ہوتا چلا جارہا ہے، دین کے چرچے نہیں۔ صحبتیں نہیں۔ آخرت کے امور جو پیش کئے گئے ہیں ان سے بالکل غفلت ہے۔ آج جو مکروہات اس سرزمین میں ہو رہے ہیں ان سے ہماری بے حسی کا جائزہ لیا جارہا ہے۔ وجہ یہ ہے کہ ہم پر مجبوری کا اس قدر غلبہ ہو گیا ہے جیسے ہم ایک زبردست بوجھ میں دبے ہوئے ہیں۔ بے حیائیوں کی طرف صلائے عام ہے مگر ہم ساکت ہیں۔ تمام ماحول گھرا ہوا ہے عذاب سے اور ہم بے حس و حرکت ہیں۔ یہ بے حسی ہماری اور آپ کی خدانخواستہ کہیں رنگ نہ لے آئے۔ میری کمزور استعداد کے مطابق مجھے یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ تو سب اچھے رہیں گے ہم پر الزام آئے گا۔ اپنی زندگی سے چند

لمحات فکر یہ نکال لو اور غور کر لو کہ اب ہم کو کیا کرنا ہے۔

ہمارا کیا اختیار ہے' ہم کو کیا کرنا چاہیے۔ کم از کم اپنی کمزوری اللہ کے سامنے پیش تو کر دیں کہ اے اللہ! ہماری جمعیت نہیں۔ ہم کمزور ہیں۔ ہماری غیب سے نصرت فرمائیے۔ پناہ مانگنے کا وقت آ گیا۔ خدا سے پناہ مانگ لو' قبل اس کے کہ عذاب الٰہی ہم پر مسلط کر دیا جائے۔ دعائیں تو مانگنا شروع کر دیں۔ اے اللہ ہمیں اس بغاوتوں کے ماحول سے اپنی پناہ عطا فرمائیے۔ اے اللہ! یہ ہماری بداعمالیوں کا وبال ہے۔ اے اللہ! ہمیں پناہ دیجئے۔

کبھی کبھی اپنی تنگ نظری کی وجہ سے یہ خیال ہوتا ہے کہ عالم میں کیا ہلاکت کا سامان ہو رہا ہے اور میں کیا دعا مانگ رہا ہوں! لیکن بتانے والے نے بتایا ہے کہ خبردار کبھی مایوس نہ ہونا دیکھو اللہ تعالیٰ کے اعلانات موجود ہیں۔ مایوسی کی کوئی وجہ نہیں۔ کلام الٰہی بھرا ہوا ہے کہ ہم غفور رحیم ہیں۔ آجاؤ توبہ استغفار کر لو۔ ہماری طرف رجوع ہو جاؤ۔ ہماری رحمت و قدرت متوجہ ہے تمہاری طرف' پناہ مانگو' پناہ ملے گی' دو چیزوں کے مل جانے سے چیزوں کی تاثیریں اور خاصیتیں بدل جاتی ہیں۔ رجوع الی اللہ سے توبہ استغفار سے اور پناہ مانگنے سے یہ گندہ ماحول' پناہ مانگنے والوں کی ذات کے لئے' نفع رساں ہو جائے گا۔ پھر انشاء اللہ ہر رجوع ہونے والے شخص کو اس زمانے میں بھی حیات طیبہ نصیب ہوگی۔

امور آخرت کے مناظر بڑے کٹھن اور سنگین ہیں۔ آپ وہاں اتنے مجبور ہوں گے کہ کوئی تغیر پیدا نہیں کیا جا سکتا۔ ہولناک مناظر جو قرآن و حدیث میں آئے ہیں سب ہونے والے ہیں۔ ان مناظر کو آج بدلنے کی قدرت دی گئی ہے' آج موقع ہے وہاں موقع نہ ملے گا۔ اگر چاہتے ہو آخرت کے امور سے پناہ حاصل ہو جائے تو آج مانگ لو۔ جب پناہ مانگنے سے آخرت کے عذاب سے پناہ مل سکتی ہے تو یہاں دنیا میں گناہ کے وبال سے پناہ کیوں نہیں ملے گی۔ سو توبہ استغفار کو' اللہ کی طرف رجوع ہونے کو'

پناہ مانگنے کو اور درود شریف کو اپنا معمول بنالو اور اس کے بعد حسب استطاعت 'صاحب قوت اپنی قوت سے 'صاحب زبان اپنی تقریر سے اور صاحب قلم اپنی تحریر سے اس بے حیا ماحول کے مقابلہ میں اپنے اپنے دائرے میں 'حدود کے اندر رہ کر مسلمانوں کو غیرت اور حمیت دلائے۔ پھر انشاء اللہ اس گندے ماحول میں بھی آپ کو حیات طیبہ ملے گی۔"

فرمایا: "بڑے گندے ماحول میں ہم پرورش پا رہے ہیں۔ تمام معاشرہ بگڑا ہوا ہے۔ بے حیائی 'بے شرمی 'ناپاکی پھیلی ہوئی ہے۔ جابجا فسق و فجور 'ٹھمری گانے اور فواحشات سے واسطہ پڑتا ہے۔ پہلے جن چیزوں کو معیوب سمجھتے تھے آج شیر و شکر کی طرح مستعمل ہیں۔ جو عورتیں گھر میں باحیاء و شرمیلی تھیں آج وہ بازاروں میں نیم برہنہ پھر رہی ہیں' غذائیں 'ہوائیں 'فضائیں سب بگڑی ہوئی ہیں۔ سب کے اندر عذاب الٰہی موجود ہے۔ پہلے ہواؤں سے اور طوفانوں سے عذاب آتے تھے آج اس طرح بھی عذاب آرہے ہیں یہ سب ہمارے ذنوب (گناہ) ہی ہیں جو چھائے ہوئے ہیں۔ یہ سب ہماری شامت اعمال ہی تو ہے جو مختلف صورتوں میں عذاب بن کر سامنے آرہی ہے۔

از ماست کہ بر ماست

سب آزاد ہیں۔ جیسے چاہے عمل کریں۔ دیکھنا یہ ہے کہ ہمیں کیا کرنا چاہیئے۔ ہم ان بلاؤں سے کیسے بچیں 'اس ہمہ گیر عذاب کا کیا علاج کریں؟ علاج تو ایک ہی ہے کہ ذات باری تعالیٰ کی طرف رجوع کریں۔ استغفار کریں 'پناہ چاہیں اور مدد طلب کریں۔ خدا کی طرف رجوع ہونا اور ایاك نعبد و ایاك نستعین کہنا تو بندہ کی فطرت ہے۔ مگر بندے کہاں کہاں پہنچ گئے۔ جس طاقت سے مرعوب ہوئے یا جس چیز سے فائدہ حاصل کیا اسی کے سامنے جھک گئے۔

آج کل کراچی میں چیچک پھیل رہی ہے اکثر محتاط لوگ انجکشن لگوا رہے ہیں اور مطمئن ہو جاتے ہیں ہم نے چیچک کا ٹیکہ لگوالیا۔ اللہ تعالیٰ نے استغفار میں بھی گناہوں کے تدارک کی ایسی ہی قدرت رکھی ہے جیسے انجکشن میں۔ جب ہم ان کی طرف رجوع

کریں گے اور استغفار کریں گے تو ہمارے لئے ان فضاؤں کی تاثیر بدل جائے گی۔ یہ غذائیں اور ہوائیں استغفار کی بدولت مصفا ہو کر اور آب حیات بن کر ہمارے جسم میں داخل ہوں گی۔ مگر ہم لوگوں کو مصرف ہی معلوم نہیں استغفار کا۔ صحبت اہل اللہ میں کوئی نئی بات نہیں ہوتی۔ سب اللہ تعالیٰ اور رسول ﷺ کی باتیں ہوتی ہیں۔ ان کی صحبت میں چیزوں کے استعمال معلوم ہو جاتے ہیں۔ کیونکہ وہ طریق استعمال جانتے ہیں ۔بس ایسی گندی فضا میں رجوع کرنا اللہ کی طرف ' پناہ چاہنا اور استغفار کرنا گویا انجکشن لے لینا ہے۔ غم "تکلیف اور ظلمت میں استغفار کی تاثیر عجیب ہے اور اعمال صالحہ میں استغفار روح رواں ہے۔ استغفار سے اور اعمال صالحہ سے نقائص دور ہوتے ہیں اور بغیر استغفار کے ہلاکت کا خطرہ ہے کیونکہ عجب پیدا ہونے کا امکان ہے۔"

فرمایا: "پہلے بھی بے غیرت اور بے حیا لوگ ہوا کرتے تھے۔ مگر محدود تعداد میں لیکن یہاں پر تو فضا کی فضا ہی گندی ہو گئی۔ زندگی کی حلاوتیں اور برکتیں ختم ہو گئیں ' اعتماد باہمی نہیں۔ سکون قلب نہیں ' ہسپتالوں میں ' عدالتوں میں ' اسکول اور کالجوں میں زندگی کے ہر شعبہ میں ابتری ہی ابتری ہے۔ سب کے سب بدترین اخلاق لئے ہوئے ہیں الا ماشاء اللہ۔ نہ کسی کا بڑا پن ہے نہ کسی کا چھوٹا پن۔ دوست احباب کا معاملہ دیکھ لیجئے ' عزیز واقارب کو دیکھ لیجئے۔ بے اعتمادی اور بے عتباری ہر طرف چھائی ہوئی ہے۔ کیسے ذرا سی دیر میں بدل جاتے ہیں۔ زندگی کہاں جا رہی ہے۔ کیسے ختم ہو رہی ہے!

آنکھ جو کچھ دیکھتی ہے لب پہ آسکتا نہیں

ہمارا کوئی سہارا معلوم نہیں ہوتا۔ اگر ذریعہ معاش میں خلل ہو جائے تو جان پر بن آتی ہے۔ کیسی بے سر و سامانی کی زندگی ہے! آپ کیا مجبور ہیں واقعات خود آپ کو مجبور کر رہے ہیں۔ عجیب پریشانی اور بدحواسی کا عالم ہے۔ ان گھبرائے ہوئے دلوں سے دعا بھی تو نہیں نکلتی۔

آشفتہ خاطری وہ بلا ہے کہ شیفتہ
طاعت میں کچھ مزا ہے نہ لذت گناہ میں

طاعت کا شکوہ کرنے لگتے ہیں کہ لذت نہیں مگر مسلمان کے لئے تو گناہ میں بھی لذت نہیں۔ ہوٹلوں میں ناچنے والوں کو تو چھوڑیئے 'ان کے تو ہوش و حواس ہی درست نہیں۔ مگر بتلایئے تو سہی آپ کونسا کام لذت سے کررہے ہیں؟اور خیر آپ کی تو گزر رہی ہے جس طرح گزر رہی ہے۔ مگر آپ کی یہ نوخیز اور نوعمر نسلیں جو اسکول اور کالجوں میں 'کنڈرگارڈن میں تعلیم و تربیت حاصل کررہی ہیں 'اس کا کیا ہونے والا ہے۔ روز بروز انحطاط ہوتا چلا جارہا ہے۔ لا الہ الا اللہ ...... جو لمحہ گزر گیا وہ تو پھر آنے والا نہیں 'تو کیا یہ گراں قدر اور بیش بہا زندگی اسی طرح گزرنے دی جائے گی؟ بہت سی باتیں بغیر سوچے سمجھ میں نہیں آتیں۔ اپنے لمحات زندگی کو رائیگاں کیوں کررہے ہیں؟ کبھی تو جائزہ لیجئے زندگی کا۔ ارے سات دن میں ایک دن تو نکال لیجئے 'سوچ تو لیجئے کچھ تو احساس پیدا ہو جائے ؂

احساس زندگی ہے نہ کچھ لطف زندگی
ہم کیا جئے کہ مائل خواب گراں رہے

آپ تو زندگی ایسے گزار رہے ہیں جیسے خواب میں ہو 'کبھی اچھے خواب دیکھ لئے کبھی ڈراؤنے۔ اس تاریک اور مکدر فضا کا کچھ تو تدارک کیجئے۔ ہلاک ہونے سے پہلے کچھ تو ہوش میں آجایئے۔ لا الہ الا اللہ کے اثرات ختم نہیں ہوگئے۔ یہ کلمہ تو قیامت تک کے لئے ہے۔ اللہ نے یہ دولت ہمیں دی ہے معلوم تو کرلیں کہ آخر یہ ہے کیا چیز؟ اس کلمہ نے کیسے کیسے مردہ دلوں میں جان ڈال دی۔ کیسے کیسے درندوں کو معیاری اور مثالی انسان بنادیا۔ ہم کیسے احسان ناشناس ہیں 'ہمیں تمغہ ملا ہوا ہے لاالہ الااللہ کا 'کتنے افسوس کی بات ہے اس سے بے خبری۔ یہ طرہ امتیاز ہے ہمارے لئے 'اس کی حقیقت کچھ تو معلوم کرلو۔ وہ کون سی چیز تھی جو آپ کے اسلاف کے پاس زائد تھی اور آپ کے پاس

نہیں۔اس کلمہ میں ساری کائنات ہے اور کائنات آپ کی' آپ نہ استعمال کریں یہ بات دوسری ہے اسلاف کے پاس یہی چیز تھی۔انہوں نے اس کے اثرات کو سمجھا' اس کے مصرف کو جانا جس کی بدولت کسی زمانہ میں ہر مسلمان مافوق الانسان نظر آتا تھا۔دبدبہ' رعب' غلبہ' سلطنت' حکومت' سیاست' محبت' صداقت' حیاء' شرم سب چیزیں اس میں موجود ہیں مگر ایمان کے اجزا ہی کو ہم نے آج منتشر کر دیا۔ہم صورۃً مسلمان رہ گئے۔ وہ روح وہ طاقت وہ انرجی (Energy) نہیں رہی۔اسی لئے دنیا قہر آلود نگاہوں سے دیکھتی ہے۔ مغلوب ہیں' ذلیل ہیں۔وہ قومیں جنہوں نے صدیاں گزار دیں ہماری غلامی میں آج ہم پر غرا رہی ہیں اور ظلم و ستم کر رہی ہیں۔

مگر یاد رکھنے کی بات ہے کہ مسلمان انحطاط کی کسی منزل میں چلا گیا ہو' کیسی ہی تاریکیوں میں اور گندگیوں میں سانس لے رہا ہو' کیسے ہی حوادثات کا شکار ہو' کیسا ہی حقیر و ذلیل بے مراد اور بے سر و سامان ہو مگر جب پلٹے گا پھر بامراد ہو جائے گا۔جب اللہ کی طرف رجوع کرے گا پھر نکھر آئے گا۔جب اپنے مالک کے دروازہ پر کھڑا ہو جائے گا پھر شیر ہو جائے گا۔جب کبھی کھڑے ہو گئے تھے مالک کے دروازے پر کسی کی مجال نہیں تھی ہم سے آنکھ ملانے کی۔اس پراگندہ اور بدحواس دنیا سے کٹ کے دروازے پر آ جانا چاہئے۔ان شاءاللہ آج بھی قوت و طمانیت ملے گی۔ان آشفتہ مزاجوں کے ماحول کے گندے اثرات سے بچ جانا چاہئے۔ آج بھی سکون قلب حاصل ہو گا۔

ایک مرتبہ ہمارے حضرتؒ سے کسی نے گلیڈ اسٹون (Gladstone) کا تذکرہ کیا کہ حضرت بڑا عقلمند ہے۔ساتھ دفعہ وزیر ہوا۔ حضرتؒ نے فرمایا بالکل جاہل ہے۔اتنی بھی عقل نہیں رکھتا کہ انجام کیا ہونے والا ہے۔جس نے اپنے مالک کو نہ پہچانا' زندگی کے مقصد کو نہ سمجھا' نیک و بد میں تمیز نہ کی' آنے والے عظیم مستقبل کا احساس نہ کیا' وہ کوئی عقل ہے! ہر جانور کو اللہ تعالی نے ایک فہم عطا کیا کہ اس طرح زندگی بسر کرو' اس طرح رہو' اس طرح اپنا بچاؤ کرو۔چالاکی کو یا ایجادات کو عقل سلیم سے کیا تعلق۔

کفار تو پیدا ہی کئے گئے ہیں جہنم کے لئے۔ مثالیں دنیا میں موجود ہیں۔ بہت سے درخت نہیں کاٹے جاتے بلکہ لگائے جاتے ہیں کوئلہ بنانے کے لئے۔ کفار کو بھی اسی طرح سمجھ لو کہ مصلحۃً پیدا کئے گئے ہیں اور دوزخ کو بھی اسی طرح سمجھ لو کہ حکمۃً بنائی گئی ہے۔ اس میں وہی لوگ جائیں گے جو اس کے مستحق ہیں یعنی کفار۔ یہ تکوینی امور ہیں اور اللہ حکیم ہیں اور ہر چیز پر قادر ہیں۔

اہتمام یہ کرنا ہے کہ ہم ظلمتوں سے کیسے نکلیں۔ یہ دنیا تمام تر ظلمت کدہ سہی، مگر آپ نور وحدانیت طلب کریں۔ توحید کا نور آپ کے ساتھ ہو اور تکرار ذکر اللہ سے، توبہ استغفار سے تجدید کرتے رہیں۔ اے اللہ! یہ آپ کے محبوب ﷺ کی مانگی ہوئی دعائیں ہیں۔ تاریکیوں کا وقت ہے، ہم کو نور کامل عطا فرمایئے۔ نور کے ہوتے ہوئے تاریکیاں آپ کے پاس نہ آئیں گی۔

آج ایمان کی حفاظت بغیر اللہ کی پناہ میں آئے ممکن نہیں۔ جتنے فتنے ہیں سب سے اللہ کی پناہ چاہے۔ تمام گناہوں سے، ان کے اثرات سے پناہ طلب کرے۔ **استغفر اللہ ربی من کل ذنب و اتوب الیہ**، اس میں نہ صرف یہ کہ اپنے گناہوں سے بلکہ جتنے بھی گناہ فضا میں چھائے ہوئے ہیں سب سے استغفار کرے، پناہ چاہے اور اللہ کی طرف رجوع ہو۔

ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ پاکیزہ اور طیب غذائیں کہاں سے کھائیں۔ ہم کو حکم دیا گیا ہے پاکی کا کہ پاک رہو اور طیب غذائیں کھاؤ۔ سو یہ چیز بھی اللہ ہی سے طلب کرو، انشاء اللہ طلب کرنے پر جتنی پاک چیزیں ہیں غذاؤں میں وہی ہمارے پاس آئیں گی۔ ظاہر بین کہتا کہ یہ گندی غذائیں پاک اور منور کیسے ہو جائیں گی؟ مگر پاک کرنے والی چیز تو اللہ کا حکم اور اس کی قدرت ہے۔ اللہ تعالیٰ کلام پاک میں اپنی قدرت کی طرف متوجہ فرماتے ہیں کہ دیکھو گوبر اور خون کے درمیان سے ہم تمہارے لئے پاکیزہ اور لطیف دودھ مہیا کرتے ہیں۔ جو شخص پاکی کا طلب گار ہے اس کو ضرور پاکی ملے گی۔ تم

حکم کا اتباع کرو اور اس ناپاک ماحول میں توبہ استغفار کرو۔ خود ہمارا وجود کس چیز سے اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمایا؟ اللہ کی قدرت سے کچھ بعید ہے؟ پھر ذنوب تماتر ناپاکیاں ہیں اور اللہ تعالیٰ کا اعلان موجود ہے کہ اے میرے بندو! جنہوں نے بدعنوانیوں سے اور ذنوب سے حتی کہ کفر و شرک سے اپنے اوپر ظلم کرلیا ہے نہ امید نہ ہونا۔ پاک کرنے والے ہم ہیں۔ تم ہماری پناہ مانگو اور آجاؤ۔ ہم پاک کردیں گے۔ مخاطب وہ ہیں جنہوں نے بندگی کو اختیار کرلیا ہے۔ بندے کیسے بھی ہو جائیں' جب اللہ کی طرف رجوع کرلیں گے پاک ہو جائیں گے۔ تو پاک غذائیں بھی اسی سے مانگئے۔ اے اللہ! ہم عاجز ہیں' ہم آپ کی عبادت کرتے ہیں اور آپ ہی سے مدد چاہتے ہیں ہمیں پاک غذائیں عطا فرمایئے۔ حضور ﷺ دعا فرماتے ہیں اَللّٰھُمَّ بَارِكْ لَنَا فِي مَا رَزَقْتَنَا وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ (اے اللہ جو کچھ آپ نے ہم کو عطا کیا ہے اس میں ہمارے لئے برکت فرما اور ہم کو عذاب نار سے بچا) دسترخوان پر بیٹھے ہوئے ہیں۔ یہاں وقنا عذاب النار سے کیا مطلب ہے؟ مطلب یہ ہے کہ جس غذا کو ہم کھا رہے ہیں اس سے حاصل شدہ طاقت اس کے حکم کے خلاف صرف نہ کریں اور یہ بھی مطلب ہے کہ یا اللہ غذا میں جو گندگیاں' آمیزش اور ملاوٹیں ہیں ان سے ہم کو بچا لیجئے۔ جو گناہ اور عذاب اس میں شامل ہے اس سے ہم کو محفوظ کرلیجئے۔ اللہ کے نام کے ساتھ کوئی چیز مضرت نہیں پہنچا سکتی۔"

فرمایا: "سارا مطالبہ پاکیزگی کا اور حساب کتاب کا لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کا بار اٹھانے والے سے ہے اور جب کلمہ پڑھ لیا تو احکام الٰہی کے ہم مکلّف ہو گئے۔ اس طرح عالم امکان میں ہم منفرد ہیں۔ اللہ اللہ! مسلمان کو چاہئے کہ اپنا مرتبہ پہچانے۔ اس کا کوئی فعل رائیگاں نہ ہونا چاہئے۔ اس کو ایک بہت بڑی ابد الآباد کی سرحد میں داخل ہونا ہے۔ غیر مسلم اگر عیش کر رہے ہیں تو اس کی مثال بالکل ایسی ہے جیسے سور گندگی کھاتا ہے اور خوب موٹا ہوتا ہے دوسرے جانور تو گندگی سے فربہ نہیں ہوتے۔ اسی طرح کافر کو یہ غفلت کی زندگی راس آگئی ہے آپ کو تو یہ موافق نہ آئے گی۔ وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنَ (اور جن و انس کو میں نے صرف اپنی عبادت کے لئے پیدا کیا ہے) جو اس فریضہ کو ادا کر رہے ہیں وہی انسان ہیں باقی تو قابل التفات نہیں ہیں ۔

بیکار ہیں سب قصے کیوں ان کی طرف دیکھو
ان سب کی حقیقت کیا تم اپنی طرف دیکھو

زندگی ان کی رضا میں گزر رہی ہے یا نہیں! اس کا جائزہ لو۔ مقصود کائنات صرف کلمہ گو ہے۔ کفار تو بنائے ہی گئے ہیں جہنم کے لئے اور تقدیر کے معاملات میں ہم کو حکم ہے کہ گفتگو مت کرو اور مت سوچو۔ لہذا اس حکم کی تعمیل سے یعنی نہ سوچنے ہی سے قرب حاصل ہوگا۔

جیتے ہم بازی کو ہمت ہار کے

عقل بھی مخلوق ہے خالق کی تدبیروں کو کیا جانے اور کیا سمجھے۔ تم کہاں جانے کا انتظام کر رہے ہو؟ وہاں پہنچ جاؤ سب معلوم ہو جائے گا۔ مختصراً تین بات سمجھ لو کہ اللہ تعالی کی ایک شان جمالی ہے جو ازلی اور ابدی ہے اور ایک شان جلالی ہے جو ازلی ہے اور ابدی ہے۔ جنت شان جمالی ہے اور جہنم مظہر شان جلالی ہے بس مختصر سی بات ہے ؎

حدیث مطرب ومے گو و راز دہر کمتر جو
کہ کس نکشود و نکشاید حکمت ایں معمارا

اور آزمائش یہاں مسلمان کی اس وجہ سے اللہ میاں کر رہے ہیں تاکہ لوٹ کر ہماری طرف آئیں۔ ارے اقبال بڑی نادانی کی کہہ گیا کہ ؎

برق گرتی ہے تو بیچارے مسلمانوں پر

امتحان، آزمائش اور مشقتیں تو اسی کے لئے جس کو ترقی دینا ہوتا ہے مسلمان کو لا الہ الا اللہ کا حق ادا کرنا ہے۔ صبر اور شکر کے مقامات سے گزرنا ہے بقول خواجہ صاحب کے ؎

درد یہ اور کو ملتا تو وہ مر ہی جاتا
نالہ کرکے بھی مجھے ناز شکیبائی ہے

اور مسلمان پر جو کچھ مصائب ہیں وہ صورۃً مصائب ہیں حقیقت میں رحمت ہیں۔ تم توبہ استغفار کرتے رہو، نادم ہو جاؤ، فرمانبرداری کا طریق اختیار کر لو سب معاملے دنیا و آخرت کے درست ہو جائیں گے۔

اخلاقیات

حقوق العباد

فرمایا: ''آپس کے تعلقات اور دوسرے لوگوں سے وابستگی میں بھی کبائر کا ارتکاب ہو جاتا ہے۔ جیسے حسد ہے 'کینہ ہے 'غیبت ہے' یہ کوئی معمولی بات ہے۔ غیبت کبیرہ گناہ ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ غیبت کرنے والا ایسا ہے جیسے کہ وہ اپنے مردار بھائی کا گوشت کھا رہا ہے اور یہ ہماری آپ کی روزمرہ کی غذا ہو گئی ہے۔ اس کو گناہ ہی نہیں سمجھتے۔ بھائی نماز پڑھ کر تو ایک فرض ادا کر لیا لیکن غیبت کر کے جو گناہ کبیرہ ہوا اس سے توبہ بھی نہیں کرتے کیونکہ یہ روزمرہ کی زندگی میں عادت ثانیہ بن گئی ہے۔ یہ بھی تو اللہ ہی کی نافرمانی ہے۔ بھائی یہ کیسی نماز ہے۔ بڑی خوش فہمی کی بات ہے کہ اللہ میاں صرف نماز پڑھنے کی وجہ سے نجات دے دیں گے 'عبادات کر لیں 'رکوع کر لیا' سجدہ کر لیا' تسبیحات پڑھ لیں 'وظیفے پڑھ لئے' پس سمجھ لیا کہ اللہ تعالیٰ راضی ہو گئے اور ہم جنت میں چلے جائیں گے۔ بھائی صرف یہی جنت میں جانے کا راستہ نہیں ہے۔ جب تک دین کے پانچوں شعبوں کا حق ادا نہیں کرو گے۔ ہر شعبہ کے اندر جہاں جہاں خدا کی نافرمانی ہے وہاں یا تو گناہ کبیرہ ہے یا گناہ صغیرہ ہے اور اگر توبہ بھی نہیں کی تو اس کا خمیازہ بھگتنا پڑے گا' دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔

فرمایا: ''آپ لوگ صرف اس خوش فہمی میں مبتلا نہ رہئے کہ ہم دیندار ہیں۔ ہم نماز پڑھ لیتے ہیں روزے رکھ لیتے ہیں 'زکوۃ دیتے ہیں 'حج کر لیتے ہیں۔ ارے یہ تو دین کا ایک شعبہ ہے یعنی عبادات اور یہ شعبہ صرف اللہ میاں سے تعلق رکھتا ہے۔ وہ رحیم و کریم ہیں کہ تمہاری ناقص عبادتوں کو قبول کر لیں۔ تمہارے ناقص صدقات کو قبول

کرلیں۔ تمہارے ناقص حالات کہ قبول کرلیں۔ یہ تو ان سے براہ راست واسطہ رکھنے کا ذریعہ ہے۔ لیکن جہاں اللہ میاں نے اپنے بندوں کا حق ہم پر واجب کیا ہے وہ تو اپنے بندوں کا حق دلوا کر رہیں گے۔ بھائی خدا کے لئے ذرا ہوشیار ہو جاؤ۔ درحقیقت یہی باتیں عام طور پر رائج الوقت ہیں' اسی لئے گھر گھر فساد ہے۔ لڑکے نافرنی کررہے ہیں اپنے والدین کی۔ عورتیں نافرمانی کررہی ہیں اپنے شوہروں کی۔ شوہر اپنی بیوی کے ساتھ نااتفاقی کررہے ہیں اور بہن بھائیوں میں بھی اس قسم کی ناانصافیاں ہیں کہ جیسا وہ ہمارے ساتھ کررہے ہیں' ہم بھی ان کے ساتھ ویسا ہی معاملہ کریں گے۔ نہ پڑوسی کا حق ادا کرتے ہیں نہ صلہ رحمی کا حق ادا کرتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ ہم بالکل حق بجانب ہیں اور ہم جو کچھ کررہے ہیں' صحیح کررہے ہیں یہی لوگ برے ہیں۔ جب تم یہ سمجھ لوگے تو تم اللہ تعالیٰ کے مواخذے میں آجاؤ گے۔ حسد کس سے کروگے' کینہ کس سے کروگے' ان ہی تعلقات والوں سے' ان ہی عزیز واقارب سے' ان ہی دوست احباب سے تو پھر کس سے معاملہ کروگے؟ کینہ اور حسد کس سے ہوتا ہے؟ عالم تعلقات ہی میں تو ہوتا ہے۔"

کینہ کا علاج

فرمایا: "رمضان شریف میں ایک صاحب مجھ سے کہنے لگے کہ ہمارے فلاں فلاں بھائی ہیں انہوں نے ہمیں تکلیفیں دی ہیں' ہمارا بہت مالی نقصان کیا ہے اور ساتھ ہم کو ذلیل بھی کرتے ہیں۔ ہمارے میں دل میں ان کی طرف سے بڑا غصہ ہے۔ ہمارے دل میں ان کی طرف سے بڑا بغض ہے اور ہمیں ان سے بہت سی شکایتیں ہیں۔ کیا یہ کینہ ہے؟ ہم نے کہا کہ بالکل کینہ ہے کیونکہ پچاس مرتبہ ان کی برائی کروگے کہ وہ ایسے ہیں وہ ویسے وہیں' ان کی غیبت کروگے اور ساتھ میں خود اس کے منتظر رہوگے کہ کبھی موقع ملے تو ان سے انتقام لے لوں۔ بس اسی کا نام کینہ ہے۔ اگر کسی سے کینہ ہو تو اس

سے معافی مانگ لینا چاہئے۔ کہنے لگے تو ایسی حالت کیا کیا جائے ؟میں نے کہا دیکھو شریعت نے بڑی گنجائش رکھی ہے۔ ذرا ہمت سے کام لو۔ ان کے پاس چلے جاؤ اور ان سے کہو کہ رمضان شریف کا مہینہ بھی ہے۔ اس میں عبادتیں قبول ہوتی ہیں۔ اگر دو مسلمانوں میں یا عزیزوں میں کچھ رنجش ہے 'کوئی کلفت ہے تو اسے صاف کر لینا چاہئے۔ میں آپ کے پاس اس لیے آیا ہوں کہ آپ میری طرف سے دل کو صاف کر لیجئے اور میں بھی آپ کی طرف سے دل کو صاف کرتا ہوں۔ ہم ایک دوسرے کو اللہ کی رضا کے لئے معاف کر دیتے ہیں۔ کہنے لگے کہ یہ تو مجھ سے نہیں ہوگا' یہ تو میرے بس کی بات نہیں ہے اور میں ان کے سامنے نیچی نظریں نہیں کر سکتا۔ ہم نے کہا یہی تو مجاہدہ ہے۔ کیا جنت یونہی مل جائے گی۔ اللہ میاں یونہی راضی ہو جائیں گے۔ کچھ تو ہمت کرنی پڑے گی۔ آپ کے صرف اتنا کہنے سے یہ میرے بس کی بات نہیں اللہ میاں راضی نہیں ہوں گے۔ کچھ تو ہمت کرنی پڑے گی۔ آپ کے صرف اتنا کہنے سے کہ یہ میرے بس کی بات نہیں اس پر جو سزا ملے گی' اسے برداشت کر لو گے ؟اور ذرا دونوں کا مقابلہ کر کے دیکھو کہ کونسی چیز برداشت کے قابل ہے اور کونسی چیز برداشت کے قابل نہیں ہے۔ یاد رکھو سزا برداشت کے قابل نہیں ہوگی۔ یہاں کی شرمندگی تو برداشت ہو جائیگی۔ لیکن وہاں کی سزا برداشت نہ ہو سکے گی۔ اللہ میاں کا قانون نہیں بدلا کرتا۔ حسد اور کینہ رکھنے والوں کے لئے جو اللہ میاں نے سزا رکھی ہے وہ تو مل کر رہے گی۔ جب تک کہ اس کی تلافی نہیں کرو گے۔ اگر سامنے بات نہیں کر سکتے تو اپنے ان عزیز کو ایک خط لکھو کہ کینہ رکھنا اور بغض رکھنا کبیرہ گناہ ہے اور ممکن ہے کہ آپ کے دل میں ہماری طرف سے کینہ ہو یا ہمارے دل میں آپ کی طرف سے کینہ ہو کیونکہ واقعات ایسے ہیں' تعلقات ایسے خراب ہو چکے ہیں اور ایسی ناگواریاں پیش آچکی ہیں۔ بھائی اللہ کے لئے اور اللہ کی رضا کے لئے آپ ہمیں معاف کر دیجئے اور ہم نے بھی آپ کو معاف کیا۔ آپ نے تحریراً کہہ دیا کہ ہم نے معاف کر دیا۔ اب وہ معاف کریں یا نہ

کریں آپ بری الذمہ ہو گئے۔

لیکن ایک شرط کے ساتھ ' وہ یہ کہ آپ نے مردانہ وار معاف کیا ہے تو اللہ کی رضا کے لئے معاف کیا ہے۔ اللہ کے لئے رجوع کیا ہے تو آپ کے لئے جائز نہ ہو گا کہ آپ ان کی غیبت کریں' ایذار سانی کریں یا ان کی بد گوئی کریں یا ان سے انتقام لیں یا ان کی لیے بد دعا کریں۔ اب آپ کو کوئی حق حاصل نہیں رہا۔ معاف کیا تو اللہ کو راضی کرنے کے لئے ' بالکل معاف کر دو ' آپ نے جب اللہ کو راضی کرنے کے لئے اپنے مخالف کو معاف کر دیا تو آپ پر فرض واجب ہو گیا کہ لوگوں کے سامنے اس کی غیبت نہ کریں ' بد خواہی نہ کریں۔ اس زمانے میں پڑوسی کا حق ادا کرنا ' اعزا و اقارب کا حق ادا کرنا اور مکروہات سے بچنا ' عزم و ہمت کا کام ہے۔ چاروں طرف ماحول بگڑا ہوا ہے۔ ہر طرف بد دینی ہے ' فواحش ہیں ' منکرات ہیں۔ ان سے مانوس ہوتے جا رہے ہیں۔ توبہ کا خیال بھی مشکل سے ہوتا ہے لیکن بھائی توبہ کرو مردانہ وار چاہے کچھ بھی ہو۔ ذرا ہمت کر لو تو کچھ بھی مشکل نہیں۔

آرزوئیں خون ہوں یا حسرتیں پامال ہوں
اب تو اس دل کو بنانا ہے ترے قابل مجھے

ہم کو تو اللہ میاں کو راضی کرنا ہے چاہے کوئی راضی ہو یا نہ ہو اور یہ ہمارے لئے اللہ میاں کا وعدہ ہے کہ اگر تم نے اپنی طرف سے صفائی قلب کر لی ' اللہ نے قبول کر لیا خواہ تمہیں دوسرا معاف کرے یا نہ کرے کچھ پرواہ نہیں۔ اب دوسرا رخ یہ ہے کہ اگر آپ سے کوئی معافی مانگتا ہے تو اسے معاف کرنا آپ پر فرض و واجب ہو گا۔ اگر آپ اللہ کو راضی کرنا چاہتے ہیں تو اس سے کہہ دیجئے کہ بھائی میں نے بھی تم کو اللہ کے لئے معاف کر دیا۔ اب خبردار آئندہ اس کی کبھی بد گوئی نہ کرنا ' غیبت نہ کرنا ' اس سے انتقام نہ لینا۔ بھول جاؤ اسے۔ یہ ہے بڑا مشکل کام لیکن ایمان کی آزمائش اسی میں ہے۔

جب ان امور میں اللہ تعالی کے احکامات معلوم ہو گئے۔ تو پھر ایمان کی سلامتی کے

لئے عالم تعلقات میں ایمانی تقاضوں پر عمل کرو اور اللہ تعالیٰ کی نصرت و ہدایت طلب کرتے رہو۔ بس اسی قدر تم مکلّف ہو۔ انشاء اللہ ان باتوں پر عمل کرتے رہنے سے قلب کی بگڑی ہوئی صلاحیتیں درست ہوتی رہیں گی اور جو کام شریعت کے آج مشکل معلوم ہو رہے ہیں انشاء اللہ تعالیٰ رفتہ رفتہ سب آسان ہو جائیں گے۔"

حقوق العباد کی ادائیگی معیار ایمان ہے

فرمایا: "ایک دفعہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ وہ مومن نہیں ہے' وہ مومن نہیں ہے' وہ مومن نہیں ہے۔ تین دفعہ یہی فرمایا' صحابہ رضی اللہ عنھم نے عرض کیا یارسول اللہ کون مومن نہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ وہ شخص جس کا پڑوسی اس کی ایذاؤں سے بے خوف نہ ہو۔

اب بتایئے کہ پڑوسی کو ایذارسانی دینے والا ایمان سے خارج ہوا جارہا ہے۔ آپ نے تو یہ سمجھ لیا کہ پڑوسی تو ہمارے بڑے بدتمیز ہیں' ایسے ہیں' ویسے ہیں' بدمزاج ہیں۔ ان کے نفع و نقصان راحت و تکلیف' ایذا و پریشانی سے ہمیں کیا واسطہ' تو سنئے حدیث میں آیا ہے کہ ایک عورت نہایت پارسا تھی مگر اس کے پڑوسی اس سے نالاں رہتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے اس کو جہنمی فرمایا۔

ایمان کا معیار بتایا گیا ہے کہ تمہارا پڑوسی اگر تم سے خوش ہے تو تم صاحب ایمان ہو۔ ایک جنازہ جارہا تھا تو لوگوں نے دیکھ کر کہا یہ بڑا اچھا شخص تھا' دوسرے لوگوں کے ساتھ نیکی کرتا تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا "وجبت" (واجب ہو گیا)۔ دوسرا جنازہ جارہا تھا لوگ دیکھ کر کہنے لگے کہ یہ بہت برا شخص تھا' لوگ اس سے بہت بیزار تھے' یہ بہت لوگوں کو ایذا پہنچایا کرتا تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا "وجبت" (واجب ہو گیا)۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنھم نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ آپ نے دو مرتبہ "وجبت" فرمایا۔ آپ نے فرمایا جس کو اللہ کی مخلوق نیک سمجھتی ہے اس پر جنت واجب ہے اور جس کو اللہ کی

مخلوق برا سمجھتی ہے، ایذار ساں سمجھتی ہو اس پر دوزخ واجب ہے۔

اب ہم نے کیسے سمجھ لیا کہ بس عبادت کر کے ہم نے ایمان کا حق ادا کر دیا، خواہ ہمارا پڑوسی ہم سے ناراض رہے اور اس کی حق تلفی ہوتی رہے۔ آپ کو عالم تعلقات میں حقوق ادا کرنا پڑیں گے اگر نہیں ادا کریں گے تو کبائر کے مرتکب ہو جائیں گے اور اس سے توبہ کی بھی توفیق نہیں ہوگی۔ کیونکہ ہم اس کو گناہ ہی نہیں سمجھتے۔ اس لئے ذرا تعلقات میں احتیاط سے کام لیجئے۔ ان کے ساتھ حسن سلوک کیجئے۔ ان کے ساتھ اچھا معاملہ کیجئے۔

اب رسول اللہ ﷺ کا فتوی لیجئے آپ کیا فرماتے ہیں۔ آپ ﷺ فرماتے ہیں کہ ''صلہ رحمی تم پر فرض و واجب ہے۔ اگر تم نے اپنے عزیز و اقارب کا حق ادا نہیں کیا تو اللہ کے نزدیک مجرم ہو جاؤ گے۔'' یہاں تک حکم ہے کہ ''اگر وہ رشتہ توڑیں تو تم رشتہ جوڑو۔'' اب آپ اور ہم اپنے سینوں پر ہاتھ رکھ کر دیکھیں کہ یہ ایمانی جذبہ ہمارے اندر کسی قدر ہے؟

کسی صحابی نے عرض کیا تھا کہ جتنا میں اپنے عزیز و اقارب کے ساتھ اچھا سلوک کرتا ہوں اتنا ہی وہ میرے ساتھ برا سلوک کرتے ہیں۔ مگر میں نے صبر و تحمل کیا ہے کہ جو وہ چاہیں کریں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم نے بڑا اچھا کیا۔ اگر تم اس پر قائم رہے تو تمہارے لئے جنت واجب ہے۔''

سلوک

تعین مقصود

تعین مقصود کے متعلق ایک سالک کے استفسار پر فرمایا: "پہلے معلوم کرلو کہ تمہیں تشنگی کاہے کی ہے اور کس چیز سے بجھے گی۔ دین کیا ہے اور کس لئے حاصل کرنا چاہتے ہو؟ مقصود متعین کرلینا بڑا ضروری ہے۔ اگر مقصود رضائے حق ہے تو اب اس کو سمجھنا ہے کہ مفہوم کیا ہے رضائے حق کا؟ معلوم نہیں مدعی نے رضائے حق کو کیا سمجھا۔ خدا جانے اوراد و وظائف سمجھا' ترک دنیا سمجھا' ترک لذات سمجھا' کشف و کرامات سمجھا' زندگی اپنے اندر ہزاروں نشیب و فراز لئے ہوئے ہے نہ جانے کیسی کیسی گھاٹیوں سے گزرنا پڑے' اب کسی مقام پر جاکر نہ محسوس کرسکے کہ اللہ میاں راضی ہیں تو کیا کرو گے؟ سلامتی کی بات یہ ہے کہ تعمیل حکم کو مقصود سمجھتا رہے۔ جب معلوم ہو گیا کہ مقصود صرف یہی اعمال ہیں تو پھر کرتے رہیئے ؎

یا بم او را یا نہ یابم آرزوے میکنم
حاصل آید یا نہ آید جستجوئے میکنم

جب یہی شیوہ ہے تو کئے جاؤ' یہی حاصل ہے' یہی مقصود ہے ؎

کیف شوریدہ سری یا لذت بے حاصلی
ہے محبت کا یہی حاصل یہی حاصل سہی

اس وقت کوئی چیز قابل طلب نہیں سوائے توفیق اعمال صالحہ کے۔ نماز بے کیفی اور بدحواسی کے ساتھ پڑھی مگر وقت پر پڑھی' مقصود حاصل ہے۔

تصوف و سلوک

فرمایا: ''صرف ذاکر و شاغل ہونا ہی تو مقاصد سے نہیں۔ تہجد پڑھ کر اور ذکر اللہ سے تم نے نور حاصل کر لیا' بہت اچھا ہے' مگر بھائی اس نور کا مصرف بھی کچھ ہے؟ ذکر اللہ سے تاریکیاں دور ہو گئیں' ظلمتیں چھٹ گئیں' حقوق و حدود سامنے آ گئے' گندی اور پاکیزہ چیزیں اپنی اپنی جگہ پر نظر آنے لگیں۔ اب کیوں گندی چیز کو اٹھاتے ہو۔ اور اگر غلطی سے اٹھا لیا تو اب کرو ذکر اللہ' پھینک دو اس کو' پھر ہاتھ دھو لو۔ تقاضائے بشریت سے اگر غصہ آ گیا تو اب کیوں انتقامی جذبہ کو لئے بیٹھے ہو' اس گندگی سے توبہ تو کر لو۔ یہاں دکھاؤ ذکر کا اثر۔

مقصود تو اللہ کی بندگی ہے۔ تو کیا صرف تہجد کے وقت اللہ کے بندے تھے اب بندے نہیں ہو؟ تہجد میں اٹھ کر ذکر اللہ سے بھی تو مقصود یہی ہے کہ یہ ہمارا بندگی کا تعلق اللہ سے مضبوط ہو جائے۔ صبح کو عالم تعلقات میں آ کر یہ اتنا کمزور ہو گیا کہ معاملات خراب' گفتار میں ایک شیخی' رفتار میں ایک ناز' ذرا غور تو کیجئے کہ آخر قصور کہاں پر ہے؟''

حضرت حکیم الامتؒ کی مجددیت

فرمایا: ''ہمارے حضرت والا نے سب کا بھانڈا پھوڑ دیا رسمی خانقاہیت کا۔ ارے نکلے تو اس کے لئے تھے کہ اللہ کے راستہ میں چلیں گے' نفس کی پگڈنڈیوں پر ہو لئے۔ اس مجدد وقت نے فرمایا کہ ہم وہ راستہ ہی نہیں بتلائیں گے۔ مجاہدات کرو گے' حالات وارد ہوں گئے' کمال سمجھنے لگو گے' بدعات میں مبتلا ہو جاؤ گے۔ فسق و فجور سے توبہ کی توفیق ہو سکتی ہے مگر بدعات سے خواہ ظاہر کی ہوں یا باطن کی توبہ کی توفیق سلب ہو جاتی ہے۔ ہمارے حضرت والاؒ نے جس طرح شریعت کی بدعات کو مٹایا اسی طرح طریقت کی

بدعات کو ختم کیا اور چاروں سلسلوں کی تجدید فرمائی اور وہ باتیں بتلائیں کہ رسم پرست جو اہل خانقاہ ہیں وہ شاید ایک قدم بھی ان پر نہ چلا پائیں۔''

فرمایا: ''ہمارے حضرت والا چاروں سلسلوں میں بیعت کرتے تھے مگر نہ کسی طبقے کی وہاں کوئی روایت تھی نہ رسم' نہ تعلیم و تربیت کے وہ انداز تھے۔ حلقے' توجہ' اذکار اور مقررہ اوراد نہ چشتیوں کے تھے نہ نقشبندیوں کے۔ جب روایات اور رسومات کسی بھی سلسلے کی نہیں تھیں تو پھر حق کیسے ادا ہوا چاروں سلسلوں کا؟ حق یوں ادا ہوا کہ چار سلسلوں کو حضور اقدس ﷺ کے دربار سے براہ راست منسلک کر دیا۔ اس دربار کی تعلیمات سے کس کو انکار ہو سکتا ہے سوائے معاندین کے۔

حضور ﷺ کی مجلس میں آجایئے بس فیصلہ ہو جائے گا۔ کھوٹا کھرا معلوم ہو جائے گا اور یہاں آکر سب سے پہلے تو اپنے عقائد درست کرالو اور خود رائی اگر رائی کے برابر بھی ہو تو اس کو پہلے ٹھکانے لگا دیجیے ورنہ مجلس سے اٹھا دیئے جاؤ گے اور نکال دیئے جاؤ گے۔ اس کے بعد پیش کرو اپنے حقائق اور معارف کو۔ پیش کرو وحدۃ الوجود کو' کیا سمجھے۔''

وحدۃ الوجود

فرمایا: ''ایک مرتبہ ہمارے حضرت والا نے وحدۃ الوجود پر ایک مختصر سی تقریر کر کے فرمایا کہ وحدۃ الوجود یہ ہے کہ اللہ میاں ہیں اور ہم ہیں اور کوئی نہیں۔ ارے خلعت وجود ہم کو دیا ہے کیا اسے بھول جاؤ گے۔ اے معبود حقیقی تیرے سوا کوئی نہیں۔ یہ بات کون کہہ رہا ہے' ہمیں تو کہہ رہے ہیں۔ میاں سیدھا راستہ اختیار کر لو اور سیدھا راستہ یہ ہے کہ تعمیل حکم میں اپنے کو مٹا دو اور نادم رہو کہ کچھ نہ کر پائے اور شکر کرو کہ ؎

بلا بودے اگر ایں ہم نہ بودے

جب نادم اور بیکس ہو کر آتے ہے اللہ کے سامنے کہ اے اللہ میرے تمام وسائل ہیچ ہیں، بس آپ ہی ہیں جو کچھ ہیں۔اپنی بیکسی، بے مائیگی، بے چارگی کا اظہار کر رہے ہیں۔یہی سب وحدۃ الوجود ہے ہمارے اور آپ کے لئے۔انسان کا کمال یہ ہے کہ عبدیت پیدا کرے سارا زور حضرت کے یہاں اسی پر تھا کہ بندے بن جاؤ۔"

مجاہدے اور کیفیات

فرمایا: "ہم اس ہنگامی دنیا میں پریشان، بدحواس ہیں اور پھر نہ تلاش ہے نہ اچھی صحبت، علوم کا فقدان، فرصت کم، عمریں محدود، اور مجاہدات کا یہ خاصہ کہ کیفیات ضرور پیدا ہوں گی۔اس میں مسلمان کی تخصیص نہیں، کسے باشد کافر ہی کیوں نہ ہو۔۔۔ نکلو اس گمراہی سے۔نہ مجاہدے مقصود نہ ان سے پیدا شدہ کیفیتیں قابل التفات۔"

روحانی کیفیات

فرمایا: "صحیح تعلیم دیکھو کہاں ہے۔اس میں اصلی چیزیں، سچے احوال اور روحانی کیفیات ملیں گی جن کی لطافت اور پائیداری کے سامنے ان نفسانی کیفیات کی کچھ بھی حقیقت نہیں۔نماز ترک نہیں کرسکتے، سمجھئے کہ روحانی کیفیت حاصل ہے۔کسی تقریب کی شرکت میں ترک واجب کے احتمال سے ایک کھٹک محسوس ہوتی ہے، یہ روحانی کھٹک ہے۔روح کی لذت اس میں ہے کہ اعمال واجبہ کی پابندی ہو جائے اور ترک تو بڑی چیز ہے ترک کا خیال ہی کر کے دیکھئے اندر سے کوئی چیز بے چین ہو جاتی ہے۔یہ بے چینی بتلا رہی ہے کہ روحانی لذت دواماً حاصل ہے۔جس طرح نفس نہیں چاہتا کہ اس کی غذا نہ ملے، روح بھی نہیں چاہتی کہ اس کی غذا بند ہو جائے۔اور روح کی غذا اس میں ہے کہ تعمیل حکم ہو جائے، فرض و واجب ادا ہو جائیں۔یہ ان کے ترک کو برداشت نہیں کرسکتی۔جب دواماً ہم پر یہ خیال مسلط ہے اور یہ حال طاری ہے کہ کوئی واجب

چھوٹنے نہ پائے تو روحانی کیفیت اور روحانی لذت دواماً ہم کو حاصل ہے۔ نماز کو اس وقت طبیعت نہیں چاہ رہی اور نفس مزاحمت کر رہا ہے مگر اسی جسمانی کسل اور نفسانی بے کیفی میں نماز کو ادا کیا۔ اب دیکھئے روح کو کیسا سکون اور کیسی لذت نصیب ہوئی۔ یہاں پر جسمانی اور نفسانی لذت کی نفی کے بعد روحانی لذت ثابت ہے۔"

شیطان کا ایک فریب

فرمایا: "سارے مجاہدات فرض و واجب کی ادائیگی ہی میں آجاتے ہیں۔ مزید اختراعی مجاہدوں کی ضرورت ہی کیا ہے؟ کوئی کر کے تو دیکھے۔ مگر تم نے تو لذت و کیف کا معیار ہی غلط قائم کیا۔ دراصل شیطان اسی رنگ میں گمراہ کرتا ہے جس رنگ کا وہ انسان ہوتا ہے۔ ان غیر مقصود مجاہدوں سے وہ چاہتا ہے کہ یہ شخص جو اللہ کے راستہ میں چلا ہے کیفیات کے ذریعہ سے اس میں نازکی لہر پیدا ہو جائے۔ عجب اور پندار میں گرفتار ہو کر میرے ہی رنگ میں ڈوب جائے اور خود کو صحیح راستے پر سمجھتا رہے۔"

احوال صادقہ

فرمایا: روح کی تشنگی کا تقاضا یہ ہے کہ تم اپنے اندر دین کی طلب پیدا کرو اور اہل علم سے مشورہ کرتے رہو' یہ ثبوت ہے روح کی کھٹک کا اور برابر کام میں لگے رہو بس۔ یہ عمر بھر کا سرمایہ ہے۔ پھر ان احوال صادقہ کے سامنے نہ جوش و خروش کی کوئی حقیقت ہے نہ کیفیات کی نہ احوال و مواجید کا کوئی درجہ ہے نہ انفعالات کا۔ کیسے ہی انقلابات آجائیں اور حالات گزر جائیں' دنیا بدل جائے' نفس و شیطان کیسے ہی عنوان سے روکیں' تم حکم کی تعمیل کرتے رہو۔ اسی سے سب حقائق اور معارف منکشف ہو جائیں گے۔ یہاں تو حکم کی تعمیل ہی اصل کمال ہے۔ اتباع کرتے رہو اسی میں کیف و نشاط ہے۔ یہی مجاہدہ اور تزکیہ ہے۔ یہی عبدیت اور محبوبیت ہے' اسی میں صبر بھی ہے اور

شکر بھی۔ تسلیم ورضا بھی اور توکل بھی۔ ارے سارے مقامات طے ہو جائیں گے حضور ﷺ کی اتباع میں۔ لیکن یہ اتباع بلا شرط قید ہونی چاہئے۔ اعتقادات اور عبادات میں بھی، معاشرت اور معاملات میں بھی اور اخلاق میں بھی۔"

معاشرت اور سلوک

فرمایا: "انسانوں کو چھوڑ کر کہاں چلے جاؤ گے؟ معاملات سے کیسے بچ سکتے ہو؟ کیا قیمت ہے اس قول کی کہ میری روح آسمانوں پر پرواز کر گئی۔ زمین پر اتار کر دکھایئے اپنے جوہر۔ آپ زمین پر رہیں، یہیں کی سیر کریں۔ فرائض وواجبات سامنے ہیں، حقوق ہیں، عرش وکرسی سے کیا مطلب۔ اپنے کسی استاد کی ایک حکایت ہمارے حضرت والاؒ نے بیان فرمائی ہے "باہر سے آئے، بیوی نے کھچڑی پکائی تھی سامنے رکھ دی۔ کھائی تو نمک کڑوا۔ جی میں آیا کہ اٹھا کر پھینک دیں۔ مگر عرفان کی ایک جھلک آئی کہ بیچاری نے جان کر تو ایسا کیا نہیں، غلطی ہو گئی۔ پھر میں اللہ سے کس منہ سے معافی مانگوں گا۔ اگر اس کو معاف نہ کروں گا۔ سہواً ہو گیا عمداً تو کیا نہیں۔ بس میرے مقدر میں یہی ہے اس لئے اسی کو کھالینا چاہئے۔" یہ ہے ہماری عرش وکرسی کہ ایک زمین کے رہنے والے نے اتنی اونچی بات سوچ لی۔ یہی تو دیکھنا ہے کہ اس عالم تعلقات میں آپ کی ذات سے کسی کو تکلیف تو نہیں پہنچ رہی، آپ مخلوق کے لئے وجہ اذیت تو نہیں بن رہے۔ ہمارے حضرت فرماتے تھے کہ کسی کو کسی سے تکلیف نہ پہنچے۔ کل سلوک یہی ہے۔ اللہ کے اور اس کی مخلوق کے حقوق حسن وخوبی کے ساتھ ادا ہو جائیں یہی تو سلوک ہے اور سلوک میں کیا رکھا ہے۔"

عالم تعلقات اور پاس انفاس

فرمایا: "ہمارے حضرتؒ نے پاس انفاس کے معنی سمجھائے کہ فکر و تامل کا نام

ہمارے یہاں پاس انفاس ہے۔ آدمی سوچے کہ یہ چیز مجھے چھوڑنی چاہئے یا نہیں۔ زبان سے کوئی بیجا لفظ نکل گیا تو فکر لگ جائے' توبہ کی طرف متوجہ ہو۔ کہیں ناگواری پیش آئی' تاثر ہوا تو سوچے کوئی زیادتی تو نہیں ہو گئی۔ یا اللہ دل میں کدورت نہ آنے پائے یا اللہ جس سے مجھے ناگواری پیش آئی اسے معاف کر دیجئے' یہ پاس انفاس بھی کر کے دیکھئے ترقی ہوتی ہے یا نہیں۔

بندہ نواز یہ نفس کہاں کہاں بھٹکتا ہے ذرا تامل کے بعد ایک نظر تو ڈال لئے۔ ناگواری پیش آ گئی تھی تو اب کیوں غصے کے تاثرات لئے بیٹھے ہو؟ توبہ تو کر لو اس گندگی سے۔ تھوڑی دیر مراقبہ کر لیتے یا اللہ بڑی نادانی ہوئی۔ دوازدہ تسبیح کا اثر یہاں دکھانے کی ضرورت تھی۔ ارے اس وقت پڑھو۔ "اللہ حاضر' اللہ ناظر" یہ ہے مجاہدہ۔ اب وقت آیا تھا درویشی کے جوہر دکھانے کا۔ دھبہ آ گیا؟ دھو لو۔ یہ وقت ہے دھونے کا اور کب پاک کرو گے؟ یہ وقت ہے پاس انفاس کا' احسان کے درجے کا وقت یہ ہے۔ آ گیا اس زندگی میں کیا کریں؟ توبہ کریں؟ توبہ کر لو' تحقیر تو نہیں رہ گئی دل میں۔ دل صاف کر لو۔ حضرت! سارے مقامات باطن کے یہیں طے ہو جائیں گے۔"

اصلاح اخلاق کا مصرف انسانیت ہے

فرمایا: "جز واعظم ہماری انسانیت کا یہ ہے کہ کسی کو ہم سے تکلیف نہ پہنچے اور انسانیت کے جذبات پیدا ہو جائیں۔ پیری مریدی سے 'ذکر سے' اوراد سے' یہی مقصود ہے۔ سالک کا مقصد جب تک اصلاح اخلاق نہ ہو کبھی وہ کامیاب نہیں ہو سکتا' اوراد کو مقصود بنانے سے کچھ نہیں ہوتا اور آج اکثر اسی غلطی میں مبتلا ہیں کہ اوراد ہی سب کچھ ہیں۔ ہمارے حضرت والا نے سارا زور معاملات اور معاشرت پر دیا۔ اسی میں انسانیت کے جوہر کھلتے ہیں' یہ کسوٹی ہے معیار ہے۔ کر لو امتحان اپنے تقدس کا' پرکھ لو اپنے سلوک کو' تزکیہ کا' اخلاق باطنہ کا سب کا مصرف یہی ہے۔ حضرت والا فرمایا کرتے تھے'

اگر انسانیت سیکھنا ہو تو یہاں آؤ اور بزرگ بننا ہو تو کہیں اور جاؤ۔ رذائل و حسنات پر قابو پا لینے سے 'مجاہدوں سے 'طریق کی واقفیت سے 'حقائق و معارف سے 'علوم سے 'تہجد سے ' الا اللہ کی ضربوں سے آپ بزرگ ہو جائیں گے۔ اب آپ کے پاس بزرگی کا سرمایہ ہے مگر اس کا مصرف کیا ہے؟ جس طرح بینک بیلنس آپ کے پاس ہے مگر اس کا مصرف کچھ نہیں یا غلط ہے تو بیکار ہے بلکہ وجہ ناز یا وجہ اذیت بنا ہوا ہے۔ اسی طرح بزرگی کا کچھ مصرف ہے تو وہ انسانیت ہے اور انسانیت معلوم ہو گی معاشرت اور معاملت میں ؎

جس نے سمجھا ہو جنون شوق کو راز حیات

عارفی کیا اور بھی کچھ اس سے سمجھا جائے ہے

ہو سکتا ہے کہ ساری علامتیں تقدس کی موجود ہوں مگر انسانیت نہ ہو۔ دیکھئے تو سہی ہمارے حضرت والاؒ ساری دنیا کو مدعو کر رہے ہیں انسانیت کی طرف اور خود یہ کہہ رہے ہیں کہ میں مویشیوں سے بھی بدتر ہوں۔ معلوم یہ ہوا کہ وہی انسان ہے جو اپنے آپ کو سب سے کم سمجھے ورنہ ضرور وجہ اذیت بنے گا دوسروں کے لئے۔"

عالم تعلقات میں ناگواری کا منشاء

فرمایا: "ہم کو اپنے نفس کی خاطر ادنیٰ ناگواری بھی ہو تو دیکھنا چاہئے اس ناگواری کا منشاء کیا ہے؟ ہمارے حضرت والاؒ فرماتے ہیں کہ ایک چیز سالکین میں سے نکالے نہیں نکلتی اور وہ حب جاہ ہے۔ یہ رذیلہ ہزاروں عنوان اختیار کر لیتا ہے مگر نکلنے نہیں پاتا۔ جب تک کسی شیخ کامل کے ذریعہ فنائے کامل حاصل نہ ہو جائیں تب تک اس کا نکلنا مشکل ہے 'اگر ہم میں حب جاہ آ جائے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ ہم میں حضرت والا کا رنگ و مذاق نہیں آیا اور فیوض و برکات کا ترشح اس وقت تک نہیں ہوتا جب تک جاہ باقی ہے۔ ہم اور آپ سب غور کر کے دیکھ لیں کہ ہم میں جاہ تو نہیں 'جو کام کر رہے ہیں کہیں جاہ کے لئے تو نہیں۔ سوچ لیں کہ ناگواری کیوں ہوئی؟ کچھ تو ہے آخر۔ معاملات

میں گفتگو کے اندر تیزی کیوں آگئی' کو نسارذیلہ انگیز ہو گیا؟ ارے بھائی یہی تو حب جاہ ہے' تکبر میں مبتلا ہو نکالو اس کو' یہ تو رہزن ہے۔ دیکھنے میں بڑا خفیف ہے مگر جب عود کرتا ہے تو سب ہی کچھ لے بیٹھتا ہے۔ اس بات کو سامنے رکھ لو' مقصد بنالو کہ انشاء اللہ اس کو مٹا کر رہیں گے' فنا کر کے چھوڑیں گے۔ ارے تھانہ بھون سے تعلق اور حب جاہ ایسا تو نہ ہونا چاہئے۔

دریائے فراواں نشود تیرہ بسنگ
عارف کہ بر نجد تنک آب است ہنوز

ذرا رنجش ہو' ملال آئے' تو سوچے' منشاء کیا ہے۔ ارے وہ عارف ہی کہاں ہوا' جس میں خودی آگئی' ابھی صفائے قلب اور تعلق مع اللہ نے موجیں کہاں لی ہیں۔

عمرے باید کہ یار آید بکنار
ایں دولت سرمد ہمہ کس را نہ دہند"

حب جاہ کا علاج

فرمایا: "بس ہمارے حضرت والا کی مجلس میں اسی کے حلقے ہوئے برسوں' کسی کی خودی نکالی جارہی ہے' کسی کی جاہ کو مٹایا جارہا ہے' مختلف تدبیریں بتائی جارہی ہیں' اس پر تنبیہ فرماتے رہے کہ کیسے کیسے عنوان سے یہ چیزیں سالک میں آتی ہیں حضرت والا یہی بتاتے رہے کہ ہم اپنا مطمح نظر یہ بنالیں کہ اس خودی کو اور جاہ کو مٹا کر رہیں گے تو انشاء اللہ ضرور کامیاب ہوں گے۔

آرزوئیں خون ہوں یا حسرتیں پامال ہوں
اب تو اس دل کو بنانا ہے تیرے قابل مجھے

بس اپنی طرف دیکھئے کہ دوسرے ذلیل تو نہیں معلوم ہو رہے ہیں' سمجھے کہ میں تو خدمت گزار ہوں۔ بچے' عزیز' رشتہ دار سب کا خدمت گزار۔ خادم کیا ناز کر سکتا ہے

......اور یہ ناگواری جو جاہ کی وجہ سے ہے 'تعذیب ہے۔ گویا کہ ہنٹر لگایا جارہا ہے حب جاہ کا۔ خودی تو ایک داغ ہے 'ارے وہ رہ کیوں جائے۔ جب اس کا ظہور ہو۔ جب ہی مٹادو۔

فنا بھی بقا بھی فناء الفنا بھی

سب آثار ہستی مٹاتا چلا جا

سلامتی کا راستہ اور تدبیر یہ ہے کہ اپنی ہر ناگواری پر یہ سوچ کہ میں مجرم ہوں' اللہ میاں جرم خودی کی سزا دلا رہے ہیں کہ لگاؤ اس کے ہنٹر۔

دیکھتا تھا میں کہ تونے بھی اشارہ کردیا

بس توبہ کرلو اور نادم ہو جاؤ۔

آج اس ہنگامی دنیا میں فتنے ٹوٹ پڑے ہیں۔ چاروں طرف ناپاکیاں اور گندگیاں ہیں۔ بجائے کسی کی تحقیر کے واحد علاج یہ ہے کہ پناہ چاہے 'استغفار کرے' شکر کرے' وہی طوفان اٹھاتے ہیں وہی کشتی پار لگاتے ہیں۔ شکر کرنے والا 'پناہ چاہنے والا اور استغفار کرنے والا کبھی محروم نہیں ہوگا۔ اس سے احوال بدلتے چلے جائیں گے' کہیں پناہ نہیں سوائے اللہ کی رحمت کے۔ پناہ چاہیے اور سب کے لئے چاہیے اس سے ناگواریاں اور دل کی کدورتیں دور ہوں گی۔ اور اگر وسوسہ آئے کہ سب کے لئے کیوں مانگ رہے ہو تو بھائی جس سے مانگ رہے ہیں وہ ہستی تو عجیب ہے تم مانگو تو سہی۔ وہ نظام عالم کو بدلیں یا نہ بدلیں مگر ہم کو تو مخلوق کی خیر خواہی میں لکھ لیا جائے گا۔ جو ان چیزوں میں مشغول ہو جائے اور خود اپنی کشتی گرداب میں دیکھے اس کو دوسروں کو دیکھ کر کیا ناگواری ہو گی۔"

ندامت اور اعتراف قصور

فرمایا: "اگر طاعت کی طرف خیال جانے لگے 'تب بھی نادم ہو' توبہ کرے۔ ہم کیا اس کی عظمت کا حق ادا کر سکتے ہیں۔ ہمارے حضرت والا ؒ فرمایا کرتے تھے کہ لوگ خاص

چیزوں کو کمال سمجھتے ہیں۔ کوئی عبادت کو، کوئی تقویٰ کو مگر محققین سب سے بڑا کمال اس کو سمجھتے ہیں کہ بندہ اپنے نقائص کو پیش نظر رکھے۔ ہماری طاعات یقیناً ناقص ہیں۔ ان نقائص کے ساتھ کیا ناز کیا جاسکتا ہے بلکہ شرمانے کی بات ہے 'نادم ہونا چاہئے۔ استغفار کرے 'شرف انسانیت بھی تو یہی ہے کہ بندہ نادم ہو۔ حضرت آدم علیہ السلام کو سب سے پہلے یہی چیز تو عطا کی گئی...... میرے رب نے صرف ایک چیز سے مجھ کو منع کیا تھا' وہی میں کر بیٹھا۔ کیسی چوک ہوگئی۔ کیا حرکت......! دو چیزیں سامنے آگئیں۔ عظمت الٰہی اور اپنی بے کسی۔ بس نادم ہوگئے اور پکار اٹھے رَبَّنَا ظَلَمْنَا اَنْفُسَنَا ارے راز زندگی جو ہے وہ یہی معرفت تو ہے اور اعتراف قصور بڑی چیز ہے۔

فرشتوں نے انہیں رذائل کو دیکھ کر کہا تھا کہ یہ تو خونریزی کرے گا، یہی رذائل فرشتوں سے اونچا لے جانے والے بن گئے۔ جتنی معرفت انسان کو ہے فرشتوں کو نہیں۔ آدم علیہ السلام سے ایک لغزش ہوگئی تھی۔ حضرت آدم علیہ السلام کو اس سے اس قدر فائدہ ہوا کہ ندامت قلبی پیدا ہوئی کہ ان کا حکم اور قیل و قال کریں؟ کیا ہم خود مختار ہیں؟ بڑی بے ادبی ہے۔ جب رذائل ابھرتے ہیں تو جوہر کھلتے ہیں 'معرفت حاصل ہوتی ہے اور جب معرفت سامنے آتی ہے رذائل معطل ہو جاتے ہیں۔ بس جب عالم تعلقات میں ممنوعات اور مکروہات کے اندر آلودہ ہو جاؤ یا کسی واقعہ سے ناگواری پیدا ہو تو استغفار کرو 'نادم ہو اور اپنے بندے ہونے کا استحضار کرلو۔ ندامت قلبی بڑا جوہر ہے۔ ارے کون ہوتا ہے نادم؟ کیا جانور ہوتا ہے؟ فرشتہ ہوتا ہے؟ یہ تو انسان ہی کو شرف بخشا گیا۔ ہم وہاں سے زعم محبت لے کر چلے تھے 'دعوے محبت لے کر آئے تھے 'صاحب اختیار بن کر نکلے تھے 'کیا اسی لئے اختیار دیا گیا تھا۔ بس نادم ہونا چاہئے۔ اے اللہ! بڑی نادانی ہوگئی 'معاف کر دیجئے گا بے کس ہوں 'آپ کے سوا کوئی سہارا نہیں 'اگر آپ معاف نہ کریں گے تو خسران ہی خسران ہے۔ تو حضرت سارا مجاہدہ اور تمام تزکیہ اسی میدان میں انسانوں کے اندر رہ کر ہو جائے گا۔"

ناز اور یاس کا علاج

فرمایا: ''اگر ندامت میں غلو ہونے لگے اور ناامیدی کا خیال آئے اور یاس کا غلبہ ہو تو پھر اپنے کو معیار پر لے آؤ کہ اللہ کی رحمت سے ناامیدی؟ کیا جانتے نہیں اس کی وسعت کو؟ کیا یہی حق ادا کر رہا ہوں اس کی رحمت کا؟

کوئے نو میدی مرد امید ہاست

اس کی رحمت کے سامنے کوتاہی اعمال اور لغزشیں کیا حقیقت رکھتی ہیں۔ توبہ کرو اور شکر ادا کرو ایمان حاصل پر...... لے آؤ عیسائیوں کو اور یہودیوں کو ایک گندے سے گندے مسلمان کے مقابلہ میں۔ ہمارے فاسق کو لے لو اور ان کے متبرک سے متبرک کو لے آؤ۔ اگرچہ بہت سی گندگیاں ہمارے اوپر ڈال دی گئیں مگر اس فسق و فجور پر بھی یہ عالم ہے کہ مسلمان ماحول خراب ہونے کے باوجود ایمان رکھتے ہیں' نمازیں پڑھتے ہیں' روزہ رکھتے ہیں' صدقہ و خیرات سب ہی کچھ کرتے ہیں۔ یہ اعجاز ایمان کا ہے اور بیان ہے ہمارے حضرت والا کا۔ اس پر کوئی عالم زبان نہیں کھول سکتا۔ البتہ جب ناز آ جائے پھر نیچے آ جاؤ۔ یہ نشیب و فراز اگر نہ آئیں تو عرفان نہ ہو' پختگی نہ آئے۔

اللہ تعالیٰ مراتب بلند کرے حضرت والا کا کہ بڑا احسان کر گئے' راستے کھول دیئے' نفس و شیطان دور تک نظر نہیں آتے۔

جینا بھی آ گیا مجھے مرنا بھی آ گیا
پہچاننے لگا ہوں تمہاری نظر کو میں

ایسی پہچان کرا گئے اور ایسی نظر پیدا فرما گئے کہ نہ ناز پیدا ہو سکتا ہے نہ یاس۔''

خلاصہ مسلک تھانویؒ

فرمایا: ''یہ ہے ہماری خانقاہ کا تصوف تکمیل ترقی اور قرب خداوندی کے لئے سارے مقامات مخلوق ہی میں طے ہو جاتے ہیں

...... خلوص کے ساتھ "معاملہ " کر رہے ہو یا نہیں یہ احسان ہے۔

...... مخلوق کو اپنے نفس کے شرور سے بچالو اور حقوق ادا کر دو یہ سلوک ہے۔

...... لغو کام نہ کرو' لغو مجلس میں نہ بیٹھو' لغو باتیں نہ سوچو نہ کہو۔ پھر جو کام کر رہے ہو وہی تمہارے اوراد و وظائف ہیں۔

کام کرنے سے پہلے مشورہ کرلو' سوچ لو کہ اللہ میاں کی مرضی کے مطابق ہے یا نہیں۔ یہی پاس انفاس ہے۔

اس بات پر پختہ ہو جاؤ کہ جو شریعت کا حکم ہو گا وہی کریں گے چاہے کچھ بھی حال گزر جائے۔ یہ تمہاری کرامتیں ہیں۔

اللہ اور اللہ کے رسول کی ہم کو باتیں بتائی جارہی ہیں' عقائد اور حالات درست ہوتے چلے جارہے ہیں' اخلاق باطنی کی اصلاح ہوتی جارہی ہے یہ ہمارا اور آپ کا حلقہ ہے۔

اور اپنی بندگی کا تعلق مالک سے درست کرلو یہی وحدۃ الوجود ہے۔

اے قوم بحج رفتہ کجائید کجائید
معشوق در اینجاست بیائید بیائید "

تصوف کا حاصل اتباع سنت ہے

فرمایا: "حق تعالیٰ حضرت والا کے مدارج بلند فرمائے' مقصود کو اچھی طرح سمجھا کر بڑا احسان فرما گئے ہیں۔ طالبان حق کو بڑی تسکین دے گئے ہیں اس مجدد وقت نے صحابہ کرام رضی اللہ عنھم کا مذاق پیدا کرانا چاہا اور پیدا کرا گئے ہیں۔ توحید و رسالت کا' روح کی بلندیوں کا معیار کامل بتا گئے ہیں۔ وہاں نہ کیفیات تھیں نہ ذوقیات' نہ وجد تھا نہ حال۔ بس حکم کی تعمیل ہو جائے۔ چاہے سر تن سے جدا ہی کیوں نہ ہو جائے اور فی الحال چاہے کچھ بھی مل جائے اور چاہے کچھ بھی نہ ملے۔ حضور ﷺ نے تو اللہ واحد مطلق کی طرف متوجہ ہونے کو کہا تھا اور اس کائنات کو آزمائش کا سامان بتا کر آخرت اور غیب کی

بشارتیں دی تھیں۔ ان یتیم ﷺ کے پاس اس وقت نہ خزانہ تھا، نہ فوج نہ تعلیم۔ ایک بے کیف سی قوم کے جذبات کے خلاف، رسم و رواج کے خلاف، سارے عالم کے خلاف، حکم کی تعمیل کرتے رہو اور بڑھتے رہو۔

ایک مرتبہ حضرت والا نے تمام باطن کے مقامات کا تذکرہ فرمایا، تعلق مع اللہ اور درویشی کی راہ میں چلنے والوں کے حالات کا تذکرہ کیا اور پھر فرمایا "مگر سب خلاصہ یہ کہ حقوق واجبہ ادا ہو جائیں احکامات الہیہ کی تعمیل ہو جائے۔ اگر درویشی کا انجام یہ ہے تو سب کچھ ہے ورنہ کچھ بھی نہیں۔" تعمیل حکم کے دوران میں اگر کیف پیدا ہو جائے نور علیٰ نور اور اگر نہ ہو تو کچھ پروا نہیں ؎

ہے یہی کیا کم کہ ہوں میں بھی حریم ناز میں
التفات حسن سے بیخود سہی، غافل سہی

تم ان کے ہو کر تو دیکھو، تم احکامات الہیہ کی پابندی کر کے رضائے الٰہی حاصل کرنے کی حتی المقدور کوشش تو کر لو، پھر سب کچھ ہی مل جائے گا ؎

شاید یہی تسلیم و محبت کا صلہ ہے
ہر دولت حسن جہان میرے لئے ہے

مگر تم تو نفس کے غلط راستے سے آتے ہو اور نفس مقصود تک نہیں پہنچنے دیتا، طلب لذت میں الجھا دیتا ہے شیطان راہ مار دیتا ہے ؎

یاں لعل فسوں ساز نے باتوں میں لگایا
دے پیچ ادھر زلف اڑا لے گئی دل کو

شیطان نے کہا کہ مار لیا، کیفیتوں پر اور لذتوں پر نظر جم گئی، مقصود سے نظر ہٹ چکی، بس مطمئن ہے کہ طبیعت میں یہ کیفیت راسخ ہو جائے پھر تو جب چاہوں گا مار لوں گا نہ دیں کا چھوڑوں گا نہ دنیا کا ؎

مچھلی نے ڈھیل پائی ہے چارہ پہ شاد ہے
صیاد مطمئن ہے کہ کانٹا نگل گئی

شیخ کا کام یہ ہے کہ شیطانی راہوں سے نکال کر سیدھے راستہ پر ڈال دے۔ ابلیس کا راستہ میں جہاں جہاں شائبہ تھا' ہمارے حضرتؒ نے سب صاف کر دیا۔ مخدوش راستہ مت تیار کرو۔ سیدھے راستہ پر ہو لو۔ سمجھ لو ایک دفعہ آستان یار یہی ہے۔ بس سیدھا سادہ سجدہ کر لو' حکم کی تعمیل ہو جائے۔ کیفیات وذوقیات سب فانی چیزیں ہیں' عطا ہے اگر مل جائیں لیکن بے کیف سجدہ! اللہ اللہ!! نفس وشیطان نے مزاحمت کی' ماحول مزاحم ہوا' طبیعت نے مخالفت کی' مشاغل نے روکا مگر اس حضور ﷺ کے امتی نے آکر آستان یار پر سر رکھ ہی دیا۔ دل حاضر نہیں' سکون نہیں' ذہن منتشر ہے' طبیعت مکدر ہے مگر سر ہے کہ رکھا ہوا ہے...... یہ شخص جو اس وقت سر بسجود ہے ایک دفعہ سمجھ چکا ہے کہ آستانِ یار یہی ہے' پھر لاکھ موانعات آئیں مگر یہ ثابت قدم رہتا ہے ؎

جبہ سائی سے اگر کچھ نہیں حاصل نہ سہی
کس طرح چھوڑ دے سنگ در جاناں کوئی

کچھ معمولی بات ہے۔ ارے یہ سر وہاں رکھا ہوا ہے کہ اس عالم میں حضور ﷺ کے امتی کے علاوہ کسی کی مجال نہیں کہ وہاں باریاب ہو جائے۔ نہ ساجد ایسا نہ مسجود۔ ساجد و مسجود کا رشتہ بر قرار رہنا چاہئے۔ ہوائیں کیسی بھی چل جائیں۔ حالات کچھ بھی گزر جائیں، واقعات کیسے بھی آپڑیں' مگر یہ رشتہ نہ ٹوٹنے پائے۔ حالات سب منقطع ہونے والے ہیں' کیفیات سب فانی ہیں' باقی جو کچھ ہے وہ یہ عمل ہے۔ بس یہ دیکھتے جاؤ کہ سجدہ ہے یا نہیں' یہ مت دیکھو کہ کیف ہے یا نہیں۔

یہ مسلک بظاہر خشک سا معلوم ہوتا ہے لیکن در حقیقت اتباع اسی میں ہے اور اتباع ہی سے ملے گا جو نفس بتائے وہ باطل اور جو حضور ﷺ بتائیں وہ حق ہے۔ صورت نماز کی بنالو' کیف ہو کہ نہ ہو۔ ضابطہ کا کام کرتے رہو پھر رابطہ بھی پیدا ہو جائے گا۔ یہ ضابطہ کا

سجدہ رنگ لائے بغیر نہیں رہے گا‘ طلب صادق ‘ذوق کامل پیدا کردے گی۔ جب تم عبادتوں کو خالص اللہ کے لئے کرلو گے اور یقیناً جلدی ہی کرلو گے کیونکہ لذت و کیف کے تو تم طالب ہو نہیں پھر حضور ﷺ کے اتباع کی برکت سے کائنات کی ایک ایک شے افزائش ایمان کا سبب بن جائے گی۔

چیست دانی بادہ گلگوں مصفا جو ہرے
عشق را پروردگارے حسن را پیغمبرے

دیکھا کیا دولت پاگئے۔ اس بے کیف سجدہ نے آخر تمام جذبات عشق کو جگادیا۔ تمام تجلیات اور مشاہدات کو مصفا بنادیا۔ تمام کیفیات تم پر نچھاور ہو گئیں۔ اللہ کی قدرت کے سوا کچھ نظر نہیں آتا۔

یہاں تک بڑھ گئی وارفتگی شرق نظارہ
حجابات نظر سے پھوٹ نکلا حسن جاناناں

یہ بے کیف سجدہ پیغام رساں بن گیا بارگاہ الٰہی میں کہ ایک عاجز و درماندہ ‘ بے کس و بے نوا بندگی اور فرماں برداریوں میں کوشاں ہے‘ اپنی کوتاہیوں پر منفعل اور آپ کی عنایتوں کا طلب گار ہے۔

یہ ملتا ہے خدا پرستی میں اور حضور ﷺ کے اتباع میں۔ یہ تھا ہمارے حضرت والا کا مسلک جس کو ہم نے اپنی زبان میں کچھ بتلایا۔“

حقیقت سلوک

فرمایا: ”ہمارے حضرت والا بڑی جامع اور گر کی بات فرماگئے کہ کسی کو کسی سے تکلیف نہ پہنچے کل سلوک یہی ہے۔ جب بندہ اپنے مالک کو خوش کرنے کا قصد کرتا ہے اور کوشش کرتا ہے تو اسی کا نام سلوک ہے اور سالک کسی کی اذیت کا سبب بن کر رضائے محبوب کا مورد نہیں بن سکتا۔

دراصل ہمارے رذائل دوسرے کی اذیت کا سبب بن جایا کرتے ہیں۔ تمام رذائل گویا ایذا رسانی کا مادہ ہیں تاوقتیکہ کہ ان کا ازالہ نہ ہو جائے اور مصرف ٹھیک نہ ہو جائے مثال کے طور پر آپ ہمارے پاس آئے' ہمارے اندر ایک داعیہ پیدا ہوا کہ ان سے ریا کارانہ سلوک کیا جائے' ہمارے اندر یہ رذیلہ پہلے سے بھی موجود تھا۔ آپ کو دیکھ کر ہمارے نفس نے اس رذیلہ کو ابھار دیا۔ اب جس وقت آپ کو یہ معلوم ہوگا کہ اس نے ہمارے اخلاص کا بدلہ ریاکاری سے دیا ہے کتنی اذیت آپ کو ہوگی۔ علی ہذا القیاس۔

معلوم یہ ہوا کہ جتنے رذائل ہیں مخلوق کے ساتھ جب ان کی وابستگی ہوتی ہے تب ہی وہ ابھرتے ہیں۔ عالم تعلقات میں سب قلعی کھل جاتی ہے بزرگی کی 'کہ ہم مخلوق کی اذیت کا باعث ہو رہے ہیں یا راحت کا' سلوک طے کر رہے ہیں یا نہیں' اللہ کی رضا حاصل کر رہے ہیں یا نہیں' اسی وجہ سے حضرت نے فرمایا کہ کسی کو تکلیف نہ پہنچانا ''کل سلوک'' ہے۔''

مجاہدہ

فرمایا: ''جب اس کا اہتمام کیا جائے گا کہ دوسرے کو ہماری وجہ سے کوئی اذیت نہ پہنچے تو اس میں مجاہدہ کرنا پڑے گا۔ غصہ کو روکنا پڑے گا' شہوتوں کو دبانا پڑے گا' ریاکاری سے بچنا پڑے گا' نظروں کو نیچا کرنا پڑے گا' فضول گوئی' تفاخر' تکبر اور غیبت سے گندگی اور عدم صفائی سے جو کسی نہ کسی طرح دوسروں کی اذیتوں کا سبب بن جاتے ہیں' پرہیز کرنا پڑے گا۔''

حفاظت حقوق

فرمایا: ''حق تلفی یقیناً اذیتوں کا باعث بنتی ہے اور پھر حقوق دو قسم کے ہیں۔ حق اللہ اور حق العباد' سالک دونوں کی ادائیگی کی فکر کرے گا کہ کوئی بات ایسی سرزد نہ ہو جائے

جو خدا اور رسول کے عتاب اور مخلوق کی اذیت کا باعث ہو جائے۔"

حفاظت حدود

فرمایا: "اسی طرح حسنات میں بھی جب غلو ہو جائے گا اور اعتدال جاتا رہے گا تو یہ بھی رذائل میں شمار ہو جائیں گی۔ اگر محبت بھی وجہ اذیت بن جائے گی تو یہ بھی رذیلہ ہو جائے گی۔ کسی شخص کو اگر گھورتے رہنے سے اذیت پہنچے 'نہ دیکھنا چاہئے۔ حسرت نے خوب کہا ہے۔

شیوہ عشق نہیں حسن کو رسوا کرنا
دیکھنا بھی تو انہیں دور سے دیکھا کرنا"

اصلاح اخلاق

فرمایا: "تمام حسنات کا اپنے اندر پیدا کرنا تاکہ مخلوق کو ہم سے راحت پہنچے اور اس ذریعہ سے ہم کو رضائے الٰہی نصیب ہو اور تمام رذائل کا ازالہ کر دینا تاکہ مخلوق خدا ہمارے نفس کے شرور سے اور ان رذئل کی وابستگی سے محفوظ ہو کر ظلم و ستم اور اذیتوں سے بچ جائے "کل سلوک" نہیں تو اور کیا ہے۔

اصل میں لمحات فکر یہ ہم کو نہیں ملتے۔ آخر ایک مجدد نے اس کو کل سلوک کیسے کہہ دیا، غور طلب بات ہے اور غور کرنے سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ تمام سلوک کا اور شریعت کا مقصد یہی ہے کہ حقوق کی ادائیگی بکمالہ ہو جائے ؎

اس طرح جی کے بعد مرنے کے
کوئی تو یاد گاہ گاہ کرے
بہشت آنجا کہ آزارے بناشد
کسے را باکسے کارے بناشد"

دربار رسالت کی سند

فرمایا: یہ سب کچھ استنباط ہے حضور ﷺ کے ایک عمل سے۔ قربان جایئے، حضور ﷺ کی اس ادا کے، کہ جب عشاء کے بعد آپ باہر سے تشریف لاتے تھے تو بہت آہستہ فرماتے۔السلام علیکم اس طرح جو سوئے ہوئے ہوں وہ بیدار نہ ہوں اور جو جاگے ہوئے ہیں وہ سن سکیں۔یہ سند ہے حضور ﷺ کے دربار کی۔ ہماری تمام معاشرت، معاملات اور اخلاقیات کی بنیاد یہی ہے کہ کسی سے کسی کو تکلیف نہ پہنچے۔ارے رحمۃ للعلمین ﷺ کا امتی اور مردم آزار! عجیب سی بات ہے۔

ہم نے بہت سے ضربیں لگانے والوں کو دیکھا ہے کہ کہیں مہمان جائیں گے اور اذیت کا سبب بن جائیں گے۔بڑے بڑے دعوے کرنے والے مریدین، صاحب اجازت لوگوں کی یہ حالت ہے کہ اذیت کا باعث بن جاتے ہیں۔اس میں اکثر بڑے بڑے ذاکر و شاغل لوگوں کو مبتلا پایا۔یہ سب بدذوقی کی علامت ہے۔کیا کیا جائے یہ لوگ اذیت رسانی سے بچنے کو سلوک ہی نہیں سمجھتے۔بات یہ ہے کہ ''ناقص مقاصد'' کے ساتھ اوراد و وظائف کرتے ہیں بس اسی میں الجھ کر رہ جاتے ہیں۔اس سے آگے نظر ہی نہیں جاتی۔ اللہ مدارج بلند کرے ہمارے حضرتؒ کے مزاج دین سے آشنا کر گئے۔ زندگی کا معیار بتلا گئے اور خانقاہیت کی گمراہیوں سے نکال کر حضور ﷺ کی چوکھٹ پر لا کر کھڑا کر دیا۔

جزاک اللہ کہ چشم باز کردی
مرا با جان جاں ہمراز کردی''

سلوک کی ابتداء اور انتہا

فرمایا: ''زندگی کی بہترین چیز پروگرام ہے۔اس سے کاموں میں سہولت ہو جاتی ہے۔لہٰذا جو ضروری کام کرنا ہو قوت و فرصت کے زمانے میں اپنے وقت پر کریں ورنہ

یہ زندگی تو گزر جانے والی ہے۔

میں دیکھتا ہی رہ گیا نیرنگ صبح و شام
عمر فسانہ ساز گزرتی چلی گئی

کلام پاک میں ہے کہ موت کے وقت بندہ (جس نے موت سے قبل حقوق واجبہ میں خرچ نہ کیا ہو وہ بطور تمنا و حسرت) کہے گا

رَبِّ لَوْ لَاۤ اَخَّرْتَنِیۡۤ اِلٰۤی اَجَلٍ قَرِیۡبٍ فَاَصَّدَّقَ وَ اَكُنۡ مِّنَ الصّٰلِحِیۡنَ

(اے پروردگار کیوں نہیں مہلت دی آپ نے مجھے تھوڑی مدت کے لئے کہ میں صدقہ و خیرات کرتا اور نیکوکاروں میں شمار ہوتا)

تم اب سمجھ لو کہ مہلت مل گئی۔ ہم میں مختلف مشاغل کے لوگ ہیں' اپنی اپنی حقیقت کو دیکھ لو اور ایک نظر ڈال کر زندگی کا جائزہ لے لو۔ ان تمام معصیتوں کو دھو دینے والی دولت توبہ استغفار ہے' اس سے حالات بدلتے چلے جاتے ہیں اور بندہ کا رخ درست ہو جاتا ہے اس کو کام میں لاؤ اور لغویت' معصیت اور غفلت جو زندگی میں داخل ہیں ان کو حذف کر دو۔ پھر یہی ہمارے کاروبار' کھانا پینا' دوست احباب سے ملنا جلنا سب اعمال حسنہ ہیں۔ اب ہماری حیات' حیات طیبہ ہے اور ہم سیدھے راستے پر ہیں۔

یہ واقعات اور لمحات زندگی ہیں' تعلقات ہیں' معاملات ہیں' ان کے کچھ مطالبات ہیں۔ ان سب تغیرات اور حالات کے اندر جیسا جیسا تقاضا ہو اس کا حق ادا کرتے جائیں۔ اسی میں کبھی شکر ہے کبھی صبر ہے اور دونوں ان کی رضا کے مقام ہیں۔

انسان بہر حال انسان ہے مگر یہ قصد و اہتمام کہ غفلتیں یا لغزشیں اگر زندگی میں آئیں تو توبہ کر لیں گے تو پھر یہ لغزشیں بھی ہماری محسن ہیں۔ ان ہی سے اللہ کا قرب حاصل ہو گا اور حیات طیبہ میں بھی مزید اضافہ ہو گا اس لئے کہ نادم ہیں' شرمسار ہیں' استغفار کر رہے ہیں' تلافی مافات میں لگے ہوئے ہیں اور یہ سب کچھ بھی عین ان کی رضا کے مطابق ہیں۔

اب حال اپنا ہے اس کے دل خواہ

کیا پوچھتے ہو الحمد للہ

جب یہ حالتیں راسخ ہو جاتی ہیں انہیں کو اصطلاح میں مقامات کہتے ہیں۔ مقام کے معنی ہیں امور شرعیہ کا امور طبعیہ بن جانا' ان میں تردد نہ ہونا' تذبذب نہ رہنا' استحکام ہو جانا اور اہتمام کرتے کرتے اہتمام کی عادت ہو جانا۔ چاہے کوئی کیفیت ہو یا نہ ہو عمل پر دوام رہے ؂

یعنی اپنی سی کئے جائے بنے یا نہ بنے

ہم تو صرف اہتمام کے مکلّف ہیں انجام کے مکلّف نہیں۔ انجام تو ان کی عطا ہے۔

کسی کے لب پہ تبسم کسی کے لب پہ آہ

اور یہ سب ان کی رحمت کے عنوان ہیں۔

اب سالک شرعی دستور العمل پر عمل پیرا ہے۔ فرائض و واجبات کے اہتمام میں مصروف اور ساری زندگی ان کی منشاء کے مطابق گزار رہا ہے۔ تصور میں لائیے کہ اس دستور العمل میں کیا کوئی تغیر ہو سکتا ہے؟ کسی تغیر کا ارادہ ہے؟ بالکل نہیں ہے۔ سو سال کی زندگی ہوتی تب بھی یہی کرتے اور ابد الآباد کی ہوتی تب بھی یہی کرتے۔ جب یہ ہے تو اس کا صلہ بھی ابد الآباد ہے اور رضا کا مقام جنت ہے۔ ارے قصد اہتمام ہی سے تو اللہ میاں راضی ہوتے ہیں۔ اب پچاس قدم پر جان نکل جائے یا سو قدم پر۔ ہم تو مکلّف تھے اہتمام کے' آگے ہمیں کیا معلوم کہ موت ابھی آ جائے گی۔

اتنا تو آسان طریق پھر مایوسی کی کیا بات ہے۔ راہ پر پڑ جانے کے بعد بڑی بیکار بات ہے یہ کہتے رہنا کہ ہم گنہگار ہیں' بڑی ناقدری ہے۔ ارے کب کہا تھا اللہ میاں نے کہ معاف نہ کریں گے! یہ عادت تو چھوڑ ہی دینی چاہئے' یہ بڑی ناشکری ہے۔ بار بار کیا سوچے۔ علیم و خبیر کے سامنے سب کچھ پیش کر دیا۔ نادم ہو چکے۔ اب ان کی رحمت کی طرف دیکھو کیسے کیسے سرکش لوگوں کو معافی ملے گی۔ ادائے شکر نہ کرو گے تو محروم

رہو گے اور ناز کی بھی کوئی بات نہیں یہ تو اللہ کی دین اور عطا ہے ؎

غافل مرد کہ مرکب مردان زہد را
در سنگلاخ بادیہ پاہا بریدہ اند
نامید ہم مباش کہ رندان بادہ کوش
ناگاہ بیک خروش بمنزل رسیدہ اند

حضرت ایک خروش (التجا) کافی ہے 'ناامیدی کس بات کی اور مایوس کیوں ہو رہے ہو ؟ تمام اہل وجدان اور اہل عرفان نے سارے مقامات عبدیت طے کر کے بتادیا کہ کرنے کے کام یہی "فرائض وواجبات" ہیں۔ ہزار سال زندہ رہو تو کیا اور پچاس سو سال تک زندہ رہو تو کیا۔ صراط مستقیم پر رہنے والوں کو انہیں اعمال کے "اہتمام" کی ضرورت ہے۔

الحمد للہ اہتمام کرنے والے محروم نہیں 'بڑے خوش نصیب ہیں 'بڑے بڑے محققین کے ساتھ ہیں 'بڑے بڑے جلیل القدر پیغمبر 'صدیقین شہداء اور صالحین اسی راہ پر چلے ہیں۔ ؎

بر صراط مستقیم اے دل کے گمراہ نیست"

فرائض وواجبات کی اہمیت

فرمایا: "فرائض وواجبات کے سلسلے میں ہمارے حضرت حکیم الامتؒ نے فرمایا کہ عرفی ولایت تو کشف وکرامت ہو گی مگر حقیقی ولایت یہ ہے کہ احکامات الٰہیہ پر عمل ہو جائے اور احکامات کے دو پہلو ہیں۔ یہ کرو اور یہ نہ کرو اور دونوں میں معرفت اور معیت الٰہیہ ہے اور اس کے لئے ہمارا تمام وجود مکلّف ہے۔ زبان سے کسی کو نیک مشورہ دے دیا' قرب حاصل ہو گیا 'غیبت سے زبان کو روک لیا' قرب حاصل ہو گیا۔ کلام پاک کی تلاوت کی 'بصارت سے قرب حاصل ہو گیا۔ نامحرم کو دیکھنے سے روک لیا'

قرب حاصل ہو گیا۔ دن رات اسی کی دھن 'اسی کا تذکرہ 'اس حال پر استحکام اور استقامت یہ وہ دولت ہے کہ کشف و کرامت کوئی حقیقت نہیں رکھتے اس کے سامنے مگر یہ ایک دو دن کا کام نہیں ؎

عمرے باید کہ یار آید بکنار
ایں دولت سرمد چہ کس را ندہند

حضرت حاجی صاحبؒ نے حضرت مولانا گنگوہیؒ کو ایک مرتبہ خط تحریر فرمایا کہ عرصہ سے آں عزیز کا حال معلوم نہیں ہوا۔ حضرت گنگوہیؒ نے جواب دیا 'شرم آتی ہے' کیا لکھوں کچھ حاصل نہ کر پایا لیکن حضرت کی جوتیوں کے طفیل امور شرعیہ امور طبعیہ بن گئے 'کوئی اشکال نہیں رہا اور مدح و ذم کا دل پر کوئی اثر نہیں۔ حضرت حاجی صاحبؒ کے پاس جب یہ خط پہنچا سر پر رکھ لیا 'کھڑے ہو گئے 'وجد طاری ہو گیا...... اللہ اللہ! یعنی زندگی ڈھل گئی تھی 'فرائض و واجبات میں اور اسی دھن میں لگے ہوئے ہیں لہذا کسی کے برا بھلا کہنے کا کوئی اثر دل پر نہیں۔"

واقعات زندگی اور تعلق مع اللہ

فرمایا: "واقعات زندگی جھنجھوڑ ڈالتے ہیں انسان کو۔ ویسے ہم ساکت بیٹھے ہوئے ہیں۔ سامان پریشانی ایک بھی بظاہر ساتھ نہیں مگر جن سے وابستہ ہیں ان کے تعلقات کا اثر برابر پڑ رہا ہے۔ بیوی ایسا کر رہی ہے۔ ہمسایہ ایسا کر رہا ہے۔ دوست احباب چین سے نہیں بیٹھنے دیتے۔ کسی کا دکھ 'کسی کی بیماری' غم روزگار' طرح طرح کی پریشانیاں۔ ایسے واقعات میں اگر اللہ میاں بھی ساتھ نہیں ہیں تو پورے بدحواس ہیں۔ بس کوئی عالم رہے 'اے اللہ! اپنی یاد سے غافل نہ ہونے دیجئے۔ سب دور گزریں گے مگر ان سے تعلق نہ ٹوٹ پائے پھر انشاءاللہ یہ تمام چیزیں بھی سرمایہ آخرت ہو جائیں گی۔"

رجوع الی اللہ کی خاصیت

فرمایا: ''مصائب کے ہجوم میں' جہاد کے ہنگاموں میں صحابہ رضی اللہ عنھم کا دل مطمئن رہتا تھا۔ قرب اور تعلق مع اللہ اور قوی ہو جاتا تھا۔ کیسی ہی پریشانی ہو جہاں رجوع کیا تقویت اور قوت آگئی۔ سبحان اللہ۔ اللہ اور رسول کا تعلق معمولی تعلق نہیں حوصلے بڑھ جاتے ہیں۔ پھر ؎

زمانہ بھر مخالف ہو تو کیا غم
مزاجِ یار تو برہم نہیں ہے

غفلت کی مذمت اور رجوع الی اللہ کی ترغیب

فرمایا: ''زندگی کے مراحل بڑے سبق آموز ہوا کرتے ہیں۔ مختلف حالات دیندار ہو' یا دنیادار' سب پر گزرتے ہیں۔ ایک وقت ہوتا ہے تعلقات بڑھانے میں مزہ آتا ہے۔ دوسرے وقت تعلقات گھٹانے میں لطف آتا ہے۔ پہلے مسلمان اگر عمر کے ایک حصہ کو لہو و لعب میں صرف کر بھی دیتے تھے تو آخر میں اکثر خدا کی طرف متوجہ ہو جاتے اور اپنی آخرت سنوار لیا کرتے تھے۔ وجہ اس کی یہ تھی کہ زیادہ تر دین کے چرچے تھے اور ابتدائی تعلیم بڑی ٹھوس اور مذہبی ہوتی تھی۔

انگریز اسلام کا پرانا دشمن' اس نے اور ایج (Over Age) اور انڈر ایج (Under Age) کی پخ لگا کر مسلمان کو روزی میں الجھا دیا کہ عربی (یا صرف قرآن ہی) اگر پڑھیں گے تو ملازمت کے لئے عمر نہ رہے گی۔ کمبخت نے نہ دین کا چھوڑا نہ دنیا کا۔ جب گیا تو وہی انگریزی ذہنیت پیدا کر گیا۔ پہلے مسلمان بچوں کے لئے ابتدائی کتابیں بڑی ایمان افروز ہوتی تھیں۔ پہلا جملہ ''راہ نجات'' کا ہمیں یاد ہے یہ تھا ''عزیزو! سمجھو تم اس بات کو مسلمان ہونا بڑی نعمت ہے۔'' آج بلی اور کتے ابتداء میں بچوں کو رٹوائے

جاتے ہیں اور جب بڑے ہو گئے تو نواب صاحب بن کر سو گئے۔

ایک بڑے میاں کو دیکھا' بالکل بوڑھے' کمر جھکی ہوئی' سوٹ پہنے' ٹائی لگائے چلے جارہے ہیں اب تک' یا اللہ آخرت کا اندازہ نہیں ہوا' ارے بھول جاتے اب تو سب چیزوں کو' آخرت کے معاملات بڑے سنگین ہیں۔ ذرا قلب کو فارغ کر لیتے مگر اللہ کی مغفرت تو بہت دور کی بات ہے اپنا ہی حق ادا نہیں ہوتا۔ کوئی پاکیزہ زندگی ہو' کچھ لطف زندگی ہو' کچھ تو ہو جس کے لئے سرمایہ وقت کھو رہے ہو ؎

احساس زندگی ہے نہ کچھ لطف زندگی

ہم کیا جیے کہ مائل خواب گراں رہے

حدیث دیگراں کب تک؟ اپنی ہی آپ بیتی عبرت کے لئے کچھ کم موثر نہیں۔ اپنی حالت کا جائزہ لو سب کچھ معلوم ہو جائے گا۔ اگر آخرت پر ایمان ہے تو جتنا سوچو گے اتنا ہی افسوس اور قلق ہو گا اور سوچتے سوچتے اگر ناامید ہونے لگو اور یاس غالب آنے لگے تو یہ بھی غلط ہے ؎

سنبھلنے دے مجھے اے نامیدی کیا قیامت ہے

کہ دامان خیال یار چھوٹا جائے ہے مجھ سے

غفلت کا وقت تو خیر گزر ہی گیا مگر کس کا دامن ہاتھ میں ہے تو دیکھو۔ تم کو حضور ﷺ کے امتی ہونے کا شرف حاصل ہے۔ اس کا شکر ادا کرو اور باقی زندگی اس کی قدر دانی میں گزار دو ؎

وقت طلوع دیکھا وقت غروب دیکھا

دل سیر ہو چکا ہے دنیا کو خوب دیکھا

دوست احباب' پارٹیاں اس کا حاصل کچھ بھی نہیں۔ لیکن ایک نشست اللہ کے لئے ذخیرہ آخرت بن جائے گی یہاں تو نیور ٹولیٹ (Never Too Late) ہے۔

بس ہے اپنا ایک ہی نالہ اگر پہونچے وہاں
گر چہ کرتے ہیں بہت سے نالہ و فریاد ہم "

حق سے پھر جانے والے طالب حق نہیں ہوتے

کسی صاحب کا تذکرہ تھا جو اپنے سلسلہ کو چھوڑ کر کسی پیر کے خلیفہ بن گئے۔ اس پر بہت زیادہ افسوس کے ساتھ فرمایا: "یا اللہ! کیسے مناظر سامنے آتے ہیں کیسے کیسے لوگوں کے حالات سننے میں آتے ہیں۔ بڑی عبرت ناک بات ہے۔ اے اللہ! ہم پر بڑا فضل آپ نے فرمایا ہے ؎

دل کو تپش شوق کی اک لذت پیہم
مل تو گئی لیکن بڑی مشکل سے ملی ہے

بے غبار اور سیدھے راستہ پر پڑ جانا بڑی نعمت ہے۔ ہمارے حضرتؒ نے سب چیزیں نمایاں کر کے دکھا دیں، آنکھیں کھل گئیں، ورنہ جانے کہاں کہاں بھٹکتے پھرتے۔ آج ایک عالم لذتوں میں گرفتار ہے اور اس کو مقصود سمجھے ہوئے ہے ؎

مبتلائے کیف سوز و ساز ہے
دل ابھی تک ناشناس راز ہے

کیف سوز و ساز تو تمہارے جذبات ہیں یہ بھی کوئی قابل التفات چیز ہے؟ ایک غیر اختیاری غیر مامور بہ شے جو فرض نہ واجب...... ایک کیفیت ہے۔ اسی لذت میں مبتلا ہو گئے۔ کیا یہی معیار ہے بزرگی کا اور خلافتوں کا......؟

وہ لوگ جو حق سے ناحق کی طرف ملتفت ہو جاتے ہیں وہ درحقیقت حق کے طالب ہی نہیں ہوتے۔ دل میں چور لئے ہوئے ہوتے ہیں، خود اپنے نفس کی پرستش کرنا چاہتے ہیں۔ ایک دفعہ دیکھ لو دل میں ٹٹول کے کیا چاہتے ہو؟ کھول کر بتاؤ تو۔ دیکھیں تو کتنا جگر ہے۔ آج کھل کر کہہ دو کیا طلب کرنا ہے؟ چور کا ہے کو رکھتے ہو دل میں۔ ابھی بتائے

دیتے ہیں دیکھو مستند راستہ ہے صحابہ رضی اللہ عنھم کا۔

شہرت کی ہوس ہو کہ خلافت کی 'لذت کی طلب ہو یا کیفیات کی۔ سب ابلیسیت ہے، نفس پرستی ہے کسی نہ کسی صورت میں۔ یہاں تو اول قدم اپنے کو مٹانا ہے۔ فنا کرنا ہے۔ کیا صحابہ رضی اللہ عنھم کے حالات سے واقف نہیں ہو؟ پھر حضور ﷺ کے احکام کے سامنے کیسا انہوں نے اپنے کو مٹایا۔ کیا ایمان لانے کے بعد تعمیل ارشاد کے علاوہ کوئی اور بھی مقصد تھا انکا؟ اب تعمیل ارشاد میں کوئی حالت بھی ہو جائے مگر مقصود تو دوسری چیزیں نہیں ہو سکتیں۔

ایک شخص ایک بزرگ کے پاس آیا اور کہا کہ میں نے یوں مجاہدے کئے 'ریاضتیں کیں' دعائیں مانگیں اور سیکڑوں بزرگوں کے پاس گیا مگر تسکین نہ ہوتی کشود کار نہ ہوا۔ ان بزرگ نے اس شخص کو غور سے دیکھا اور فرمایا کہ عزیز من! آج تک تم کسی بھی بزرگ کے پاس نہیں گئے۔ میرے پاس بھی اگر اس گمان میں آئے ہو تو یہ بھی خام خیالی ہے۔ دراصل تم آج تک اپنے ہی نفس کو بزرگ سمجھا کئے 'وہی چیز میرے پاس لے کر آئے ہو اور وہی لے کر چلے جاؤ گے وَقَدْ خلَوْا بِالْكُفْرِ وَهُمْ قَدْ خَرَجُوْا بِهِ اور تحقیق وہ لوگ کفر کو ساتھ لائے تھے اور اسی کے ساتھ وہ واپس نکلے۔ جو حق سے اور اہل حق سے وابستہ ہو کر پھر پلٹ جاتے ہیں حقیقت یہ ہے کہ وہ طالب حق ہوتے ہی نہیں ورنہ خدا کا قانون ہے شیخ چاہے کیسا ہی ہو طالب حق مخلص ضرور کامیاب ہوتا ہے۔

مزاحاً فرمایا کہ یہ پیر صاحب جنہوں نے ان صاحب کو مرید کیا ہے اور فوراً خلافت بھی دیدی 'کچھ بھی سہی مگر آدمی ذہین معلوم ہوتے ہیں کہ جس فیشن کا لباس (Garment) ان کے مزاج نے تیار کیا ہے اس طرز کا کوئی بزرگ تو ملنے سے رہا لہذا ان کا لباس انہیں کو پہنادو۔ خلافت دے دو۔ آج آپ بھی بزرگ ہیں۔ یہ قبائے بزرگی جو آپ نے بنایا ہے سوائے آپ کے کسی کے فٹ نہ آئے گی۔"

اہل حق اور اہل باطل میں فرق

ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا: ”سوائے اہل حق کے کوئی ادھیڑ بن میں نہیں ہوتا۔ یہ عقائد میں تو مطمئن ہوتا ہے کہ کیونکہ یہ صحیح، مستند اور پختہ ہیں۔ اور اعمال میں غیر مطمئن ہوتا ہے کیونکہ ان کو ناقص اور کوتاہ سمجھتا رہتا ہے۔ یہ عقائد میں اعمال ڈھالتا ہے صحیح عقائد کے مطابق مستند اعمال میں کوشاں ہے۔ حضور ﷺ کے صحابہ رضی اللہ عنھم کے معیار پر ان کے اعمال کی نقل کرتا ہے اور یہ بنتے نہیں۔ نقائص اور کوتاہیاں کہیں نہ کہیں رہ جاتی ہیں اس لئے غیر مطمئن ہے۔ عمل کرتا ہے اور پھر ڈرتا ہے اور توبہ استغفار کرتا رہتا ہے۔

فروگشتہ از بس کہ شب راندہ اند

سحر گہ خروشاں کہ واماندہ اند

اور اہل باطل عقائد میں کمزور اور اعمال میں مطمئن ہوتا ہے ۔ وہ اعمال میں عقائد کو ڈھالتا ہے اور اعمال ہیں غیر مستند لہذا عقائد بھی اور فاسد ہوتے چلے جاتے ہیں۔ پھر اس کے اعمال ہوتے ہیں نفس کی خواہشات کے مطابق لہذا اپنے من گھڑت معیار پر وہ اعمال صحیح اتر آتے ہیں اس لئے مطمئن ہے۔ وَهُمْ يَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ يُحْسِنُوْنَ صُنْعًا“

ضعیفی اور تعلق مع اللہ

فرمایا: ”انسان بھی کیسے کیسے حالات سے گزرتا ہے۔ عمر زیادہ ہو جاتی ہے تو بڑھاپے کی معذوریاں لاحق ہو جاتی ہیں، دست نگر ہو جاتا ہے، دوسروں کا محتاج ہو جاتا ہے، زندگی بے کیف ہو جاتی ہے اور موت کو زندگی پر ترجیح دینے لگتا ہے۔ مگر ؎

حیات جاوداں میری نہ مرگ ناگہاں میری

انسان کے بس میں یہ بھی تو نہیں کہ مر جائے۔ حقیقت یہ ہے کہ قوت ایمانیہ بڑی

عجیب چیز ہے۔ خدادارم چہ غم دارم۔ مجھے ناز ہے کہ آپ میرے ہیں لا الہ الا اللہ۔ یہی چیز سرمایہ تسکین ہے۔ میرا اللہ میرا ہے' وہ مالک ہیں حاکم ہیں اور حکیم ہیں جیسے چاہیں حالات وارد کردیں ۔

چارہ سازی کر رہا ہے ان کا لطف دل نواز
باعث صد عیش ہے یہ بے کسی میرے لئے

یہ بے کسی بڑی عجیب چیز ہے ۔

مجھ کو تو اس مال محبت پہ ناز ہے
آخر نگاہ رحم کے قابل بنادیا

حدیث شریف میں ہے کہ حضرت ارمیا پیغمبر علیہ السلام کا گزر چند قبروں پر ہوا جن کے مردوں کو عذاب ہو رہا تھا۔ ایک سال کے بعد جب پھر ادھر سے گزر ہوا تو عذاب کو سکون ہو گیا تھا۔ عرض کیا اے پروردگا! میں تو اول سال جو ان قبروں پر گزرا تھا تو ان کے مردے معذب ہو رہے تھے اور اس سال جو گزرا تو عذاب کو سکون ہو گیا۔ آسمان سے ندا آئی اے ارمیا! ان کے کفن پھٹ گئے اور بال جھڑ گئے اور قبریں ٹوٹ پھوٹ کر بے نشان ہو گئیں۔ میں نے اس حالت میں ان کو دیکھا تو مجھ کو رحم آگیا اور میں یہی معاملہ کرتا ہوں ان لوگوں کے ساتھ جن کی قبریں بے نشان ہو جائیں' جن کے کفن پھٹ جائیں اور جن کے بال جھڑ جائیں۔ دیکھئے شکستگی' بے کسی اور گمنامی پر رحم کیا جارہا ہے۔ ہمارے دادا صاحب نے خوب کہا ہے ۔

سراپا چشم حسرت ہے مزار رخنہ دار اپنا
کرم فرمائیے بس حد سے گزرا انتظار اپنا"

ضعیفی اور ذکر اللہ

فرمایا: "ایک اہم کام کو کسی فرصت کے انتظار میں ملتوی کردینا زندگی کا ناقابل تلافی

نقصان ہے۔ مگر انسان انجام سے بے خبر ہو کر غفلتوں میں بیکار عمر عزیز کو ضائع اور برباد کر دیتا ہے اور اپنے اصلی سرمایہ کی طرف توجہ نہیں کرتا۔ یہاں تک کہ بڑھاپے کی منزل میں داخل ہو جاتا ہے۔ کمزور 'ضعیف 'ناتواں 'معطل ہو کر بیٹھ رہتا ہے۔ اب اگر ہوش کبھی آتا ہے تو آنکھیں کام نہیں کرتیں 'ہاتھ پیر بیکار 'نہ طاقت نہ ہمت کچھ بھی کرتے بن نہیں پڑتا۔

دیکھا تو ہم میں طاقت دیدار بھی نہیں

طاقت و گفتار بھی نہیں۔ جب یہ انجام ہے تو بھائی پھر کس لئے آج کے ضروری کاموں کو کل کے لئے ملتوی کیا تھا۔

زندگی نے کر دیا جینے کے ناقابل مجھے
جب ہوئی جینے کے قابل زندگی میرے لئے

یہ وقت تو ایسا تھا کہ سکون 'فراغت اور مشاہدہ میں گزرتا۔ ذکر اللہ کا جوانی سے عادی ہونا چاہئے 'اگر اس سے انس حاصل ہو جائے 'بڑا سرمایہ ہے 'اور بڑھاپے کا عجیب سہارا ہے۔ مگر یاد رکھنے کی بات ہے کہ زندگی کسی بھی منزل میں پہنچ گئی ہو 'اگر روح عصیان اور طغیان سے مرجھا گئی ندامت کے ساتھ بارگاہ الٰہی میں آ جاؤ 'ذکر اللہ شروع کر دو 'روح کو غذا میسر ہو جائے گی۔ ذکر اللہ سے روح تازہ 'مضبوط اور شگفتہ ہو جاتی ہے۔ جب مومن بوڑھا ہوتا ہے اس کی روح جوان ہو جاتی ہے۔ محبت و معرفت بڑھ جاتی ہے۔ جسم ناقص 'اعضا مضمحل ہو گئے 'ہونے دو کچھ پروا مت کرو۔ یہ تو ہوں گے۔ اسی میں مصلحت اور حکمت ہے۔ مگر ذکر اللہ ......! یہ آب حیات ہے روح کے لئے۔"

تقاضائے وقت

فرمایا: "ذکر دراصل اللہ رب العزت کے وقتی تقاضوں اور ضرورتوں کے پورا

کرنے کا نام ہے یعنی موجودہ وقت کا جو تقاضائے ہو اس کے مطابق اللہ تعالی کے حکم کی بجا آوری ذکر ہے۔ مثلاً اوقات نماز میں نماز ادا کرنا' تلاش معاش کے وقت پاک روزی حاصل کرنا۔ راحت و سکون کے وقت آرام کرنا' جیسے اللہ تعالی فرماتے ہیں۔

فَاِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ...... فَضْلِ اللّٰهِ (سورة الجمعہ)

(پھر جب نماز ہو چکی تو (تم کو اختیار ہے کہ) اپنی اپنی راہ لو اور اللہ کے فضل (یعنی معاش) کی جستجو میں لگ جاؤ۔)

وَجَعَلْنَا نَوْمَكُمْ سُبَاتًا وَّجَعَلْنَا الَّيْلَ لِبَاسًا وَجَعَلْنَا النَّهَارَ مَعَاشًا

اور ہم نے تمہاری نیند کو (موجب) راحت بنایا اور ہم نے رات کو پردہ پوش بنایا اور ہم ہی نے دن کو روزی کے دھندوں کا وقت بنایا۔"

ذکر کا التزام

فرمایا: "زندگی میں ذکر کا التزام موت کے وقت ذکر کا سبب ہوتا ہے۔"

فرمایا: "ہر آدمی کے دل میں دو مکان ہیں ایک میں فرشتہ رہتا ہے' دوسرے میں شیطان' جب وہ اللہ کا ذکر کرتا ہے تو شیطان پیچھے ہٹ جاتا ہے اور جب ذکر نہیں کرتا تو شیطان اپنی چونچ (یعنی منہ) اس کے دل میں رکھ دیتا ہے اور وسوسہ ڈالتا ہے۔"

ذکر و فکر اور مقام شکر

فرمایا: "ہم کو ذکر لسانی کی عادت ڈالنی چاہئے۔ ذکر لسانی کرتے کرتے کبھی دل تک ایک آدھ دفعہ لہر پہنچ جاتی ہے اور ذکر قلبی کی دولت میسر ہو جاتی ہے۔ پھر تمام عالم امکان ہمارے لئے ذکر قلبی کا باعث بن جاتا ہے۔ جس طرح تسبیح مذکرہ ہے ذکر لسانی کے لئے اسی طرح اس کائنات کی ایک ایک شے مذکرہ ہو جاتی ہے۔ ذکر قلبی کے لئے اور معاملات' معاشرت اور حوادث غرضیکہ تمام چیزیں ذکر قلبی کی فضا میں تجلیات بن کر نظر آنے لگتی ہے۔

یہ ذکر قلبی دعوت فکر دیتا ہے' احساس فکر اور تقاضائے فکر پیدا کرتا ہے۔ بلکہ یہ کہنا چاہئے کہ فکر کا مادہ جو خوابیدہ اور چھپا ہوا تھا اس کو ابھار دیتا ہے۔ خدا تعالی نے یہ تمام سامان اپنی طرف متوجہ کرنے کے واسطے پیدا فرمائے ہیں 'کچھ خوشگوار' کچھ ناگوار۔ سب خدا تعالی کی طرف سے ہیں اور ہمارے لئے ان دونوں کے بغیر معرفت کی تکمیل نہیں ہوتی۔ شکر سے بھی معرفت پیدا ہوگی اور صبر سے بھی اور معرفت سے محبت حال ہوگی۔

محبت کی گرویدگی کس نے پیدا کردی' سخت لہجے سے ہمیں کس نے متنبہ کیا' یہ حوادث جو کبھی مزاج پرسی کرلیتے ہیں کس نے ظاہر کردیئے؟

تیری محفل سے اٹھاتا غیر مجھ کو کیا مجال
دیکھتا تھا میں کہ تو نے بھی اشارہ کردیا

معلوم یہ ہوا کہ ادھر ہی سے اشارہ ہے۔ کیوں؟ اس لئے کہ تعلق قوی ہوجائے

ناخوش تو خوش بود بر جان من
دل فدائے یار دل رنجان من

یہ سب حالات انہیں کی طرف سے ہیں۔ کس کے لئے ہیں؟ ہمارے لئے۔

بس کچھ دن تک دیوانوں کی طرح یہی رٹ لگانی چاہیئے کہ یہ سب کچھ میرے لئے ہے۔ عالم کائنات ہے اور میں ہوں۔ ہوائیں' فضائیں سب میرے لئے ہیں۔ ہر چیز اللہ نے میرے لئے پیدا کی۔

لمحات کہہ رہے ہیں کہ ہم بھی موجود تم بھی موجود' اپنالو ہم کو' یہی ہمارا مصرف ہے۔ کیونکہ یہ لمحات اللہ نے ہمارے لئے پیدا کئے۔

سورج طلوع ہورہا ہے میرے لئے۔ آج کائنات کو حیات نو عطا کی جارہی ہے' میرے وجود کے لئے۔ ہزاروں تقاضا کرنے والی اور اللہ کی طرف متوجہ کرنے والی چیزیں موجود ہیں۔ یہ اللہ نے میرے لئے پیدا کی ہیں' اس کی ذرا جھلک آئی اور شکر ادا

کر دیا۔ آتے آتے یہ جھلکیاں تند و تیز ہو جائیں گی اور آپ اپنے آپ کو انعامات الٰہیہ میں ڈوبا ہوا پائیں گے۔ ان جھلکیوں کو پیدا کرنے کے لئے اپنی زندگی سے چند لمحات ضرور نکال لیجئے۔ یہ بڑھیں گی تکرار سے' اہل اللہ کی صحبتوں سے اور استحضار انعامات الٰہیہ سے غرض کروڑوں چیزیں یاد دہانی کے لئے موجود ہیں۔ ان میں سے چند کا بھی شکر ادا کر دو گے کامیاب ہو جاؤ گے۔ اور جس روز اس مراقبہ میں عاجز ہو جاؤ گے اسی روز دروازہ کھل جائے گا۔ پکار اٹھو گے کہ اے اللہ میں تو ان جھونکوں کا حق ادا نہیں کر سکتا۔ اے اللہ توفیق عطا فرمائے کہ میں آپ کی رضا کے لئے صحیح طور پر قدر کے ساتھ یہ چیزیں استعمال کروں۔ اے اللہ مجھے اپنا شکر گذار اور فرماں بردار بندہ بنا لیجئے۔

ذکر مع الفکر

فرمایا: "ذکر مع الفکر تمام خزائن باطنہ کی کنجی ہے۔ کثرت ذکر لسانی' خواہ غافل قلب ہی سے کیوں نہ ہو' معین و محرک ہو جاتا ہے ذکر قلبی کا جس کو فکر بھی کہتے ہیں اور ذکر قلبی یہ ہے کہ تمام لمحات زندگی میں احکامات الٰہیہ اور فرائض و واجبات کا استحضار ہونے لگے' یعنی چلنا' پھرنا' کھانا' پینا اور تمام شعبہ جات زندگی وغیرہ۔"

معمول کا اہتمام اہم ہے' تعداد کا نہیں

فرمایا: "اگر معمول پوری مقدار میں نہ ہو سکے تو کم تعداد ہی میں کر لیا کرو۔ مثلاً دو از دہ تسبیح میں بجائے دو سو مرتبہ لاَ اِلٰهَ اِلاَّ اللّٰه کے دو مرتبہ' چار سو مرتبہ اِلاَّ اللّٰه کی جگہ چار مرتبہ' چھ سو مرتبہ اللّٰهُ اللّٰه کی جگہ چھ مرتبہ۔ مزید فرمایا میں تو اسی طرح کر لیا کرتا ہوں اللہ تعالیٰ اس کو اضعافاً مضاعفہ فرمانے والے ہیں اس طرح ناغہ نہیں ہوتا۔ دیکھئے یہ دریا سندھ صدیوں سے چلا جا رہا ہے اور سمندر میں جا گرتا ہے لیکن سمندر کے سامنے اس کی کیا حقیقت ہے۔ اس میں اگر تم بھی دو قطرے ڈال دو وہ بھی سمندر میں

پہنچ جائیں گے اور سمندر کے لئے تو یہ دریائے سندھ اور دو قطرے برابر ہیں۔ یہ تو ایک ادنی مثال ہے ورنہ اللہ تعالی شانہ کی رحمت کا کیا ٹھکانہ ہے وہاں تو چوبیس ہزار اور چوبیس بار برابر ہیں اگر فرق ہے تو ہمارے اعتبار سے ہے۔

فرمایا: ”ہندوستان کے ایک بڑے اور معمر بزرگ حضرت مولانا فضل اللہ صاحب شارح جامع ترمذی نے مجھ سے فرمایا کہ ترمذی شریف کی ایک حدیث میں ایک وظیفہ بیان فرمایا گیا ہے۔ سُبْحَانَ اللّٰهِ وَ بِحَمْدِهٖ لاَ اِلٰهَ اِلاَّ اللّٰهُ یہ کم از کم تین دفعہ پڑھو اگر کوئی کیفیت طاری ہو تو اس کو پڑھتے رہو' کیفیت کی بقاتک یہ بڑا ہی عجیب اثر رکھتا ہے۔ پھر اپنے مقام پر جا کر خط لکھا کہ غلبہ توحید میں اس روز آپ کو بتایا گیا اب جب بتا ہی دیا تو اس کو نہ چھوڑنا پڑھتے رہا کرنا۔ اس کے بعد ڈاکٹر محمد حفیظ اللہ صاحب سے مخاطب ہو کر فرمایا تم بھی پڑھا کرو بڑے بڑے فوائد حاصل ہوں گے' یہ بڑا عجیب وظیفہ ہے اس کو ضرور پڑھا کریں اول و آخر۔ ۳ مرتبہ درود شریف بھی پڑھ لینا اچھا ہے۔“

تمام عبادات وطاعات کا حاصل

فرمایا: ”تمام اوراد و وظائف اور عبادات و طاعات کا حاصل یہ ہے کہ خوف آخرت پیدا ہو جائے اور اپنی زندگی کا جائزہ لینے کی توفیق ہو جائے اور حقوق واجبہ کے ادا کرنے میں سہولت ہو جائے اور اپنی کوتاہیوں کا استحضار اور اس پر توبہ کی توفیق ہو جائے اور انعامات الہیہ کا مشاہدہ ہونے لگے اور اس پر ادائے شکر کی توفیق ہونے لگے' بس۔“

استحضار عجز

فرمایا: ”جب کسی دنیاوی کام کی اہمیت کی وجہ سے ذکر و طاعت کے وقت طبیعت میں عجلت پیدا ہوتی ہے اور نفس تقاضا کرتا ہے کہ جلد فارغ ہو کر دنیاوی کام کی طرف متوجہ ہونا چاہئے تو اس وقت خیال ہوتا ہے کہ کارساز حقیقی ہی تمام امور دنیاوی کے

مالک ہیں اور اس وقت ہم انہیں کے سامنے تو حاضر ہیں' انہیں کی یاد تو کر رہے ہیں تو پھر عجلت کی کیا ضرورت ہے۔ کیسے ممکن ہے کہ اگر دنیا کے کام میں دیر ہوئی تو کوئی نقصان ہو جائے گا۔ اللہ تعالی اپنے بندہ کے عجز اور انجام کار پر قدرت نہ ہونے سے خوب واقف ہیں' اس مراقبہ سے بہت سکون ہوتا ہے۔"

کیفیات باطنی

فرمایا: "ذکر و شغل کرنے والوں پر خصوصاً اور ویسے بھی عام دیندار مسلمانوں کے قلب پر اکثر و بیشتر غیر اختیاری طور پر قبض وبسط حالتیں طاری ہوتی رہتی ہیں۔ حالانکہ یہ عارضی ہوتی ہیں لیکن تربیت باطن و تہذیب اخلاق میں ان کا بڑا دخل ہے۔ انکی وجہ سے روحانی اور ایمانی صلاحیتیں ترقی پذیر ہوتی ہیں اور تعلق مع اللہ قوی ہوتا ہے۔ (مثلاً)

(۱) قبض کی حالت میں قلب پر شدید گھٹن اور پستی کا غلبہ ہوتا ہے۔ اپنے سب اعمال بلکہ تعلقات و معاملات زندگی ہیچ در ہیچ معلوم ہوتے ہیں۔ بے کیفی و مایوسی کی شدت میں زندگی بارگراں محسوس ہوتی ہے' بعض وقت ایمان اور نجات آخرت کے معاملے میں تذبذب پیدا ہو جاتا ہے بایں ہمہ فرائض و واجبات بہر حال ادا ہوتے رہتے ہیں۔ ایسی حالت میں کثرت سے استغفار و استعاذہ اور درود شریف کا ورد رکھنا چاہئے۔ اللہ تعالی سے عافیت طلب کرنا چاہئے۔ یہ حالت قبض محض عارضی ہوتی ہے مگر اس میں بہت سے منافع باطنی ہوتے ہیں۔ اپنے عجز و انکسار' بے بسی اور عبدیت و فنائیت کا احساس ہوتا ہے۔ یہ سالک کے لئے مقام صبر ہے۔ اس پر معیت الہیہ کی دولت نصیب ہوتی ہے اور اپنے علم و عمل کے موہومہ کمالات پر ناز و عجب کی جڑ کٹتی ہے۔

(۲) اس کے برعکس ذاکر و شاغل کے قلب پر کبھی انبساط و فرحت اور شرح صدر کا حال طاری ہوتا ہے۔ ایسی حالت میں عبادات و طاعات میں بہت ذوق و شوق اور شغف ہوتا ہے اور اپنے تمام گرد و پیش میں انعامات و احسانات الہیہ کا مشاہدہ ہوتا ہے۔ طبیعت

میں کیف و سرور ہوتا ہے اور مختلف انوار و تجلیات روحانی سے دل معمور رہتا ہے۔ گو یہ حالت بھی عارضی ہوتی ہے مگر سالک اس حالت میں مقام شکر پر فائز ہوتا ہے اور محبت الٰہیہ سے سرشار رہتا ہے۔

مگر اس حقیت کو پیش نظر رکھنا چاہئے کہ قبض وبسط کی حالتیں محض عارضی اور غیر اختیاری ہوتی ہیں اس لے عقلاً ان سے متاثر نہ ہونا چاہئے بلکہ ہر حال میں فرائض وواجبات کی ادائیگی میں مشغول رہنا چاہئے کیونکہ یہی مقصود حیات ہے۔

حاصل کلام یہ ہے کہ طبیعت کے کیف یا بے کیفی (قبض وبسط) سے بے نیاز ہو کر بس اپنے کام میں لگا رہنا چاہئے کیونکہ حالات باطنی میں تو تغیرات پیدا ہوتے ہی رہتے ہیں جس سے کوئی بشر خالی نہیں بلکہ حقیقت یہ ہے کہ یہی تغیرات تربیت و تہذیب اخلاق اور مراتب روحانی کا باعث ہوتے ہیں اس لئے جو بھی حالت ہو اس وقت اس کا حق ادا کرنا چاہئے۔ کبھی صبر سے اور کبھی شکر سے۔ لیکن اپنی طرف سے کسی حالت کے دفع یا حصول کے لئے کوئی تجویز نہ کرنا چاہئے۔ اپنا معاملہ اللہ تعالی کے سپرد کر دینا چاہئے۔ یہ طریقہ عافیت و سلامتی کا ہے۔ خوب سمجھ لینا چاہئے کہ اعمال واحوال محمودہ پر نہ تو عجب و ناز زیبا ہے اور نہ ہی اعمال و احوال ناقصہ پر مایوس ہونے کی ضرورت ہے۔ یہ دونوں تاثرات رہزن طریق ہیں۔ اصل معیار مقبولیت عند اللہ 'احکام شرعیہ کی ادائیگی اور معاصی سے اجتناب ہے۔ جب کثرت ذکر و مداومت اعمال صالحہ سے احوال و اعمال سے رسوخ پیدا ہونے لگتا ہے تو حسب استعداد اور بقدر علم و فہم نسبت باطنی میسر ہوتی ہے جس سے بالطبع طاعات و عبادات کی طرف رغبت و محبت اور کفر و معاصی سے نفرت پیدا ہو جاتی ہے بعض وقت کچھ معارف و حقائق روحانی کا بھی انکشاف ہونے لگتا ہے۔ یہ سب منجانب اللہ بغیر کسی استحقاق کے احسانات وانعامات ہیں جن پر دائما شکر واجب ہے۔

اسی سلسلہ میں ایک اور خاص اور اہم بات سمجھ لینے کی یہ ہے کہ نماز و ذکر کی حالت میں اور یوں بھی دوسرے عام حالات میں اکثر و بیشتر دل و دماغ میں برے 'پراگندہ اور لغو

خیالات پیدا ہوتے ہیں اور بہت خطرناک و تشویشناک وساوس و خطرات کا ہجوم ہوتا ہے۔ بعض وقت کفر والحاد تک کے خطرات اور دین واسلام اور امور آخرت میں شبہات بدرجہ انکار پیدا ہوتے ہیں۔ کبھی نفسانی و شہوانی تقاضے متحرک ہوتے ہیں کبھی اپنی حالت ناقصہ اور امور دنیاوی میں ناکامی سے حددرجہ مایوسی پیدا ہونے لگتی ہے۔ خوب سمجھ لینا چاہیے کہ یہ سب غیر اختیاری باتیں ہیں اور محض شیطانی تصرفات ہیں۔ جب تک ان کے مقتضا پر عمل نہ کیا جائے ہرگز قابل مواخذہ نہیں ہیں اور نہ ہی علامت مردودیت ہیں۔ نہ ایمان میں کمی ہوتی ہے نہ تعلق مع اللہ میں ان سے کوئی فرق آتا ہے بلکہ انکے مکروہ اور ناگوار ہونے سے جو اذیت ہوتی ہے اس کو برداشت کرنے پر اجر ملتا ہے۔ ایسے مواقع پر خیالات کو دوسری طرف متوجہ کردیا جائے۔ چند بار استغفار اور استعاذہ کرلیا جائے۔ انشاءاللہ تعالیٰ ان وساوس سے رفتہ رفتہ نجات مل جائے گی۔ اگر بالفرض ساری عمر بھی ان سے نجات نہ ملے تو دنیا و آخرت کا ہرگز کوئی نقصان نہیں کیونکہ غیر اختیاری ہونے کی وجہ سے قابل مواخذہ نہیں۔

مضامین مذکورہ بالا میں تصوف و سلوک کا تمام لب ولباب عرض کردیا ہے۔ ایقان ایمانی، تقوائے قلب اور معرفت نفس کی دولت حاصل کرنے کا یہ سرمایہ ہے۔ فی الحال ان سے زیادہ وظائف واوراد کی ہوس نہ کیجئے۔ یہ وہ طریقے ہیں جن میں محرومی کا کوئی سوال نہیں۔ انشاءاللہ تعالیٰ سب کچھ ان ہی مختصر اعمال سے حاصل ہوگا۔ البتہ ان کے لئے خلوص نیت و دوام عمل شرط ہے کیونکہ الاستقامة فوق الکرامة ہے ...... وما توفیقی الا باللہ۔

کیفیات باطنی کا خلاصہ

فرمایا: ”تمام مجاہدات وریاضیات، اوراد و وظائف اور ذکر واشغال کی ضرورت اور تہذیب اخلاق وتزکیہ نفس کی غایت یہ ہے کہ احکامات الٰہیہ (اوامر ونواہی) اور تعلیمات نبویہ (اتباع سنت) پر بلا تکلف عمل کرنے کی عادت ہوجائے، حقوق اللہ، حقوق النفس

اور حقوق العباد کما حقہ آسانی کے ساتھ شرع کے مطابق ادا ہونے لگیں۔اسی میں دنیاو آخرت کے لئے حیات طیبہ ہے۔

حقوق العباد کا معاملہ بہت اہم ہے۔ حقوق والدین ٗحقوق زوجین ٗحقوق الاولاد ٗ حقوق الاقرباء اور حقوق المسلمین کے ادا کرنے کے لئے ہم شرعاً مکلّف ہیں۔اس لئے محض اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے کے لئے اہل تعلق سے بغیر کسی توقع کے نہایت فراخدلی اور ایثار کے ساتھ نیک برتاؤ و حسن سلوک کا معاملہ کرنا چاہئے اور حتی الامکان کوشش کرنا چاہئے کہ اپنی ذات سے کسی کو معمولی سی بھی ناگواری نہ ہو ؎

کبھی بھول کر کسی سے نہ کرو سلوک ایسا
کہ جو تم سے کوئی کرتا ٗتمہیں ناگوار ہوتا

اہل تعلقات کے ساتھ اگر کسی معاملہ میں کوئی غلطی ہو جائے تو معاف کر دینا چاہئے اور معافی مانگ لینا چاہئے۔اللہ اور رسول ﷺ کا حکم ہے اور ہم پر واجب ہے۔اپنے متعلقین کو مطالبات دین کی تبلیغ ضرور کرتے رہنا چاہیے اور ان کی ہدایت کے لیے خدا سے بھی دعا کرنا چاہیے ٗیہ بھی اللہ تعالیٰ کا حکم ہے اور ہم پر واجب ہے۔"

ضروری ہدایت

فرمایا: "الحمد للہ مذکورہ بالا دستور العمل عام طالبان حق اور خصوصاً سلیم الطبع سالکین کے لئے انشاء اللہ تعالیٰ اکثر و بیشتر حالات میں بالکل کافی و شافی ہے۔ لیکن جیسا کہ میں نے ابتداء ہی میں بیان کیا ہے کہ انسان کی فطرت میں ایسے رذائل موجود ہوتے ہیں جو اس کے ظاہری اعمال پر اثر انداز رہتے ہیں جو بغیر مجاہدہ و ریاضت کے اصلاح پذیر نہیں ہوتے مثلاً تکبر ٗحسد ٗکینہ ٗحب جاہ ٗحب مال ٗغصہ ٗغیبت ٗبد نگاہی ٗشہوانی تقاضے وغیرہ۔اس لئے ان کی تہذیب وازالہ و امالہ کے لئے کسی معالج روحانی سے رجوع کرنا ناگزیر ہے۔بغیر باقاعدہ تعلیم و تربیت باطن کے ان پر قابو پانا بہت دشوار ہے جیسا کہ

مشہور ہے۔ ع

نفس ناتواں کشت الابظل پیر

چنانچہ طریقت و سلوک میں ایک مرشد کامل کی رہنمائی لازمہ طریق سمجھی جاتی ہے۔ اگر قحط الرجال کے زمانہ میں کوئی متبع شریعت و سنت شیخ نہ مل سکے تو پھر کتاب "تربیت سالک" و "بصائر حکیم الامت" کا بغور بار بار مطالعہ کیا جائے۔

تربیت السالک میں حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے ایسے امراض شدیدہ کی تفصیل کے ساتھ اپنے معالجات و مجربات تحریر فرمائے ہیں جن سے ہزاروں مریضوں کو شفاء باطنی حاصل ہوئی ہے۔ انشاء اللہ تعالیٰ اس پر عمل کرنے والا کبھی محروم نہ رہے گا۔

اگر کسی کو یہ کتابیں بھی دستیاب نہ ہوں تو پھر وہ حسب ذیل تدابیر پر عمل کرے۔ انشاء اللہ تعالیٰ ضرور شفاء باطن نصیب ہوگی۔ یہ حضرت حکیم الامت کا تجویز کردہ عمل ہے۔"

فرمایا: "اگر کسی شخص کو کسی بزرگ سے بھی مناسبت نہ ہو اور نہ کسی سے مناسبت ہونے کی توقع رہے تو ایسے شخص کے لئے بھی میں نے ایک راہ نکال دی ہے کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کا راستہ ہے اس میں کوئی طالب حق محروم نہیں رہ سکتا۔ بس تم ضروری احکام کا علم حاصل کرتے رہو' مطالعہ سے، خواہ اہل علم سے پوچھ پوچھ کر، اور سیدھا سادہ نماز روزہ ادا کرتے رہو۔ جو امراض نفس تم کو اپنے اندر محسوس ہوں ان کا علاج جہاں تک ہو سکے اپنی سمجھ کے مطابق بطور خود کرتے رہو اور جو بڑے بڑے گناہ ہیں ان سے بچتے رہو۔ بقیہ گناہوں سے استغفار کرتے رہو' اور دعا بھی کرتے رہو کہ اے اللہ ان کا بھی مجھے احساس ہونے لگے اور ان کے معالجات بھی میری سمجھ میں آنے لگیں۔ اگر مجھ میں سمجھنے کی استعداد نہ ہو تو بلا اسباب ہی، محض اپنے فضل سے ان عیوب کی اصلاح کر دیجئے۔ بس یہ بھی انشاء اللہ تعالیٰ نجات کیلئے بالکل کافی ہے اور نجات ہی مقصود

ہے۔اس سے زیادہ کے تم مکلّف نہیں۔"(اشرف السوانح جلد نمبر ۲)

ایک مدت مدید تک اس پر عمل رکھا جائے۔اللہ تعالیٰ کا رحم اور فضل و کرم انشاء اللہ تعالیٰ شامل حال ہوگا اور شفاء باطن نصیب ہو جائے گی اور یہ اللہ تعالیٰ کی رحمت واسعہ سے کچھ بعید نہیں۔"

چار بیش بہا محاسن

فرمایا:"اعمال ظاہری ہوں یا باطنی سب کے لئے آپ کو کچھ نہ کچھ اہتمام کرنا پڑتا ہے۔ اعمال ظاہری میں عبادات 'معاملات 'معاشرت ان سب کے یعنی فرائض و واجبات ادا کرنے کے لئے کچھ نہ کچھ اہتمام و فکر کی ضرورت ہے۔اسی طرح اعمال باطنی بھی ہیں جن کے لئے اہتمام عمل ضروری ہے۔جیسے رذائل میں غرور و تکبر بری چیز ہے، اس سے چھٹکارا پانے کے لئے اہتمام بلکہ مجاہدہ کرنا پڑتا ہے۔اسی طرح حسد ہے 'کینہ ہے 'غیبت ہے ان سب سے نفس کے تقاضوں کو روکنے کے لئے مجاہدہ کرنا پڑتا ہے۔بے حد غصہ نہ کیجئے 'کسی کی غیبت نہ کیجئے 'کسی سے انتقام نہ لیجئے 'نظر بد نہ ڈالئے 'لوگوں کے ساتھ ایثار کیجئے 'اللہ کی مخلوق سے محبت کیجئے 'تقویٰ و طہارت اختیار کیجئے 'حسن سلوک و تواضع کی عادت ڈالئے۔یہ سب انسانیت کے جوہر ہیں۔جب تک یہ سب حاصل نہیں ہو جاتے آپ انسان نہیں ہو پاتے اور ان سب کا نباہنا اہتمام کے بغیر تو کیا غایت اہتمام کے ساتھ بھی بڑا مشکل ہے۔غرض فضائل جتنے بھی ہیں ان کے حاصل کرنے کے لئے اور رذائل جس قدر بھی ہیں ان کے چھوڑنے کے لئے اہتمام ایک لازمی شرط ہے۔

ایک بات اور بھی ہے کہ ان سب باتوں کا تعلق خدا کی مخلوق سے ہے اس لئے ان میں ہمیشہ دوسروں کی رعایت بھی کرنی پڑتی ہے۔ہم جھوٹ نہ بولیں تو اس کا مخلوق ہی سے واسطہ ہے 'غیبت نہ کریں تو مخلوق ہی سے واسطہ۔یعنی ہمارے سب اعمال مخلوق ہی

کے مصرف کے ہیں۔ جیسے حسنات ہیں وہ بھی مخلوق سے تعلق رکھتی ہیں اور جتنے رذائل ہیں' ان کا بھی واسطہ مخلوق ہی سے پڑتا ہے لیکن چار اعمال باطنہ جو میں بیان کرنے والا ہوں ان کا تعلق بلاواسطہ محض اپنے خالق کے ساتھ ہے۔ یہ سب ہیں تو فطرت انسانی بلکہ ایک صحیح انسان' ایک صحیح مسلمان کی فطرت سلیمہ کا لازمہ ہیں۔ یہ چاروں اعمال باطنی ہم پر واجب بھی ہیں کیونکہ یہ بھی اللہ تعالیٰ ہی کے کام ہیں جن کو بجالانا ہم سب پر فرض ہے۔ یہ چار بے حد قیمتی باتیں' یہ چار بیش بہا محاسن' یہ چار گراں قدر اعمال ہیں۔ عبدیت ان ہی اعمال کی روح رواں ہے۔

۱۔ شکر ادا کرنا ۲۔ صبر کرنا ۳۔ توبہ کرنا ۴۔ پناہ مانگنا''

شکر

''احساس نعمت اور جذبہ ادائے شکر ایک بہت ہی شریف و لطیف جذبہ ہے جو احساس' استحضار نعمت' حصول نعمت پر خود بخود دل میں پیدا ہوتا ہے۔ حقیقت اور واسطہ نعمت پر خود بخود نظر جاتی ہے' یہ بندے کا اختیار ہے جو دل کو اپنے منعم کی طرف متوجہ کراتا ہے۔ مثلاً کوئی خوش کن بات ہو گئی یا کوئی پسندیدہ چیز مل گئی' غرض کوئی بھی ظاہری یا باطنی نعمت حاصل ہو گئی اور دل میں جذبہ احسان مندی پیدا ہوا۔ ہم نے شکر ادا کر دیا۔ اَللّٰھُمَّ لَکَ الشُّکْرُ وَلَکَ الْحَمْدُ

یہ بات ہم کس سے کہیں گے؟ اس میں کسی سے کہنے والی بات بھی کونسی ہے۔ مالک کی طرف سے عطا ہے' لطف و کرم ہے اور بندہ اس سے متاثر ہو کر دل ہی دل میں سپاس گزار ہے۔ حصول نعمت پر ادائے شکر تو ایک فطری امر ہے' جذبہ شرافت و انسانیت ہے' سلامتی فہم کا تقاضا ہے۔ یہ اس نعمت پر جو آپ سے اور ہم سے وابستہ ہے ادائے شکر کی عادت ڈالئے دل سے بھی اور زبان سے شکر ادا کیجئے تو شیطان کے مکائد سے محفوظ رہئے گا۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک مقبول و محبوب بھی ہو جائے گا۔

ادائے شکر بس دل ہی کا پوشیدہ عمل ہے اس کی پوشیدگی کا بھی عجیب عالم ہے اور اعمال تو ظاہر ہو جاتے ہیں۔ یہ آپ کہہ سکتے ہیں کہ فلاں شخص میں یہ خوبی ہے کہ غیبت نہیں کرتا' فلاں میں یہ وصف ہے کہ وہ مہمان نواز ہے' فلاں میں یہ عیب ہے کہ لوگوں سے بدخواہی کرتا ہے وغیرہ وغیرہ۔ غرض ہر شخص میں خوبیوں کے جوہر بھی ہوتے ہیں اور برائیوں کے عنصر بھی یہ سب ظاہر بھی ہو جاتے ہیں۔ لیکن جذبہ شکر دل کا مخفی عمل ہے یہ کسی پر ظاہر نہیں ہوتا۔

صبر

دوسری بات ہے صبر' رنج و غم کے وقت لوگ عموماً کہہ دیا کرتے ہیں "صبر کرو" ارے بندہ نواز آپ تو کہہ کے چلے گئے۔ یہ تو وہی جانے جس پر گزر گئی کہ صبر ہوتا کیا ہے؟ یہ کہہ دینا کون سا مشکل کام ہے کہ صبر کیجئے مگر اس سے پوچھیے جس پر مصیبت نازل ہو رہی ہے۔ ایسے میں تو صرف یہی ایک صورت ہے کہ یہ سمجھ کر اپنا دل ٹھنڈا کر لے کہ یہ سب میرے رب کی طرف سے ہے اور میرا رب بڑا رحیم و کریم ہے' اس کی طرف سے جو بھی ہے سراسر رحمت ہے۔ منجملہ دیگر معنی کے صبر کے ایک معنی یہ بھی ہیں کہ ہر غیر اختیاری ناگواری کو منجانب اللہ مان کر دل کو راضی کر لیا جائے۔ رہا ناگواری کا تدارک' بیماری کا علاج' پریشانیوں کو زائل کرنے کی فکر و تدبیر سو یہ تو ہماری فطرت ہے اور صبر کے منافی بھی ہرگز نہیں بلکہ ان کو اختیار کرنے کے ہم شرعاً مکلف ہیں۔

صبر کا تعلق بھی دل کے جذبات سے ہے۔ اسے کیا کوئی کہے اور کیوں کر کہے۔ یہ تو ہم جانیں یا ہمارے اللہ میاں اور انہوں نے وعدہ فرمایا ہے۔ ان اللہ مع الصابرین عالم امکان میں اس سے بڑا انعام اور احسان کون کرے گا۔

توبہ

یہ بھی فطرت سلیمہ کا ایک تقاضا ہے کہ جب ہم سے کوئی خطا ہو 'لغزش یا گناہ کا صدور ہو جاتا ہے تو دل میں ایک خلش ندامت پیدا ہوتی ہے اور اس کے ساتھ ساتھ معذرت خواہی اور تدارک کا جذبہ بھی عود کرتا ہے...... اس کی مثال یوں سمجھئے کہ کہیں ہماری نیت بگڑ گئی اور ہم نے کہا لا حول ولا قوۃ...... کیا واہیات خیال آگیا' کہیں نظر بہک گئی اور ہم نے کہا استغفر اللہ کیا نازیبا حرکت ہو گئی۔ اب یہ بات کسی اور سے آپ کہیں گے ؟ ذرا غور کیجئے کہ عالم تعلقات میں ایسا بھی کوئی ہے جس سے آپ یہ کہہ سکتے ہوں یا جس پر ظاہر کر سکتے ہوں کہ آپ کی نظر بہک گئی 'کہیں نیت بگڑ گئی 'کسی کے خلاف انتقامی جذبہ پیدا ہوا، کسی کی حالت کو دیکھ کر دل میں حسد پیدا ہوا' کہیں اپنے زعم باطل میں کسی کو اپنے سے حقیر سمجھا۔ غرض یہ سب ایسے خفی جذبات واحساسات ہیں کہ ان کا علم سوائے اللہ تعالی کے جو علیم بذات الصدور ہیں کسی کو نہیں ہو سکتا اور صرف وہی ہے جو ہماری خیانت عین سے بھی واقف ہیں اور خیانت صدر سے بھی۔ اس لئے ہم ندامت قلب کے ساتھ انہیں سے رجوع کرتے وقت قلب کے ساتھ معافی مانگتے ہیں۔ یہی توبۃ النصوح ہے۔

آپ کے اور ہمارے دلوں میں ہوتا کیا رہتا ہے ؟ یہی خیالوں کی جھلکیں آتی ہیں ' کبھی کوئی جھلک آگئی اور کبھی کوئی۔ جہاں ذرا سی لغزش ہوئی معاً استغفار کر لیا۔ جب کوئی ناروا خیال آیا نادم ہو گئے۔ لا حولا و لا قوۃ کہہ لیا۔ اس معاً استغفار اور فوری ندامت سے آپ جانتے ہیں کیا ہوا؟ دنیا کی رسوائی اور مواخذہ آخرت کا خوف پیدا ہوا' دل میں ایک عجز و نیاز کی کیفیت پیدا ہوئی اور اپنے مالک تواب الرحیم کی طرف رجوع ہونے کی توفیق ہو گئی۔ یہی ایمان کا تقاضا ہے۔

استعاذہ یعنی طلب پناہ

یہ چوتھی چیز ہے 'اس کو چوتھا عمل باطن کہہ لیجے۔ یہ ہے پناہ مانگنا۔ جب بھی مستقبل کے لئے کوئی وحشت ناک خیال آیا کہیں یہ نہ ہو جائے کہیں وہ نہ ہو جائے اور آپ نے فوراً کہا "یااللہ اپنی پناہ میں رکھیے" کوئی ہیبت ناک منظر سامنے آیا اور ہمارے منہ سے بے اختیار نکل گیا۔

اَللّٰهُمَّ احْفَظْنَا اَللّٰهُمَّ اَعُوْذُ بِكَ مِنَ الْفِتَنِ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَ مَا بَطَنَ

یہ بھی کوئی ایسی بات ہے جس کا کسی کے سامنے اظہار ممکن نہیں۔ کسی اندیشے و خطرہ سے جی گھبرا گیا 'دل پر وحشت طاری ہو گئی اب یہ کسی پر ظاہر کرنا بھی چاہیں تو کیوں کر کریں؟ ایک درجہ میں ظاہر کر بھی لیں تو بات کیا بنے؟ ایسی صورت میں انسان کے پاس چارہ ہی کیا رہ جاتا ہے کہ اپنے مالک حقیقی ہی سے پناہ نہ مانگے۔"

علم دین 'حقیقت دین 'حلاوت دین

فرمایا: "ایک علم دین ہے 'ایک حقیقت دین ہے اور ایک لذت دین ہے۔ علم دین بھی بڑی دولت ہے 'وہ تو صرف پڑھ لینے سے حاصل ہو جاتا ہے 'حقیقت دیں اس سے بھی بڑھ کر ہے 'وہ عمل کرنے سے حاصل ہوتی ہے 'لیکن لذت دین بہت اونچی چیز ہے 'کیا کہئے اس لذت کے 'جس کو لذت حاصل ہو جائے وہ کب چھوڑ سکتا ہے 'چکھ کر تو دیکھو اور یہ حاصل ہوتی ہے اللہ والوں کے پاس بیٹھنے سے 'کسی محبت والے کے پاس جا کر بیٹھو تاکہ کچھ پتہ چلے۔ میں کئی بار عرض کر چکا ہوں کہ میں تو ایک ریڈیو پاکستان کی طرح ہوں 'نہ مجھ میں کمال ہے نہ علم ہے 'اجی کچھ بھی نہیں 'بس وہی مثال ہے کہ یہ خبریں ریڈیو پاکستان سے نشر کی جا رہی ہیں۔ اسی طرح ایک مجلس میں اللہ والے اور محبت والے بیٹھے ہیں 'یہ سب کچھ ان ہی صاحب مجلس کی سنی سنائی خبریں ہیں 'ورنہ یہاں کیا رکھا ہے؟

بے ربط ' بے ضبط جو یاد آیا جس کی ذہن نے رسائی کی عرض کر دیا ' محبت عجیب چیز ہے۔ صاحب! یہ قوال ' یہ باجہ ' یہ گانا ارے سب شہوانی دھندے ہیں۔ محبت مجازی کا جب یہ رنگ ہے تو محبت حقیقی کی کیا کیفیت ہو گی۔ مولانا رومیؒ خود بھی محبت میں سر شار ہیں اس لئے دوسروں کو بھی محبت میں ڈبو دینا چاہتے ہیں۔ آج جو یہ مغرب زدہ طبقہ ' عقل عقل کرتا ہے ' ارے یہ ریڈیو ' یہ ٹیلی فون ' یہ راکٹ بنانا کوئی عقل ہے۔ ہر گز نہیں۔ جس نے خدا کو نہ پہچانا اور جس عقل نے صانع کا انکار کر دیا ' وہ عقل ہو سکتی ہے ؟ یہ تو اللہ نے انسان کو اس کے انسان ہونے کی وجہ سے کچھ ذہانت دیدی ہے لیکن صرف ذہانت عقل نہیں بن جاتی جب تک ذہانت کا صحیح استعمال نہ ہو۔ اچھا اگر عقل ہی کا کام ہے تو گائے ' بھینس ' گھاس اور چارہ کھاتی ہے اور اسی سے دودھ بنادیا جاتا ہے۔ بتاؤ عقل کچھ کام کرتی ہے۔ اگر عقل کی بات ہے تو تم گھاس کھالو اور دودھ بنا کر دکھاؤ۔ ارے یہ سب محض القاء ہوتا ہے۔ وَاَوْحٰی رَبُّكَ اِلَى النَّحْلِ اَنِ اتَّخِذِی مِنَ الْجِبَالِ بُیُوْتًا اور ہم نے وحی کی یعنی الہام کیا شہد کی مکھی کو کہ پہاڑوں میں گھر بناوے ' اب بتاؤ وہ شہد کس طرح بناتی ہے۔ کسی نے اسے کہا کہ اس تمام جہاں کی مختلف اشیاء میں سے صرف پھول میں تجھ کو مٹھاس ملے گا۔ وہ ایسا کام کرتی ہے کہ عقل حیران ہے۔ بتاؤ کس نے اس کو شہد بنانا سکھایا ہے ؟ اس کا چھتہ آپ نے دیکھا ' کس طرح برابر خانے بناتی ہے اور تمام ممالک میں پھر کر دیکھو ' سب جگہ نمونہ ویسا ہی ' ایک سا رہے گا۔ کیا یہ سب مکھیاں ایک دوسرے سے مل کر تعلیم حاصل کرتی ہیں۔ تم عقلمند ہو تو ویسا ہی بنا کر دکھاؤ۔ اس میں ہر موسم کا انتظام ہے۔ گرمی ' سردی ' برسات ' جتنا بھی پانی برستا رہے اس چھتے میں ' پانی نہیں جاتا اور کیا مجال کہ اتنا وزنی شہد ہونے کے باوجود اس کا ایک قطرہ بھی ٹپک پڑے ' تو جس طرح ان حیوانوں میں الہام فرمایا اسی طرح باعتبار انسان ہونے کے تم میں بھی الہام کر دیا اور دماغ میں ڈال دیا کہ اس طرح تم ایجادات کرو۔ تو یہ تو الہام الٰہی ہے ' عقل کا کام کہاں ہے۔ اور تم نے صرف ان جمادات کو جوڑ دیا۔ تم ان کے خالق تو نہیں

ہو۔ اس لیے خالق کو نہ بھولنا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ کا پیدا کیا ہوا میٹریل (Material) آگ' پیٹرول' سوزش' بھاپ' سب اس نے بنائی۔ تم نے صرف اس کو جوڑ دیا ہے' اس کے الہام کے مطابق کرتے رہو۔ ایک صاحب نئی روشنی والے میرے پاس تشریف لائے اور کہنے لگے یہ شریعت کی فلاں بات عقل سے ثابت کیجئے' فلاں بات کو عقل سے سمجھائیے۔ میں نے ان سے کہا کہ دیکھئے پہلے آپ یہ بتائیں کہ اس عقل کو کیا سمجھتے ہیں۔ یہ عقل ہے کیا چیز اور اس کی مقدار جسم انسانی میں کتنی ہے؟ آپ کو ایک ماہ کی چھٹی ہے' سوچ کر جواب دیں۔ اگر اس کا ناپ تول کا کوئی آلہ ہو تو لگا کر بتائیں۔ خاموش ہو گئے۔ میں نے کہا کہ یہ میز ہے' اس پر پیالی رکھی ہے لہذا آپ اپنی عقل کے زور سے اس میز کو اس پیالی کے اندر داخل کر دیں۔ اگر عقل ہے تو زور لگاؤ۔ اسی طرح سمجھو کہ عقل تو پیالی کے برابر ہے اور خدا کی باتیں میز جیسے خیال کرو۔ احکام الٰہی عقل سے بہت اونچے درجے کے ہیں' تو وہ اس عقل کی پیالی میں کیسے آ سکتے ہیں۔ یہ انسان خود عالم صغیر ہے۔ اس میں خلاصہ کائنات موجود ہے' دریا' پہاڑ' آسمان' زمین' بجلی' ہوا' آگ سب کچھ موجود ہیں۔ اس نے اپنے آپ کو سمجھا ہی نہیں۔ اگر اس انسان میں ہمالیہ پہاڑ جیسی اونچائی نہ ہوتی تو یہ اس پہاڑ پر چڑھ کیسے سکتا تھا۔ اونچائی اور رفتار نہ ہوتی تو ہوائی جہاز اور جہاز رانی کیسے کر سکتا تھا۔ اسی طرح چاند' سورج' مریخ' عرش' کرسی سب اس کے اندر ہیں۔ اگر چاند پر چلے گئے تو کونسی حیرت ہے۔ سات زمینیں ہیں۔ ممکن ہے سات زمینوں میں سے وہ بھی ایک زمین ہو' اور وہ بھی ہمارے لیے ہے۔ کل کائنات ہمارے لیے ہے ؎

ہر ملک ملک ماست کہ ملک خدائے ماست

سو اگر عقل خدا کا کام کرے اس کا حکم مانے تو عقل واقعی عقل ہے ورنہ کچھ نہیں۔ عقل یہ ہے کہ اس اللہ و رسول و کلام اللہ کو پہچانے۔ ایک یہ کام ہوا' پھر دوسرا کام یہ کہ اس کی اتباع کرے۔ اگر اتباع سنت نہ ہو تو عقل بیمار ہے۔ باقی سائنس میں غور

و فکر کو کس نے منع کیا ہے؟ وہ تو ارشاد ہوا ہے کلام باری تعالیٰ میں۔

اِنَّ فِی خَلْقِ السَّمٰوَاتِ وَ الاَرْضِ وَاخْتِلاَفِ الَّیْلِ وَالنَّھَارِ لَاٰیَاتٍ لِاُولِی الاَلْبَابِ o لیکن

ستاروں ہی کو یہ دیکھا کئے ہیں دور بینوں سے
خدا کی جستجو کرتے جو عقل دور بین ہوتی

ایمان والے بندے تفکر کرتے ہیں آسمان و زمین میں۔ آگے اس جگہ پہنچ کر موجد کہتا ہے۔

رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ ھٰذَا بَاطِلاً سُبْحٰنَکَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ.

خیر محبت اور لذت دین تو اللہ والوں کی اتباع و صحبت سے حاصل ہوتی ہے، اگر تجارت سے محبت ہوگی تو تاجر کے پاس بیٹھو گے۔ اگر مال کی محبت ہے تو مالدار کے پاس جاؤ گے۔ اسی طرح اگر محبت کی طلب ہے تو محبت والے کے پاس جا بیٹھو، محبت ہو جائے گی انشاء اللہ۔ یہ تو محبت میں ڈوبے ہوئے ہوتے ہیں۔ دوسروں کو بھی اس کی لذت چکھانا چاہتے ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا اتَّقُوْاللّٰہَ وَ کُوْنُوْا مَعَ الصَّادِقِیْنَ ، اے ایمان والوں اللہ تعالیٰ سے ڈرو یعنی محبت و معرفت پیدا کرو اور اس کی یہ ترکیب یہ ہے کہ وَ کُوْنُوْا مَعَ الصادقین۔

تقوی کیا ہے؟ انسان مامور بہ پر عمل کریں منتھی عنہ سے توبہ استغفار کریں۔ یہی تو کہا ہے۔"

توبہ گناہوں کو اعمال سے محو کر دیتی ہے

فرمایا: "ایک بات یاد آئی کہ اگر کوئی گناہ کرے زندگی بھر لیکن پھر وہ توبہ کرے تو یہی خیال رہتا ہے کہ توبہ قبول ہوئی یا نہ ہوئی۔ یہ خدشہ بہت ستاتا ہے۔ لیکن یہ بھی حل

ہو گیا۔ میرے ایک عزیز ٹیپ ریکارڈ لائے تھے۔ ایک مرتبہ گھر والے اس کو مانگ لائے۔ ایک ہماری بچی ہے وہ جیسے بولتی یعنی ہو بہو، ہی ہی اس کی آواز کو ٹیپ کیا جائے تو اسی لہجہ میں ٹیپ ریکارڈر سے آواز نکلنے لگتی ہے۔ ہم نے سمجھا کہ اسی طرح فرشتے، نیکی بدی، لب ولہجہ سب بھر لیتے ہیں۔ کوئی بات باقی ہی نہیں رہتی۔ کھنکارنا، ہنسنا، رونا لب ولہجہ سب اس میں آجاتا ہے۔ ایسا ہی قیامت میں ہوگا۔ ایک عجیب بات ہوئی کہ ہماری اہلیہ کے رشتہ دار ایک دن ہمارے گھر آئے۔ ان میں آپس میں کوئی ناراضگی تھی۔ بہت دنوں کے بعد ملے تو آپس میں شکر رنجی کی باتیں ہونے لگیں کہ تم نے یوں کہا اور یوں کہا۔ ادھر بچوں نے دیکھا گرما گرمی ہو رہی ہے، ٹیپ ریکاڈر کھول دیا۔ ان کی تیز م تیزی ہوتی رہی ان کا غصہ، ان کی باتیں، لب ولہجہ اس میں آتا رہا۔ اخیر میں جب غصہ کم ہوا تو غصہ کی باتوں کو دہرانے لگے کہ تم نے مجھ کو ایسا ایسا کہا۔ وہ انکار کریں کہ میں نے کب کہا تھا بلکہ تم نے یوں کہا، وہ ان کا انکار کریں کہ میں کیسے کہتی۔ دونوں اپنی اپنی برات کرنے لگے۔ اتنے میں بچوں نے ٹیپ ریکارڈ کھول دیا تو جس جس طرح لب ولہجہ و غصہ سے جس نے جو کچھ کہا تھا، وہ سب آنے لگا۔ اب سب ہنسنے لگے اور وہ دونوں خاموش کہ اس ٹیپ ریکارڈ نے تو کوئی بات چھوڑی ہی نہیں۔ پھر ہم کو یہ قصہ معلوم ہوا کہ ایسا ایسا ہوا، سب ہنس رہے تھے، ہم نے کہا کہ ہم کو بھی تو سناؤ ذرا کیا کیا ان کی باتیں ہوئیں تو بچوں نے کہا کہ اب وہ نہیں سنا سکیں گے۔ ہم نے کہا اب کیا ہو گیا تم سن سکتے ہو تو ہم نہیں سن سکتے۔ تم ہم کو بھی سناؤ۔ کہنے لگے کہ اب اس ٹیپ ریکارڈ کا وہ فیتہ پلٹ کر لگا دیا ہے لہٰذا اب وہ بولے گا ہی نہیں بلکہ اس کے اوپر جو آئندہ باتیں کیں ہیں یا کریں گے، وہ بھری جائیں گی۔ اس کا قاعدہ ہی یہ ہے کہ اگر اس فیتے کو پھیر دیں تو وہ بات بالکل ختم ہو جاتی ہے۔ پھر دوسری بات آئے گی۔ اب یہ مسئلہ حل ہو گیا کہ اسی طرح اعمال بجنسہ بھرے ہوئے، لکھے ہوئے ہیں لیکن جب اس فیتے کو بدل دیا یعنی توبہ استغفار کر کے رجوع کر لیا تو پہلے کے سب گناہ ختم ہو گئے اب توبہ استغفار چڑھ گیا اور یہی رہے

گا۔ لاکھ کوشش کرو وہ گناہ سب ختم ہوگئے۔ اس سے بہت تسکین ہوگئی۔"

سعی اور تکمیل

اَلسَّعْیُ مِنِّی وَالْاِتْمَامُ مِنَ اللّٰهِ کی تشریح کرتے ہوئے فرمایا! "ساری عمر اپنی استطاعت کے مطابق طاعات میں کوشش اور معاصی سے بچنے کا اہتمام رہے یہی بندگی کی شان ہے۔ ورنہ ان کا حق کس سے ادا ہوا۔ اور کون ادا کر سکتا ہے کیونکہ تمہاری طرف جتنی نسبت ہے عمل کی وہ تو تمام عمر ناقص ہی رہے گی۔ اتمام کرنے والے اللہ تعالیٰ ہیں اور ان کا اتمام کامل ہے۔ اب اپنا اپنا ظرف ہے اس میں بڑے بڑے ظرف والے 'اہل معرفت 'اہل مقامات اور صاحب نسبت بھی ہیں اور چھوٹے ظرف والے بھی ہیں۔ تم اپنا ظرف دیکھو اور انعامات کا مشاہدہ کرو تاکہ شکر کی توفیق ہو ؎

کیا غرض مجھ کو کہ کس کے جام میں ہے کتنی مے
میرے پیمانہ میں لیکن حاصل میخانہ ہے

اس طرف دیکھو کہ ناقص سعی پر انتہائی کامل انعام فرمایا پھر جس درجہ میں جاؤ گے اپنا ظرف کم اور عطا کامل نظر آئے گی۔ اس سے مزید شکر کی توفیق ہوگی۔ استعداد ترقی کرے گی 'تصرف بھی بڑھے گا اور بڑے بڑے صاحب کمالات ہیں جن پر فضل و انعامات الٰہیہ ہوئے ہیں ان میں شامل ہو جاؤ گے۔ کچھ نہ کر پائے اور نعمتیں اندازہ سے باہر ہیں اس پر گردن جھکا کر ندامت کے ساتھ شکر ادا کرو یہی وفا کی شان ہے 'خواہ کتنے ہی بڑے بزرگ ہوں 'اولیائے کرام 'اصحاب عظام ہوں 'کسی کے اعمال کی کیا حقیقت ہے جب افضل الانبیاء حضرت رسول مقبول ﷺ نے اللہ تعالیٰ کی شان میں ارشاد فرمایا: مَا عَرَفْنَاكَ حَقَّ مَعْرِفَتِكَ اور اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں اَلْیَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِیْنَكُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَیْكُمْ نِعْمَتِی ۔ (آج میں نے تمہارے لئے تمہارا دین کامل کر دیا اور اور تم پر اپنی نعمت کو پورا کر دیا) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہی دولت اپنے

صحابہ میں تقسیم فرمائی۔ حضور ﷺ کی مجلس والوں میں جس طرح صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کامل ہیں اسی طرح ایک بدویؓ بھی کامل ہے۔ ارشاد ہے اَصْحَابِی کَالنُّجُوْمِ (میرے صحابہ ہدایت حاصل کرنے کے لئے ستاروں کی طرح ہیں) سب جگمگا رہے ہیں چھوٹے بڑے اپنی اپنی جگہ پر۔ ان کے مراتب الگ الگ ہیں، حیثیتیں جداگانہ مگر سب کامل ہیں، جنت میں بھی سب کامل ہی ہوں گے۔ ناقص کوئی نہ ہوگا مگر مراتب اور مدارج میں زمین آسمان کا فرق ہوگا۔ ارے ان کے فضل سے اہتمام کرنے والا ہر امتی اپنی جگہ پر کامل ہے۔

اسی طرح شیخ کی مجلس میں مختلف استعداد کے لوگ ہیں۔ شیخ نے ایک کو درس و تدریس میں لگادیا، ایک کو خانقاہ میں بٹھادیا۔ کسی کو مسجد میں امامت سپرد کردی، کسی کو اذان دینے پر اور جھاڑو لگانے پر مامور کردیا، سب کامل ہیں۔

پھر دوران سعی میں کوئی کسی حال میں ہے اور کوئی کسی حال میں۔ حضرت والا کی مجلس میں مولانا فقیر محمد صاحب روتے روتے نڈھال ہوئے جارہے ہیں تو حبیب اللہ صاحبؒ ہنستے ہنستے دیوانہ بنے جارہے ہیں۔ ایک اتمام نعمت پر روئے تو کیا اور دوسرے ہنس دیئے تو کیا، اپنا اپنا ظرف ہے مگر پیمانے دونوں کے لبریز ہیں۔

آپ کے جتنے ملازمین ہیں سب کو آپ سے اپنے اپنے درجہ میں قرب ہے اور اپنے اپنے منصب پر سب کامل ہیں۔

ہمارے حصہ میں جو عرفان آیا ہے ہمارے لئے کامل ہے، آپ کے حصہ میں جو آیا ہے آپ کے لئے کامل ہے۔ بہت سی ایسی باتیں ہیں کہ آپ کے دوست جانتے ہیں آپ نہیں جانتے اسی طرح اس کا عکس ہے یہ اپنا اپنا رنگ ہے مگر عطاء ان کی کامل ہے بس سعی کی نسبت بندہ کی طرف ہے اور یہ ہمیشہ ناقص ہی رہے گی۔ اور عطاء ان کی طرف سے ہے یہ ہمیشہ کامل ہوگی۔

حسن کمال حسن ہے یعنی حسن جہاں ہے کامل ہے
عشق مآل عشق ہے یعنی عشق میں کامل کوئی نہیں

اصلاح کا آسان طریقہ

زندگی میں بہتر تغیر پیدا کرنے کے سلسلے میں فرمایا "اللہ تعالیٰ کے ساتھ بندہ کا معاملہ عجیب ہے۔ آج طلب ظاہر کر دو 'ارادہ کر لو اصلاح کا' بنالو فہرست کن کن کوتاہیوں میں مبتلا ہو۔ معاملات' معاشرت و اخلاق سب میں کوتاہیوں کا جائزہ لے لو۔ اب دیکھو کن کن چیزوں کو چھوڑ سکتے ہو اور کن چیزوں کو نہیں چھوڑ سکتے۔ مثلاً وضع قطع کو نہیں چھوڑ سکتے۔ اب دیکھو معاملہ کس سے کرنا ہے' کس کے لئے سنوار رہے ہو خود کو' بس انہیں کے سامنے تنہائی میں کہہ لو کہ اے اللہ! وضع قطع میں تغیر محال نظر آتا ہے اگرچہ میں یہ وضع پسند نہیں کرتا مگر خراب ماحول میں پرورش پائی' ایک عمر بسر کر چکا' بگڑ گیا' آپ اس بگڑی ہوئی استعداد کو بدل دیں۔ آپ کے لئے یہ آسان ہے کہ میرے لئے یہ محال نظر آتا ہے۔ تنہائی میں تہجد کے وقت اللہ میاں سے باتیں کر لیں اور کسی مخصوص وقت اور تنہائی کی بھی ضرورت نہیں' کوئی وقت ہو۔ تخلیہ تو اسی وقت ہو جاتا ہے جب تم نے ان سے باتیں شروع کر دیں۔

اللہ تعالیٰ خود پسند فرماتے ہیں کہ یہ بدحواس پراگندہ بندے کچھ دیر تو ہماری طرف متوجہ ہو جائیں۔ دن میں رات میں جس وقت چاہیں بات کر لیں' ہمارے سامنے اقرار تو کر لیں اپنے عجز کا۔ کس چیز کو ناممکن سمجھتے ہو۔ وضع قطع میں تغیر تمہارے لئے ناممکن سہی مگر یہ تو ممکن ہے دو باتیں دو منٹ کے لئے ہم سے کر لیا کرو' کسی وقت ہم سے یہ کہہ لیا کرو کہ اے اللہ! میں عاجز ہوں' ناتواں ہوں' مغلوب ہوں' نالائق ہوں کچھ کرتے بن نہیں پڑتا آپ ہی اپنا فضل فرمادیں' یہ تو کہہ لیا کرو' کیا اتنا بھی نہ کر سکو گے؟ اتنا تو اختیار مانتے ہو کہ کہ زبان سے کہہ لو۔ اس اختیار کو تو کام میں لے آؤ۔ دیکھو پھر

تغیر ہوتا ہے یا نہیں۔

اس دربار میں معروض پیش کرنے والا کبھی نامراد نہیں ہو سکتا۔ ذرا طلب ظاہر کر کے مانگنے پر اتر تو آؤ۔ پیش تو کرو کچھ کیا کہنا ہے۔ کام تو یونہی بنے گا' عاجز و درماندہ ہو کر سامنے آ جاؤ۔ اے اللہ! کوئی میری مدد نہیں کر سکتا سوائے آپ کے۔ آپ کی قدرت و جلال کے سامنے میں کیا سارا عالم عاجز ہے۔ اے اللہ! بیوی اور اولاد میری' دوست احباب میرے' دل میرا' نفس میرا' اور اپنا ہوتے ہوئے پھر بیگانے۔ کوئی بھی اپنے کہنے میں نہیں۔ کوئی اپنا ہمنوا نہیں۔ یا اللہ! اس عالم کائنات میں میں تنہا ہوں' حیران و پریشان عاجز و درماندہ ہوں' مجھ میں قدرت نہیں ہے کہ خود کی اصلاح کروں' کسی چیز پر قابو نہیں' آپ ہی میری دستگیری فرمائیں۔ بس طلب ظاہر کرو' راستہ تو عرض معروض ہی سے کھلے گا' زاری کرو' کہتے رہو۔ دیکھو پھر زندگی میں انقلاب آتا ہے یا نہیں۔ مگر ہم میں طلب ہی نہیں۔ طلب نہ ہونے پر فرماتے ہیں: اَنُلۡزِمُکُمُوۡهَا وَ اَنۡتُمۡ لَهَا كٰرِهُوۡنَ (کیا ہم ہدایت کو تم پر چپکا دیں اور تم اس کو ناپسند کرتے رہو۔) ارے کچھ خود بھی تو طلب ظاہر کرو۔ بغیر طلب کے کہیں کچھ ملا ہے کسی کو؟ جب مانگو گے نہیں تو کوئی دے گا کیسے؟"

احساس فراغت

ارشاد فرمایا: "فراغت قلب بڑی دولت ہے۔ میرا جی چاہتا ہے کہ آپ کے سامنے آج اسی کا تذکرہ کروں کیوں کہ ہمارے حضرت والا کو فراغت قلبی بڑی عزیز تھی' اس کا بڑا اہتما فرماتے تھے اور اسی کی تعلیم فرماتے تھے۔ کبھی فرماتے کہ مجھے ادھوری بات سے بڑی تکلیف ہوتی ہے۔ نہ میں کسی کو منتظر رکھتا ہوں نہ کسی کا انتظار کرتا ہوں۔ دوسرے کو اذیت سے بچانا کل سلوک ہے۔ کبھی فرماتے ہیں کہ میں جو تقاضے کے ساتھ ہر کام سے فارغ ہو جاتا ہوں وجہ اس کی یہ ہے کہ میں چاہتا ہوں کہ قلب غیر اللہ کے ساتھ

مشغول نہ ہو۔ تاکہ اگر کبھی خدا کی یاد کی توفیق ہو جائے تو موانع مرتفع ہوں۔ ایک مجدد وقت نے اس مشغول اور مختصر زندگی میں کیسی اہم بات کی طرف توجہ دلائی اور ساری زندگی اسی کی اہمیت بیان فرماتے رہے اور خود عملاً کر کے دکھلاتے رہے۔

نعمتوں کا مشاہدہ' معیت الہیہ کا شرف' خدا سے مناجاتیں' تدبر' تفکر یہ فراغت قلبی ہی کی تو برکتیں ہیں۔ اگر قلب کو اللہ کے لئے فارغ کیا جائے گا تو یہ تجلی گاہ حق بن جائے گا۔ اپنے قلب کو کم از کم تین منٹ کے لئے مطلقاً فارغ رکھنے کی عادت ڈالنی چاہیئے ۔

بفراغ دل زمانے نظرے بماہ روئے
بہ آزان کہ چتر شاہی ہمہ روز ہاؤ ہوئے

آپ نے جس کے لئے قلب کو فارغ کیا ہے وہ اس کو بے نوازے نہ چھوڑے گا۔

فراغت قلب کا ایک عنوان صحبت اہل اللہ ہے۔ اگر آپ تھوڑی دیر کے لے علائق دنیا کو قطع کر کے فراغت قلب حاصل نہ کر لیتے تو آپ اہل اللہ کی مجلسوں میں جاتے ہی کیوں۔ ان کی مجلس میں آپ اللہ سے ملتے ہیں اور آپ کو شرف مجالست حاصل ہوتا ہے ۔

مجلس لیلیٰ کا میں بھی بیٹھنے والوں میں ہوں

بس فراغت قلبی کے حصول کی کوشش کرنی چاہیئے' ہزاروں عنوان سے تجلیات الہیہ کا مشاہدہ کرو گے اور فراغت قلبی کے میسر ہو جانے کے بعد عالم کائنات کے سب مشاہدات اور مناظر معاون ہو جاتے ہیں۔ ذکر قلبی پر آسمانوں کی چیزیں اور زمین کی چیزیں' عالم تعلقات' دوست احباب' ناگواریاں' خوشگواریاں جو تجلیات الہیہ ہیں اور ہزاروں نعمتیں مشاہدہ ہونے لگتی ہیں۔ ہماری تمام ظاہری اور باطنی قوتیں' ہمارے تمام احساسات' ہمارے تمام حواس میں سے ایک ایک حس تعلق مع اللہ کا ذریعہ بن جاتے اور حجابات اٹھ جاتے ہیں۔''

ماضی و مستقبل، خوف و رجاء

فرمایا: ''مومن کی ساری زندگی خوف و رجاء کے درمیان گزرتی ہے۔ ہمارے حضرتؒ رجاء کو غالب کرتے تھے اور خوف کو مغلوب فرماتے تھے کیونکہ خوف کا تعلق ماضی سے ہے اور محدود ہے اور رجاء کا تعلق مستقبل سے ہے اور مستقبل میں رحمت کا معاملہ ہے اور یہ لامتناہی ہے۔

خوف محدود ہے، وقتی ہے اور عارضی ہے، وہ اپنے ماضی سے متعلق ہے اور اس میں زیادہ تر اپنا ہی مشاہدہ ہے۔ جتنے اعمال ہیں سب پر خوف ہے، زندگی ماسبق چاہے کسی طرح بسر ہو گئی ہو خوف ضروری ہے۔ اور معصیتوں پر تو خوف ہے ہی، عبادات پر بھی خوف ہے کہ ان میں کوتاہیاں ہیں اور وہ ناقص ہیں۔ ان سب کا تدارک ندامت قلبی سے اور توبہ واستغفار سے ہو جائے گا۔ ایک محدود چیز تھی ختم ہو گئی، ندامت کے ساتھ توبہ کر کے سیدھے راستہ پر آ گئے، اعمال میں رسوخ پیدا ہو چلا بس خوف اپنا کام کر گیا۔

اب مستقبل رحمت کا ہے اور وہ لامتناہی ہے۔ ماضی کی طرف ایک سرسری نظر ڈال کر اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلِی کہہ لو اور رحمت لامتناہی کی طرف متوجہ ہو جاؤ۔ اپنا مشاہدہ چھوڑو، اب ان کی رحمت کا مشاہدہ کرو کہ لذیذ ہی لذیذ ہے۔ بغیر اس کے چاشنی پیدا نہیں ہو گی، محبت کی حلاوتیں نہ ملیں گی جب بھی ماضی کی طرف خوف کی نظر پڑ جائے استغفار کر لے۔ اے اللہ معاف کر دیجئے اور آگے بڑھیے۔ جیسے ایک شخص ہے کہ بھٹکتا پھر رہا ہے۔ بھیانک جنگل ہے، اندھیری رات ہے، موذی جانوروں کا خوف ہے کہ دفعۃً بجلی چمکتی ہے اور وہ شاہراہ پر آ پہنچتا ہے تو اب اس کو اس وحشت ناک منظر کا سبق لے کر نہ بیٹھنا چاہئے۔ سرسری طور پر خیال کرے کہ کہاں سے نکل کر آئے ہیں۔ بڑے دردناک عذاب تھے وہاں۔ الحمد للہ اب شاہراہ پر آ گئے۔ بس اب اپنے کام میں لگے، شکر ادا کرے اور سفر طے کرے۔ اس طرح صراط مستقیم کی لذت اور حلاوت ملے گی۔

جب تک یہ زعم باطل کہ میں کچھ جانتا ہوں نہ ٹوٹ جائے باطن کی راہ نہیں کھلتی۔ کوئی یہ سمجھادے کہ تمہیں کچھ نہیں آتا جب یہ سند مل جائے گی' رہبری ہو جائے گی۔

تابدینجا رسید دانش من
تا بدانم ہمیں کہ نادانم

بڑا حجاب اور بڑی رکاوٹ اس راہ میں پندار ہے اور اپنے کو کچھ سمجھنا ہے اور بڑا ذریعہ ترقی کا اپنے نقائص اور نااہلی کا استحضار ہے اس لئے کہ نہ عرفان کی کوئی انتہا ہے نہ فضائل کی۔

حاصل عمر بشر جہل کا عرفاں ہونا
عمر بھر عقل سے سیکھا کئے ناداں ہونا

سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ عالمگیر شہرت کے مالک 'عالم 'علامہ 'مورخ 'ادیب سب ہی کچھ تھے کہتے تھے کہ دس سال تک اس آرزو کو لے کر پھرا کہ ہندوستان کے کسی گوشہ میں کوئی مرد کامل مل جائے جو میری تصانیف تو دیکھے 'میری ''سیرت'' دیکھے 'تاریخ و ادب میں کاوشوں کی کوئی تو داد دے۔ کوئی اہل دل اہل نظر نہ ملتا تھا۔ لیکن کشش تھی تو تھانہ بھون کی طرف 'دل اسی طرف کھنچتا تھا' خواب میں دیکھتا تھا تو تھانہ بھون۔ سید صاحبؒ نے از خود رجوع کیا۔ آخر سب خیالات سے فارغ ہو کر پہنچ گئے حضرتؒ کی مجلس میں۔

دل پھر طواف کوئے ملامت کو جائے ہے
پندار کا صنم کدہ ویران کئے ہوئے

پہلی ہی ملاقات میں علامیت کا ظرف ٹوٹ گیا۔ وہ آئینہ جس میں اپنی ہی تصویر نظر آتی تھی پاش پاش ہو گیا اور خانقاہ میں سہ دری کے ستون کو پکڑ کر فرمایا کہ ''ساری عمر کے تجربے سے یہ معلوم ہوا کہ جن علوم پر ہم کو ناز تھا وہ سب جہل ہے علوم تو یہ بڑے

میاں لئے بیٹھے ہیں۔" بس گریہ طاری ہو گیا۔ اسی وقت دل ٹوٹ گیا' دفعۃً رخ بدل گیا 'ذوق بدل گیا اپنے کو اتنا مٹایا ایسا فنا کیا کہ سارے عالم کو معلوم ہو گیا کہ حضرتؒ سے تعلق ہے۔ حضرتؒ کے ادنی خادم رحم علی کی جوتیاں اٹھائے پھرتے تھے۔ دوستوں کے ہندوستان میں خطوط آئے کہ یہ تم نے کیا کیا چاہئے تو یہ تھا کہ مولانا تھانویؒ تم سے رجوع ہوتے تم الٹے ان سے بیعت ہو گئے۔ فرمایا کہ بھائی میرے جن کمالات کے آپ قائل ہیں انہیں کمالات نے وہاں لے جا کر جھکا دیا۔ میں نے اپنا قبلہ درست کر لیا تم بھی درست کر لو۔

گرچہ بدنامی ست نزد عاقلاں
مانمی خواہیم ننگ و نام را"

قابل ترک صحبت

جاہ پرست پیروں کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا: "جس کی صحبت میں اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ یاد نہ آئے' اپنی حالت مستحضر نہ ہو' اپنی گندگی نظر نہ آئے' غیر مقصود میں انہماک بڑھ جائے او حب جاہ میں ترقی ہو ایسی صحبت خود قابل ترک ہے ورنہ اس پہاڑ کی بلندی سے فائدہ بتادو کیا ہو گا۔ اگر اس میں یہ صفت ہے کہ میری زندگی میں صحیح تغیر پیدا کر دے تو ایک بات ہے۔ میں جس آزار میں مبتلا ہوں اس کا ازالہ ہو جائے' اپنی پستیاں اور عیوب نظر آنے لگیں۔ اگر ان شعبدوں سے ایسا ہو جائے تو کچھ بات ہے اور جو خود ہمالیہ پہاڑ بنا ہوا اپنی بلندیوں میں مستغرق ہو وہ پستیوں کی طرف کیا التفات کرے گا۔"

ترقی دنیا کی حقیقت

ایک محفل میں دنیا کی ترقی کا تذکرہ ہو رہا تھا تو ڈاکٹر صاحب نے یہ شعر پڑھا اور سب کو اپنی طرف متوجہ کر لیا۔

سب کچھ ہے تری انجمن ناز میں لیکن
کوئی جو نہیں نالہ بلبل کچھ بھی نہیں ہے

پھر فرمایا: ''بندہ لاکھ ترقی کر جائے' مالک کی فرمانبرداری اگر نہیں ہے تو سب ہیچ ہے۔ عنداللہ اس کی کوئی قیمت نہیں بلکہ عذاب کا سبب ہے۔اور ایک عجیب راز ہے کہ جو کچھ اس عالم میں ہے سب انسان کے لئے پیدا کیا گیا ہے۔ سب قوتیں اس کو عطا کی گئیں مگر دو ازلی دشمن نفس و شیطان بھی اس کے ساتھ بھیج دیئے گئے عقل دیدی گئی' دو راستے بتادیئے گئے' طاقتیں دیدیں' تسخیر کا حوصلہ دے دیا' اب کرو صرف اپنی اپنی طاقتوں کو۔ دیکھنا یہ ہے کہ اللہ کے لئے کرتے ہو یا نفس و شیطان کے لے۔

انسان تو مظہر ہے عالم کائنات کا۔ اور یہ ترقیاں جو کچھ آپ دیکھ رہے ہیں سب اس کی قوتوں کا مظاہرہ ہے۔ یہ تو روز ازل سے ہی تمام قوتوں کو لے کر چلا تھا۔ جب ان قوتوں کو بڑھالیتا ہے تو ہوا' آگ اور پانی سب کو قابو میں لے آتا ہے اور اپنے ذوق کے مطابق ان عناصر سے کام لیتا ہے۔

پہاڑوں پر جانے کی' چاند پر پہنچنے کی' سمندروں کی گہرائیوں میں اتر جانے کی اللہ تعالیٰ نے اس کو قوت دی ہے ورنہ اس کی مجال نہ تھی کہ یہ کام کر سکے۔ عالم اسباب میں ادراک اللہ میاں ہی تو دیتے ہیں۔ دراصل یہ سب اللہ تعالیٰ ہی کی قدرت کے کرشمے اور نشانیاں ہیں انسان سے ایسے ایسے کام کروائے گئے اب بھی انکار کرو گے؟ سو مالک سے باغی ہوتے ہوئے یہ ترقیاں وجہ کمال نہیں ہو سکتیں اور یوں تو یہ عالم اسباب کا علم حاصل کرلے' ان کو جمع کرلے' کافر ہو یا مسلم ترقی کرے گا۔ قوتیں اس کے پاس پہلے سے موجود ہیں جس طرح چاہے ان چیزوں کو کام میں لے آئے۔ اصل چیز یہ ہے کہ اپنی بندگی کا استحضار رہے۔ اور پھر حکم ہو رہا ہے کہ مانگو ہم سے مدد' کہو اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَ اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ۔ کمال تو یہی ہے کہ قوت کا احساس ہو اور نشہ نہ ہو' اپنے اختیار کا مشاہدہ ہو اور اس کو مالک کے سامنے ضعیف سمجھتا رہے۔ قوت متخیلہ اور متصرفہ دی گئیں پھر حکم ہوا

جھکو ہمارے آ گے۔

یہ سب ہنگامہ آرائی اسی طرف سے ہے۔وہ جس زمانے میں جہاں چاہتے ہیں ان قوتوں کا مظاہرہ کر دیتے ہیں۔ایک زمانہ تھا کہ انسان مصوری میں کمال حاصل کئے ہوئے تھے۔مگر ہمارے لئے کمال مصوری اور کمال عکاسی یہ ہے کہ حضور ﷺ کا کامل اتباع ہو جائے۔دین اور دنیا کی ترقیاں سب اسی میں مضمر ہیں اور پھر تم ایمان سلامت لے جاؤ یہ سب میں بڑا ہنر ہے۔ساری ترقیاں اس کے آگے گرد ہیں۔"

تعلق مع اللہ، تعلق مع الخلق

فرمایا: "ایک مرتبہ عید کی نماز کے لئے سب اعزہ کو لے کر ہم چلے۔راستہ میں ایک جاننے والا ہندو آیا اور کہنے لگا کہ میرے لڑکے کی طبیعت بہت خراب ہے آپ ضرور چلیں۔میں نے کہا اب نماز کا وقت قریب ہے، عید کی نماز کے بعد دیکھ لوں گا۔اس نے کہا ابھی چلو اس کی طبیعت زیادہ خراب ہے۔خیر ہم نے سب کو کہا کہ آپ چلیں میں آتا ہوں۔ اس کافر کے گھر پہنچا تو اس کے لڑکے کو واقعی تکلیف تھی۔دوا تجویز کر دی اور میں نے اس سے بڑی تسلی سے باتیں کیں جس سے بہت اطمینان ہوا حالانکہ اندر ہی اندر دل نماز کی طرف لگا ہوا تھا لیکن اس کو ظاہر ہونے نہیں دیا۔اس کے بعد آئے تو ابھی نماز کی تیاری تھی۔الحمد للہ نماز مل گئی۔وہ کام بھی ہو گیا تو عید کی نماز بھی واجب ہے اور اس کا علاج کرنا بھی واجب تھا۔"

نیک عمل صرف وہی ہے جس سے رضائے الٰہی مقصود ہو

فرمایا: "یہ بات کسی کتاب میں نہ ملے گی کہ آدمی جب تبلیغ کرنے لگے تو پہلے اپنے نفس کو تبلیغ کرے۔اس سے ایک باب کھل جائے گا۔جو بات دوسرے سے کہنی ہو پہلے اپنے نفس کو کہے۔پھر فرمایا اِنَّ صَلَاتِیْ وَ نُسُکِیْ سے معلوم ہوا کہ صرف عبادت ہی نہیں بلکہ مَحْیَایَ وَ مَمَاتِیْ دکھ سکھ، راحت و رنج، پریشانی و خوش حالی سب اللہ تعالی

ہی کے لئے ہے۔ رجسٹری شدہ ہیں کہ یہ سب اللہ تعالیٰ ہی کی ہوں گی اور جو لوگ اس کے قائل ہیں ان کے لئے دونوں ایک ہی بات ہے۔ یہ سب اللہ والوں کے پاس بیٹھنے سے حاصل ہوتی ہے۔"

رخت سفر

فرمایا: "جس وقت ہم لوگ ہجرت کر کے آنے لگے تو صرف حضرتؒ کی کتابیں ' کچھ مختصر سامان لے لیا' باقی سب وہیں چھوڑ دیا۔ عین کچھ دیر چلنے سے پہلے تمام سامان ' الماریوں اور ٹرنک بکس وغیرہ پر نظر ڈالی 'اس کے بعد آنکھ بند کر لی تو معلوم ہوا سب غائب ہیں 'ایک بھی نہیں پھر کھولی تو وہی سب چیزیں موجود 'اس کے بعد پھر آنکھ بند کیں تو سب ندارد 'پھر ہم نے کہا کہ اسی طرح ایک دن نظر بند کر کے ہم کو جانا ہے 'پھر تمام معاملہ ختم۔ بس یہ کہہ کر چل پڑے۔"

رسول اللہ ﷺ کی مدح سے عقل قاصر ہے

فرمایا: "کسی ذات گرامی کی صفات و کمالات ظاہر و باطن سے بذات خود اچھی طرح واقفیت ہو ' محبت کا تعلق ہو اور پھر ان کمالات سے دوسرں کو مطلع کرتا ہو 'اس اظہار کے لئے خواہ نثر ہو یا نظم 'پھر جس قدر بھی ارفع و اعلیٰ 'لطیف و نازک تشبیہات عالم کائنات میں موجود ہیں 'خواہ اپنے مشاہدہ و علم میں 'خواہ اپنے تخیلات و تصورات میں ' خواہ محبت آمیز جذبات میں 'ان سب کی اعانت سے اپنے ممدوح کے اوصاف و محاسن کی، عظمت و رفعت کی وضاحت کی جائے 'تو ممکن ہے کہ مخاطب کے ذہن میں اس ہستی برگزیدہ کی کوئی تصویر سامنے آسکے۔ لیکن ممدوح کے کمالات و جمالات ان تشبیہات سے کہیں بالاتر ہوں 'جہاں قدرت اظہار ناکارہ ہو 'جہاں اندازہ و قیاس حیران و ششدر ہوں تو وہاں کس طرح اپنے ممدوح کی مدح و ثناء کی جائے 'میری سمجھ میں نہیں آتا۔

لا یمکن الثناء کما کان حقه
بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر
(اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَبَارِکْ وَسَلِّمْ)"

حسن خاتمہ کے آثار اور اسباب

حسن خاتمہ پر گفتگو کے سلسلہ میں فرمایا: "حسن خاتمہ بڑی اہم چیز ہے۔ اس کے آثار اگر معلوم ہو تو شکر ادا کرے جیسے شام کا دھندلکا ہو، جنگل ہو، آبادی معلوم نہ ہو کہ کہاں ہے اور ایک مسافر ہے کہ ابھی منزل پر نہیں پہنچ پایا مگر دور سے اسے ایک روشنی نظر آئی، تسکین تو ہوئی کہ آبادی قریب ہے۔ اسی طرح حسن خاتمہ کی علامات اگر نظر آنے لگیں تو تسکین تو ہوتی ہے اور منجملہ علامات کے یہ بھی ہے کہ سیدھے راستہ پر ہیں، رجحان نیکی کی طرف ہے، فرائض و واجبات بھی ادا ہو ہی رہے ہیں، بزرگوں کی صحبتیں بھی ہیں، حسن خاتمہ کی تمنا اور خواہش بھی ہے، اللہ میاں سے حسن ظن بھی ہے، دل میں بغاوت اور طغیان بھی نہیں، نفس و شیطان کے قبضہ میں بھی معلوم نہیں ہوتے، معصیت کی طرف تقاضائے شدید اور رجحان قوی بھی نہیں۔ جب یہاں یہ چیزیں عطا فرمادیں اپنی رضا کی، توقع رکھئے کہ آخرت میں اللہ تعالیٰ کرم ہی فرمائیں گے۔ آمین۔

دولت اور جائیداد کا منشاء جو کچھ ہے وہ فراغت قلب ہے سو الحمد للہ فراغت قلب ہم کو حاصل ہے۔ اگر فراغت قلب میسر نہ ہوتی تو ذکر اللہ کے لئے یہاں کیسے جمع ہو جاتے۔ کثرت ذکر اللہ اور صحبت اہل اللہ بڑی نعمت ہے۔ اندازہ نہیں ہوتا صبح سے شام تک جانے کتنی نعمتیں کھا چکے ہیں۔ اس سے ہڈی، خون وغیرہ سب ہی کچھ بنے گا مگر اس وقت کچھ احساس نہیں ہو رہا۔ اسی طرح روح کی غذا ذکر اللہ ہے۔ ذکر اللہ سے یہ توانا ہوتی ہے۔ اگرچہ اس وقت اس کا احساس نہ ہو لیکن جب روح جسم ناتواں سے نکلے گی

انشاءاللہ بڑی قوی ہو کر نکلے گی۔

دوسرے (یہ کہ) اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں جلیس ہوتا ہوں ایسی مجلس کا جس میں میرا ذکر ہو۔ اس پیہم مجالست سے بھی روح کو تقویت پہنچتی رہتی ہے۔ پس جب یہ روح جسم سے مفارقت کرے گی تو جن کی مجالست سے انس حاصل کر چکی ہے انہیں سے وابستہ ہو جائے گی۔ الحمدللہ منجملہ علامات کے ایک یہ بھی علامت ہے حسن خاتمہ کی۔"

حسن خاتمہ، فعل اختیاری ضرور ہے مگر ڈرنے کی ایک وجہ ہے

فرمایا: "آج کل کے دروازوں پر رنگ و روغن (Bleaching) اور وارنش ہو رہی ہے میرا ذہن اس سے حسن خاتمہ کی طرف منتقل ہوا۔ ایک بات جس کو ہم پچاس عنوان سے سوچ چکے ہیں یہ ہے کہ حسن خاتمہ اختیاری ہے یا غیر اختیاری؟ یقیناً اختیاری ہے۔ کیونکہ ہم ایمان اور عمل صالح کے ہی مکلّف ہیں اور اسی پر مدار ہے حسن خاتمہ کا۔ خود اللہ تعالیٰ اس کا امر کر رہے ہیں: وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُسْلِمُوْنَ اور نہ موت آئے تم کو مگر کامل اسلام کے ساتھ اور ہر مامور بہ فعل اختیاری ہے پھر ڈر کیوں ہے؟

اس وقت الحمدللہ ہم سب مسلمان ہیں۔ دل پر توحید کا رنگ غالب ہے۔ اب ڈرنے والی چیز جو ہے وہ یہ کہ خدانخواستہ کوئی عمل ہم سے ہی بااختیار خود ایسا سرزد نہ ہو جائے جس سے یہ سب رنگ اڑ جائے۔

جس طرح دروازوں پر کبھی پالش ہوئی تھی مگر بے احتیاطی نے، غفلت نے، وقت کے استبداد نے، موسموں کے تغیر و تبدل نے، ہوا نے، دھوپ نے، بارش نے سب رنگ و پالش ختم کر دیا۔ لکڑی لوہا نکل آیا۔ برے معلوم ہونے لگے۔ اسی طرح ہم نے بھی ایمان و اعمال صالحہ سے، توحید و اتباع رسول سے دل کو منور اور مجلّا کیا، تقویٰ و طہارت کا رنگ و روغن چڑھایا۔ اس دل پر بھی مختلف احوال گزرتے ہیں۔ کبھی بہار ہے، کبھی خزاں، جلدی جلدی تغیرات ہوتے رہتے ہیں۔ کس موسم میں اور کن حالات میں نہ

جانے کیسے فسق و فجور کے چھینٹے پڑ جائیں کہ یہ رنگ و روغن اڑ جائے۔ معلوم نہیں ہمارے پاس یہ سرمایہ کس قدر مستحکم ہے' خدا جانے کس چیز کی تیز شعاعیں اس پر پڑ جائیں اور یہ ان کو باختیار خود جذب کرے اور مالک کی نظروں سے گر جائیں۔

الحمدللہ ایک تسکین کی چیز سمجھ میں آئی کہ سالک قبض وبسط سے گزرتا رہتا ہے' نفس وشیطان ساتھ لگے ہوئے ہیں۔ شدت بسط میں اگر انبساط غالب آ گیا تو ناز کا خطرہ ہے اور شدت قبض میں اگر مایوسی چھا گئی تو یاس کا خوف ہے۔ لہذا دنیا سے اگر ناز کے عالم میں جا رہے ہیں تب بھی برا اور یاس کی کیفیت میں جا رہے ہیں تب بھی مضر۔ بس سالک محتاج ہوا شیخ کامل کا' بسط و قبض میں اعتدال کے لئے شیخ کی توجہ کی ضرورت ہوتی ہے۔ جس پر دونوں حالتیں شیخ کے سامنے گزر گئیں اس کو اندیشہ نہیں' قبض وبسط کے اثرات تو شیخ کے بعد بھی مرتب ہوں گے۔ مگر یاس انگیز اور ناز پرور نہ ہوں گے۔

اور عافیت ہمارے شیخ کے مسلک میں ہے۔ حضرت والا مجدد ہیں اس فن کے۔ ہمیں بچا لیا قبض وبسط کی شدتوں سے۔ مجاہدات اور ریاضتوں کو حذف کر دیا۔ ارے بھائی عامیانہ زندگی بسر کرو۔ مقصود کو دیکھ لو کہ کیا ہے۔ چلے کھینچ کر' ریاضتیں کر کے بہک جاؤ گے' کیفیات کا تحمل نہ کر پاؤ گے' کوئی راستہ بتلانے والا کامل شیخ نہ ملے گا اور بھٹک جاؤ گے۔

ہمارے حضرت والا نے محفوظ کر دیا ان گھاٹیوں سے جہاں شدید قبض وبسط طاری ہوتے ہیں' تمہاری خانقاہ تمہارا گھر ہے' مسجد ہے' تمہارے تعلقات ہیں۔ بازار ہے' تمہارے معاملات ہیں۔ احکامات ہر حالت کے لئے ہیں۔ شریعت نے ہر حالت سے تعرض کیا ہے۔ ہر مقام پر شریعت کا حکم ملے گا۔ بس تعمیل حکم کو مقصود سمجھتے رہو۔ کرتے رہو اور آگے بڑھتے رہو۔ اللہ اللہ خیر صلا۔ فرمانبرداری پر شکر بجا لاؤ۔ ناگواری پیش آئے صبر کر لو اور کوتاہی ہو جائے تو اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلِی کہو اور آگے بڑھو۔ ریاضات اور مجاہدات سے اپنی زندگی کو خصوصیت کا رنگ دے کر کیوں عجب میں گرفتار ہوتے ہو۔ بس عامیانہ زندگی بسر کرو۔ ایک عامی آدمی پر کیا قبض وبسط طاری ہوں گے۔

طاری تو ہوں گی یہ کیفیتیں مگر نہ اتنی شدید کہ حالت کو الٹ پلٹ کر دیں اور یہ قبض و بسط بھی اگر شیخ کے دامن میں گزر جائیں تو پھر نہ قبض پر اندیشہ اور نہ بسط پر۔ بلکہ یہی قبض و بسط ہیبت اور انس ہو جائے گا۔ بایں ہمہ حسن خاتمہ پر اطمینان کلی نصیب نہیں ہو سکتا۔ ادھیڑ بن تو مرتے دم تک رہے گی۔ ؎

بہت عنوان سوچے اور بہت خاکے بنا ڈالے
مرتب ہو سکا لیکن نہ اب تک دل کا افسانہ

ایمان کی امانت کو لے کر حضور میں پہنچ جائیں پھر اطمینان ہی اطمینان ؎

ایمان چو سلامت بلب گور بریم
احسنت بریں چستی و چالاکی ما"

حسن خاتمہ کی فکر میں لرزاں ترساں رہنے کی وجہ

فرمایا: "حسن خاتمہ تمام دینی امور کا حاصل ہے ' مدتوں ایک اشکال رہا۔ خیال ہوتا تھا کہ حسن خاتمہ کونسی مشکل بات ہے۔ لاَ اِلٰہَ اِلاَّ اللّٰہ کی ہم تکرار کرتے ہیں۔ اس پر ان شاء اللہ ہم قائم رہیں گے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ہم تمہارے گمان کے ساتھ ہیں ہم گمان بھی رحمت و مغفرت کا رکھتے ہیں۔ معاصی گناہ اور غفلتوں سے توبہ استغفار بھی کرتے ہیں۔ جب ان امور پر عمل پیرا ہیں تو پھر ڈر کس بات کا؟ پھر یہ ہمارے بزرگ لرزاں و ترساں کیوں رہتے ہیں؟

کبھی سمجھ میں نہ آیا مگر الحمدللہ آج حقیقت سمجھ میں آرہی ہے کہ حالت بدل جانے کا خوف ہر وقت اور ہر مقام پر ہے۔ وہ چیزیں سالک کی دشمن ہیں۔ نفس و شیطان۔ کچھ معلوم نہیں کہ چلتے چلتے عمر کے کس حصہ میں وسوسہ ڈال دے اور نہ جانے کس عنوان سے سمجھا دے کہ میاں تمہارے پلے کیا ہے؟ کورے ہی جا رہے ہو۔ دعائیں مانگتے ہو ناکافی ہوتی ہیں۔ کتنی دعائیں قبول ہوئیں؟ ارے کہاں جا پھنسے ان بزرگ کے پاس'

بزرگوں سے شکایت میں مبتلا کر دے گا۔ آپ چلے جارہے ہیں اور یہ جیب کاٹتا چلا جارہا ہے۔ سارے سرمایہ پر ہاتھ صاف کر دیتا ہے اور گھن کی طرح لگ جاتا ہے۔ جب دشمن موجود ہے اور حالت بدل جانے کا خوف ہر مقام پر ہے تو پھر ناز کس بات کا اور اطمینان کیسا؟

دوسرے یہ کہ ثمرات باطن آہستہ آہستہ مرتب ہوتے ہیں۔ سالک کو سب کیفیتیں شروع ہی سے کچھ نہ کچھ کسی نہ کسی درجہ میں ملتی ہیں مگر غلبہ اپنے اپنے موقعوں پر کبھی خوف کا ہوتا ہے، کبھی رجاء کا، کبھی خشیت کا اور یہ سب مقامات راستہ چلتے ہی سے طے ہوتے ہیں۔ جب سالک نے قدم اٹھایا اور مقامات طے کر رہا ہے لیکن ہر مقام کا منظر جداگانہ ہے۔ خشیت کسی نہ کسی درجہ میں ہوتی تو ہے ہر مقام پر مگر جب منزل قریب آتی ہے ایمان کی دولت کا احساس شدید ہو جاتا ہے تو خشیت اور زیادہ بڑھ جاتی ہے۔

علم کے درجہ میں تو ہم سب میں خشیت موجود ہے مگر ان بزرگوں جیسی نہیں۔ یعنی ہم اس مقام پر نہیں پہنچے۔ وہ مقام آیا نہیں۔ جب آئے گا تھر تھرانے لگو گے اور یہ بزرگ مقام خشیت تک پہنچے ہوئے ہیں اس لئے ایسی دعائیں کرتے ہیں۔ مبتدی کے قدم چل تو رہے ہیں اسی طرف لیکن ابھی اس مقام کے آثار مرتب نہیں ہوئے۔ وہ مقام دور ہے۔

جو لوگ لرزاں ترساں رہتے ہیں حسن خاتمہ کی فکر میں انہوں نے قدم رکھ دیئے ہیں خشیت کے اس مقام میں، خشیت کے جذبے پوری طرح ابھرنے لگے ہیں۔ اس مقام کی خاصیت ہی یہ ہے کہ خشیت پیدا ہو جائے۔ حالانکہ ان بزرگوں کے پاس ساری چیزیں موجود ہیں ۔طہارت، توبہ، استغفار، علم دین، معارف و حقائق، عمل، نفس وشیطان کے مکائد سے واقفیت، کیا چیز رہ گئی جو ان کے پاس نہیں۔ بڑے بڑے صوفی اور تعلق مع اللہ والے ہیں مگر خشیت کا یہ عالم کہ تھر تھرا رہے ہیں۔ دراصل یہ لوگ منزل قرب کے قریب آگئے (قربت الٰہی سے انہیں اللہ تعالیٰ کی لامتناہی صفات کا

عرفان ہونے لگتا ہے اور اپنی کوتاہیوں کا شدت سے احساس ہوتا ہے) اسی وجہ سے لرزاں ترساں ہیں ؎

اک خلش سی ہوتی ہے محسوس رگ جاں کے قریب
آن پہنچے ہیں شاید منزل جاناں کے قریب"

خاتمہ بالخیر کی نوید

فرمایا: "جو اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہتے ہیں ، حضرت (حکیم الامت ؒ) نے فرمایا کہ مرتے وقت ان کی دنیا کی جائز محبتیں بھی سلب کر کے حق تعالیٰ اپنی محبت میں ان کو موت نصیب فرماتے ہیں اور نص میں ہے کہ ان کے لئے مغفرت اور اجر کبیر ہے۔"

متفرقات

اتباع کے اہتمام و تکرار ہی سے حب رسول حاصل ہو گی

فرمایا: ''حیوۃ المسلمین کے باب ہشتم کے متعلق حضرتؒ نے بار بار فرمایا کہ اس کا مطالعہ رکھیں خصوصی طور پر اس میں نفع ہو گا' ضرور ہو گا۔ عبدیت کا حاصل ہے۔ میں نے مطالعہ کیا تو اس میں عام حدیثیں تھیں۔ حیران تھا کہ حضرتؒ نے کس وجہ سے تاکید فرمائی ہے۔''

فرمایا: ''ہمارا پاور ہاؤس مدینہ منورہ میں موجود ہے اس پاور ہاؤس سے بجلی کے تار کی طرح دو تار لگالو 'گرم تار (Positive) تو ہم میں موجود ہے ٹھنڈی (Negative) تم ادھر سے جوڑ دو۔ مگر جوڑو تو سہی پھر دیکھو کیا ہوتا ہے۔ پھر ہر چیز روشن ہو جائے گی اور اتباع سنت ہر لمحہ زندگی میں ان شاء اللہ نصیب ہو جائے گی۔''

محبت رسول اللہ ﷺ کی کرامت

فرمایا: ''ایک نوجوان صحابی تھے وہ نابینا ہو گئے تھے 'حضور ﷺ نے ان کی گردن پر سینگی لگوائی تو اچھے ہو گئے۔ ایک بوڑھے صحابی تھے ان کی بینائی کم ہو گئی تھی تو انہوں نے بھی کہا کہ مجھے سینگی لگادو گردن پر۔ ان سے کہا گیا کہ آپ کمزور ہیں وہ نوجوانی میں لگایا کرتے ہیں تو بوڑھے صحابی نے فرمایا کہ حضور ﷺ نے یوں ہی علاج کیا تھا۔ تم لگادو چنانچہ سینگی لگائی تو وہ اور بھی بالکل نابینا ہو گئے اور اس پر انہوں نے فرمایا کہ یہ تو میری تقدیر تھی ورنہ حضور ﷺ کے علاج میں کوئی ایسی بات نہیں ہو سکتی' وہ بالکل درست ہے۔ اس کے بعد پھر وہ ایک دم بینا ہو گئے۔''

فرمایا: قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِی ۔ فَاتَّبِعُوْنِی تو پڑھ لیا۔ مطلب یہ ہے

کہ ہر لمحہ زندگی میں حضور ﷺ کی اتباع ہو اور شیخ کی اتباع بھی اسی زمرہ کی شاخ ہے۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ قرآن مجید آہستہ پڑھتے تھے (فرماتے تھے کہ میں اپنے رب کو سناتا ہوں) حضرت عمر رضی اللہ عنہ زور سے پڑھتے تھے (فرماتے تھے کہ میں شیطان کو بھگاتا ہوں) حضور ﷺ نے فرمایا تم (حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ) ذرا بلند آواز سے پڑھو اور تم (حضرت عمر رضی اللہ عنہ) ذرا آہستہ پڑھو' دونوں کے مقاصد اہم تھے۔ مگر اتبعونی کی مہر لگ گئی اور برکت ہو گئی۔ اور یحببکم اللہ کے مصداق ہو گئے اور محبت حق ہو گئی۔ غرض شرط یہی ہے کہ ہر کام میں 'ذکر میں' معاملہ میں' معاشرت میں' آنکھ 'کان' ناک' دل و دماغ کے استعمال میں ہر جگہ اتبعونی ہو پھر محبت ہو گی۔"

اتباع رسول ﷺ ہی سے محبت نصیب ہوتی ہے

فرمایا: اِتَّبِعُوْنِی یُحْبِبْکُمُ اللہ۔ تم حضور اکرم ﷺ کے آستانہ مبارک پر کھڑے ہو کر دیکھو کہ حضور ﷺ کا سونا' جاگنا' کھانا' پینا' آنا' جانا' نماز' روزہ' حج' زکوۃ وغیرہ غرض یہ کہ ہر حرکت کس طرح تھی' کیا حکم تھا۔ ہر حرکت میں اتباع کرو گے تو اللہ کی محبت مرتب ہو گی۔ جتنی زیادہ اتباع اتنی زیادہ محبت نصیب ہو گی۔ پھر فرمایا شیخ بھی طالب کو تیار کر کے آستانہ نبوی ﷺ پر لا کھڑا کر دیتا ہے کہ اب تمہارا کام ہے انہیں دیکھ دیکھ کر کام کرتے جاؤ' استنجا سے لے کر اعلیٰ عمل نماز تک حضور ﷺ کی اتباع کرو۔"

معاملات اور معاشرت کی اصلاح پر توجہ

ایک سلسلہ گفتگو میں ارشاد فرمایا: کہ "پہلے مقصود کو سمجھ لو اچھی طرح سے کہ کیا ہے؟ مقصود یہ ہے کہ حقوق اللہ اور حقوق العباد ادا ہو جائیں۔ کیف سے 'بے کیفی سے'

خوف سے ' محبت سے ' وساوس و خطرات سے ' بیدلی سے ' شرما حضوری سے کسی طرح ادا ہو جائیں۔ جس طرح بعض مرتبہ حقوق اللہ کی ادائیگی میں دل نہیں لگتا مگر ادا کرتے ہیں اسی طرح حقوق العباد کو بھی دل چاہے نہ چاہے ادا کرتے رہو۔ نماز میں وساوس و خطرات آتے ہیں تو پوچھا جاتا ہے کہ کس طرح ان کو دور کیا جائے ' کیسے حضوری حاصل ہو؟ مگر حقوق العباد کی ادائیگی میں کبھی نہیں پوچھتے۔ کیا اسمیں وساوس نہیں آتے؟ کیا نفس و شیطان اس وقت چھوڑ دیتے ہیں؟ جب نماز پڑھتے ہو تو درجہ احسان حاصل کرنا چاہتے ہو مگر جب معاملہ کرتے ہو تب بھی اللہ میاں نظر آتے ہیں یا نہیں؟

عجیب بات ہے جو انوار کی جگہ ہے وہاں وساوس کی شکایت اور ظلمت کدہ میں شکایت نہیں۔ ارے جہاں گندگی ہے وہاں کیوں وساوس کا تذکرہ نہیں کرتے؟ معاملات اور معاشرت میں جو گندگیاں ہیں ' فاسد خیالات ہیں ' بری نیتیں اور ناپاک ارادے ہیں ان پر کیوں نظر نہیں جاتی اور نماز میں تو آپ سرکار دو عالم ﷺ کی ہیئت سے کھڑے ہوتے ہو۔ یہاں کیا شکایت! یہ ہیئت تو خود مانع ہو رہی ہے منکرات سے۔

جب یقین کے ساتھ سمجھ لیا کہ مقصود صرف فرائض و واجبات کی ادائیگی ہے اور فرائض و واجبات جس طرح عبادات میں ہیں اسی طرح معاملات اور معاشرت میں بھی ہیں تو پھر کیسی ہی حالت ہو ' طبیعت میں غصہ ہو ' کڑھن ہو ' گرانی ہو حق واجب ادا کر دیا جائے مقصود حاصل ہے۔"

فکر خود

ایک صاحب کی اخباری اور سیاسی گفتگو پر جو بہت دیر سے مسلمانوں کی بے راہ روی کی شکایتیں کر رہے تھے سن کر حضرت نے فرمایا: "یہ دور یونہی رہے گا ' حوادثات اور انقلابات آتے رہیں گے لیکن کسی پہلو سکون نہیں ملے گا۔ سکون اگر ملے گا تو حضور ﷺ

کے دامن میں ؎

ہیچ کنجے بے ددوبے دام نیست
جز بخلوت گاہ حق آرام نیست

حضور ﷺ کے دامن میں ہزاروں رحمتیں ہیں، ہم نے اسی رحمت کے دامن کو تو چھوڑ دیا، اسی وجہ سے پراگندہ ہیں۔ یہ سب ہمارے ہی کرتوتوں کی نحوست ہے۔ ورنہ اسلاف نے اس دامن میں پناہ لے کر سب کچھ کر کے دکھلادیا کہ حکومت اور سیاست کس کو کہتے ہیں۔ اب کون بدلے گا اس نظام عالم کو؟ کوئی بدل سکتا ہے؟ قرب قیامت ہے۔ اپنے ایمان کی خیر منائیں ؎

ایمان چوں سلامت بلب گور بریم
احسنت بریں چستی و چالاکی ما

بھائی جو چیز ہیبت ناک ہے اس سے بچو، طرز معاشرت بدلو، جس جس کام کے ہم فی الحال مکلّف ہیں وہ تو کرلیں، اپنے اندر تغیر تو پیدا کرلیں، بس ہمارے لئے اور آپ کے لئے یہ ایک کام ہے کہ اپنی طرف دیکھیں، شکوے شکایت میں مبتلا ہونے سے ہمیں کچھ نہیں ملے گا ؎

بیکار ہیں سب قصے کیوں انکی طرف دیکھو
ان سب کی حقیقت کیا تم اپنی طرف دیکھو

موحد کا ادراک اور حیات طیبہ

دنیا کے مفکرین اور فلاسفہ کا تذکرہ تھا کہ ڈاکٹر صاحب نے اس شعر سے سلسلہ گفتگو شروع کیا ؎

یتیمے کہ ناکردہ قراں درست
کتب خانہ چند ملت بہ شست

الحمد للہ ہم کو حضور ﷺ کے امتی ہونے کا شرف حاصل ہے۔اس زمانہ میں ‘اس دور میں ایمان کی دولت مل جانا‘ حضور ﷺ کا امتی ہونا اور اعمال صالحہ کی توفیق ہو جانا ایک ایسی دولت ہے کہ تمام عالم امکان اس کے آگے ہیچ ہے۔

موحد کی خصوصیت یہ ہے چاہے وہ جاہل و فاسق ہو ‘اللہ کی قدرت میں کسی کو شریک نہیں کر سکتا۔ کسی سے پوچھ لو۔ایک بزرگ نے بارگاہ الٰہی میں درخواست کی کہ مجھے اپنا محبوب ترین بندہ بتلا دیجئے۔ارشاد ہوا کہ فلاں شخص سے ملو اور پوچھو کہ کیا سوئی کے ناکہ سے اونٹ نکل سکتا ہے؟ چنانچہ انہوں نے پوچھا۔اس شخص نے جواب دیا کہ میرا مالک چاہے تو پہاڑ نکال دے ‘آپ اونٹ کو لئے پھرتے ہیں۔یہ ادراک ہے لا الہ الا اللہ کہنے والے کا۔

لا الہ الا اللہ بذات خود ایک نور ہے۔اس کلمہ کے کہنے سے تمام عالم امکان منور ہو جاتا ہے۔یہ اقرار کی دولت مسلمان کے علاوہ کسی کو نہیں دی گئی۔اس کلمہ سے تعلق خاص پیدا ہوتا ہے۔اس کے بعد درمیان میں کوئی چیز نہیں رہ جاتی۔اس کی قدر کرنا چاہئے ‘اور شکر ادا کرنا چاہئے۔اور شکر کے معنی یہ ہیں کہ کلمہ توحید کو اپنی تمام زندگی کے اعمال میں اس طرح ڈھال لیا جائے کہ حضور ﷺ کا اتباع ہو جائے۔

جب تک اس کلمہ کی تکرار جاری ہے سمجھو خوش نصیبی ہے ‘اور یہ جاری نہیں ہو سکتا جب تک فضل خاص نہ ہو۔اوامر و نواہی میں کوتاہی اگر ہو جائے استغفار کر لو یہ بھی عمل صالح ہے۔ بعض مرتبہ خیال ہوتا ہے خدا جانے مرنے کے بعد کیا ہو مگر جب مومن کو بشارتیں دیدی گئیں اب ہراس اور ناامیدی کی کوئی وجہ نہیں۔دیکھ لو کلمہ کی تکرار زبان سے تصدیق قلبی کے ساتھ ہو رہی ہے یا نہیں۔جب ہو رہی ہے بے فکر ہو جاؤ اور اپنے کام میں لگے رہو۔اب کاہے کا خلجان! شیطان اگر وسوسہ ڈالے کہ سیاہ کاریوں میں زمانہ گزر گیا اب کس توقع پر چلے ہو آخرت میں ‘تو کہہ دو لا اله الا الله محمد رسول الله۔ کفر کا وسوسہ بھی اگر ڈالے تو پڑھو لا اله الا الله اور کہہ دو کہ الحمد

للہ مسلمان ہوں اور مسلمان دوزخ میں نہ جائے گا۔

ارے وعدوں پر وعدے ہیں 'بشارتیں ہیں 'ان کے وعدے سچے 'دوزخ سے کیا واسطہ مسلمان کو! ہم تو فرمانبردار رعیت ہیں 'نہ باغی ہیں نہ مجرم 'پھر دوزخ سے ہمیں کیا مطلب۔ دوزخ تو ابولہب کے لئے ہے 'کفار کے لئے بنائی گئی ہے۔ ہاں مسلمان ہو کر اگر نافرمانی کرو گے اور توبہ بھی نہ کرو گے تو تھوڑی دیر کے لئے چلے جاؤ گے دوزخ میں۔ جب ضالین کے دائرہ میں قدم رکھو گے ضرور ملوث ہو جاؤ گے۔ گرم دائرے میں قدم رکھو گے پگھل جاؤ گے 'سرد میں رکھو گے منجمد ہو جاؤ گے۔ گلزار ابراہیم موجود ہے اور وہ اسلام ہے۔ چاروں طرف آگ کے شعلے ہیں 'ظلم و تعدی 'بے حیائی اور بے غیرتی ہے۔ اب بھی وقت ہے اس گلزار میں آنے کا۔ اسی میں پناہ ہے 'جو اس گلزار میں ہیں چین میں ہیں اور انشاء اللہ مرنے کے بعد بھی چین ہی سے رہیں گے۔ لا الہ الا اللہ ...... کیوں بھائی بڑے مطمئن ہو ......! الحمدللّٰہ نماز پڑھ لی عصر کی اب مغرب کی پڑھیں گے۔ ڈر کاہے کا۔ ڈر تو ان کو ہے جو فسق و فجور کے دائرے میں ہیں۔ بس اپنی حالت موجودہ پر شکر ادا کرتا رہے اور کام میں لگا رہے اور کوتاہیوں پر استغفار کرتا رہے اور مایوس نہ ہو اور خوش رہے اور جب وقت آئے چلا جائے ؎

حریفاں ہلالے پرستی کنید
بنو شیدو جو شیدو مستی کنید"

مسلمان ہر وقت ڈیوٹی پر رہتا ہے

فرمایا: "میرے ایک عم زاد عبدالسلام امریکہ سے ہوائی جہاز سے واپس کراچی آرہے تھے۔ راستہ میں قاعدہ کے مطابق شراب آئی۔ اس جہاز کے اسٹیورڈ نے میرے بھائی کو بھی شراب پیش کی اور کہا کہ تم بھی پیو (ان کے برابر میں ایک انگریز بیٹھا تھا۔) میرے بھائی نے اس اسٹیورڈ سے کہا کہ میں مسلمان ہوں اس لئے میں

پیوں گا۔اس نے کہا کہ یہ بڑی طاقت کی چیز ہے اوراس میں بہت خوبیاں ہیں۔ بھائی نے کہا کہ اگر اتنی خوبیاں اس میں ہیں تو پہلے جہاز کے کپتان کو پلاؤ۔ وہ کہنے لگا کہ وہ ڈیوٹی پر ہے 'تو بھائی نے کہامیں بھی ڈیوٹی پر ہوں کیوں کہ مسلمان ہر وقت ڈیوٹی پر ہوتا ہے ' کوئی نہ کوئی عبادت اس کے ذمہ ہوتی ہے۔ برابر میں بیٹھے ہوئے انگریز نے کہا کہ تم نے بڑی کام کی بات بتلائی ہے میں اس بات کو سوچوں گا اس سے تو ایک بہت بڑا حکمت کا باب کھل گیا۔"

اپنی ذات سے کسی کو تکلیف نہ پہنچے

فرمایا:"دوسروں کو ایذا سے بچانے کا بہت خیال رکھیں۔اپنے سے کسی کو ایذا ہو تو یہ سوچا کریں کہ اگر اس کی بجائے میں ہوتا تو کیا کرتا۔لوگ عام طور پر دوسرے کی ایذا کا خیال نہیں کرتے۔اس لئے جو آدمی نمازیوں کی گردنیں پھلانگ کر آگے جائے گا اور ان کو ایذا دے گا اس کو جہنم کا پل بنادیا جائے گا۔اسی طرح کسی کے عین پیچھے کھڑے ہو کر نماز بھی نہ پڑھنا چاہئے۔ چنانچہ ایسا کام ہی نہ کرے کہ جس سے کسی کے دل پر بوجھ ہو جائے۔"

نظم کی اہمیت

فرمایا:"حضرت تھانویؒ کے ڈیسک میں مختلف تھیلیاں ہوتی تھیں 'کوئی تھیلی رقم زکوۃ کے مد کی 'کوئی تھیلی نفلی صدقات و خیرات کی ' کوئی تھیلی امانت کی وغیرہ وغیرہ۔اس سے شان نظم معلوم ہوتی ہے کہ ہر چیز اپنے مقام پر ہے جو روح ہے تربیت باطن کی۔"

وعدہ کا پاس رکھنا نوافل سے افضل ہے

فرمایا:"میں مغرب سے پہلے اگر کسی مریض سے وعدہ کرلیتا ہوں کہ نماز کے بعد

دیکھوں گا تو اوابین چھوڑ دیتا ہوں اور اگر وعدہ نہیں کرتا تو اوابین پڑھ کر آتا ہوں ' چاہے کتنی ہی دیر ہو جائے۔"

نیت کرنے سے توفیق عمل ہو جاتی ہے

فرمایا: "یہ نیت کر لینی چاہئے کہ میں احباب میں بیٹھا ہوں کام میں لگا ہوں جب فرصت ملے گی تو فوراً اللہ اللہ کر لوں گا پھر دو چار مرتبہ ہی سہی کرے ضرور 'اس طرح عادت بھی پڑ جائے گی۔"

آداب مجلس

فرمایا: "آداب مجلس پہلے تو لوگوں کو باقاعدہ سکھلائے جاتے تھے 'منجملہ ان آداب کے یہ ہے کہ میزبان جو خاطر مدارات کرتا ہے وہ محبت سے کرتا ہے لہذا کرنے دے۔"

انداز محبت

فرمایا: "ایک مرتبہ میں حضرت سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ کے مکان پر گیا تو دیکھا جہاں پہلے مختلف فوٹو لٹکے رہتے تھے یعنی گاندھی کا یا کسی کا اب وہ کمرہ ان سے یکسر خالی ہے۔ ایک سیدھا سادہ کمرہ ہے۔ ایک طرف ایک چارپائی پڑی ہوئی ہے۔ مجھ سے کہا کہ چارپائی پر لیٹ جاؤ۔ میں نے انکار کیا اور بار بار انکار کرتا رہا۔ اس کے بعد وہ اٹھ کر چلے گئے تو مجھے خیال آیا کہ ایسی برکت والی چارپائی اور بستر کب نصیب ہوگا 'تم نے خواہ مخواہ انکار کیا ' تو آہستہ سے جاکر میں لیٹ گیا۔ دیکھتا کیا ہوں کہ سید صاحب کواڑوں کی اوٹ سے جھانک کر دیکھ رہے ہیں۔ کتنی محبت معلوم ہوئی۔ پھر رات ہوئی تو فرمایا یہ پانی کا لوٹا ہے 'یہ مصلی ہے غرض سامان تہجد خود ہی کر دیا۔ مجھے بڑی شرم معلوم ہوئی 'میں نے کہا لائیے میں خود ہی کر لوں گا۔ فرمایا کہ تم میرے مہمان ہو مجھے کرنے دو۔ میں نے

عرض کیا ملازم سے کہہ دیا ہوتا۔ فرمایا تم میرے ملازم کے مہمان نہیں میرے مہمان ہو۔ یہ ہے دین 'ایسی فنائیت ہوئی کہ پہلے وہ اپنے خلاف ایک حرف لکھا ہوا دیکھنا نہیں چاہتے تھے لیکن ہمارے حضرت (حکیم الامت اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ) سے تعلق کے بعد بر سر مجلس تقریر میں سب کے سامنے رجوع کیا کہ اس مسئلہ میں 'میں نے غلطی کی 'فلاں غلطی کی۔ وہ صحیح اس طرح ہے 'اس پہلے قول سے میں رجوع کرتا ہوں۔ اس طرح بہت سی باتوں سے رجوع فرمالیا۔"

اسراف کی حقیقت ریا ہے

ڈاکٹر حفیظ اللہ صاحب کے مکان (قیام کے دوران کھانے کے وقت دستر خوان) پر بہت مختلف کھانے چنے ہوئے تھے اس وقت فرمایا: "اس کو اسراف نہیں کہا جا سکتا بلکہ یہ محبت کا اظہار ہے۔ اسراف وہ ہوتا ہے کہ جس میں خلوص و محبت نہ ہو بلکہ ریا ہو اور صرف بڑے بڑے لوگوں کو مدعو کیا گیا ہو۔ اگر عزیز واقارب اور پڑوسی دعوت کرے تو قبول کر لینی چاہئے 'انکار نہ کرنا چاہئے۔ اگر رسومات بالکل حرام ہو تو ان کو نرمی سے سمجھا دینا چاہئے اور جب تک بالکل خلاف شرع نہ ہوں شمولیت کا مضائقہ نہیں۔ کچھ ماحول کی رعایت بھی کرنی چاہئے۔"

سہولت و گنجائش کا معاملہ

فرمایا: "ایک مرتبہ ایک صاحب جو مجھ سے محبت کرتے تھے مجھے نکاح میں مدعو کیا۔ شرکت کرنے پر دیکھا کہ نوشہ کو سہرا باندھا گیا ہے۔ اس لئے میں نے عذر کر دیا۔ عین نکاح کے وقت پر پھر بلانے آگئے 'سر ہو گئے تو چلا گیا۔ وہاں بیٹھا تو ان کو لحاظ آیا اور سہرہ نوشہ کے چہرے سے ہٹا کر پیچھے کو کر دیا لہذا آج کل سہولت اور گنجائش کا معاملہ کرنا چاہئے بالکل سخت ہونا اچھا نہیں 'دین اتنا مشکل نہیں۔"

اہتمام ادائے حقوق سے توفیق ہو جاتی ہے

فرمایا: ”حق تعالیٰ جل شانہ، حقوق اللہ اور حقوق العباد کی ادائیگی کے لئے اور حفاظت حدود کے لئے خاص حالت، طاری فرما دیتے ہیں جس سے ہر حالت کا پورا حق ادا ہو جاتا ہے۔ مثال کے طور پر نماز کے وقت توجہ الی اللہ اور اسی طرح کی حالت بیوی، والدہ اور بہن کے حقوق کی ادائیگی کے وقت طاری فرما دیتے ہیں تاکہ ہر ایک کا حق ادا ہو سکے۔ جو مومن ان کی رضا کا متلاشی رہتا ہے حق تعالیٰ اس کو اپنی رضا کاملہ عطا فرماتے ہیں اور اپنی رضا پر ہی خاتمہ نصیب فرماتے ہیں۔“

رزق حلال

فرمایا: ”حلال روزی کے متعلق امام عبدالوہاب شعرانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حق تعالیٰ شانہ گوبر اور خون یعنی دو ناپاکیوں سے پاک چیز یعنی دودھ نکالتے ہیں۔ اس طرح جو حلال روزی کا طالب ہے حق تعالیٰ شانہ اس کو حلال اور پاک رزق ہی کھلائیں گے۔ انشاء اللہ۔“

حاصل کرنے کی چیز انسانیت ہے

فرمایا: ”ایک پیر صاحب نے مجھ سے ایک دفعہ پوچھا کہ تمہیں کچھ حاصل بھی ہوا، یا تمہیں معلوم ہے کیا حاصل کرنا ہے۔ میں اس وقت تو لاجواب ہو گیا اور سوچ میں پڑ گیا، پھر خیال کیا کہ حضرت تھانوی کو لکھوں گا مگر نہ لکھ سکا۔ سوتے وقت کروٹیں بدلتا رہا کچھ سمجھ میں نہیں آیا، آخر حق تعالیٰ نے حضرتؒ کی برکت سے القاء فرمایا کہ حاصل کرنے کی چیز ”انسانیت“ ہے، یہ ہے تو سب کچھ ہے، ورنہ کچھ نہیں، اسے بڑی خوشی ہوئی۔ یہ صاحب حضرت تھانویؒ کی کتابیں تو پڑھتے تھے، مگر تنقید بھی بہت کرتے، خلاف بھی تھے مگر حضرتؒ کی کتابیں ضرور پڑھتے تھے۔ خاتمہ کے قریب مجھے بلایا، اس

وقت ان کی آواز بند ہو گئی تھی۔ ایک پرچہ لکھوا کر رکھا تھا وہ مجھے دیا۔ اس میں لکھا تھا کہ میں اب تک بہت گستاخ تھا، غلطی کرتا تھا، اب مجھے معاف کر دو۔ پاؤں پکڑتے اور زار وزار روتے تھے۔ معافی کے لفظ سننے پر ان کی تسلی ہوئی۔ یہ واقعہ بیان کرنے کے بعد فرمایا کہ اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ حضرتؒ کی کتابوں کی کیا برکت تھی کہ آخری وقت تائب ہو ہی گئے۔

فرمایا: ''کسی بزرگ کا لڑکا آزاد وضع کا تھا۔ نیکر پہنتا تھا اور نصف آستین کی جرسی، میں نے کہا صاحبزادے یہ شریفانہ لباس نہیں تمہارے والد کیسے نیک تھے تم ان کے لڑکے ہو کر ایسے ہو۔ اس لڑکے نے کہا میں آپ کی کوئی بات نہ سنوں گا میرے والد آپ سے زیادہ بزرگ، عالم نیک، دراز عمر والے تھے۔ انہوں نے کبھی نہیں ٹوکا اس کا مطلب ہے ان کو یہ لباس ناپسند نہ تھا، میں نے کہا صاحبزادے اگر انہوں نے نہیں روکا تو مواخذہ ان سے بھی ہوگا اور تم سے بھی۔ مطلب اس واقعہ کو سنانے سے یہ تھا کہ اولاد کو ہر بات سمجھانا ضروری ہے (تاکہ اپنی ذمہ داری تو پوری ہو جائے)۔''

حقوق منصب

فرمایا: ''مسلمانوں کے لئے تین عبادت خانے ہیں (۱) گھر کا عبادت خانہ (۲) ملازمت، تجارت، کاروبار کا عبادت خانہ (۳) مسجد کا عبادت خانہ۔ تینوں عبادت خانوں میں۔ خلاف شریعت کوئی کام نہ کرے تو پھر عبادت ہی عبادت ہے، عمل صالحہ ہے۔ ان شاء اللہ ایمان کے ساتھ حیات طیبہ نصیب ہوتی جائے گی۔ اب اگر نماز کی عبادت میں کسی اور عبادت کا خیال آجائے تو اس سے نماز کے نور میں کمی نہ ہوگی، مانع خشوع نہ ہوگا یعنی گھر کا خیال، بچوں کا، تجارت وغیرہ کا خیال۔ ہاں معصیت کا خیال دانستہ نہ لاوے۔ صبح اٹھ کر اگر مسلمان نیت کر لے کہ اِنَّ صَلَاتِی وَ نُسُکِی وَ مَحْیَایَ وَ مَمَاتِی لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ۔ اس سے ان شاء اللہ دن بھر حق تعالیٰ شانہ کی حمایت حاصل ہوگی کہ نیت تو صحیح ہو گئی۔ اللہ تعالیٰ کی توفیق سے باقی کام بھی ٹھیک ہو جائیں گے۔''

اللہ تعالیٰ کی رحمت کا یقین رکھنا چاہئے

فرمایا: "جب اللہ تعالیٰ نے ہماری نالائقیوں کے باوجو ہم کو نوازا ہے تو کیا ان کی رحمت آخرت میں کرم فرمانہ ہوگی۔ ضرور کرم فرمائیں گے' اس لئے مایوسی کی کوئی بات نہیں ہے۔ ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کا یقین رکھنا چاہئے۔ البتہ اپنے اعمال کا جائزہ ہر روز لیتے رہنا چاہئے اور اپنی اصلاح کی مسلسل کوشش کرنی چاہیے۔"

سیرت کانفرنسوں کے لئے لمحہ فکریہ

فرمایا: "کافی عرصے سے ہمارے ملک میں سیرت کانفرنسیں اور سیرت طیبہ کے نام پر جلسے اور اجتماعات منعقد کرنے کا سلسلہ شروع ہوا ہے۔ خاص طور پر ربیع الاول کے مہینے میں ان کانفرنسوں اور اجتماعات کا زیادہ اہتمام کیا جاتا ہے اور ہر شہر اور قصبے میں گلی گلی یہ محفلیں منعقد ہوتی ہیں۔ کچھ عرصے سے سیرت طیبہ کے نام پر ان تقریبات کا اہتمام سرکاری پیمانے پر بھی ہونے لگا ہے' اس غرض کے لئے حکومت کی سطح پر جلسے' کانفرنسیں اور تقریبات منعقد کی جاتی ہیں اور بعض جگہ جلوس بھی نکالے جاتے ہیں۔

ان سیرت کانفرنسوں اور سیرت کے جلسوں' جلوسوں میں طرح طرح کی غلطیاں عام ہو چکی ہیں جو نہ صرف سیرت طیبہ کے مبارک مقصد کو حاصل کرنے میں رکاوٹ بنی ہوئی ہیں بلکہ ان کی موجودگی میں (اللہ بچائے) الٹے وبال کا اندیشہ ہے۔

(۱) سب سے پہلی غور طلب بات یہ ہے کہ ان کانفرنسوں کے منتظمین' مقررین مقالہ نگار حضرات اور سامعین میں سے کتنے حضرات ایسے ہوتے ہیں جو اس سچی نیت کے ساتھ ان اجتماعات میں جاتے ہوں کہ ان اجتماعات سے کوئی عملی سبق لے کر اس کے مطابق اپنی زندگی کو بدلنے کی کوشش کریں گے؟ کیا ان کانفرنسوں کے بار بار منعقد ہونے کے باوجود مذکورہ حضرات میں سے کسی نے بھی اپنی عملی زندگی' اپنی عادات و

اطوار، اپنے کردار و عمل، اپنے معمولات، اپنی سیرت و صورت، اپنے طرز معاشرت، لباس، پوشاک اور اپنی وضع قطع، غرض یہ کہ کسی بھی چیز میں سنت کے اتباع کے لئے کوئی تبدیلی پیدا کی؟

انتہائی افسوس ناک بات یہ ہے کہ ہم ان سوالات کے لئے جتنا اپنے گریبان میں منہ ڈالیں گے اتنا ہی ان سوالات کا جواب نفی میں ملے گا۔ اب ہمارے سوچنے کی بات یہ ہے کہ جن اجتماعات کے پیچھے اصلاح کا کوئی جذبہ، کوئی نیت ہی نہ ہو، اور اگر دل کے کسی دور دراز گوشے میں کوئی خفیف سا جذبہ ہو بھی تو اسے روبعمل لانے کی کوئی کوشش نہ ہو، وہ اجتماعات کیسے کوئی خوشگوار نتیجہ پیدا کر سکتے ہیں۔

اگر ہمارا اس بات پر ایمان ہے کہ سردار دو عالم رحمۃ للعالمین ﷺ کی سیرت طیبہ بنی نوع انسان کے لئے، شرافت انسانیت کا سب سے جامع، دلکش اور مکمل نمونہ ہے تو پھر ہماری سیرت کانفرنسوں کے بے اثر ہونے کی وجہ اس کے سوا نہیں ہو سکتی کہ ان کانفرنسوں کو منعقد کرتے وقت ہماری نیت، ہمارا مقصد، ہمارا جذبہ اور ہمارا طریق کار درست نہیں ہوتا۔ ہم یہ کانفرنسیں اس لئے منعقد نہیں کرتے کہ ان سے کوئی عملی سبق حاصل کریں اور ان کے ذریعے کوئی اصلاحی یا تبلیغی کام لیں، بلکہ ہم ان بددین قوموں کی تقلید میں شامل ہونا چاہتے ہیں جو اپنے مقدس پیشواؤں کے نام پر کچھ تہوار منا لینا ہی مذہبی شعائر سمجھتے ہیں۔ اگر یہ بات نہ ہوتی تو سرکار دو عالم ﷺ کی سیرت طیبہ جو زندگیوں میں انقلاب پیدا کرنے آئی تھی اور جس نے صدیوں تک یہ انقلاب پیدا کر کے دکھایا، آج اسی سیرت کے نام پر منعقد ہونے والی یہ زرق برق مجلسیں محض رسمی ہو کر نہ رہ جاتیں۔

(۲) ان کانفرنسوں اور جلسوں کے انتظام و اہتمام اور ان کی رسمی کاروائیوں کی تکمیل میں بسا اوقات نمازوں تک کا کوئی خیال نہیں رہتا، جماعت کا اہتمام تو درکنار، بعض اوقات انفرادی نمازیں بھی قضا ہو جاتی ہیں۔ اور جس کانفرنس میں نماز

جیسا دین کا اہم ستون منہدم کر دیا جائے 'اس کا سیرت و سنت سے کیا تعلق ہو سکتا ہے؟ اس پر کیسے اللہ کی رحمتیں نازل ہو سکتی ہیں ؟اور یہ کیسے ممکن ہے کہ ایسے اجتماع سے سرکار دو عالم ﷺ کی روح مبارک خوش ہو جائے؟

(۳) سیرت طیبہ کے مقدس نام پر منعقد ہونے والے ان اجتماعات میں بعض اوقات کھلے بندوں مردوں اور عوتوں کا اختلاط ہوتا ہے 'مردوں کے ساتھ عورتیں بھی ایک ہی اجتماع میں بے محابا' بے پردہ اور زینت و آرائش کے ساتھ 'بلکہ بعض وقت نیم عریاں لباس میں ملبوس ہو کر شریک ہوتی ہیں۔ غور کرنے کی بات یہ ہے کہ جس مجلس میں سرکار دو عالم ﷺ کے احکام ارشادات کی ایسی کھلی نافرمانی کی جارہی ہو' اور جس میں نامحرم مرد و عورت بے محابا سامنے آکر ایسے کھلے گناہ کبیرہ کا ارتکاب کررہے ہوں اس کو سیرت و سنت کے ساتھ منسوب کرنا' سیرت و سنت کے ساتھ غیر شعوری طور پر ہی سہی 'ایک مذاق نہیں تو اور کیا ہے؟

(۴) عام طور سے حکومتی سطح پر سیرت کی جو کانفرنس منعقد کی جاتی ہیں 'ان کے لئے جگہ ایسی منتخب کی جاتی ہے جہاں عام طور پر نہیں جاسکتے 'ان مقامات پر داخلہ صرف دعوت ناموں کے ذریعے ہوتا ہے 'اور یہ دعوت نامے بھی عموماً ''بڑے بڑے لوگوں ''کو جاری کئے جاتے ہیں 'حالانکہ سیرت و سنت کا پیغام کسی خاص طبقے کے ساتھ مخصوص ہونے کے بجائے تمام مسلمانوں کے لئے عام ہونا چاہئے۔

(۵) عموماً ایسی کانفرنسوں میں مقالات کے لئے موضوع ایسا انتخاب کیا جاتا ہے جس کا عملی زندگی سے کوئی تعلق نہیں ہوتا 'بلکہ وہ نری علمی نکتہ آفرینی کی حد تک محدود ہوتا ہے 'حالانکہ یہ ٹھیٹھ علمی نکتہ آفرینیاں بہت سے غیر مسلم مستشرقین بھی کرتے ہیں 'ایک مسلمان کے لئے سیرت طیبہ کوئی فلسفہ نہیں 'بلکہ ایک راہ عمل ہے 'اور اس میں بنیادی اہمیت اس راہ عمل پر چلنے کو حاصل ہے۔ لیکن سیرت کا یہ پیغام عموماً کسی کے حاشیہ خیال میں بھی نہیں ہوتا۔

(۶) اس قسم کی کانفرنسوں میں عموماً مقالہ نگاروں کو بھی دس دس منٹ کے مختصر وقت کا پابند بنادیا جاتا ہے۔ یہ بھی سیرت طیبہ کے ساتھ ایک رسمی خانہ پری ہے۔ ورنہ اس مختصر وقت میں کسی ایک شخص کو بھی سیرت و سنت کے بارے میں کوئی موثر یا نتیجہ خیز بات کہنے کا موقع نہیں مل سکتا۔ حالانکہ مقالہ نگاروں کی تعداد بڑھانے کے بجائے پیش نظر یہ ہونا چاہئے کہ جو بھی مقالہ پیش ہو یا جو بھی تقریر کی جائے وہ موجودہ وقت کے تقاضوں کے مطابق عملی طور پر موثر اور مفید ہو۔

(۷) ایک ستم یہ بھی ہے کہ ان اجتماعات میں شریک ہونے والے بہت سے حضرات اس مقدس موضوع کا بھی احترام نہیں کرتے جس کے لئے یہ اجتماع منعقد ہوا ہے۔ چنانچہ بسا اوقات مقررین اور سامعین اس مقدس اجتماع میں بھی غیر شرعی لباس پہن کر شریک ہوتے ہیں، اسٹیج کی وضع، کرسیوں کی ہیئت اور نشست کے انداز میں بھی سنت سے قریب ہونے کے بجائے دشمنان اسلام ہی کی نقالی کی جاتی ہے۔

(۸) سیرت طیبہ کے موضوع پر جو عوامی جلسے منعقد ہوتے ہیں ان میں اگرچہ مذکورہ بالا مفاسد کم ہوتے تھے لیکن اب ان جلسوں میں بھی یہ مفاسد بڑھتے جارہے ہیں، نمازوں کا نقصان، منتظمین اور مقررین کی غیر شرعی وضع و قطع، آرائش و زیبائش پر فضول اخراجات وغیرہ ان جلسوں میں بھی نمایاں ہو رہے ہیں۔

(۹) ان جلسوں میں کی جانے والی تقریروں کا انداز بھی اب ایسا ہو گیا ہے کہ ان سے سننے والوں کو عملی فائدہ حاصل ہونا مشکل ہوتا ہے۔ اکثر ان جلسوں میں فرقہ وارانہ بحثوں کو زیادہ اہمیت دی جاتی ہے۔ اور ان بحثوں کے دوران مخالف فرقوں پر طعن و تشنیع، بلکہ بعض اوقات دشنام طرازی بھی کی جاتی ہے، کبھی شخصیات کو موضوع بنا کر ان پر طنز و تعریض کے نشتر چلائے جاتے ہیں، اور زیادہ تر توجہ اس طرف رہتی ہے کہ تقریر زیادہ سے زیادہ دلچسپ، اور لچھے دار ہو، لیکن سامعین کو کوئی عملی پیغام دینے کی طرف توجہ نہیں ہوتی۔ بلکہ بعض دو دو تین تین گھنٹے کی تقریروں کا تجزیہ کیا جائے تو

سیرت طیبہ کا عنصر آٹے میں نمک سے زیادہ نہیں ہوتا۔

(۱۰) قیامت بالائے قیامت یہ ہے کہ سیرت نبوی ﷺ کے مبارک نام پر اب بڑے بڑے جلوس نکالے جاتے ہیں جن کے شور سے آگے مساجد کی اذانیں بھی پست ہو جاتی ہیں، مسجدیں خالی پڑی ہوتی ہیں اور سڑکوں پر ہنگامہ آرائی ہوتی ہے۔ جگہ جگہ خانہ کعبہ اور روضہ مبارک کی شبیہیں بنائی جاتی ہیں، اور ناواقف مرد اور عورتیں ان پر نذرانے پیش کرتے ہیں، منتیں مانتے ہیں، ان جاہلانہ رسموں کا نہ صرف یہ کہ دین سے کوئی تعلق نہیں بلکہ یہ تمام باتیں دین کو لہو و لعب کا ذریعہ بنانے کے مترادف ہیں، اور ان سے پرہیز کرنا اور کرانا انتہائی ضروری ہے۔

(۱۱) ماہ ربیع الاول کے دوران ریڈیو اور ٹیلی ویژن پر خلاف شریعت پروگرام نشر ہوتے رہتے ہیں، غضب بالائے غضب یہ کہ نوجوان عورتیں برہنہ سر، غیر شرعی لباس میں ملبوس بزعم خود بڑے جذبہ تقدس کے ساتھ حمد و نعت ترنم اور خوش گلوئی کے ساتھ سامعین کے سامنے بے محابا پیش کرتی ہیں اور بعض مرتبہ اس کے ساتھ ساز اور موسیقی کو بھی شامل کیا جاتا ہے، حالانکہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے صریح احکامات ان کے گناہ کبیرہ ہونے پر ناطق ہیں۔

(۱۲) یہ بھی مشاہدے میں آرہا ہے کہ سڑکوں پر ایک طرف تو سیرت نبوی ﷺ کے جلسے منعقد ہو رہے ہیں، اور دوسری طرف گرد و پیش کے مکانوں اور دوکانوں پر ریڈیو اور ٹیپ ریکارڈروں کے ذریعے راگ راگنی کے مختلف پروگرام بہ آواز بلند نشر کئے جارہے ہیں۔ یہ ہماری بے حسی نہیں تو اور کیا ہے؟

یہ ہماری ان سنگین بدعنوانیوں میں سے چند کی ایک مختصر فہرست ہے جن کا ہم آج کل سیرت النبی ﷺ کے مقدس نام پر کھلے بندوں ارتکاب کر رہے ہیں۔ خدا کے لئے ہم اپنی جانوں پر رحم کر کے ان مفاسد کے سدباب میں لگ جائیں، ورنہ خدا جانے سیرت طیبہ کی یہ بے حرمتی ہمیں تباہی کے کس غار میں لے جائے گی۔

اس معاملہ میں کچھ باتیں تو حکومت کے کرنے کی ہیں' حکومت اپنے اقتدار اور اختیارات سے منکرات' فواحشات کو روک سکتی ہے' اور سب سے زیادہ ذمہ داری علماء، صلحاء کی ہے' وہ ایسے طریقے تبلیغ و اصلاح کے اختیار کریں جو تقاضائے وقت کے لحاظ سے موثر ہوں اور پھر بہی خواہان قوم و ملت مسلمانوں کی تمدنی و معاشرتی زندگی کی اصلاح کے لئے اپنی تقریروں اور تحریروں سے کام لیں اور سیرت کانفرنسیں مسلمانوں میں شعور دینی بیدار ہوتا رہے۔ اس میں شک نہیں کہ مسلمانوں کی بیداری کے لئے مختلف جماعتوں اور صحافت کے ذریعہ سے دین کی اشاعت کا کام ہو رہا ہے مگر وہ اس قدر محدود اور غیر موثر ہے کہ خاطر خواہ نفع نہیں معلوم ہوتا۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ اس دور حاضر کا سب سے خطرناک فتنہ نشر و اشاعت کے آلات ہیں۔ ریڈیو' ٹیلی ویژن کے حیا سوز و فحش لٹریچر کی اشاعت ملک و قوم کی اخلاقی و تمدنی زندگی برباد کر رہے ہیں' ان کا انسداد بہت اہم ہے۔"

فرمایا: "ایک صاحب ریٹائرڈ ڈپٹی کلکٹر ہندوستان سے آئے۔ ایک دن فرمانے لگے کہ "ڈاکٹر صاحب آج میں تہیہ کر کے آیا ہوں کہ جو کچھ آپ کہہ دیں گے وہی کروں گا۔ حضرت تھانویؒ نے کتابوں میں لکھا ہے جب تک دنیا ترک نہیں کرو گے اللہ تعالیٰ نہیں مل سکتے۔ آپ جانتے ہیں کہ میں ناز و نعمت میں پلا ہوں۔ اچھے سے اچھے کھانے کھائے ہیں۔ اچھی طرح رہتا سہتا ہوں۔ اگر شریعت کا مقصود یہ ہے کہ ان سب کو چھوڑ کر مصلی اور دری لے کر مسجد کے حجرہ میں جا پڑوں تو میں اس کے واسطے بھی تیار ہو کر آیا ہوں۔ مجھے تو بس تعلق مع اللہ کی ضرورت ہے' اس کا متلاشی اور متفکر ہوں۔"" میں نے کہا دنیا کی چیزوں کی جب آپ کے دل میں اتنی بے وقعتی ہے کہ چھوڑنے کے واسطے تیار ہیں اور حق تعالیٰ شانہ سے تعلق چاہتے ہیں تو کون سی چیز ہے جو آپ سے یہ چھڑا رہی ہے؛ بس یہ تعلق مع اللہ ہی تو ہے۔ میں آپ کو یقین دلاتا ہوں' اگر کہیں تو قسم کھا سکتا ہوں کہ آپ کو تعلق مع اللہ حاصل ہے بس جیسے رہتے ہیں رہیں اور طاعات میں لگے رہیں

بہت کچھ حاصل ہے۔"

ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا: "محض ظاہری بزرگی اور نکات تصوف سمجھ لینے یا بیان کر لینے سے حاصل کچھ نہیں جب تک کہ ایمان اور اعمال شریعت کے مطابق شامل حال نہ ہوں۔ ایمان اور اعمال شریعت کی توفیق ہو تو سب کچھ ہے' خواہ دقائق و حقائق کی خبر نہ ہو ورنہ سب بے کار ہے۔"

فرمایا: "ایک مرتبہ یہ نیت کرلی تھی کہ جب میں جایا کروں تو استغفار کرتا جاؤں اور مطب سے آتے وقت درود شریف پڑھا کرونگا تو مدت تک یہی معمول رہا۔ اب بھی بارہا خود بہ خود یہ ورد شروع ہو جاتا ہے۔"

فرمایا: "شیخ سے تعلق ذاتی ہونا چاہئے محض رسمی اور تکلف کا نہیں۔ اس سے محبت پیدا ہوتی ہے۔ اسی طرح حق تعالی سے تعلق بھی ذاتی ہونا چاہئے۔ ذکر اللہ میں یہی شان ہے۔ ذکر سے اللہ تعالیٰ سے محبت پیدا ہوتی ہے۔ ارشاد باری تعالی ہے" وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ" ذکر اسم ذات یعنی اللہ مراد ہے اور اس کے بعد اللہ تعالی کی سب سے بڑی صفت "رب" کا لفظ اللہ کے نام کے ساتھ آیا ہے۔"

فرمایا: "ایک صاحب نے حضرت (حکیم الامتؒ) کو لکھا کہ میرے دو مکان ہیں' ایک میں بیوی بچے رہتے ہیں اور دوسرا مکان بالکل خالی ہے۔ جس مکان میں بیوی بچے رہتے ہیں اس میں نماز پڑھنے سے دلجمعی نہیں رہتی اور جو مکان خالی ہے اس میں سکون ملتا ہے' لیکن اس مکان میں رہنے سے بیوی کہتی ہے کہ مجھ کو اکیلے میں ڈر لگتا ہے' تو میں کس مکان میں نماز پڑھوں' حضرتؒ نے فرمایا کہ بیوی بچوں والے مکان میں پڑھا کرو خواہ دل لگے یا نہ لگے۔"

فرمایا: "ایک بزرگ کا واقعہ ہے کہ ان کو یہ خبر دی گئی کہ تم دوزخی ہو تو وہ اور زیادہ عبادت میں لگ گئے' اس پر ان کے ملازم نے کہا کہ جب تم کو معلوم ہو گیا کہ تم دوزخی ہو' تو زیادہ عبادت کیوں کر رہے ہو' وہ کہنے لگے کہ اور کوئی ہے بھی تو نہیں کہ جس کی

عبادت کروں ' وہ جو چاہیں کریں میں تو ان ہی کی مانوں گا' ان ہی کی عبادت کروں گا۔ اس کے بعد حکم ہوا کہ وہ جنتی ہیں۔''

فرمایا: ''ہمارے حضرتؒ کے ایک صاحب مجاز میرے پاس تشریف لائے اور فرمایا کہ بہت وساوس آتے ہیں' میں نے عرض کیا حضرت رات بھر آپ دل کی جلاء (تزکیہ) کرتے ہیں اور اوراد و وظائف' تہجد و نوافل سے' اور دن کو بازار آجاتے ہیں' ریسٹورنٹ میں چائے پیتے ہیں وغیرہ تو اس کا انعکاس ان وساوس کی صورت میں ہوگا۔ مثلاً اگر آئینہ کو سڑک کے کنارے پر رکھ دیں تو اس میں آنے جانے والوں کا عکس پڑے گا۔ اس میں آئینہ کا کیا قصور یہ تو عکس ہے۔ حضرت آپ اس طرح نہ بازار جایا کریں۔ وساوس جاتے رہیں گے۔ یہ میں نے از خود عرض کردیا۔ لیکن امید یہی ہے کہ اگر حضرت تھانویؒ سے میں کہتا تو آپ بھی اس کا یہی جواب عنایت فرماتے یا اس سے بھی اچھا کوئی جواب دیتے۔''

فرمایا: ''میری ایک عزیزہ ہیں' انہوں نے ایک مرتبہ کہا کہ ہم کو دوزخ سے بہت ڈر لگتا ہے۔ رات کو نیند نہیں آتی۔ ہم نے کہا کہ دیکھو یہ حکومت نے جیل خانے کس کے لئے بنائے ہیں؟ یہ سب ہمارے تمہارے لئے بنائے ہیں۔ کہنے لگیں کہ ہم کو حکومت جیل کیوں بھیجے گی' ہم تھوڑا ہی جیل میں جائیں گے۔ ہم نے کہا کہ بس اس طرح دوزخ بھی ہمارے تمہارے لئے نہیں ہے' اس میں تو بدمعاشوں کی طرح کفار جائیں گے۔''

فرمایا: ''خدمت کا مطلب مخدومیت نہیں بلکہ خادمیت ہے اور بعض مرتبہ شیخ محض حسن ظن کی بناء پر متوسلین کو خلافت دے دیتے ہیں کہ وہ خادم بن جائیں گے خلافت ملنے کے بعد بھی وہ ڈرتا رہے اور اپنے شیخ سے محبت رکھے تاکہ شیخ کو بھی اس سے تعلق رہے اور اس تعلق شیخ کا اظہار اس کے مرنے کے بعد ہی ہوتا ہے۔ سو اگر واقعی شیخ سے محبت تھی تو وہ مقبول ہو جاتا ہے ورنہ رسوا ہو جاتا ہے اور تعلق صرف اتنا

بھی کافی ہے کہ حیات میں دعا کے لئے لکھ دیا کرے۔ اس سلسلہ میں داخل ہونا اور ہدایت مل جانا بڑی نعمت ہے۔ اس کے بعد رضائے الٰہی نصیب ہو ہی جاتی ہے۔ مزید فرمایا کہ اسی مقصد کے حصول کے لئے میں نے حضرتؒ کے انتقال کے بعد حضرت خواجہ عزیز الحسن صاحب مجذوب رحمۃ اللہ علیہ سے اور ان کے بعد حضرت مولانا عبدالغنی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے خط و کتابت رکھی۔"

فرمایا: "خلافت کوئی عہدہ اور منصب نہیں کہ کوئی فخر اور بڑائی کی چیز ہو، بس اصل دیکھنا تو یہ ہے کہ کون مخلوق کا خیر خواہ ہے، کون مخلوق کی خدمت کرتا ہے، خدمت کے لئے حریص ہے، بس اصل منشاء خلافت کا یہی ہے۔"

اَللّٰھُمَّ اجْعَلْنِی فِی عَیْنِی صَغِیْرًا وَّ فِی اَعْیُنِ النَّاسِ کَبِیْرًا کے سلسلہ میں فرمایا: "کبیرا کی درخواست اس واسطے ہے کہ اس بندہ کا تعلق آپ سے ہو گیا ہے اور جس بندہ کو آپ سے نسبت ہو گئی اس کو لوگ ذلیل نہ سمجھیں اور اللہ تعالیٰ سے اپنی آنکھوں اور نظروں میں کبیرا نہیں، صغیرا کی درخواست ساتھ ہی کر دی ہے۔"

فرمایا: "رسمی خانقاہوں نے اوراد و وظائف سے پاور ہاؤس تو بنا لئے مگر اس طاقت کا استعمال عقائد، عبادات، معاشرت، معاملات اور اصلاح باطن میں نہیں کرتے۔ خالی طاقت لئے پھریں اس سے کیا ہو گا، طاقت زائل ہو جائے گی، جس طرح پورا آم یا سیب فوراً کھایا جائے تو ٹھیک ہے ورنہ ادھورا چھوڑ دینے سے بقیہ گل سڑ جاتا ہے۔ اسی طرح اوراد و وظائف پر تکیہ کر کے باطن کو ادھورا چھوڑ دینے سے صوفی میں عجب، تکبر، خود پسندی پیدا ہو جاتی ہے جس سے اس قلب کے گل سڑ جانے کا اندیشہ رہتا ہے۔ اوراد و وظائف سے پیدا شدہ قلبی قوت کے لئے اصل کام یہ ہے کہ اس طاقت کو اخلاق کی اصلاح، معاملات کی درستگی، عقائد کی پختگی اور عبادات کی درستگی میں صرف کیا جائے، پھر برکت پیدا ہوتی ہے اور اصل کام بنتا رہتا ہے۔ ہمارے حضرتؒ نے ہی سکھایا کہ ہر لمحہ زندگی کو دین کے سانچے میں ڈھالو۔"

فرمایا: ''اعمال صالحہ کے صدور کے لئے اور معاصی سے اجتناب میں معین اعظم و معین مجرب عزم بالجزم ہے۔ ماضی کی کوتاہوں پر استغفار' زمانہ حال میں صبر و شکر اور مستقبل میں حفاظت کے واسطے دعا اور حق تعالیٰ کی مدد اور پناہ مانگنا یہی باطنی اعمال ہیں اور بڑے وزن والے اعمال ہیں۔ ان میں سے استغفار' پناہ اور صبر کا تعلق زندگی کے ساتھ ہے اور شکر کا تعلق خالصۃً آخرت کے ساتھ ہے۔ جب گناہ کے محرکات سامنے آئیں تب پتہ چلتا ہے کہ گناہ سے بچنا ہے یا نہیں' مجاہدہ کرنا ہے یا نہیں۔ اس طرح جب نیکی کے محرکات آئیں تو نیکی کا پتہ چلتا ہے۔ خاص طور پر اس کا اظہار باطنی امور جیسے صبر، شکر، خشیت' محبت' صدق واخلاص وغیرہ میں ہوتا ہے۔''

عملاً صالحاً کی تشریح کرتے ہوئے فرمایا: ''عمل صالحہ وہ ہے جس سے حق تعالیٰ شانہ راضی ہوں۔ ندامت بڑی چیز ہے۔ حاصل عبدیت ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام نوازے گئے تو بعد ندامت ہی کے' اور خلافت بھی دی گئی۔ ندامت کبھی عطا ہوتی ہے خطا پر۔ ندامت سے قرب حق نصیب ہوتا ہے۔''

فرمایا: ''حضرت والا (حکیم الامتؒ) فرمایا کرتے تھے کہ کسی سے بیعت ہونا ضروری نہیں' بس جو بات معلوم نہ ہو اور وہ تمہارے نزدیک قابل دریافت ہے تو پوچھ لیا کرو۔ آج کل یہ تصور ہے کہ کسی بزرگ سے بیعت ہونا کافی ہے۔ یہ خیال ہی غلط ہے۔ اصل اصلاح حال اور رہبری مقصود ہے۔ اصلاح کی فکر ہو تو اصلاح ہر جگہ ہو سکتی ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ کی رضا چاہئے تو اس سے توفیق رضا طلب کرو اور اپنے گناہوں پر استغفار کرتے رہو۔ وہ اپنے مانگنے والے کو محروم نہیں رکھا کرتے۔ ہر مسلمان کو اللہ تعالیٰ نے پوری میراث دے دی ہے۔ اس میراث سے پورا فائدہ اٹھانا چاہئے۔ جنہوں نے اس نعمت کی قدر کی' اس سے فائدہ اٹھایا' وہ صدیق' فاروق' قطب' ابدال' غوث بن گئے۔ یہ تو تجارت ہے۔ تم بھی کوشش کرو' تم بھی بن جاؤ گے ہر ایک جدا جدا اپنے اپنے کام میں لگے ہوئے ہیں' جیسے کوئی' کوئی پیشہ کر رہا ہے' کوئی لوہار' کوئی بڑھئی' کوئی تعمیر کا کام

کرتا ہے۔ لیکن اگر اللہ تعالیٰ کی محبت ہے تو اللہ تعالیٰ کے نزدیک جوتی گانٹھنے والا' جو خدا سے غافل نہیں ہے وزیر سے اچھا ہے۔ اگر ایک عالم کا قلب خراب ہے تو اس سے وہ جاہل' جو اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے' اچھا ہے۔ علماء کا فرض ہے' تم جاکر پوچھو تو وہ بتائیں گے۔ مختلف دکانیں ہوتی ہیں' مختلف سامان ہوتا ہے' دکاندار سے جو مانگو گے وہ مل جائے گا۔ بزرگی کچھ نہیں اصل اعمال ہیں۔"

فرمایا: "اصلاح باطن نہایت اہم ہے' اوراد و وظائف اتنے اہم نہیں' گو اپنی جگہ بہت کام اور نفع کی چیز ہے' مگر اصلاح باطن بہت ہی ضروری ہے۔ عقائد' عبادات' معاملات' معاشرت اور اخلاقیات ان پانچ اجزا کا نام دین ہے اور یہ سب فرض ہیں۔"

فرمایا: "میں نے حضرتؒ کو خط لکھا کہ حضرت تربیت سالک کا مطالعہ کرتا ہوں' بعض حالات بہت ارفع ہوتے ہیں' ندامت اپنی حالت پر ہوتی ہے اور بعض حالات ایسے ہوتے ہیں کہ الحمد للہ! اپنے حالات کو بھی اس کے مطابق پاتا ہوں۔ حضرت نے جواب تحریر فرمایا کہ "مجھ کو اطلاع کی پھر بھی ضرورت ہے۔"

فرمایا: "دو باتیں بڑی اچھی ہیں ایک فکر اور دوسری فہم اور دو چیزیں بڑی خراب ہیں ایک بدفہمی دوسری بے فکری' لیکن بدفہمی کا علاج سہل ہے اور بے فکری کا مشکل ہے۔ مزید فرمایا کہ شکر ہر قسم کے خزانے آئندہ کے لئے حاصل کرنے کی کنجی ہے۔ جو نعمت زیادہ لینا چاہو اس کا شکر ادا کر لیا کرو اور ہر نعمت ضروری ہے اس لئے ہر نعمت کا شکر ہی کرتا رہے۔ پھر فرمایا آدمی کو اپنے نفس کی فکر ہونی چاہئے ہر وقت اس کی نگہبانی کرے اب یہ شبہ کہ تبلیغ کیسے ہوگی تو موقع آجائے تو وہ بھی کردے لیکن پھر اپنی طرف متوجہ ہو جائے اور اس کی فکر میں لگ جائے۔"

فرمایا: "صبر و شکر کو سمجھو کہ یہ تمام رذائل کے دفعیہ پر محیط ہیں۔ صبر کا خاصہ یہ ہے کہ جو باتیں نفس کے اقتضاء کے مطابق ہوں لیکن شرع کے خلاف ہوں تو ان سے نفس کو روکے رکھنا ہے اور شکر اعمال حسنہ میں ہے یعنی گناہ ہو جائے تو توبہ کر لینا بھی

شکر میں آجاتا ہے۔ یہ تصور کرنا کہ میں شکر سے عاجز ہوں ‘ادا نہیں کر سکتا اور حسنات اختیار کرنا اور سیئات ہو جائے تو توبہ کرلینا یہ شکر ہے ‘اس کی ہر نعمت کو اس کی رضا میں خرچ کرنا شکر ہے ایک صحابی کا واقعہ ہے کہ انہوں نے حضور ﷺ کو ایک دن کھانے پر مدعو کیا۔ جب آپ ﷺ ان کے ہاں تشریف لے گئے تو ان صحابی کو دیکھ کر فرمایا کہ وہ دوزخی ہیں۔ یہ سن کر ان صحابی نے عرض کیا کہ ”یارسول اللہ ﷺ آپ کھانا تو کھائیں جو کچھ ہونا ہے وہ ہوگا ‘ آپ ملول خاطر نہ ہوں“ جب انہوں نے کھانا سامنے لا کر رکھا تو آپ مسکرائے اور فرمایا کہ ”حکم الٰہی آیا ہے کہ تم جنتی ہو“ او کما قال۔“

فرمایا: ”یہاں پر چند لحات گزر گئے ‘معلوم نہیں کون سا لمحہ کام آجائے۔ یہ نسبتیں کام آنے والی ہیں وہاں کا یہ عالم ہوگا کہ آدمی سے آدمی ملے گا تو کہے گا کہ تم کو میں نے دنیا میں پانی پلایا تھا وہاں تو کوئی بدلہ نہیں لیا اب اگر ہو سکے تو سفارش کردو۔“

فرمایا: حضرتؒ کی خدمت میں ایک صاحب کا خط آیا۔ جس میں بہت اچھی باتیں لکھی تھیں اس میں یہ بھی لکھا تھا کہ ”اسباب سے نظر ہٹ کر مسبب الاسباب پر ہو گئی ہے۔ حق تعالیٰ کی رحمت ہے کہ ہر چیز بلا اسباب مل جاتی ہے۔ الحمد للہ بہت بہت شکر ہے۔ ”حضرتؒ نے فرمایا یہ خط لے جاؤ اور خانقاہوں میں اور جواب لکھواؤ دیکھیں کیا لکھتے ہیں۔ اکثر اس کی حالت نہایت بہتر لکھیں گے اور بس۔ پھر فرمایا میں نے یہ لکھا ہے کہ ”ماشاء اللہ حالت رفیع ہے بہت اچھی ہے مقام شکر ہے کہ مسبب الاسباب پر نظر ہو گئی ہے مگر اس سے بھی ارفع ایک اور مقام ہے کہ اسباب کو اختیار کر کے مسبب الاسباب پر توکل کریں“ اور یہی مسلک ہے انبیاء علیہم السلام کا ‘ پھر فرمایا کہ یہ حالت بڑی خطرناک ہے کہ ایسا آدمی سمجھتا ہے کہ ہر چیز میری مرضی کے مطابق ہو رہی ہے اور ہو گی۔ اسی طرح مرتے وقت بھی سمجھے گا اور خطرہ ہے عجب پر خاتمہ کا کہ میں ایسا ایسا ہوں حق تعالیٰ کی رحمت پر نظر نہ ہو گی ‘اور یہ حالت انبیاء علیہم السلام کو بھی نصیب نہیں ہوئی۔ وہ بھی اپنے آپ کو حق تعالیٰ کی رحمت کے محتاج سمجھتے رہے۔ اگر زندگی میں یہ حالت سلب

ہو گئی اور مانگنے پر بھی چیزیں نہ ملیں تو یہ شخص اپنے آپ کو مقبول کی جگہ مردود سمجھے گا اسی سے یاس ہوگا اور وہ کفر ہے تو اندیشہ کفر پر خاتمہ کا ہو گا۔"

فرمایا: "جس طرح جنات ایک مخلوق ہے وہ ہم سے متعلق نہیں۔ اسی طرح یہ غوث، قطب، ابدال، اوتاد، وغیرہ سے بھی عوام الناس کو کوئی تعلق نہیں۔ وہ انتظام عالم کا سی، آئی، ڈی کا سا الگ محکمہ ہے۔ ہم کو قطب الاقطاب کی ضرورت نہیں بلکہ قطب الارشاد کی ضرورت ہے۔ سی آئی ڈی کا کتنا بڑا افسر ہو اور ایک چاہے معمولی کلکٹر ہو تو سی آئی ڈی کے اعلیٰ افسر سے کیا نفع، کلکٹر سے البتہ انتظام و مملکت کی ضروریات اور قانون کے خلاف ظلم یا حق وغیرہ کی درخواست کر سکتے ہیں۔ لوگ خواہ مخواہ ان کی تلاش میں رہتے ہیں وہ انتظامی لوگ ہیں۔ ان سے مل کر تم کو کوئی فائدہ نہیں پہنچے گا اور نہ ان کی دعا کی مقبولیت پر نص (وحی) آئی ہے کہ ان کی دعا ضرور ہی قبول ہو گی۔ ایک مرتبہ حضرت مولانا تھانویؒ کے برابر میں ایک شخص آکر بیٹھا اور کان میں باتیں کرنے لگا اور چل دیا۔ حضرت خواجہ عزیز الحسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے پوچھا کہ حضرت یہ کون تھے ۔ فرمایا کہ قطب تھے، خواجہ صاحبؒ دوڑے گئے اور سلام کیا مصافحہ کیا اور دعا کے لئے کہا تو انہوں نے کہا کہ میں خود ان سے دعا کروانے آیا ہوں دعا تو وہ قطب الارشاد ہی کریں گے، وہی کافی ہیں۔"

چند اہم ارشادات

فرمایا: "دوسروں کے سامنے یہ کہنا کہ ہم گنہ گار ہیں بہت برا ہے۔ بھائی جس کا گناہ کیا اس کے سامنے گریہ وزاری کے ساتھ توجہ کر کے پاک وصاف ہو جانا اپنے اختیار میں ہے تو پھر گنہگاری کا سبق رٹنے سے کیا فائدہ، بس آئندہ کے لئے گناہوں سے بچتے رہو البتہ اگر حقوق العباد کا معاملہ ہو تو انکو پورا کر دو۔ اور معاف کرالو۔"

فرمایا: "ندامت کے ساتھ استغفار کرنے کے بعد اس کی قبولیت میں شک و شبہ کرنا

بڑی غلط بات ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ وہ سچی توبہ کو قبول فرماتے ہیں۔"

فرمایا "استغفار سے ایمان میں قوت و ترقی ہوتی ہے اور احساس عبدیت پیدا ہوتا ہے البتہ استغفار کرتے وقت اپنی بے مائیگی' عاجزی اور شکستگی کا احساس کرو تاکہ خالص عبدیت پیدا ہو اور یہی حاصل زندگی' کلید کامیابی اور راز معرفت ہے۔"

فرمایا: "اللہ تعالیٰ کی بے شمار ظاہری و باطنی نعمتوں کو سوچو اور ان پر اللہ کا شکر ادا کرو ظاہر ہے کہ حق شکر کسی سے ادا ہو ہی نہیں سکتا۔ اس لئے صرف اپنی کوتاہی عمل پر ہی نہیں بلکہ کوتاہی شکر پر بھی استغفار کرو۔ اسی طرح ہر توفیق عمل خیر پر شکر بجالاؤ اور نقص عمل پر استغفار کرتے رہو۔ یہی وظیفہ عمر بھر جاری رکھو' خبردار اپنے کسی عمل خیر کی ناقدری نہ کرو کیونکہ دراصل یہ توفیق عمل خیر ادھر سے ہوتی ہے اس لئے توفیق کی ناقدری ہوگی۔ البتہ عمل میں نقص و کوتاہی پر کہ یہ تمہاری طرف سے ہے استغفار کرتے رہو۔"

فرمایا: "شکر و استغفار دونوں عبدیت کی اساس اور کلید کامیابی ہیں۔ استغفار سے عبدیت اور شکر سے معرفت حاصل ہوتی ہے۔"

فرمایا: "غذائے جسمانی کی طرح روح کو بھی غذا کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس کی غذا ہمارے اعمال صالحہ' وظائف' تسبیحات' تہلیلات' استغفار اور درود شریف ہیں۔"

فرمایا: "ہر عبادت میں یہ بھی نیت کر لیں کہ رسول مقبول ﷺ کی سنت کی یہ اتباع ہے۔ اس سے دوہرے ثواب کے ساتھ ساتھ حضور ﷺ سے محبت بھی بڑھے گی اور ان سے قلبی تعلق میں اضافہ ہوگا۔ اتباع سنت اور ازدیاد محبت کی نیت سے ہر عمل کرنا چاہئے۔"

فرمایا: "تسبیحات وہ ہیں جو حضور ﷺ نے اپنی زبان مبارک سے ادا فرمائی ہیں اور مقبول ہیں۔ اس طرح اتباع سنت کی بھی نیت ہو جائے گی اور مزید برکت کا باعث ہوگی۔"

فرمایا: ”تسبیحات کو محض ثواب کی نیت سے نہ پڑھو بلکہ ان کے معانی کو سمجھ کر پڑھو تاکہ اللہ تعالی کی معرفت حاصل ہو‘ حصول معرفت کو بھی ثواب کے ساتھ شامل نیت کرلو۔“

فرمایا: ”درود شریف پڑھتے وقت یہ بھی نیت اور تصور رکھو کہ اللہ تعالی نے حضور ﷺ سے تعلق پیدا کرنے کا یہ ذریعہ عطا فرمایا ہے اور حق تعالی خود اس کا واسطہ ہیں۔ یہ کتنی بڑی رحمت ہے اور کتنے شکر کا مقام ہے۔ اس نیت سے درود شریف پڑھنے سے حضور ﷺ سے محبت پیدا ہو گی اور اللہ تعالی کی محبوبیت بھی حاصل ہو گی کیونکہ یہ عمل ان کو محبوب ہے اور اس کا حکم فرمایا ہے۔“

فرمایا: ”روز مرہ ہماری صبح سے شام تک کی ساری زندگی ہی شریعت و طریقت کا میدان عمل ہے‘ زندگی سے علیحدہ ان کا کوئی محل نہیں۔“

فرمایا: ”تمام عمر خادمیت کا احساس رکھنا چاہیے مخدومیت کا کبھی بھی خیال نہ کریں۔“

فرمایا: ”ایاك نعبد و ایاك نستعین یہ آیت تعلق مع اللہ کا حاصل ہے‘ اس سے عبدیت کاملہ حاصل ہوتی ہے‘ اسی میں شکر‘ استغفار‘ استعانت اور استعاذہ سب ہی کچھ ہے۔“

عرفانِ عارفی رحؒ

مولانا مشرف علی صاحب تھانوی دامت برکاتہم

خلیفہ مجاز عارف باللہ حضرت ڈاکٹر عبدالحیؒ صاحب عارفی رحمۃ اللہ علیہ

نے حضرت کی تعلیمات کو اشعار کی شکل میں پیش کیا ہے

جو حسب ذیل ہے

کر رعایت حقوق کی ہر دم
حد سے آگے مگر بڑھا نہ قدم
کچھ ہے مختار تو تو کچھ مجبور
سر تسلیم بر رضا کر خم

☆☆☆

فراق و وصل تو اس راہ کے اصول نہیں
طلب ہے پیش نظر یاں کوئی حصول نہیں
سمجھ کے رکھئے قدم راہ عشق میں ہمدم
رضائے دوست طلب کیجئے وصول نہیں

☆☆☆

گھبراؤ نہ مایوس ہو اس راہ میں زنہار
ہو دل پہ جو ابلیس کے وسواس کی یلغار
ہے فکر وساوس بھی ترقی کا سفینہ
لاحول ہے اس دشمن دیں کے لئے تلوار

☆☆☆

ہے مدار کامرانی منحصر ان چار میں

شکر و صبر و استعاذہ اور استغفار میں
شیخ نے فرمادیا ہے نسخہ آبِ حیات
دو جہاں کی دولتیں مضمر ہیں ان اسرار میں

☆☆☆

عطا ان کی ہے قبض بھی بسط بھی
بلندی بھی پستی بھی اور وسط بھی
نظر رکھ نہ حالات اور کیف پر
کہ سب ربط ہے قبض بھی بسط بھی

☆☆☆

نہ عزت کو دنیا میں مقصود سمجھو
جو شہرت ملے اس کو بے سود سمجھو
مسافر ہو تم زندگی کے سفر میں
یہاں اپنی ہستی کو نابود سمجھو

☆☆☆

عمل اور اخلاص کام تیرا قبول کرنا ہے کام ان کا
وجود تیرا عطا ہے ان کی حیات ہے فیض عام ان کا
جزا سے قطع نظر کیے رکھ رضا پہ ان کی نظر لگانے
عمل کو اپنے نہ دیکھ عارف کہ تو ہے ادنیٰ غلام ان کا

☆☆☆

جو قوت بھی سالک میں موجود ہے
عطا ان کی ہے بالیقیں جو ہے
غلط صرف ہوگی تو مذموم ہوگی
جو ہو برمحل صرف محمود ہے

کیا لئے پھرتا ہے سالک اختیار و اضطرار
کامیابی میں ہے بس تیرے عمل کا اعتبار
ہاں نہ رکھ تو نیت موہوم پر اپنی نظر
جو عمل قدرت میں ہے وہ آج کرلے اختیار

☆☆☆

سوچ ہر کام میں رضا کیا ہے
پھر عمل دیکھ لے کیا کیا ہے
دل کو فارغ کر اس خیال سے تو
کیف کیا چیز ہے مزہ کیا ہے

☆☆☆

عزم تیرا ہے اور عطا ان کی
تیری تدبیر ہے شفا ان کی
تیری نیت پہ دیں وہی توفیق
ہے ترا ہر عمل ادا ان کی

☆☆☆

دل لگے یا نہ لگے چھوڑ یہ باطل اوہام
کام ہے فرض ترا تجھ کو تو بس کام سے کام
فکر انجام سے بھی قطع نظر کر عارف
حال پر رکھ کے نظر کام دئے جا انجام

☆☆☆

ہے معیت رہنمائے دین کی شرط وصول
اطلاع حالِ دل ہے کامیابی کا اصول
بے رفیق و آشنا اس راہ میں چلنا عبث

رہنمائے حق کو کہتے ہیں یہاں ظلِ رسولؐ
طبیعت میری پژمردہ عمل کرنے سے آبی ہے
نظامِ زندگی میں بس خرابی ہی خرابی ہے
مراقب تھا میں افسردہ کہ ہاتف کی صدا آئی
محبت شیخ کی عارف کلید کامیابی ہے

☆☆☆

فعل عبث ہے کشف و کرامت کا انتظار
احوال و واردات و ولایت کا انتظار
عارف غلام ہو کے مقامات پر نظر
اک سجدۂ ریا پہ نبوت کا انتظار

☆☆☆

سالک مقامِ ناز میں عرفاں کا یقیں
ملتا ہے جب کہ دل ہو بس اک یار کا امین
معیار حال و قال ہو عبدیت و فنا
ایاک نعبد ہو اور ایاک نستعین

☆☆☆

ایمان ہے تو سمجھو بڑی خیر ہے عطا
کرتے رہو عمل بھی جو توفیق دے خدا
ڈرتے رہو گرفت سے مایوس ہاں نہ ہو
ہو خوف جس قدر بھی رجا اس سے ہو سوا

☆☆☆

یہ زباں یہ آنکھ ناک اور کان اور یہ دست و پا
نعمتیں ہیں تجھ پہ یہ سب تیرے رب کی بے بہا
ان کے استعمال پر حاصل ہے تجھ کو اختیار
خود غلط راہوں پہ نادانی سے ان کو مت لگا



نظم قائم کیجئے اوقات میں
برکتیں پھر دیکھئے دن رات میں
مغتنم ہے دولت عمر عزیز
کیجئے ضائع نہ لغویات میں



صد پند ہائے عارفی [1]

حضرت عارفیؒ نے فرمایا

(۱) ”وقت زندگی کا بڑا قیمتی سرمایہ ہے اس لئے اس کی بڑی قدر کرنا چاہیے اس کے لئے ضروری ہے کہ صبح و شام تک کی زندگی میں جس قدر مشاغل ہیں ان کے لئے نظام الاوقات مرتب کیا جائے تاکہ ہر کام مناسب وقت پر آسانی سے ہو جائے۔

(۲) کچھ وقت بلکہ سب سے بہتر وقت نماز فجر کے بعد ذکر اللہ کے لئے اوراد وظائف، تلاوت کلام پاک، ماثورہ دعاؤں کے لئے مقرر کرنا چاہیے۔ یہ معمولات اس قدر مختصر ہونا چاہیے کہ ان پر بلا تکلف دوام ہو سکے۔

(۳) اتباع سنت رسول اللہ ﷺ کی نیت سے کچھ وقت اپنے گھر کے اندر اپنے اہل و عیال کے ساتھ صرف کرنا چاہیے اس سے ان کو تقویت اور انشراح رہتا ہے اور خود اپنی زندگی میں بھی ان کے ساتھ انس و محبت پیدا ہونے سے نشاط خاطر رہتا ہے اور بہت سے امور خانہ داری اور حسن انتظام میں مدد ملتی ہے۔ حضور ﷺ نے اپنے اہل و عیال کے ساتھ شفقت و محبت اور حسن سلوک کے لئے خاص طور پر بہت تاکید فرمائی ہے۔

(۴) اللہ تعالیٰ نے اپنے حقوق کے بعد والدین کے حقوق واجب کئے ہیں ان کی زندگی میں ان کی خدمت کرنا، ان کو دماغی و جسمانی راحت پہنچانا، ان کو ہر طرح سے خوش رکھنا اور ان کی دعائیں حاصل کرنا شرعاً واجب ہے۔ ان کی

---

[1] یہ ملفوظات ماہنامہ بینات میں کسی قدر تغیر کے ساتھ اور اس سوانح حیات کا حوالہ دیے بغیر ذوالحجہ ۱۴۱۵ھ تا رجب المرجب ۱۴۱۶ھ میں آٹھ اقساط میں بھی شائع ہوئے ہیں۔

وفات کے بعد التزاماً ان کے لئے ایصال ثواب کرتے رہنا' تلاوت کلام مجید' نوافل اور دیگر اوراد مسنونہ سے بھی اور مالی صدقہ و خیرات سے بھی۔ خصوصاً خیرات جاریہ سے (اولاد کا صالح ہونا اور نیک اعمال کا عادی ہونا خود مرحوم والدین کے لئے خیرات جاریہ ہی کا درجہ رکھتا ہے) حدیث شریف میں ہے کہ ہر ہفتہ اولاد کے اعمال ان کے والدین کے سامنے عالم برزخ میں پیش کئے جاتے ہیں۔ اچھے اعمال سے ان کو خوشی اور برے اعمال سے رنج ہوتا ہے۔ اس لئے بڑے اہتمام کی ضرورت ہے کہ والدین کی روح کو اذیت نہ پہنچے بلکہ اس کا خیال رکھنا چاہئے کہ نیک اعمال سے اور ایصال ثواب سے ان کو نفع پہنچے۔

(۵) بھائیوں میں آپس میں محبت قائم رکھنا بہت ضروری ہے ورنہ تمام زندگی لطف زندگی حاصل نہیں ہوتا اور زندگی میں قوت نہیں محسوس ہوتی۔ بڑی تباہی کی علامت ہے کہ بھائی بھائی آپس میں اتفاق نہ رکھ سکیں۔ سارا فساد بسا اوقات بچوں سے' بیویوں سے شروع ہوتا ہے اور آپس میں غلط فہمی اور بدمزگی پیدا ہونے لگتی ہے۔ خوب سمجھ لیا جائے عقل اسی واسطے ہے کہ پہلے سے احتیاط کرلی جائے تاکہ یہ فتنہ شروع ہی نہ ہونے پائے ورنہ آخر میں جب دل برے ہونے لگتے ہیں اس وقت جذبات سے متاثر عقل بھی ماؤف ہو جاتی ہے۔ اور یہی خانہ بربادی کا باعث ہوتی ہے۔ ہر شخص کو فرداً فرداً رواداری' ایثار' چشم پوشی اور معمولی معمولی باتوں کو درگزر کرنے کی عادت ڈالنا چاہیے۔ اسی طرح آپس میں محبت قائم رہتی ہے اور جو معاملہ غلط فہمی پر مبنی ہو اس کو فوراً صاف کر لینا چاہئے۔ اور قصور ہو تو اعتراف کرلے اور معافی مانگ لے۔

(۶) اولاد کی پرورش و نگہداشت بہت اہم ذمہ داری ہے ان کو ابتداء ہی سے جب

ان میں سمجھ پیدا ہونے لگے 'اللہ اور رسول کا نام سکھانا شروع کر دینا چاہیے۔ پھر ابتدائی عمر میں قرآن شریف کا ختم کرانا اور ضروری مسائل پاکی و ناپاکی کے 'جائز و ناجائز' حلال و حرام چیزوں سے ضرور مطلع کر دینا چاہئے پھر ابتداء ہی سے نماز کی عادت ڈالنا چاہئے۔ ان کا لباس پوشاک صرف اسلامی طرز کا رکھنا چاہئے۔ ان کے اخلاق کی نگرانی رکھنا چاہیے۔ ان کو نشست و برخاست اور کھانے پینے کے آداب سکھانا چاہیے۔ دین و دنیا کی ضروری تعلیم و تربیت کا خاص طور پر اہتمام رکھنا چاہیے۔ بری صحبتوں سے ان کو خاص طور پر بچانے کی فکر رکھنا چاہئے۔ اس کے علاوہ اور رشتہ داروں کے ساتھ بھی حسن سلوک کا معاملہ کرنا چاہیے۔

(۷) گھر کا معاشرہ بالکل اسلامی طرز کا رکھنا اس زمانے میں واجب ہے۔

(۸) تصاویر اور ریڈیو' ٹیلیویژن ہرگز گھروں میں نہ ہونا چاہئے۔ اس سے نوجوان لڑکوں اور لڑکیوں کے اخلاق ضرور خراب ہوتے ہیں۔

(۹) شریف گھر کی عورتوں میں آج کل کے معاشرے میں آزادی بہت بڑھتی جارہی ہے۔ روایات شرم و حیاء اور پردہ داری ختم ہوتے جارہے ہیں' محرم و نامحرم کا امتیاز ختم ہوتا جارہا ہے جس کا نتیجہ یہ ہے کہ ناگفتنی واقعات کثرت سے رونما ہو رہے ہیں۔ جنسی قانون فطرت کبھی نہیں بدل سکتا' اس لئے سخت احتیاط کی ضرورت ہے۔

(۱۰) جن عزیز و اقارب سے صلہ رحمی کا تعلق ہے ان کا حق ادا کرنا بھی واجب ہے اور شریعت میں اس کی بڑی اہمیت ہے۔ ایک حدیث شریف کا مفہوم یہ ہے کہ صلہ رحمی صرف یہی نہیں ہے کہ آپس میں حسن سلوک کا معاملہ رکھا جائے۔ یہ تو غیر شخص سے بھی کرنا چاہئے۔ صلہ رحمی یہ ہے کہ اگر ایک فریق رشتہ توڑے تو تم رشتہ جوڑو۔ ایک شخص نے اگر حق ادا نہیں کیا تو دوسرا اپنا

حق ادا کرنے سے بری نہیں ہو سکتا۔ اگر کسی رشتہ دار نے معاملات خراب کئے یا کوئی اذیت پہنچائی تو یہ اسکا فعل ہے۔ تم کو چاہئے کہ تم اس کو در گزر کرو اور اس سے انتقام نہ لو' اس کی بدگوئی نہ کرو۔ اور اگر اس پر کوئی وقت پڑے تو سخنے' قدمے' درمے اس کی مدد کرو۔ یہی طریقہ حق ادا کرنے اور رشتہ جوڑنے کا ہے۔ اگر ہو سکے تو جلد اس سے مفاہمت کر لو۔ اس میں بڑی عافیت ہے اور بڑا ثواب ہے۔ شریعت میں حقوق العباد کی بہت زیادہ اہمیت ہے۔ احادیث میں اس کے لئے بہت تاکید آئی ہے۔ اگر کوئی عزیز (یا صاحب معاملہ) اپنے قصور کا اعتراف کر کے معافی چاہے تو شریعت کا حکم ہے کہ ضرور معاف کر دینا چاہئے ورنہ سخت گناہ ہے۔ اسی طرح اگر اپنا قصور ہو تو ضرور معافی مانگ لینا چاہیے' خواہ کتنا ہی نفس تاویل کرے اور خفت محسوس کرے۔ اگر معافی مانگنے پر دوسرا فریق معاف نہ کرے تو وہ گناہ گار ہو گا اور معافی مانگنے والے سے عنداللہ اب کوئی مواخذہ نہ ہو گا۔

(۱۱) پڑوسیوں سے بھی بہت خوشگوار تعلقات رکھنا چاہئے اور ہمیشہ اس کا اہتمام رکھنا چاہئے کہ تمہاری وجہ سے ان کو کسی طرح کی اذیت نہ پہنچے اور اگر ان سے تم کو کوئی اذیت پہنچے تو ضبط و تحمل اور در گزر کرنے سے کام لیا جائے اور جلد ان سے خوش اسلوبی سے مفاہمت کر لی جائے۔

(۱۲) شادی اور غم کی تقریبات میں جہاں ہر طرح کی بدعات اور خلاف شرع باتیں ہوتی ہیں جہاں تک ممکن ہو سکے ان میں شرکت سے اجتناب کیا جائے اور خود اپنے یہاں سختی سے شرع پر عمل کیا جائے۔ کیونکہ خلاف شرع امور میں کبھی برکت نہیں ہوتی بلکہ بیشتر دنیاوی نقصان کے علاوہ مواخذہ آخرت کا باعث ہوتے ہیں۔

(۱۳) اپنے گھر کے ماحول کو تمامتر اسلامی بنانا چاہیے ورنہ آئندہ نسلیں اس سے

بالکل بیگانہ ہو جائیں گی اور اس سے دین و دنیا کے بے شمار مفاسد پیدا ہوں گے۔ اپنا رہنا سہنا 'لباس 'پوشاک 'وضع قطع 'کھانا پینا سب شریعت و سنت کے مطابق ہونا چاہیے 'گھر کے استعمال کا سامان بھی سادہ اور پاک و صاف ہونا چاہیے۔ حیثیت سے زیادہ قیمتی سامان جو محض 'نمائش کے لئے ہو اس کا مہیا کرنا اسراف بیجا ہے اور پریشانی کا باعث ہوتا ہے۔ کیونکہ ہمیشہ اس کی حفاظت کا خیال رکھنا پڑتا ہے 'کبھی ان میں اضافے کی ہوس اور کبھی ان کے خراب ہو جانے کا خدشہ قلب کو متوش رکھتا ہے۔ قناعت تو ضروری سامان ہی میں نصیب ہوتی ہے۔ مغربی تہذیب کی لعنت ہمارے معاشرے کو اس قدر مسموم کرتی جارہی ہے کہ ہم غیر شعوری طور پر اس میں مبتلا ہو کر اپنے شعائر اور شعور اسلامی سے محروم ہوتے جارہے ہیں 'وقار اسلامی اور روایات خاندانی اور لوازمات شرافت کو برقرار رکھنا چاہیے ورنہ دنیا میں بھی خواری ہے اور آخرت میں بھی خسران ہے اگر انجام کار پر غور کیا جائے تو یہ بات خود عقل تسلیم کرلے گی۔

(۱۴) جسمانی صحت و تندرستی بڑی نعمت ہے اس کے زائل ہونے سے طبیعت میں سکون باقی نہیں رہتا۔ اس کے تحفظ کے لئے خاص اہتمام رکھنا چاہیے اور اس کے اہتمام کے لئے نظم الاوقات کا قائم رکھنا نہایت ضروری ہے یعنی وقت کے تعین کے ساتھ کھانا 'پینا 'سونا 'آرام کرنا 'تفریح کرنا 'کچھ ہلکی سی ورزش کرنا 'ان سب کے لئے روزمرہ کی زندگی میں وقت کا تعین ضروری ہے 'تاکہ ہر بات اپنے وقت پر ادا کرنے کی ایک عادت ہو جائے اگر خدانخواستہ کوئی بیماری لاحق ہو جائے تو اس سے بے فکری نہ کی جائے اور جلد اس کا تدارک کرلیا جائے ورنہ بعض اوقات مرض پیچیدہ اور علاج دشوار ہو جاتا ہے۔

(۱۵) تعلقات زندگی کے ساتھ وابستہ ہیں۔ لیکن ان کو بھی بہت ہی ضروری

تعلقات پر بقدر ضرورت محدود رکھا جائے۔ غیر ضروری تعلقات خواہ اعزہ اور اقرباء سے ہوں یا دوست احباب سے ہوں یا کاروباری زندگی میں ہوں کسی نہ کسی درجہ میں ضرور پریشان کن ثابت ہوتے ہیں کیونکہ سب کا حق ادا کرنا عادۃً دشوار ہوتا ہے۔ اس وجہ سے قلب متوش رہتا ہے کیونکہ ایسے غیر ضروری تعلقات میں اکثر اپنے کسی عذر کی وجہ سے دوسرے کی توقعات کو پورا نہ کرسکنے کی وجہ سے تو اس کو رنج و شکایت ہوتی ہے اور پھر خود اپنے کو بھی ندامت ہوتی ہے۔ محض رسمی تعلق اور دوستی رکھنے والے اکثر بیجا مروت سے فائدہ اٹھاتے ہیں جن سے بعض وقت مالی نقصان اٹھانا پڑتا ہے یا عافیت سوز معاملہ درپیش ہوجاتا ہے اسلئے ہر شخص پر اعتماد نہ کرنا چاہئے اور تعلقات بھی بقدر ضرورت رکھنا چاہئے۔

(۱۶) جہاں تک ممکن ہو احکامات شریعت اور اتباع سنت کا ہر معاملہ زندگی میں اہتمام رکھنا چاہیے۔

(۱۷) ہمیشہ نیک لوگوں کی صحبت اختیار کرنا چاہیے۔ دوستوں کے انتخاب میں بڑی احتیاط کی ضرورت ہے۔ ظاہری اخلاق سے متاثر نہ ہونا چاہئے بلکہ اصل معیار صداقت و خلوص و دینداری اور صفائی معاملات ہے۔

(۱۸) جن لوگوں سے زندگی میں برابر سابقہ پڑتا ہے ان کو بھی خوب سمجھ کر منتخب کرلینا چاہیے مثلاً ڈاکٹر، حکیم، وکیل، تاجر وغیرہ۔

(۱۹) اپنے خانگی اور راز کی بات ہرگز کبھی کسی سے نہ کہنا چاہیے خصوصاً عورتوں سے۔

(۲۰) غیر ضروری مشاغل بھی جمعیت خاطر کو برباد کرنے والے ہوا کرتے ہیں مثلاً خواہ مخواہ دوسروں کے معاملات میں دخل دینا یا کسی کی خاطر مروت سے کسی کام کی ذمہ داری لے لینا، مروۃً امانت رکھنا یا کسی کی ضمانت کرنا کیونکہ فی زمانہ یہ چیزیں بھی اکثر مفسدہ سے خالی نہیں ہوتیں۔ توقعات کے خلاف ہونے

سے باہمی شکایات کے دفتر کھل جاتے ہیں اور اپنی جمعیت خاطر برباد ہو جاتی ہے۔

(۲۱) مشغلہ اخبار بینی یا غیر ضروری کتابوں کا مطالعہ کرنا یا رسمی تقریبات میں شرکت کرنا یا فضول ولایعنی تفریحات میں وقت صرف کرنا' ان امور میں جو وقت ضائع ہوتا ہے' اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ضروری باتیں سرانجام دینے سے رہ جاتی ہیں اور طبیعت میں فکر و تشویش پیدا ہو جاتی ہے۔

(۲۲) اپنے کسی اہم کام کے پورا کرنے کے لئے کسی ناتجربہ کار آدمی کے مشورے پر بلا سوچے سمجھے عمل کرنا یا کسی اجنبی آدمی پر محض حسن ظن کی وجہ سے اعتبار کر لینا اکثر دل کی پراگندگی کا باعث ہوتا ہے اور نقصان بھی اٹھانا پڑتا ہے۔

(۲۳) بغیر شدید ضرورت کے قرض لینا اور خصوصاً جب کہ وقت پر ادائیگی کا کوئی یقینی ذریعہ نہ ہو تو بجائے قرض لینے کے کچھ دنوں کی تنگی و کلفت برداشت کر لینا زیادہ بہتر ہے یا مروۃً قرض دینا جبکہ خود اس کی استطاعت نہ ہو اکثر شدید خفت اور کلفت کا باعث ہوتا ہے اس لئے شروع ہی میں کچھ بے مروتی سے کام لیا جائے' اسی میں مصلحت ہے۔

(۲۴) دین و دنیا کا اگر کوئی اہم معاملہ پیش ہو تو کسی ہمدرد و مخلص اہل علم و اہل تجربہ سے ضرور مشورہ کر لینا چاہیے اور سب سے زیادہ ضروری بات تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے مسنون طریقے سے استخارہ کر لینا چاہیے۔ یعنی بعد نماز عشاء دو رکعت نماز پڑھ کر دعائے استخارہ پڑھی جائے۔

(۲۵) اس زمانے میں جب کہ دلوں میں خلوص نہیں ہے اور معاملات میں صفائی نہیں ہے کسی کی مالی امانت رکھنا بھی بعض وقت پریشانی خاطر کا باعث ہو جاتا ہے' اس لئے رسمی تعلقات والوں کی امانت کبھی نہ رکھنا چاہیے اور جو امانت رکھی بھی جائے تو امانت رکھانے والے کی تحریری یادداشت مع تاریخ کے

ضرور لے لینا چاہیے۔

(۲۶) اسی طرح اس زمانے میں ہر شخص کی ضمانت بھی نہ کرنا چاہیے۔ کسی کی بے جا مروت سے بعض وقت ضمانت کر لینے سے بہت سے خطرات و پریشانی کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

(۲۷) روز مرہ کی زندگی میں کچھ ایسے حالات و واقعات بھی وابستہ رہتے ہیں جو بالکل غیر اختیاری ہوتے ہیں اس لئے ان میں ابتلا کے وقت ضرور قلب متوحش اور متفکر ہو جاتا ہے مثلاً بیماری کا لاحق ہونا۔ اپنی یا اپنے متعلقین کی بیماریاں یا غیر اختیاری طور پر تنگی معاش یا کسی عزیز و اقارب یا کسی اور شخص کا بربناء حسد یا خبث باطن کے باعث آزار ہو جانا یا غیر متوقع طور پر کاروبار میں یا اپنے مال میں نقصان واقع ہو جانا یہ سب باتیں بھی انسان کے خیالات اور جذبات کو پراگندہ کرنے والی ہوتی ہیں۔ لہذا ایسے حالات کے صدور کے وقت رفع ترددات اور حصول سکون قلب کے لئے جو تدابیر بتائی گئی ہیں ان پر عمل کرنا چاہیے اور وہ تدابیر اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کی بتلائی ہوئی ہیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ پریشانی اور رنج و فکر خواہ اختیاری ہو یا غیر اختیاری ہماری زندگی کا سکون و اطمینان ضرور زائل کر دیتی ہے لیکن قلب مومن میں اللہ تعالیٰ نے ایسی صلاحیت و استعداد رکھی ہے کہ ایسی پریشانیوں کے وقت میں جب مومن اپنے کارساز حقیقی کی طرف کسی نہ کسی صورت سے متوجہ ہو جاتا ہے، خواہ یہ رجوع الی اللہ کسی درجے کا بھی ہو، عقلاً اس کو ضرور سکون حاصل ہو جاتا ہے گو طبعاً تکلیف کا اثر باقی رہے۔ لیکن یہ طبعی تکلیف بھی قابل تحمل و برداشت ہو جاتی ہے، ایسے مواقع پر جو لوگ اللہ والوں کی طرف رجوع کرتے ہیں ان کو ضرور نفع ہوتا ہے اور ان کی دعاؤں اور ہمدردی سے قلب کو تقویت ہوتی ہے۔ ویسے بھی جو لوگ پاک و صاف زندگی بسر کرتے ہیں جن

کے دل میں دین کی عظمت و محبت ہوتی ہے اور جن کے معمولات میں نماز کی پابندی اور دیگر اوراد و وظائف شامل رہتے ہیں اور اگر ان کا تعلق کسی بزرگ سے بھی ہوتا ہے تو ایسے لوگوں کے دل دنیوی پریشانیوں سے بہت کم متاثر ہوتے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ بندے کو اپنی دنیاوی الجھنوں اور پریشانیوں کے تدارک کے لئے اپنے مالک اور کارساز حقیقی کی طرف رجوع ہونے ہی سے سہارا ملتا ہے اور اللہ جل شانہ نے خود اپنے کلام پاک میں اور رحمت للعالمین ﷺ نے اپنے ارشادات میں ہمارے افکار اور مصائب کے دور کرنے کے لئے بہت موثر تدابیر اور دعائیں تعلیم فرمائی ہیں' اس پر عمل کرنا چاہیے۔ اور اپنی تقصیرات و معاصی اور شامت اعمال سے پناہ مانگنا چاہیے اور صدقہ و خیرات کرنا چاہیے ایسا کرنے سے مصائب و آلام گو صورۃً قائم رہیں لیکن رضائے الٰہی پر دل ضرور مطمئن ہو جاتا ہے اور یہ بڑی نعمت ہے۔

(۲۸) دینی معلومات کا حاصل کرنا بھی نہایت اشد ضروری ہے کیونکہ بغیر اس علم کے زندگی کا مقصد متعین نہیں ہوتا۔ چند کتابوں کا مطالعہ بہت اہم اور ضروری ہے مثلاً سیرت رسول ﷺ' حالات صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین و حالات بزرگان دین' تاریخ اسلام' حضرت حکیم الامت شاہ محمد اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی تصانیف خصوصاً مواعظ و ملفوظات' بہشتی زیور وغیرہ ان کے مطالعہ سے دین و دنیا کی بہت گراں قدر کافی و شافی معلومات حاصل ہوتی ہیں۔ فضول اور بے مصرف کتابیں مثلاً اخبار 'ناول' رسالے وغیرہ پڑھنے میں وقت ضائع نہ کرنا چاہئے۔ ان سے قلب میں ظلمت اور عقل و فہم میں پستی پیدا ہوتی ہے۔ اور دوسرے مذاہب کے عقائد اور فلسفہ سے ذہن ضرور منتشر ہوتا ہے اور گمراہی کا اندیشہ ہے۔ اپنے

مذہب میں اگر کوئی اشکال و شک پیدا ہو تو ضرور کسی اہل علم سے حل کر لینا چاہئے۔

(۲۹) چند اہم اعمال باطنی

الف...... اپنے موجودہ حالات پر قناعت کر کے ہر وقت شکر ادا کرتے رہنا چاہئے۔ اپنے رہنے سہنے، اپنی ضروریات زندگی، اپنے ماحول، اپنے اہل و عیال پر ہر وقت نظر رکھے اور سمجھے کہ جو بھی موجودہ حالت ہے اس میں سب سے بڑی نعمت تو سلامتی ایمان و دین اسلام پر کاربند ہونا ہے جو بغیر استحقاق کے اللہ تعالیٰ نے ہم کو عطا فرمایا ہے۔ پھر اپنے وجود کی نعمتوں پر نظر کرے، اپنے ماحول کی راحتوں پر نظر ڈالے اور اپنے اہل وعیال کی عافیت کو دیکھے۔ دوسروں سے اپنے تعلقات کی خوشگواری کا اندازہ کرے اور پھر دل کی گہرائیوں کے ساتھ ان انعامات الٰہیہ پر شکر ادا کرے۔ اس کے علاوہ جو بھی موجودہ حالت ہے اگر غور کرے تو لاکھوں مخلوق خدا اس سے محروم ہیں۔ اس حالت کو محض اللہ تعالیٰ کا فضل سمجھ کر شکر ادا کرے، اسی طرح ایک ایک چیز پر قدر کے ساتھ نظر ڈالنے کی عادت ڈالئے یہ نسخہ کیمیا ہے، اس پر عمل کر کے دیکھا جائے۔ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ جب تم ہماری نعمتوں پر شکر ادا کرو گے تو ہم ان نعمتوں میں ضرور اضافہ، برکت اور ترقی عطا فرمائیں گے۔

ب...... اپنی کوتاہیوں، لغزشوں، غفلت اور معاصی کا احساس کر کے ہمیشہ مسلمانوں کے لئے بھی پناہ مانگتا رہے، انشاء اللہ ہر طرح محفوظ رہے گا۔

امور متذکرہ بالا پر عمل کرنے کے لئے ضروری نصائح ہے کہ بار بار ان نصائح کو پڑھا جائے خصوصاً جن باتوں پر اب تک عمل نہیں ہے ان پر نشان لگالیا جائے اور ان پر عمل کرنے کا اہتمام شروع کر دیا جائے۔ کسی بات کو بار بار

پڑھنایااس کی تکرار کرتے رہنے سے عادۃً ایسا ہوتا ہے کہ وقت پر وہ بات یاد آجاتی ہے' اس وقت ضرورت ہے کہ ہمت کر کے اس پر عمل کرلیا جائے۔ کچھ دنوں تک ایسا کرنے سے پھر خود بخود طبیعت میں اس پر عمل کرنے کا داعیہ پیدا ہونے لگتا ہے۔

(۳۰) تجربہ شاہد ہے اور عقل کا تقاضا بھی یہی ہے کہ اگر کوئی علم یا فن حاصل کرنا ہے تو کسی تجربہ کار مربی کی سخت ضرورت ہے تاکہ اس کی تعلیم وتربیت سے مقصود حاصل ہوسکے۔ ایسا علم وفن ہمیشہ معتبر اور مستند اور بلا ضرر ہوتا ہے اس لئے دنیا و آخرت کا صحیح علم حاصل کرنے کے لئے کسی اللہ والے سے ضرور تعلق رکھنا چاہیے۔ اللہ والے کی شناخت یہ ہے کہ وہ بزرگ بظاہر متبع شریعت وسنت ہوں اور صاحب علم ظاہر و باطن ہوں۔ شفیق و خیر خواہ ہوں۔ بزرگوں سے تعلق رکھنے کے یہ معنی ہیں کہ ان کی صحبت میں گاہ بگاہ حاضر ہوتا رہے' اگر دور ہوں تو ان سے خط وکتابت رکھنا' ان سے دین کی باتیں دریافت کرتے رہنا اور ان کے مشورے پر عمل کرنا' اپنے باطن کے نقائص ان کو لکھنا اور ان کے دور کرنے کی تدابیر پر عمل کرنا' ہر حال میں ان سے دعا کراتے رہنا' اپنی روزمرہ کی زندگی میں جو شرعی خلاف ورزی ہو اس کے متعلق دریافت کرنا اور وہ جو کچھ تجویز کریں اس پر اہتماماً عمل کرنا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو فہم سلیم عطا فرمائیں اور اپنی زندگی کو خوشگوار' پر سکون اور پر عافیت بنانے کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین۔

(۳۱) دوزخ جلوہ گاہ جلال ہے' ہر شخص دیکھے گا کافر ہو یا مومن اور جنت جلوہ گاہ جمال ہے اس کو بھی ہر شخص دیکھے گا مومن ہو یا کافر' اپنے اپنے ٹھکانوں پر پہنچ کر مومن شکر ادا کرے گا اور الحمد للہ رب العلمین کہے گا اور کافر کی حسرت بڑھے گی اور مایوس ہو جائے گا۔

(۳۲) میں نے ایک صاحب سے کہا تھا کہ میں تم کو ساری زندگی کا نچوڑ اور نسخہ کیمیا بتاتا ہوں کہ جہاں تک ہوسکے بزرگوں کی دعائیں لو' عمر رسیدہ کا ادب کرو اور ہر نعمت موجودہ پر شکر ادا کرو۔

(۳۳) قبول دعا کے سلسلے میں فرمایا کہ اللہ میاں سے مانگنے والا کبھی نامراد نہیں ہوتا لہٰذا دعا ضرور مانگنی چاہیے۔ پھر یا تو مقام شکر ہے یا مقام صبر۔ ایک میں ترقی کا وعدہ لاَزِیۡدَنَّکُمۡ (ہم ضرور تمہارے لئے نعمتوں کا اضافہ کریں گے) دوسرے میں معیت کا اعلان اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الصَّابِرِیۡنَ (بیشک اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے) ہے۔ یہ بھی ان کی رضائے کاملہ' وہ بھی ان کی رضائے کاملہ۔ مقصود بہرحال حاصل ہے۔

(۳۴) اسلاف نے قانون اسلام کو تسلیم کر کے اور اس پر عمل پیرا ہو کر سارے عالم کو سرنگوں کیا اور بادشاہت کی۔ تم اس کو چھوڑ کر اور ناقابل عمل کہہ کر غلام در غلام ہو گئے۔

(۳۵) اہل اللہ کی صحبت میں زاویہ نگاہ درست ہوتا ہے' مصرف زندگی معلوم ہو جاتا اور مقصود پر نظر پڑھنے لگتی ہے۔

(۳۶) ذوق نگاہ کو جب تک بیدار نہ کیا جائے گا صرف نگاہ یار سے کام نہ چلے گا۔

حیات جاوداں اس کی نشاط بیکراں اس کا
جو دل لذت کش ذوق نگاہ یار ہو جائے

(۳۷) ندامت قلبی عجیب چیز ہے۔ یہ مسلمان کو جہنم کے قابل نہیں چھوڑتی' جنت کا اہل اور دوزخ کا نااہل بنا دیتی ہے۔ حسنات کی تکمیل اس سے ہوتی ہے۔ گناہوں کو یہ نہیں چھوڑتی اور یہ اختیاری چیز ہے' جب چاہے بندہ نادم ہو جائے اور اصل ندامت' ندامت عقلی ہے اور اگر طبعی بھی ہو تو نور علی نور۔

(۳۸) شکر کرنے والا آدمی کبھی اتراتا نہیں۔ شکر کے اندر اخلاص اور صدق بھرا ہوا

ہو تا ہے۔ جس چیز سے جس لمحہ راحت پہنچ جائے شکر ادا کرے' اس سے عبادتوں میں حسن پیدا ہو گا اور زندگی حسین بن جائے گی۔

(۳۹) علم تو اصل میں وہی ہے جو عمل میں آکر زندگی میں "بہتر تغیر" پیدا کر دے ورنہ اور بہت سی لذتیں ہیں۔

(۴۰) آج ایجادات میں تو ضرور ترقی ہوئی لیکن ایجادات کا اطلاق تہذیب پر نہیں ہو سکتا۔ اگر موجودہ تہذیب کا تعلق انسان سے ہے تو یقیناً یہ تہذیب انسان کے لئے قابل ملامت اور لائق ماتم ہے۔

(۴۱) دفتری اور کاروباری مشاغل پر گفتگو کرتے ہوئے فرمایا کہ اکثر لوگ شکایت کرتے ہیں کہ فراغت نہیں، سکون نہیں، مصروفیتیں زیادہ ہو گئیں۔ میں کہتا ہوں کہ اگر فرصت و فراغت مل گئی تو کیا کرو گے ؟ کبھی سوچا ہے ؟ اگر فراغت کے لمحات کو بیجا صرف کر کے ضائع کر دیا اور مزید گندگی میں جا گھسے تو اس سے بہتر تو یہی مصروفیتیں ہیں جب یہ ہے تو لگے رہئے کام میں۔

(۴۲) اہتمام نہ بن پڑے حسنات کا یہ اتنا مضر نہیں جتنا معصیت کا احساس مٹ جانا۔ یہ تو قیامت ہے۔ اس سے زیادہ مہلک اور خطرناک کوئی چیز نہیں۔ اس میں یہاں تک ہو سکتا ہے کہ کفر ہو جائے اور پتہ بھی نہ چلے۔ اللہ بچائے بڑا سنگین معاملہ ہے بس لرزاں ترساں ہی رہے۔ خطاکار' شرمسار مسلمان کے لئے کچھ ڈر نہیں۔ ڈر تو معاصی' طاغی اور باغی کے لئے ہے۔

(۴۳) ہمارے حضرتؒ فرمایا کرتے تھے کہ دوسرے کی چیز کو اپنی چیز سمجھنا انتہائی حماقت ہے۔ ہمارا کیا کمال ہے جو ہم دیکھ رہے ہیں یا پڑھ رہے ہیں۔ روشنی ان کی' بینائی ان کی' عقل ان کی' ہر چیز انہی کی عطا ہے۔ بس ان چیزوں کا صحیح استعمال ہی بندگی ہے۔

(۴۴) محبت الٰہی تو اہل اللہ کی صحبتوں میں سینوں کے اندر منتقل ہونے والی چیز ہے۔

اگر تنہائی میں حاصل کی جائے گی تو جنون ہو جائے گا محبت نہ ہو گی۔

(۴۵) دل لگانے بھی آئے ہو اور دل دینے بھی آئے ہو اور پھر اس کو اپنا بنانا چاہتے ہو! دل کو تو ان کی نظر کے قابل بنانا ہے اور انہوں نے اپنی نظر کا اعلان فرمادیا کہ ہم ایسا دیکھنا چاہتے ہیں ؎

آرزوئیں خون ہوں یا حسرتیں پامال ہوں
اب تو اس دل کو بنانا ہے تیرے قابل مجھے

(۴۶) دوست اور اعزا کے لئے ہمیشہ دعا کرتے رہنے کے سلسلے میں فرمایا کہ جو چیز تمہیں اہم نظر آئے اسے اپنے پروگرام میں داخل کر لو۔ اس سے تقاضا پیدا ہونے لگتا ہے اور وقت پر وہ چیز یاد آ جاتی ہے۔ پھر ان شاء اللہ سہولت کے ساتھ دواماً توفیق بھی ہوتی رہے گی۔

(۴۷) ایک خاص سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ جاہ پسندی کچھ اچھی چیز نہیں' نکال ہی دیجئے اس خلش کو۔ اہل ثروت اور اہل دولت کے پاس بلا ضرورت جا کر خود کو کیوں ذلیل کرتے ہو' سبکی ہو گی اور وہ تمہارا اثر بھی قبول نہ کریں گے۔ شیطان پاگل بنا دے گا اور مجرم بھی ہو جاؤ گے۔ دینی وقار قائم رکھنا چاہئے۔ یہ وقار کھو جاتا ہے ان کے پاس جانے سے۔

(۴۸) لمحات زندگی کو غیر ضروری اور لغو کام میں صرف کر دینا جو دین کے لئے ضروری ہوں نہ دنیا کے لئے' یہ غفلت ہے۔ سوچئے کہ یہ کام جو آپ کر رہے ہیں یہ ضروری ہے یا اس سے بھی زیادہ کوئی ضروری کام ہے؟ کس کو مقدم کر رہے ہو اور کس کو موخر؟ دس منٹ جو آپ نے کھو دیئے یہ کہاں ملیں گے؟ کیوں کھو دیئے دس منٹ؟ آؤ بیٹھو اللہ والوں کی صحبت میں تب پتہ چلے گا کون سے کام ضروری ہیں اور کون سے غیر ضروری۔

(۴۹) صورت عبادت جو بن سکی اس پر شکر ادا کرے اور حقیقت عبادت حاصل

نہیں ہوئی اس پر ندامت کے ساتھ استغفار کرے۔ بندہ کے لئے یہ عمر بھر کا دستور العمل ہے' ساری عمر اس سے چھٹکارا نہیں۔ ارشاد ہے وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتّٰى يَاْتِيَكَ الْيَقِيْنُ (اور اپنے پروردگار کی عبادت کریں یہاں تک کہ تجھے یقین ہو جائے۔)

(۵۰) علماء کو ہمارے حضرتؒ آخر دم تک فرماتے رہے کہ مت جاؤ کانگریس میں' مت جاؤ سیاست میں دینی وقار کو صدمہ پہنچے گا۔ اسلام کو کسی سیاست کی ضرورت نہیں اس کو تو اتباع رسالت کی ضرورت ہے۔ تم اہل حکومت کو مت چھیڑو نہ شریک ہو نہ مشیر بنو' اغراض نفسانیت جہاں کار فرما ہوں' وہاں تم کیا سمجھا سکو گے کسی کو۔

ہر شخص کا منصب جدا' مشاغل جدا' کاروبار جدا' یہ تقسیم کار ہے۔ آپ کیوں دوسرے کے دائرے میں قدم رکھ رہے ہیں۔ آپ تبلیغ کے مکلف بنائے گئے ہیں یہی وسیع میدان ہے۔ اس میں اپنے جوہر دکھایئے۔ اس کی خاصیت ہے کہ جہاں تک بڑھتے جاؤ گے غالب آتے جاؤ گے۔

حضرت والا کے زمانہ تحریکات کے ملفوظات پڑھنے کے قابل ہیں۔ اچھا ہے یہ ایک جگہ جمع ہو جائیں۔ کوئی تاریخ کا طالب علم اس طرف توجہ کرے تو معلوم ہو کہ کیسے کیسے عقدے ہمارے حضرتؒ نے حل کئے ہیں ؎

وہ کبھی جب ادھر سے گزرے ہیں
کتنے عالم نظر سے گزرے ہیں

(۵۱) دنیا سے منہ موڑ لینا کوئی کمال کی بات نہیں' دین کی طرف متوجہ ہو جانا بڑی بات ہے۔ اور ہم کہتے ہیں کہ دین اختیار کرنے میں کون سی لذتیں چھوٹ جائیں گی؟ کونسا شعبہ زندگی معطل ہو جائے گا؟ نقصان کیا ہے؟ اسلام تو دین فطرت ہے۔

(۵۲) معاملات اور معاشرت کے بارے میں جگہ جگہ تلك حدود الله تلك حدود الله کلام پاک میں وارد ہوا ہے۔ جب تک شریعت اور سنت پر عمل نہ ہو حدود کی حفاظت نہیں ہو سکتی اور تقویٰ کی حقیقت ہی ان حدود کی حفاظت ہے اور یہ حدود زندگی کے ہر شعبہ میں ہیں جو بڑی دلیل ہے اسلام کے کامل ہونے کی۔

(۵۳) دونوں قسم کے احکامات ظاہر و باطن کے اللہ تعالیٰ کے ہیں پھر ظاہر کے احکام کو نظر انداز کرنے کی یا کم اہم سمجھنے کی کوئی وجہ نہیں۔ مثلاً آج آپ نے خشوع و خضوع کے ساتھ نماز پڑھی اور آپ کو احسان کا درجہ نماز میں حاصل ہوا۔ نماز سے فراغت کے بعد معلوم ہوا کہ کپڑے ناپاک تھے تو اللہ اور رسول کا فیصلہ یہ ہے کہ نماز نہیں ہوئی، اس کو دھراؤ۔ اب جو دھرائی تو نہ خشوع ہے نہ خضوع ہے اور نہ درجہ احسان۔ مگر شریعت کا فیصلہ یہ ہے کہ آپ کی نماز ہو گئی۔

(۵۴) ذلت و خواری تو اپنے اعمال واختیار کی ہے۔ دوسرے کے اعمال سے اپنی کیا رسوائی۔ دوسرے کے برے لب ولہجہ سے اذیت تو پہنچ سکتی ہے مگر عزت میں کوئی فرق نہیں آتا۔ بلکہ اگر صبر کر گئے تو عنداللہ مزید عزت افزائی کی امید ہے کہ عالم تعلقات میں غصہ کا رذیلہ جو بیدار ہو گیا تھا بے جگہ اس کو مشتعل نہ ہونے دیا۔ دبادیا۔

(۵۵) بندہ کو لرزاں و ترساں ہی رہنا چاہئے۔ کسی بات پر ناز ہونا عین غفلت ہے۔

(۵۶) اگر اللہ تعالیٰ کی محبت چاہتے ہو تو کسی اللہ والے کے دل میں بیٹھ جاؤ اور اس کے ساتھ رہو۔ انشاء اللہ، اللہ تعالیٰ سے محبت ہو جائے گی۔ دوسرے ذکر اللہ کی کثرت کرتے رہو۔

(۵۷) زندگی کا لطف چاہتے ہو ہر کام، ہر بات، ہر چیز میں اپنے آپ کو حق تعالیٰ جل

شانہ کا محتاج سمجھتے رہو' ہر چیز کی احتیاج تم کو ہے اس لئے ہر ضرورت کے وقت اللہ جل شانہ سے مخاطب ہو کر اپنی حاجت پیش کر دیا کرو۔ حضرت ایوب علیہ السلام کے کئی سال تکلیف میں گزر گئے۔ جبرئیل علیہ السلام نے دعا تعلیم فرمائی اِنّی مَسَّنِیَ الضُّرُّ وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِیْنَ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے تکالیف کو دور فرمادیا۔

(۵۸) طریقت' بلکہ زندگی کا واحد مقصد صرف اور صرف تعلق مع اللہ ہے۔ ساری جدوجہد اسی کے درست ہونے کیلئے ہے۔ جس سے بھی تعلق رکھا جائے اللہ ہی کے لئے رکھا جائے' جو کام کیا جائے اللہ ہی کے لئے کیا جائے گویا زندگی اس کا مصداق ہو اِنَّ صَلَاتِی وَ نُسُکِی وَ مَحْیَایَ.

(۵۹) مطالبات زندگی یہ ہیں:

الف...... حقوق شناسی۔ فرائض وواجبات

ب...... حقوق ادائیگی۔ طریق سنت

ج...... حفظ حدود۔ سلوک وطریقت

(۶۰) ''حقوق۔ حدود'' کے زیر عنوان تحریر فرمایا حضرت مرشدیؒ نے ان دو لفظوں میں کل راز بندگی اور حقیقت زندگی کو بتادیا۔ کل شریعت یہی ہے' کل طریقت یہی ہے۔

(۶۱) زندگی میں سب سے زیادہ حفاظت (ان امور کی) ضروری ہے:

۱...... دین وایمان کی'۲۔ اعمال صالحہ کی'۳۔ عزت وناموس کی'۴۔ صحت و قوت کی'۵۔ مال ومتاع کی' اور ۶۔ وعدہ وقول کی۔

(۶۲) تعلقات و توقعات فطری امر ہے اور ہر تعلق کسی نہ کسی توقع پر ہوتا ہے۔ معاملات میں دیکھا گیا ہے کہ نتیجہ توقع کے موافق ہوتا ہے یا پھر توقع کے خلاف۔ اگر اللہ تعالیٰ ہی کی طرف ہر تعلق کو منسوب کر دیا جائے تو اہل تعلق

سے کوئی شکایت ہی نہ ہو ' بلکہ موافقت پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا جائے اور ناموافق پر صبر کیا جائے دونوں ماموربہ ہیں اور دونوں پر اجر کا وعدہ ہے۔

(۶۳) معرفت الٰہیہ کے عنوانات لامحدود ہیں ' ہر شخص کی معرفت کے طریقے جدا ہیں ' ہر شخص کی زندگی اپنے ہی مذاق کے مطابق معرفت حاصل کرتی ہے۔ سالکین ' ذاکرین ' علماء ' صوفیاء اور عوام مختلف طریقوں سے معرفت حاصل کرتے ہیں۔

(۶۴) طلوع آفتاب سے قبل پانچ منٹ خاموش بیٹھ کر یوں سوچئے اور اللہ تعالیٰ سے یوں مناجات کیجئے یا اللہ ! اس وقت آپ عالم کائنات کو حیات تازہ و نو عطا فرما رہے ہیں۔ میں بھی اس میں شامل ہوں۔ جتنی چیزیں ظہور میں آچکیں وہ سب آپ کی نعمتیں ہیں ' سب آپ کے مظاہر صفات ہیں ' ہر ایک کا میری ذات سے تعلق ہے ' یا اللہ ! میں عاجز و ناتواں ہوں ' میرے بس کی بات نہیں کہ میں ہر چیز کا حق ادا کر سکوں ' میرے اوپر رحم فرمایئے ' میری نصرت فرمائے۔ یا اللہ ! مجھے آپ کی تمام نعمتوں کے استحضار اور انکے صحیح استعمال کی توفیق عطا فرمائے۔ اپنا فرماں بردار اور شکر گزار بندہ بنا لیجئے ' میری غفلت و کوتاہی پر مجھ سے مواخذہ نہ فرمایئے۔

(۶۵) بیماری بھی اللہ تعالیٰ کی رحمت اور نعمت ہے لیکن اس سے پناہ مانگتا رہے اور اس کو دور کرنے کی تدبیر اور دعا دونوں کرنی چاہئے۔ پھر صبر کرے۔

(۶۶) تریاق زندگی یہ ہے:

الف) خلوص دل سے ' عمیق ندامت قلب سے اپنی کوتاہیوں کا استحضار۔

ب) اپنی بے بسی و مجبوری کے احساس کے ساتھ رضائے الٰہیہ کی طلب صادق۔

ج) دل کی گہرائیوں سے انعامات و احسانات الٰہیہ کا استحضار و ادائے شکر۔

د) تمام دین و دنیا کے فتنوں سے ' حوادثات و سانحات سے ' ہر طرح کی عبرت

ناک زندگی و موت سے ' ہر طرح کے شدائد و امراض سے ' ہر طرح کی تلخیوں و ناگواریوں سے' ہر طرح کی لوگوں کی دل آزاری و دشمنی سے پناہ مانگنا اور اپنے تمام معاملات اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دینا۔

(۶۷) دنیا اور آخرت کا کوئی کام ہو اس کو اس امید پر منحصر کرنا کہ کسی فرصت کے وقت اطمینان سے کر لیا جائیگا ایک ایسا فریب ہے جو اکثر بڑے نقصان و خسران کا باعث ہوتا ہے:

جو وقت بھی سکون سے گزرے زہے نصیب
کیا اعتبار گردش لیل و نہار کا

(۶۸) آج ۳۰/ جون ۱۹۵۴ء شام کو ٹھیک چھ بجے سورج گرہن پڑا۔ کہا جاتا ہے کہ اس قدر پورا گرہن برسوں کے بعد پڑتا ہے۔ ماہر فلکیات کا تخمینہ ہے کہ ایسا سورج گرہن پھر اب دو سو برس کے بعد پڑیگا۔ واللہ اعلم بالصواب۔

خیال ہوا کہ یہ جو کچھ ہو رہا ہے اللہ تعالیٰ کی قدرت ' حکمت و مصلحت سے ہو رہا ہے۔ اس میں یقیناً موجودات عالم کے لئے ضرور ہزاروں مصالح ہونگے۔ خصوصاً بنی نوع انسان کے لئے بلاواسطہ یا بالواسطہ ' بے حد و بے شمار منافع ہوں گے ' خواہ انسانی عقل اس کا ادراک کر سکے یا نہ کر سکے۔ جی چاہا کہ یوں دعا مانگی جائے کہ یا اللہ! آپ علیم و حکیم ہیں اگر اس گرہن سے ہمارے لئے کچھ مضرات ہی مرتب ہوتے ہیں تو اپنی مخلوق کو اس سے محفوظ رکھیں اور اس سے جس قدر منافع ہوں وہ ہم سب کو عطا فرمائیں اور ہر حال میں ہم سے راضی رہیں۔ حدیث شریف میں ایسے مواقع پر کثرت سے توبہ واستغفار کی ہدایت ہے ' نوافل بھی پڑھنا چاہئے اور اللہ تعالیٰ سے پناہ مانگنا چاہئے۔

(۶۹) جب انسان احسانات و انعامات الٰہیہ سے منحرف ہو جاتا ہے تو یہ امر اس کی ہلاکت روحانی و ایمانی کا سبب بن جاتا ہے ' اللہ تعالیٰ کی تمام ظاہری و باطنی

نعمتوں کو وہ اپنی ہوس رانی اور نفسانی خواہش کے مطابق استعمال کرتا ہے '، نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اس کے بداثرات مرتب ہونا شروع ہو جاتے ہیں اور آخر کار یہاں تک نوبت پہنچتی ہے کہ قلبی استعداد و صلاحیت اور قابلیت صحیحہ مسخ ہو جاتی ہے اور فسق وفجور 'کفر والحاد کے اثرات راسخ ہو جاتے ہیں پھر کوئی استحضار یا احساس ظاہری و باطنی نعمتوں کا باقی نہیں رہتا۔ جب نعمتوں کا احساس واستحضار مفقود ہو جاتا ہے تو اب محسن و منعم حقیقی کا تخیل و تصور ہی باقی نہیں رہتا۔ اسی کا نام الحاد ہے۔

(۷۰) فکر آخرت کے زیر عنوان تحریر فرمایا "میں دیکھتا ہوں کہ میری غفلت بڑھتی جاتی ہے 'میں دیکھتا ہوں کہ ادنی ادنی عذر پر اور معمولی سی ناسازی طبع پر معمولات ترک کر دیتا ہوں۔ اول تو معمولات ہیں ہی کیا اور پھر اس پر یہ طرہ ہے کہ اس میں بھی کوتاہی کرتا رہتا ہوں 'عمر ہے کہ گزرتی جارہی ہے 'قوی اور اعضاء میں انحطاط پیدا ہوتا جارہا ہے اور یہ بے حسی ہے کہ کچھ آخرت کا استحضار ہے نہ وہاں کے لئے کوئی اہتمام عمل ؎

دشوار ہو رہا ہے اب اک اک قدم اٹھانا

منزل قریب تر ہے اور ایسی بے بسی ہے

دنیا میں مشغولی بڑھتی جارہی ہے 'دنیا بھر کے افکار دل ودماغ پر مستولی رہتے ہیں 'لیکن نہیں فکر ہوتی تو اپنے عاقبت اور انجام زندگی کی 'اللہ تعالی ہمت و توفیق عمل نصیب فرمائیں۔ آمین۔"

(۷۱) ایک بات سمجھ لی جائے عمر بھر کے لئے کرنا کیا ہے۔ یوں تو ہمارا نفس یہی کہتا ہے کہ اور وہ بھی ہم کو معلوم ہے یہ بھی معلوم ہے لیکن یہ صرف فریب نفس اور شیطان کا دھوکہ ہے۔ جب سب معلوم ہے تو عمل کیوں نہیں کرتے۔ علم کو عمل میں لانے کے لئے کچھ دشواریاں ہیں۔ کچھ نفس اور شیطان کے کید

ہیں جب تک کسی اللہ والے کا ہاتھ نہ پکڑا جائے یہ مسئلہ حل نہیں ہوتا۔

(۷۲) سب سے پہلے عقائد درست ہوں۔ سارا عالم کائنات اللہ پاک نے مسخر کر رکھا ہے اور ان کی تسخیر اللہ پاک نے اپنے فرمانبردار بندوں کے لئے اس طرح کی کہ اس کو ان تمام چیزوں سے راحت و چین ملے اور آخرت میں بھی اس کے درجات بڑھیں اور اگر نافرمانی کے راستے سے ان کی تسخیر فائدہ اٹھایا تو نہ دنیا میں راحت و چین ملے گا اور آخرت کا دائمی عذاب الگ ہوگا۔

(۷۳) یہ کوئی چھپا ہوا راز نہیں ہے۔ اللہ پاک نے دنیا بھی پیدا کی اور آخرت بھی اور کھول کر بتا دیا کہ دنیا صرف متاع غرور ہے اور اصل گھر تو آخرت کا ہے۔ تعجب ہے کہ آخرت کے لئے جس کی زندگی میں کوئی تغیر نہ ہو' ایک بار جو حالت مل جاتی ہے وہ ہمیشہ کے لئے رہے گی۔ اس کی طرف ہمارا کوئی دھیان نہیں اور تھوڑی سی زندگی جو لحہ بہ لحہ بدلتی رہتی ہے' ہر آن متغیر ہے اس لیے آخرت کے لئے ہماری کوششیں تمام عمر جاری رہنی چاہیے۔

(۷۴) لوگوں کو شوق ہوتا ہے دین کا تو کلام پاک کے ترجمے اور تفاسیر دیکھنا شروع کر دیتے ہیں۔ بعض تفاسیر صرف خواص کے لئے ہیں وہ آپکی سمجھ میں نہ آئیں گی۔ تلاوت کلام پاک خود ایک بابرکت چیز ہے خواہ سمجھ کر پڑھو یا بے سمجھے' دونوں طرح برکت ہوتی ہے۔

(۷۵) سیرۃ النبی ﷺ سے پچانوے فی صد لوگ ناواقف ہیں' اس کے بغیر ہم کو دین کیسے آئے گا۔ آج کل اردو میں بھی سیرت کی بہت سی کتابیں ہیں پھر اس کے ساتھ سیرت صحابہ کرام' پھر تاریخ اسلام اور ان کے بعد حضرت تھانویؒ کی تصانیف' مواعظ و ملفوظات ہیں' ان کو پڑھنے سے ایمان میں بھی جلا ہوگی اور عمل کی توفیق ہوگی۔

(۷۶) سادہ زندگی اختیار کیجئے خوراک میں لباس میں' اپنے گھروں سے تصاویر' ٹیلی

ویڑن، راگنی، نجس اور مکروہ چیزیں نکال دیجئے۔ مخرب اخلاق کتابیں جن سے بچوں کے اخلاق بگڑ رہے ہیں پھینک دیجئے۔ محرم نا محرم کا اختلاط بڑا فتنہ ہے۔ آج کل اسکولوں میں مخلوط تعلیم اور یہ فنون لطیفہ کے نام سے بے دینی اور شیطان ابلیس کے طریقے نئی نسلوں کو سکھائے جا رہے ہیں ان سے اپنی اولاد کو بچایئے۔ آپ نے کہاں تک یہ حقوق ادا کئے ہیں اس کا بھی کبھی مراقبہ کیجئے۔

کیا چیز اللہ نے حلال کی ہے اور کیا چیز حرام، اس کا امتیاز کرنا پڑیگا۔ تم کہتے ہو ہم مجبور ہیں، تم نے کیسے سمجھ لیا کہ ہم مجبور ہیں۔ کبھی کر کے دیکھو۔ اچھا نہیں بچ سکتے۔ کسی وقت تنہائی میں بیٹھ کر اللہ سے کہئے۔ یا اللہ میں حقیقۃً اس سے بچنا چاہتا ہوں۔ مگر یہ معاشرہ مجھ کو مجبور کر دیتا ہے۔ یا اللہ آپ میری مدد فرمایئے۔ اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَ اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ۔ کبھی رو رو کر اللہ کے سامنے اپنی عاجزی ظاہر تو کرو یقیناً راہ ملے گی مگر طلب صادق پیدا کرو۔ اللہ سے کہو یا اللہ کوئی خالص غذا نہیں ملتی، ماحول اچھا نہیں ملتا، پاکیزگی کا نام و نشان نہیں ملتا۔

(۷۷) ارے یہ ساری چیزیں تم سے کیوں سلب کی گئیں چونکہ تم راضی ہو گئے، مانوس ہو گئے فسق و فجور کی زندگی سے۔ اس حالت سے کبھی گھبرا کر تو دیکھو۔ اللہ سے مدد مانگ کر تو دیکھو۔

(۷۸) اوراد و وظائف جو آپ کرتے ہیں وہ بے وزن ہیں۔ آپکا دل صاف نہیں، اللہ اور رسول اللہ ﷺ کی محبت نہیں، یہ ضابطہ کے طور پر آپ کر رہے ہیں، یوں خدا اپنی رحمت سے قبول فرمالے لیکن یہ بے روح ہیں، اب اس میں جان کہاں سے آئے۔ یہ بھی اللہ ہی سے کہو یا اللہ! ہماری عبادات بے روح ہیں اور ہم اس میں روح بھی پیدا نہیں کر سکتے لیکن آپ ہر چیز پر قادر ہیں اس میں روح پیدا کر دیجئے۔

(۷۹) اللہ پاک اگر مواخذہ کریں کہ یہ سود او رشوت کیوں نہیں چھوٹتی اور آپ جواب دیں کہ یا اللہ ہم اکیلے کیا کریں ' سارا معاشرہ گندہ ہو گیا ہے۔ اس میں کہاں سے حلال وطیب چیز مل سکتی ہے۔ اللہ پاک اس پر یہ فرمائیں کہ تم نے یہ بات ہم سے کبھی کہی تھی اور ہم سے مدد مانگی تھی تو کیا جواب دو گے۔ تم اللہ پاک سے کہو یا اللہ آپ نے ہی فرمایا تھا کہ مصیبت میں ہم سے مدد مانگو یا اللہ ہم میں ایمان کی قوت نہیں ' مدافعت کی قوت نہیں استقلال اور ہمت نہیں۔ آپ ہر چیز پر قادر ہیں۔ یا اللہ ہم آپ سے ہی مانگ رہے ہیں ہم مغلوب ہو کر رہ گئے ہیں ' ہم فسق و فجور میں مبتلا ہو گئے ہیں۔ ہم نے ساری برائیوں کو اپنا لیا ہے۔ ہمارے حالات ہمارے اختیار سے باہر ہوتے جا رہے ہیں۔ آپ سے ہم رجوع کر رہے ہیں آپ ہماری مدد کیجئے۔ اِیَّاكَ نَعْبُدُ وَ اِیَّاكَ نَسْتَعِیْنُ .

یہ ہے اللہ پاک کے دربار میں اپنی عاجزی اور اللہ سے مدد کی درخواست اور مراقبہ اپنے اعمال کا اور آگے چلئے اس سے بھی زیادہ آسان اور قابل عمل بات ہے کہ چلتے پھرتے خلوت میں جلوت میں 'کسی فرصت کے وقت اپنا مراقبہ کرتے رہو اور سارے معاملات خدا کے سپرد کرتے رہو۔

(۸۰) ایک بات یاد رکھنا ' شیطان کی پیروی بھی کرو اور خدا کی محبت کا دم بھی بھرتے رہو یہ دونوں ساتھ ساتھ نہیں ہو گی۔

ہم خدا خواہی و ہم دنیائے دوں

ایں خیال است و محال است و جنوں

صرف خدا کے احکامات کی پیروی اور رسول اکرم ﷺ کی اتباع ' یہ بھی ہمارے اختیار میں نہیں اس کی توفیق بھی اللہ پاک ہی دیتے ہیں۔ ہم عبادات بھی محض رسماً ادا کرتے ہیں ' اس میں روح بھی نہیں۔ یہ ساری چیزیں قادر مطلق کے سامنے پیش کر دو اور ندامت و عاجزی سے کہو یا اللہ یہ لعنت زدہ

معاشرہ جس میں، میں اور میرے اہل و عیال اور متعلقین اور تمام عالم میں جہاں جہاں مسلمان ہیں سب اس میں ملوث ہوگئے ہیں۔اس معاشرہ نے مسلمانوں کو دنیامیں ذلیل و خوار کر رکھا ہے۔ یااللہ ہم کو اس سے نجات دلوایئے، امت محمدیہ ﷺ پر رحم فرمایئے، دشمنان دین کو مغلوب کیجئے اور ہماری توبہ واستغفار قبول کیجئے۔

(۸۱) دین بڑی نعمت ہے اللہ پاک کی ہمارے لئے ہم اس کی قدر نہیں کرتے۔اس کی ناقدری نہ کیجئے۔ ہمارے حضرتؒ نے فرمایا۔ جس امتی کے دل میں دین کی تھوڑی سی بھی عظمت و محبت ہے انشاء اللہ اس کو نجات ہو جائے گی۔ خواہ اعمال میں کوتاہی کیوں نہ ہو۔اور صحیح معنی میں امتی تو وہی ہے جس کے دل میں اتباع سنت رسول مقبول ﷺ کی عظمت و محبت ہے۔

(۸۲) آج مغربیت نے وہ جال پھیلا رکھا ہے اور آج ہی نہیں ہمیشہ سے ساری دنیا کے مسلمانوں پر تباہی و بربادی کے سامان اکٹھے کئے جارہے ہیں۔ ساری دنیا کے فتنوں نے آماجگاہ بنا رکھا ہے۔اسلام اور مسلمانوں کے خلاف پہلے زمانہ میں جو فتنے اٹھتے تھے اس وقت مسلمانوں میں قوت ایمانیہ بہت تھی۔ بادشاہوں کے پاس بھی اور رعایا کے پاس بھی آج ہمارے پاس قوت ایمانیہ بہت کمزور ہے۔

(۸۳) سب سے پہلے خبر لیجئے اس فسق و فجور کو روکنے کی یہ گانا بجانا، ٹیلی ویژن، تصاویر اور مغربی طرز لباس، طرز رہائش، طرز طعام ایک ایک کر کے ان کی اصلاح کیجئے۔

(۸۴) آج کے دور سیاست میں ہم کو کیا کرنا ہے۔اس کے متعلق تو ہمارے مقتدا اور علماء صاحبان کا فیصلہ ہی موجب ہدایت ہے۔ لیکن ایک بات یہ ہے کہ آج علماء پر عام لوگ بے باکانہ زبان کھول دیتے ہیں جو منہ میں آیا کہہ دیا۔یاد رکھو

اس پر وعید آئی ہے۔ ہر شخص کا کام نہیں ان پر اعتراض کرنے کا۔ ہاں کچھ شکوک و شبہات ہوں تو ان سے ہی جا کر پوچھ لو۔

(۸۵) جب کسی دینی مجلس میں بیٹھو تو استغفار پڑھ کر بیٹھا کرو تاکہ پاک صاف ہو جاؤ اور جب کبھی اچھی باتیں سنو تو کہیں جا کر انہیں دہرادیا کرو خصوصاً اپنے اہل وعیال کے سامنے ضرور ایسا کیا کرو اور دعا کرو کہ یا اللہ اس مجلس کی برکات ہم کو عطا فرمایئے اور اعمال صالح کی توفیق عطا کیجئے۔

(۸۶) ہمارے حضرتؒ نے فرمایا جس کے دل میں تقوی ہے اس کے اوپر کسی کا تسلط نہیں ہوتا نہ نفس کا نہ شیطان کا نہ باغیوں کا۔ یہ مومن کے قلب کے لئے ضروری ہے اور اگر ایسا تقوی حاصل نہیں تو عقلاً حاصل کرو پھر قلب کا تقوی بھی حاصل ہو جائیگا۔

(۸۷) یہ جو دعا ہے حضور اکرم ﷺ کی یا اللہ میرے آگے پیچھے نور دے، میرے اوپر نیچے نور دے، میرے دائیں بائیں اندر باہر نور دے، میرے گوشت، میری ہڈیوں میں نور دے کیا تم جانتے ہو کوئی دعا حضور ﷺ بغیر خدا کی رضا کے مانگتے تھے۔ پھر کیا وہ دعا صرف اپنے لئے تھی ارے یہ امتی امتی کہنے والے ﷺ کیا کیا سامان کر گئے ہیں اپنی غفلت زدہ امت کے لئے۔

بڑے بڑے بزرگان دین جو گھبراتے تھے وہ عاقبت سامنے محسوس کرتے تھے۔ تمام دنیا دھوکہ ہی دھوکہ ہے یہاں کی لذتیں فانی ہیں۔ آخرت کا سرمایہ یہی ہے کہ ایمان صحیح ہو اور اعمال ٹھیک ہوں پھر جانکنی کا خوف ہے نہ قبر کا نہ حشر کا کسی جگہ کھٹکا نہیں ہے۔ ایمان کو ٹھیک کر لو **اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهٗ** ﷺ۔

(۸۸) تم اپنی نماز کو سنت کے مطابق بنالو، ہیئت نبوی کے مطابق نماز ادا کرو جس طرح خشوع و خضوع کے ساتھ فرمایا ہے۔ ویسی ہی نماز ادا کرو اور اس میں

ہیئت نبوی ﷺ کی زیادہ اہمیت ہے۔ اللہ پاک ہر عمل میں اپنے محبوب ﷺ کی اتباع چاہتے ہیں۔ ظاہری صورت بھی ایک درجہ میں ہم سے ادا ہو گئی تو اللہ کا وعدہ ہے مقبول کرنے کا۔

(۸۹) ایک عظیم منصب آپ کو ایسا بتاتا ہوں کہ اس سے آپ کو کوئی معزول نہیں کر سکتا، کوئی اس پر حسد نہیں کر سکتا، کوئی اس کی راہ میں رکاوٹ نہیں ڈال سکتا، وہ منصب خدمت ہے، خادم بن جاؤ، ہر کام میں دوسروں کی خدمت کی نیت کر لو۔ ساری خرابیاں "مخدوم" بننے سے پیدا ہوتی ہیں، خادم بننے میں کوئی خرابی ہے نہ جھگڑا، یہ منصب سب سے اعلیٰ ہے، کیونکہ ہمارے اللہ میاں کو بندے کی عبدیت سب سے زیادہ محبوب ہے۔ سَيِّدُ الْقَوْمِ خَادِمُهُمْ، یہ منصب سب سے اعلیٰ بھی ہے، اور سب سے زیادہ محفوظ بھی۔

(۹۰) ناطق کے اس شعر کا استحضار کیا جائے تو یہ حب جاہ کا بہت آسان علاج ہے۔

سرد ہو جاتی ہے حُب جاہ دنیا جس کے بعد
اک ذرا سی بات اے دل کہ "پھر کیا اسکے بعد؟"

(۹۱) دل میں اللہ تعالیٰ کی محبت پیدا کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ

الف...... اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا دھیان کرو اور ان پر شکر ادا کرتے رہو۔

ب...... اہل محبت کی صحبت اختیار کرو اور انکی سوانح حیات، انکا کلام اور انکی کتابوں کا مطالعہ کرتے رہو۔

ج...... زندگی کے سب کاموں میں اتباع کا اہتمام کرو۔

پھر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی محبت کا مصرف یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرو اور مخلوق خدا سے محبت کرو۔

(۹۲) دین دراصل زاویہ نظر کی تبدیلی کا نام ہے۔ روزمرہ کے بیشتر کام اور مشاغل وہی باقی رہتے ہیں جو پہلے انجام دیئے جاتے تھے، لیکن دین کے اہتمام سے ان

کی انجام دہی کا زاویہ نگاہ بدل جاتا ہے' اور اس تبدیلی کے نتیجے میں سارے کام جنہیں ہم دنیا کے کام کہتے اور سمجھتے ہیں' عبادت اور جزو دین بن جاتے ہیں۔

(۹۳) الحمد للہ' میں نے غض بصر کی عادت ڈالنے کے لئے مدتوں یہ مشق کی ہے کہ کبھی کس مرد کو بھی نگاہ بھر کر نہیں دیکھا' دل میں تہیہ کر لیا تھا کہ مخاطب مرد ہو یا عورت' ہمیشہ نگاہ نیچی کر کے بات کریں گے' چنانچہ اس کی باقاعدہ مشق کی اور سالہا سال تک کبھی کسی سے نظر اٹھا کر بات نہیں کی' رفتہ رفتہ جب عادت پڑ گئی تو اب کبھی کبھی بات کرتے وقت مردوں کے سامنے نظر اٹھا لیتا ہوں' لیکن وہ بھی بہت کم۔

(۹۴) اپنی کوتاہیوں پر ضرور نظر کرنی چاہیے' مگر اس میں اتنا انہاک بھی نہیں ہونا چاہیے کہ اللہ تعالی نے جن امور صالحہ کی توفیق اور صلاحیت عطا فرمائی ان کا کفران نعمت ہونے لگے۔

(۹۵) تشنگی اور چیز ہے اور ناکارگی کا احساس اور چیز ہے' تشنگی اچھی چیز ہے' احساس ناکارگی خطرناک ہے' گناہوں کا ارتکاب خطرناک ہے۔ اعمال صالحہ میں کمی کا اور کوتاہی کا احساس پسندیدہ ہے۔ یہ احساس کہ بن نہیں پڑتا یہ تشنگی ہے' یہ تکمیل کی طلب ہے۔ تکمیل کسی کی نہیں ہوئی۔

(۹۶) علم کی صورت کتابوں سے ملتی ہے۔ علم کی حقیقت عمل سے ملتی ہے اور علم کی لذت بزرگان دین کی صحبت سے ملتی ہے۔ ظاہر بین خشک علماء جو بزرگوں کی صحبت سے استفادہ نہیں کرتے ان میں الا ماشاء اللہ یہ امراض عموماً پائے جاتے ہیں۔

الف...... تاویل کوشی (یعنی اپنی غلطی اور کوتاہی کا اعتراف نہ کرنا' اور اس کی تاویل کرنا)

ب...... جمود (یعنی حق پرستی کے بجائے اپنی رائے پر جمے رہنا۔)

ج...... خود بینی و خود رائی (یعنی اپنے کمالات پر ناز کرنا 'جو بات سمجھ میں آجائے اس پر مطمئن ہو جانا اور دوسروں کے مشورے کی پروانہ کرنا۔)

(۹۷) جب آدمی دنیا کے کسی سفر پر روانہ ہوتا ہے اور وہ منزل پر پہنچ گیا تو اس کا یہ سفر کامیاب سمجھا جاتا ہے 'نہ پہنچ سکا مثلاً کراچی سے پشاور کے لئے روانہ ہوا مگر راستہ ہی میں انتقال ہو گیا تو سمجھا جاتا ہے کہ سفر ادھورا رہ گیا۔ مگر صراط مستقیم ایسا عجیب راستہ ہے کہ اس پر آدمی کو جہاں بھی موت آجائے وہیں منزل ہے۔ اسی لئے سورۃ الفاتحہ میں صراط مستقیم کی دعا سکھائی گئی اور ہر نماز کی ہر رکعت میں اسے پڑھنے کا حکم دیا گیا ہے۔

"بر صراط مستقیم اے دل کسے گمراہ نیست"

(۹۸) انسان کو دھوکہ شیطان بھی دیتا ہے اور نفس بھی 'مگر دونوں کے طریقہ کار میں فرق ہے۔ شیطان کسی گناہ کی ترغیب اس طرح دیتا ہے کہ اس کی تاویل سمجھا جاتا ہے کہ یہ کام کر لو اس میں دنیا کا یا دین کا فلاں فائدہ اور فلاں مصلحت ہے۔ جب کسی گناہ کے لئے تاویل و مصلحت دل میں آئے تو سمجھ لو کہ یہ شیطان کا دھوکہ ہے۔ اور نفس گناہ کی ترغیب لذت کی بنیاد پر دیتا ہے 'کہتا ہے یہ گناہ کر لو بڑا مزا آئے گا۔ جب کسی گناہ کا خیال لذت حاصل کرنے کے لئے آئے تو سمجھ لو کہ یہ نفس کا دھوکہ ہے۔ شیخ کی ضرورت نفس و شیطان کے دھوکوں ہی سے بچنے کے لئے ہوتی ہے۔

(۹۹) بھائی ہر وقت نفس و شیطان کے پیچھے بھی نہ پڑے رہا کرو 'ایک لحاظ سے دیکھو تو یہ بھی ہمارے محسن ہیں 'ان کے وساوس نہ ہوتے تو ہمارے درجات میں کیسے ترقی ہوتی؟ دیکھو یہ ہمیں گناہوں کی رغبت دلاتے ہیں 'مگر ہم عزم کر کے گناہ سے بچ جاتے ہیں 'تو ترک گناہ کا ثواب ہمارے نامہ اعمال میں لکھ

دیا جاتا ہے اور اگر خدانخواستہ گناہ سرزد ہو ہی گیا تو ہم کو فوراً ندامت ہوتی ہے۔ توبہ واستغفار کرتے ہیں' اپنی عاجزی اور نالائقی کا احساس پیدا ہوتا ہے' تقویٰ و پرہیزگاری کا گھمنڈ ختم ہو جاتا ہے' دل میں شکستگی اور تواضع پیدا ہوتی ہے۔ یہی عبدیت ہے جو اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ پسند ہے۔ تو دیکھو نفس و شیطان تو ہمارے لئے بلندی درجات اور اللہ تعالیٰ کے قرب کا ذریعہ بن جاتے ہیں۔ بس شرط یہ ہے کہ آدمی ان کی حیلہ سازیوں سے غافل نہ رہے۔

(۱۰۰) اب دعا کرلو اور غور سے سنو کہ تم کو کرنا کیا ہے۔ دو رکعت نماز خشوع و خضوع سے ادا کرو پھر اپنے دل کو متوجہ کرو اور گڑگڑا کر اپنے مولا سے کہو:

اِیَّاكَ نَعْبُدُ وَاِیَّاكَ نَسْتَعِیْنُ اور کہو یااللہ! میں عاجز ہوں' میں مغلوب ہو گیا ہوں میں آپکے دربار میں حاضر ہوا ہوں آپ توبہ قبول کرنے والے ہیں یَا اَللّٰہُ یَا رَحْمٰنُ یَا رَحِیْمُ یَا حَیُّ یَا قَیُّوْمُ بِرَحْمَتِكَ اَسْتَغِیْثُ۔

یہ اسم اعظم ہے اس کو خوب پڑھو اور کہو یااللہ! جو کچھ میرے اوپر ہے میری شامت اعمال ہے۔ یااللہ! اتنا بوجھ مجھ پر نہ ڈالئے کہ اٹھائے نہ اٹھ سکے اور یا اللہ! یہ مناجات آپ ہی نے عطا فرمائی ہے اپنے بندوں کو ہلاکت سے بچانے کے لئے۔ یااللہ! آج دنیا جہنم کدہ بنی ہوئی ہے تمام تر نفسانی و شیطانی اعمال سے اور مجھ میں اتنی طاقت ایمانی نہیں۔ یااللہ! مجھے تو دعا کرنا بھی نہیں آتی یہ آپ ہی سکھا رہے ہیں۔ یااللہ! مجھے توبہ کرنی نہیں آتی۔ یااللہ! میں دل سے بھی نہیں کہہ رہا ہوں صرف زبان سے کہہ رہا ہوں۔ یااللہ! یہ گناہ مجھ سے نہ چھوٹیں گے۔ کچھ تو میں چھوڑ دوں گا اور بعض جو مجھ سے پھر بھی نہیں چھوٹیں گے۔ پھر میں ڈرتا ہوں ان کے عذاب سے اور گناہ پھر گناہ ہی ہیں میں تو قدرت نہیں رکھتا ان کو چھوڑنے کی۔ یااللہ! آپ خود ہی چھڑا دیجئے اپنی رحمت سے' اپنے فضل و کرم سے آپ بچا لیجئے۔

یا اللہ! ہماری حالت بڑی خراب ہے۔ ہم آپ کی رحمتوں سے محروم ہو گئے ہیں۔ شیطان ابلیس نے ہمارے نفس پر قبضہ کر رکھا ہے۔ ہم ذلیل و خوار ہو گئے ہیں' ہماری تمام بداعمالیاں معاف فرما دیجئے۔ ہم کو' ہمارے اہل و عیال کو' سارے عالم کے مسلمانوں کو معاف فرما دیجئے' ہم کو دنیا اور آخرت میں حیات طیبہ نصیب فرمایئے۔ ہماری عاقبت بخیر فرمایئے۔

اَللّٰهُمَّ اَجِرْنَا مِنَ النَّارِ .تَوَفَّنَا مُسْلِمًا وَ اَلْحِقْنَا بِالصَّالِحِيْنَ وَ صَلَّى اللّٰهُ عَلٰى خَيْرِ خَلْقِهٖ مُحَمَّدٍ وَ عَلٰى آلِهٖ وَ اَصْحَابِهٖ وَ بَارَكَ وَسَلَّمْ ۔

آمین ثم آمین۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ

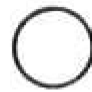
احکامِ میّت

اس کتاب میں مسلمان کے آخری لمحاتِ زندگی سے لے کر عالمِ برزخ تک تمام مراحل کے متعلق احادیثِ نبویہ اور فقہی مسائل نہایت تفصیل و تحقیق سے جمع کیے گئے ہیں۔

تالیف

حضرت مولانا ڈاکٹر محمد عبدالحی صاحب عارفی رحمہ اللہ

خلیفہ مجاز حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی



ادارۃ المعارف۔ کراچی ۱۴

هٰذَا بَصَآئِرُ لِلنَّاسِ
وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ ﴿٢٠﴾ (الجاثیہ)

بصائرِ حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ

حقیقتِ تصوّف و سلوک
و
ازالۂ اوہام و شکوک

حکیم الامت مجدد ملت محی السنت حضرت مولانا شاہ محمد اشرف علی تھانوی قدس سرہٗ کی تصانیف و تالیفات میں سے ایسے مجددانہ و مصلحانہ مضامین جن کا تعلق خصوصیت کے ساتھ تصوف و سلوک سے ہے اور جن کی تشریح و وضاحت کتاب و سنت کے قوی دلائل کے ساتھ کی گئی ہے اور جن میں تجدیدی و اصلاحی انفرادیت کی شان نمایاں ہے، منتخب و جمع کرکے اس کتاب میں خاص ربط و عنوانات کے ساتھ مرتب و مدوّن کیا گیا ہے۔

مرتب و مؤلف
حضرت عارف باللہ ڈاکٹر محمد عبدالحی عارفی قدس سرہٗ
خلیفہ مجاز حضرت حکیم الامت مولانا شاہ محمد اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہٗ العزیز

ادارۃ المعارف کراچی ۱۴